بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً

مجلس مرکزیہ انصار اللہ کا ماہ نامہ

الفرقان

جلد ۳ | ذوالحجہ ۱۳۷۲ھ و محرم الحرام ۱۳۷۳ھ مطابق اگست و ستمبر ۱۹۵۳ء | عدد ۸-۹

ایڈیٹر

ابو العطاء جالندھری

سالانہ چندہ: پانچ روپے صرف

فی پرچہ: آٹھ آنے

احمد نگر - ربوہ

ضلع جھنگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تین ضروری اعلان

کاغذ دینے والے

حکومت پاکستان نے محکمہ کنٹرولر نیوز پرنٹ کراچی اخبارات و رسالہ جات کی سہولت کیلئے قائم فرمایا ہے۔ خدا انہیں توفیق دے کہ عمدہ تقسیم سے حکومت کے استحکام کے ساتھ ساتھ عوام کی دعائیں بھی لے سکیں۔ آمین!

—— طابع و ناشر

الفرقان کا قرآن نمبر

قارئین مطلع رہیں کہ رسالہ الفرقان کا "قرآن نمبر" اللہ تعالیٰ کے فضل سے پوری آب و تاب سے اور جامع مضامین کے ساتھ ماہ دسمبر ۱۹۵۳ء میں شائع ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ۔ آپ اگر ابھی تک اپنا مضمون نہیں بھیج سکے تو اب بھیجدیں!

جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

—— ایڈیٹر

ڈاکخانہ ربوہ

رسالہ الفرقان اسی ڈاکخانہ کے ذریعے روانہ ہوتا ہے۔ اس ڈاکخانہ میں کام بہت زیادہ ہے عملہ مقابلۃً بہت کم ہے۔ ڈاکیہ کا حلقہ اتنا وسیع ہے کہ بعض دفعہ تیسرے دن چٹھی ملتی ہے جس سے عوام کا بہت حرج ہوتا ہے افسران توجہ فرمائیں!

—— مینجر

فہرست مضامین

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر (ربوہ) سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفرقان

جلد ۳ ۔ نمبر ۷، ۸ | ذوالحجہ ۱۳۷۲ھ و محرم الحرام ۱۳۷۳ھ | ماہ اگست و ستمبر ۱۹۵۳ء

شذرات

عبوری آئین

پاکستان کے دستور کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا۔ یوں تو یہ طے شدہ بات ہے کہ پاکستان کا دستور اسلامی دستور ہوگا، اس کی بنیاد قرآن مجید اور سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوگی مجلس دستور ساز نے قرار دادِ مقاصد کے ذریعہ اسکی پوری پوری وضاحت کر دی ہے مگر ابھی تک پاکستان کا تفصیلی دستور مرتب نہیں ہوا۔ اب وزیر اعظم پاکستان جناب مسٹر محمد علی صاحب نے تجویز پیش کی ہے کہ جن امور پر اہلِ ملک کا کامل اتفاق ہے اور اُن کے اسلامی آئین کا جزو ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ان امور پر مشتمل ایک عبوری آئین فوری طور پر منظور کر لیا جائے اور مجلس دستور ساز اسے باقاعدہ طور پر پاس کر دے۔ اختلافی امور کا بعد میں تصفیہ ہوتا رہے گا اور انہیں بھی جلد طے کرنیکی کوشش کی جائیگی۔

اس تجویز سے ظاہر ہے کہ دستور کی ترتیب وتدوین میں اہلِ ملک کے اختلافات ہی حائل ہیں۔ اسلئے فی الحال عبوری آئین کی منظوری ہو جانی چاہیئے کیونکہ سرے سے ملک کا دستور ہی نہ ہونا اس سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے جتنا کہ متفق علیہ جزوی آئین کے عبوری آئین قرار دینے سے نقصان کا احتمال سمجھا جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ اس بے ضرر بلکہ سراسر مفید تجویز پر بھی حزب اختلاف کے بعض ارکان جز بز ہو رہے ہیں، ان کی طرف سے مطالبہ ہو رہا ہے کہ آئینِ پاکستان جُمْلَةً وَّاحِدَةً پیش ہونا چاہیئے ورنہ پیش نہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں لاہور کے اخبار نوائے وقت نے یہاں تک شائع کر دیا ہے کہ حکومت پاکستان اس طرح چالاکی کر رہی ہے تاکہ اہلِ ملک کو پتہ نہ لگ سکے کہ کونسا آئین اسلامی ہے اور کونسا غیر اسلامی۔ ہمارے نزدیک یہ تو درست ہے کہ اگر پاکستان کا دستور ایک ہی مرتبہ مرتب شکل میں پیش ہوتا تو زیادہ بہتر تھا مگر حالات کی مجبوری سے جو صورت پیدا ہو رہی ہے اس میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ قسط وار آئین کا اسلامی یا غیر اسلامی ہونا زیادہ آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ملکی اور قومی اور جماعتی تربیت کے لحاظ سے تدریجی قوانین زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں، اسی حکمت کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں قرآن مجید کا تدریجی نزول فرمایا اور منکرین کے اس اعتراض کو غلط قرار دیا کہ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً (سورۃ فرقان) کہ "یہ قرآن یکدفعہ اکٹھا کیوں نازل نہیں کیا گیا؟"

اگر مجلس دستور ساز پاکستان کا متفق علیہ آئین اسلامی اصول پر منظور کرلے تو پاکستان کے لئے یہ [illegible] بابرکت اقدام ہے۔ اس طرح سے اختلاف نہ ہونے والے اختلاف کرنے والے تو شاید خاموش نہ ہو سکیں لیکن ملک میں تعمیری کام کرنے والی جماعتیں اس

اقدام کی پوری پوری تائید کرینگی۔ چونکہ حکومت کا یہ طریق اسلامی دستور کے نام پر عوام کو گمراہ کرنے کا دروازہ بند کر دیگا اور حکومت کی مشکلات سامنے آجائیں گی اسلئے طبعی طور پر ایسے گروہ اس موقع پر پیچ وتاب کھائیں گے جو اس نام سے عوام کی لیڈری حاصل کرنے کے درپے ہیں لیکن ایسے لوگوں کی خاطر ملک کی بہتری اور بہبودی کے کام کو معرض تعویق میں نہیں پڑنا چاہیئے۔

پاکستان میں اشاعت قرآن

پاکستان اسلامی ملک ہے اور کسی ملک کا صحیح معنوں میں اسلامی ملک ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ انہیں قرآن مجید کو کیا مقام حاصل ہے؟ اور اس میں قرآن و سُنت پر کہانتک عمل ہوتا ہے؟ علماءِ سلف سیاست کی دلدل میں پھنسنے اور حکومتی مناصب کے لئے تگ و دو میں مصروف رہنے کی بجائے عامۃ المسلمین کی تعلیم و تربیت کرنے میں اپنے اوقاتِ گرامی خرچ کرتے تھے اور قرآن مجید کی اشاعت اُن کا نصب العین ہوتا تھا آج بھی ضرورت ہے کہ پاکستان میں اہل علم و فضل اصحاب اپنے اصل فرض کو ادا کریں حکومت کا بھی فرض ہے کہ اپنے ذرائع سے اس ملک میں قرآن مجید کی اشاعت کا اہتمام کرے ظاہر ہے کہ جتنی جتنی قرآنی تعلیم عام ہوگی اتنا ہی جرائم کا ارتکاب کم ہوگا اور ملک میں امن و روحانیت کا دَور دَورہ ہوگا۔ اسی طریق سے صحیح اسلامی ملک معرضِ وجود میں آسکتا ہے اور پاکستان کے قیام کی علتِ غائی پوری ہوسکتی ہے۔ پس جہاں غیر ممالک میں اور غیر مسلموں میں اسلام اور قرآن کی اشاعت کی اشد ضرورت ہے وہاں پاکستان میں مسلمانوں کو قرآنی تعلیمات سے بہرہ ور کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اِس پہلو کو نظر انداز کرنے سے ہم اپنے ملک کو حقیقی اسلامی ملک نہیں بنا سکتے۔

عربی زبان سکھانے کے لئے!

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اسلئے اسے سمجھنے اور سیکھنے کیلئے عربی زبان کا جاننا بھی ضروری ہے۔ قرآن پاک کے ترجموں سے وہ بات پیدا نہیں ہوسکتی جو قرآن مجید کو سمجھ کر عربی زبان میں پڑھنے سے پیدا ہوسکتی ہے۔ عربی زبان کی وسعت اور اسکی فصاحت و بلاغت کے سامنے باقی زبانیں ماند ہیں اسلئے قرآن مجید کو جاننے کے لئے عربی زبان سیکھنی ضروری ہے۔

رسالہ الفرقان نے اپنے مقصد اشاعتِ قرآن کے پیش نظر ابتداء سے ہی یہ التزام کیا ہے کہ شائقین کے لئے عربی کے اسباق شائع کئے جائیں۔ یہ مفید سلسلہ جاری ہے۔ اور ہمارے قارئین کافی حد تک اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ اہلِ ذوق اور علم دوست اصحاب اِس سلسلہ کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ اخبار صدق لکھنؤ کے ایڈیٹر جناب مولانا عبدالماجد صاحب بی۔اے دریابادی اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ کا رسالہ الفرقان جولائی نمبر پیشِ نظر ہے۔ اس میں "عربی کے آسان اسباق" کا نمبر بہت خوب ہے۔ مبتدیوں کے حق میں نہایت مفید ہے۔"

یہ سلسلہ بہت جلد کتابی شکل میں بھی سامنے آنے والا ہے۔ انشاء اللہ +

تعلیم اللغۃ العربیۃ

عربی زبان کے متعلق آسان اسباق

آٹھواں سبق

(ذخیرۃ الالفاظ)

اَلنَّاسُ	اُعْبُدُوْا	فِرَاشٌ	بِنَاءٌ
لوگ	تم عبادت کرو	بچھونا	چھت
ثَمَرَةٌ	ثَمَرَاتٌ	نِدٌّ	اَنْدَادٌ
پھل	بہت سے پھل	شریک	بہت سے شریک
رَيْبٌ	نَزَّلَ	نَزَّلْنَا	وَقُوْدٌ
شک	اُس نے اُتارا	ہم نے اُتارا	ایندھن
حَجَرٌ	حِجَارَةٌ	بَشَّرَ	بَشِّرْهُمْ
پتھر	بہت سے پتھر	اُس نے خوشخبری دی	اُنکو خوشخبری دے
بَعُوْضَةٌ	مُفْسِدُوْنَ	يُفْسِدُوْنَ	يَنْقُضُوْنَ
مچھر	فساد کرنے والے	فساد کرتے ہیں	توڑتے ہیں

عربی میں ترجمہ کریں:-

(۱) اللہ نے کتاب اُتاری (۲) لوگ آگئے ہیں (۳) یہ پھل کون کھائے گا (۴) یہ اس آگ کا ایندھن ہے (۵) کیا تم اس کتاب کے متعلق شک میں ہو (۶) زید پتھروں پر بیٹھا (۷) میں نے ایک پتھر اٹھایا (۸) ان کو خوشخبری دے کہ وہ کامیاب ہوگئے (۹) یہ تمہارا شریک ہے (۱۰) زید فسادی ہے (۱۱) اُس مچھر نے مجھے بہت دُکھ دیا (۱۲) یہ لوگ زمین میں فساد کرتے ہیں (۱۳) اپنے عہد کو مت توڑ (۱۴) یہ میرا بچھونا ہے (۱۵) اللہ نے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا ہے (۱۶) ہم نے پانی اتارا ہے (۱۷) زید اپنے رب کی عبادت کرتا ہے (۱۸) کل صبح میں باغ میں گیا (۱۹) یہ پتھر بوجھل ہیں۔ (۲۰) مجھے قرآن مجید میں کوئی شک نہیں +

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب لکھیں:-

(۱) کلمہ کی کتنی قسمیں ہیں (۲) حرف اور اسم میں کیا فرق ہے (۳) فعل کی تین مثالیں پیش کریں (۴) زَيْدٌ اور ضَرَبَ کلمہ کی کونسی کونسی قسم ہیں (۵) اسم کے آخری حرف پر کون کون سی حرکت آسکتی ہے (۶) رفع اور جر میں کیا فرق ہے (۷) اعراب کسے کہتے ہیں (۸) اسم پر کون کون سے اعراب آسکتے ہیں (۹) حرف کسے کہتے ہیں (۱۰) فعل کی کونسی تین قسمیں ہیں؟

ان عربی جملوں کا اُردو میں ترجمہ کریں:-

(۱) هُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ رَبَّهُمْ (۲) هٰذِهٖ ثَمَرَةُ بُسْتَانِيْ (۳) لَا يَجْعَلُ زَيْدٌ لِلّٰهِ نِدًّا (۴) اَنَا اُبَشِّرُكَ بِالْجَنَّةِ (۵) هُمْ لَا يَنْقُضُوْنَ عُهُوْدَهُمْ اَبَدًا۔ (۶) هٰذَا وَقُوْدُ النَّارِ (۷) قَرَصَتْهُ بَعُوْضَةٌ (۸) بِنَاءُ هٰذَا الْبَيْتِ مَتِيْنٌ (۹) اِنَّ قَلْبِيْ لَا يَرْتَابُ فِي الْحَقِّ (۱۰) لَا تَأْكُلْ مِنْ ثَمَرَةِ غَيْرِكَ +

نواں سبق

(ذخیرۃ الالفاظ)

اَرَادَ	اَرَدْتُ	يُضِلُّ	
اُس نے ارادہ کیا	میں نے ارادہ کیا	گمراہ قرار دیتا ہے یا کرتا ہے	
اَضَلَّ	قَطَعَ	يَقْطَعُوْنَ	يَأْمُرُ
اُس نے گمراہ کیا	اُس نے کاٹا	وہ کاٹتے ہیں	حکم دیتا ہے

أَمَرَ	خَلَقَ	جَمِيعاً	عَلِيمٌ
اس نے حکم دیا	اس نے پیدا کیا	سب کا سب	جاننے والا
سَوَّاهُنَّ	خَلِيفَةٌ	قَالَ	قُلْتُ
اس نے ان کو درست کیا	جانشین	اس نے کہا	میں نے کہا
أَقُولُ	سَفَكَ	يَسْفِكُونَ	
میں کہتا ہوں	اس نے بہایا	وہ بہاتے ہیں	
مَلَكٌ	دِمَاءٌ		
فرشتہ	خون		

عربی میں ترجمہ کریں :-

(۱) میں نے تجھے حکم دیا (۲) تو نے مجھے حکم دیا (۳) زید بکر کو حکم دے رہا ہے (۴) تو زمین میں کس کو خلیفہ بنائیگا (۵) میں کہہ چکا ہوں کہ وہ پاس ہے (۶) اس نے کہا کہ وہ بیمار ہے۔ (۷) یہ آدمی فرشتہ ہے (۸) خلیفہ لوگوں کو نماز کا حکم دیتا ہے۔ (۹) وہ اپنے ساتھیوں کے خون بہاتے ہیں (۱۰) میں نے اس کا خون نہیں گرایا (۱۱) اللہ ہی سب چیزیں پیدا کرتا ہے (۱۲) اللہ نے ارادہ فرمایا کہ آسمان پیدا کرے (۱۳) کیا آپ نے جانے کا ارادہ کر لیا ہے؟ (۱۴) اللہ تعالیٰ سینوں کی باتیں جاننے والا ہے۔ (۱۵) اللہ نے سب آسمان درست کئے ہیں (۱۶) میں نے یہ مکان ٹھیک ٹھاک کیا ہے (۱۷) شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے (۱۸) اللہ فاسق کو گمراہ قرار دیتا ہے (۱۹) جن سے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اُن سے نہ توڑ (۲۰) وہ اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہیں۔

اُردو میں ترجمہ کریں :-

إِنَّ رَبِّي عَلِيمٌ - خَلَقَ اللهُ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ - مَنْ سَوَّى هٰذِهِ السَّمٰوَاتِ - لَا أَقْطَعُ مَنْ وَصَلَنِي - أَلَا تَسْفِكُ دَمَ أَخِيكَ - كُنْ مَلَكاً كَرِيماً - إِنَّ آدَمَ كَانَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ - أَمَرَنِي الْأُسْتَاذُ بِحِفْظِ الدَّرْسِ - إِرَادَتِي تَابِعَةٌ لِإِرَادَتِكَ يَا سَيِّدِي - أَضَلَّ إِبْلِيسُ خَلْقاً كَثِيراً - الْمَلَائِكَةُ يَأْتَمِرُونَ بِأَمْرِ اللهِ -

سوالات

(۱) جملہ اسمیہ کسے کہتے ہیں (۲) نصب کسے کہتے ہیں۔ (۳) مَلَكٌ کی جمع کیا ہے (۴) سَمٰوَات کا مفرد کیا ہے۔ (۵) ذَهَبَ کو متعدی کس طرح بناتے ہیں؟

نوٹ ۱ - مندرجہ بالا عربی فقروں میں سے اسم فعل اور حرف پر علیحدہ علیحدہ نشان لگائیں۔

نوٹ ۲ - مندرجہ بالا فقرات میں سے جمع اور مفرد اسماء الگ الگ لکھیں۔

یادداشت

اُردو سے عربی زبان میں ترجمہ کرنے کا اصل اور عام طریق یہ ہے کہ پہلے اُردو کے جملہ میں فعل پر نشان کر لیا جائے اور اس کے مقابل عربی لفظ پہلے لکھ لیا جائے (کیونکہ عموماً عربی جملے میں فعل پہلے آتا ہے) پھر اُردو جملہ میں سے فاعل تلاش کیا جائے اور اسے عربی جملہ میں فعل کے بعد رکھا جائے - اور اگر اُردو جملہ میں مفعول بہ بھی ہو تو اُسے عربی جملہ میں حتی العموم فاعل کے بعد رکھا جاتا ہے۔ اس طرح فعل، فاعل یا فعل، فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ بن جاتا ہے +

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا!

حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کی

شان میں بے مثال عربی قصیدہ

ملنے کا پتہ

مکتبۃ الفرقان احمد نگر ضلع جھنگ

از قلم حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

نوٹ:- یہ قصیدہ شائقین کے لئے علیحدہ بھی شائع کیا گیا ہے دو پیسے فی نسخہ کے لحاظ سے طلب فرما سکتے ہیں!

طابع و ناشر:- ابو العطاء جالندھری مقام اشاعت:- دفتر الفرقان احمد نگر مطبوعہ:- خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم

کے

فیوض و برکات کے ذکر پر مشتمل بے مثال عربی قصیدہ!

ذیل کا عربی قصیدہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اپنے آقا و مطاع سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں تحریر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس ذات بابرکات کو محمدؐ (بے انتہاء تعریف کیا گیا) قرار دیا ہے اسکی تعریف کبھی ختم نہیں ہوسکتی لیکن جس لطیف رنگ اور حسین و الہامانہ انداز میں یہ تعریف ذیل کے قصیدہ میں بیان کی گئی ہے وہ اپنی جگہ پر بے نظیر اور بے مثال ہے۔ یہ قصیدہ پہلے کتاب آئینہ کمالات اسلام مطبوعہ ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا ہے ——— (ابو العطاء)

القصیدۃ

هٰذه القصيدة انيقة رشيقة مملوّة من اللطائف الادبيّة والفرائد العربيّة - فى مدح سيّدى وسيّد الثقلين خاتم النبيين محمّد ن الّذى وصفه الله فى الكتب المبين - اللّٰهم صلّ وسلّم عليه الى يوم الدّين - وليست هٰذه من قريحتى الجامدة - وفطنتى الخامدة - وما كانت رويتى الناضبة ينبوع هٰذه المضمار - ومنبع تلك الاسرار - بل كلّما قلت من ربّى الّذى هو قريبى - ومؤيّدى الّذى هو معى فى كلّ حينى - الّذى يطعمنى ويسقينى - واذا ضللت فهو يهدينى - واذا مرضت فهو يشفينى - ماكسبت شيئًا من ملح الادب ونوادره - ولكن جعلنى الله غالبًا على قادره - وهٰذه اٰية من ربّى لقوم يعلمون - وانّى اظهرتها وبيّنتها لعلّى اجزى جزاء الشاكرين ولا الحق بالذين لا يشكرون

يَا عَيْنَ فَيْضِ اللهِ وَالْعِرْفَانِ — يَسْعٰى اِلَيْكَ الْخَلْقُ كَالظَّمْاٰنِ

اے خدا کے فیض اور عرفان کے چشمے — لوگ تیری طرف پیاسوں کی طرح دوڑے آتے ہیں

يَا بَحْرَ فَضْلِ الْمُنْعِمِ الْمَنَّانِ — تَهْوِىْ اِلَيْكَ الزُّمَرُ بِالْكِيْزَانِ

اے منعم منّان کے فضل کے دریا — لوگ کوزے لئے تیری طرف لپکے آ رہے ہیں

یَا شَمْسَ مُلْکِ الْحُسْنِ وَالْاِحْسَانِ
اے حسن و احسان کے ملک کے آفتاب
نَوَّرْتَ وَجْہَ الْبَرِّ وَالْعُمْرَانِ
تو نے ویرانوں اور آبادیوں کے منہ روشن کر دیئے

قَوْمٌ رَاَوْکَ وَاُمَّۃٌ قَدْ اُخْبِرَتْ
ایک قوم نے تجھے آنکھ سے دیکھا اور ایک قوم نے
مِنْ ذٰلِکَ الْبَدْرِ الَّذِیْ اَصْبَانِیْ
اس بدر کی خبر ہی سنیں جس نے مجھے اپنا دیوانہ بنایا ہے

یَبْکُوْنَ مِنْ ذِکْرِ الْجَمَالِ صَبَابَۃً
آپ کے جمال کو یاد کر کے مارے شوق کے روتے ہیں
وَتَاَلُّمًا مِّنْ لَّوْعَۃِ الْھِجْرَانِ
اور جدائی کی جلن سے دکھ اٹھا کر چلاتے ہیں

وَاَرَی الْقُلُوْبَ لَدَی الْحَنَاجِرِ کُرْبَۃً
اور میں دیکھتا ہوں کہ دل بے قراری سے گلے تک آ گئے ہیں
وَاَرَی الْغُرُوْبَ تُسِیْلُھَا الْعَیْنَانِ
اور میں دیکھتا ہوں کہ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں

یَا مَنْ غَدَا فِیْ نُوْرِہٖ وَضِیَائِہٖ
اے وہ جو اپنے نور اور روشنی میں
کَالنَّیِّرَیْنِ وَنَوَّرَ الْمَلَوَانِ
آفتاب و ماہتاب کی مانند ہے اور جس نے رات اور دن کو روشن کر دیا

یَا بَدْرَنَا یَا اٰیَۃَ الرَّحْمٰنِ
اے ہمارے بدر اے رحمٰن کے نشان
اَھْدَی الْھُدَاۃِ وَاَشْجَعَ الشُّجْعَانِ
ہادیوں کے ہادی اور شجاعوں کے شجاع

اِنِّیْ اَرٰی فِیْ وَجْھِکَ الْمُتَھَلِّلِ
میں تیرے درخشاں چہرہ میں ایک نشان دیکھتا ہوں
شَاْنًا یَّفُوْقُ شَمَائِلَ الْاِنْسَانِ
جو انسانی شمائل سے بڑھ کر ہے

وَقَدِ اقْتَفَاکَ اُولُو النُّھٰی وَبِصِدْقِھِمْ
دانشمندوں نے تیری پیروی کی اور اپنے صدق سے
وَدَعُوْا تَذَکُّرَ مَعْھَدِ الْاَوْطَانِ
مالوف وطنوں کی یاد بھی ترک کر دی

قَدْ اٰثَرُوْکَ وَفَارَقُوْا اَحْبَابَھُمْ
تجھے مقدم کیا اور اپنے دوستوں کو چھوڑ دیا
وَتَبَاعَدُوْا مِنْ حَلْقَۃِ الْاِخْوَانِ
اور بھائیوں کے حلقہ سے دور ہو گئے

قَدْ وَدَّعُوْا اَھْوَائَھُمْ وَنُفُوْسَھُمْ
اپنی خواہشوں اور نفسوں کو چھوڑ دیا
وَتَبَرَّؤُا مِنْ کُلِّ نَشْبٍ فَانٍ
اور سب طرح کے فانی مالوں سے بیزار ہو گئے

ظَھَرَتْ عَلَیْھِمْ بَیِّنَاتُ رَسُوْلِھِمْ
رسول کریم کی کھلی دلیلیں ان پر ظاہر ہوئیں اسلئے ان کی
فَتَمَزَّقَ الْاَھْوَاءُ کَالْاَوْثَانِ
نفسانی خواہشیں بتوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں

فِیْ وَقْتِ تَرْوِیْقِ اللَّیَالِیْ نُوِّرُوْا
وہ راتوں کی تاریکی کے وقت منور ہوئے
وَاللّٰہُ نَجَّاھُمْ مِنَ الطُّوْفَانِ
اور خدا نے ان کو طوفان سے بچا لیا

قد ہاضهم ظلم الأناس وضيمهم
فتثبتوا بعناية المنان

لوگوں کے ظلم وستم نے ان کو چور چور کر دیا
مگر وہ خدائے منان کی مہربانی سے ثابت قدم رہے

نهب اللئام نشوبهم وعقارهم
فتهللوا بجواهر الفرقان

اوباشوں نے ان کے مال اور مکان لوٹ لیے
مگر انکے عوض فرقان کے موتی پا کر انکے چہرے چمک اُٹھے

كسحوا بيوت نفوسهم وتبادروا
لتمتع الإيقان والإيمان

اپنے نفسوں کے گھروں کو خوب صاف کیا اور
یقین اور ایمان کی دولت لینے کو آگے بڑھے

قاموا بإقدام الرسول بغزوهم
كالعاشق المشغوف في الميدان

رسول کریمؐ کی حملہ آوری کے ساتھ میدان میں
لڑائیوں پر یوں ڈٹ گئے جیسے کوئی عاشق شیدا ہوتا ہے

فدم الرجال بصدقهم في حبهم
تحت السيوف أريق كالقربان

سو ان پہلوانوں کا خون محبت کی راہ میں ثابت قدمی
کی وجہ سے تلواروں کے نیچے قربانیوں کی طرح بہایا گیا

جاؤك منهوبين كالعريان
فسترتهم بملاحف الإيمان

وہ تیرے حضور لوٹے ہوئے اور ننگے آئے
سو تو نے ایمان کی چادریں ان کو پہنا دیں

صادفتهم قوما كروث ذلة
فجعلتهم كسبيكة العقيان

تو نے گوبر کی طرح ان کو ذلیل قوم پایا
پھر ان کو سونے کی ڈلی کی طرح بنا دیا

حتى انثنى بر كمثل حديقة
عذب الموارد مثمر الأغصان

یہاں تک کہ عرب کا خشک جنگل اُس باغ کی مانند ہو گیا
جسکے چشمے شیریں اور درختوں کی شاخیں پھلدار ہوتی ہیں

عادت بلاد العرب نحو نضارة
بعد الوجى والمحل والخسران

عرب کی سرزمین ویرانی اور خشکی
اور تباہی کے بعد سرسبز ہو گئی

كان الحجاز مغازل الغزلان
فجعلتهم فانين في الرحمان

حجاز کے لوگ عورتوں سے عشق بازی کے عادی تھے
مگر تو نے ان کو رحمان میں فانی بنا دیا

شيئان كان القوم عميا فيهما
حسو العقار وكثرة النسوان

دو باتیں تھیں جن میں وہ اندھے ہو رہے تھے
شراب کا پینا اور عورتوں کی کثرت

أما النساء فحرمت إنكاحها
زوجا له التحريم في القرآن

عورتوں کی نسبت یوں فیصلہ ہوا کہ ان خاوندوں سے
اُن کا نکاح حرام کر دیا گیا جن کی حرمت قرآن میں آگئی

وَجَعَلْتَ دَسْكَرَةَ الْمُدَامِ مُخَرَّبًا
تُو نے شراب کے کارخانے ویران کردیے

وَأَزَلْتَ حَانَتَهَا مِنَ الْبُلْدَانِ
اور اس کی دکانیں شہروں سے دُور کر دیں

كَمْ شَارِبٍ بِالرَّشْفِ دَنًّا طَافِحًا
بہتیرے جو خم کے خم مے پی جاتے تھے

نَجَّيْتَهُ فِي الدِّيْنِ كَالنَّشْوَانِ
تو نے اُن کو دین میں متوالے کر دیا

كَمْ مُحْدِثٍ مُسْتَنْطِقِ الْعِيْدَانِ
بہتیرے بدعتی سارنگیوں سے باتیں کرنے والے

قَدْ صَارَ مِنْكَ مُحَدَّثَ الرَّحْمَانِ
تیرے طفیل سے رحمان کے ہمکلام ہو گئے

كَمْ مُسْتَهَامٍ لِلرَّشُوْفِ تَعَشُّقًا
بہتیرے جو خوشبو دہن عورتوں کے عشق میں سرگرداں تھے

فَجَذَبْتَهُ جَذْبًا إِلَى الْفُرْقَانِ
تُو نے انہیں فرقان کی طرف کھینچ لیا

أَحْيَيْتَ أَمْوَاتَ الْقُرُوْنِ بِجَلْوَةٍ
تُو نے صدیوں کے مُردوں کو ایک جلوہ سے زندہ کردیا

مَاذَا يُمَاثِلُكَ بِهٰذَا الشَّانِ
کون ہے جو اِس شان میں تیرا نظیر ہو سکے

تَرَكُوا الْغَبُوْقَ وَبَدَّلُوا مِنْ ذَوْقِهِ
انہوں نے شام کی شراب چھوڑ دی اور اسکی لذت کی بجائے

ذَوْقَ الدُّعَاءِ بِلَيْلَةِ الْأَحْزَانِ
غم کی راتوں میں دُعا کی لذت اختیار کر لی

كَانُوا بِرَنَّاتِ الْمَثَانِيْ قَبْلَهَا
اس سے پہلے وہ تاروں کی سُروں کی محبت

قَدْ أُحْصِرُوْا فِيْ شُحِّهَا كَالْعَانِيْ
میں قیدیوں کی طرح گرفتار تھے

قَدْ كَانَ مَرْتَعُهُمْ أَغَانِيْ دَائِمًا
ہمیشہ ان کی فرحت و خوشی کا میدان راگ رنگ تھا

طَوْرًا بِغِيْدٍ تَارَةً بِدِنَانِ
کبھی نازک اندام عورتوں کے اسیر کبھی خم مے کے گرفتار

مَا كَانَ فِكْرٌ غَيْرَ فِكْرِ غَوَانِيْ
عورتوں سے دلبستگی کے سوا اور کچھ فکر ہی نہ تھی

أَوْ شُرْبِ رَاحٍ أَوْ خَيَالِ جِفَانِ
یا شراب نوشی تھی یا کاسہائے شراب کا تصور تھا

كَانُوْا كَمَشْغُوْفِ الْفَسَادِ بِجَهْلِهِمْ
بے وقوفی سے فساد کے شیفتہ تھے

رَاضِيْنَ بِالْأَوْسَاخِ وَالْأَدْرَانِ
مَیل کچیل اور ناپاکی پر خوش تھے

عَيْبَانِ كَانَ شِعَارُهُمْ مِنْ جَهْلِهِمْ
جہالت سے دو عیب تو ان کے لازم حال تھے

حُمْقُ الْحِمَارِ وَوَثْبَةُ السِّرْحَانِ
اَڑ گدھے کی اور حملہ بھیڑیے کا

فَطَلَعْتَ يَا شَمْسَ الْهُدٰى نُصْحًا لَهُمْ
لِتُضِيْئَهُمْ مِنْ وَجْهِكَ النُّوْرَانِيْ

اتنے میں اے آفتاب ہدایت انکی خیر خواہی کیلئے تو نے
طلوع کیا کہ اپنے نورانی چہرہ سے انہیں منور کرے۔

أُرسلتَ من ربٍّ كريمٍ محسنٍ ... في الفتنةِ الصمّاءِ والطغيانِ

تو خوفناک فتنے اور طغیان کے وقت ... خداوند کریم کی طرف سے بھیجا گیا

يا للفتى ما حُسنُه وجمالُه ... ريّاه يُصبي القلبَ كالريحانِ

واہ کیا ہی خوش شکل اور خوبصورت جوان ہے ... جس کی خوشبو دل کو ریحان کی طرح شیفتہ کر لیتی ہے

وجهُ المهيمنِ ظاهرٌ في وجهه ... وشئونُه لمعتْ بهذا الشانِ

اس کے چہرہ سے خدا کا چہرہ نظر آتا ہے ... اور اس کی شان میں خدا کی شان نمایاں

فلِذا يُحَبُّ ويستحقُّ جمالُه ... شغفًا به من زُمرةِ الأخدانِ

اسی لئے تو وہ زیادہ محبوب ہے اور اس کا جمال لائق ہے کہ تمام ... دوستوں کو چھوڑ کر اسی کے جمال سے وابستگی پیدا کی جائے

سُمُحٌ كريمٌ باذلٌ خِلُّ التُّقى ... خِرقٌ وفاقَ طوائفَ الفتيانِ

خوش خو کریم سخی صاحب تقوٰے ... کریم الطبع اور تمام جوانوں پر فائق

فاقَ الورى بكمالِه وجمالِه ... وجلالِه وجنانِه الريّانِ

اپنے کمال اور جمال اور جلال اور تازہ دل کے ... سبب سے تمام مخلوق سے بڑھا ہوا ہے

لا شكَّ أنّ محمدًا خيرُ الورى ... رَيقُ الكرامِ ونخبةُ الأعيانِ

بے شک محمد صلے اللہ علیہ وسلم خیر الورٰے ... برگزیدہ کرام اور چیدہ اعیان ہیں

تمّتْ عليه صفاتُ كلِّ مزيّةٍ ... خُتمتْ به نعماءُ كلِّ زمانِ

ہر قسم کی فضیلت کی صفتیں آپ میں کامل ہیں ... اور ہر زمانہ کی نعمتیں آپ کی ذات پر ختم ہیں

واللهِ إنّ محمدًا كرِدافةٍ ... وبه الوصولُ بسُدّةِ السلطانِ

اللہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم وزیر ہیں ... آپ ہی کے ذریعہ دربار سلطانی میں رسائی ہو سکتی ہے

هو فخرُ كلِّ مطهَّرٍ ومقدَّسٍ ... وبه يُباهي العسكرُ الروحاني

آپ ہر مطہر اور مقدس کا فخر ہیں ... اور روحانی لشکر کو آپ ہی کے وجود پر ناز ہے

هو خيرُ كلِّ مقرَّبٍ متقدِّمٍ ... والفضلُ بالخيراتِ لا بزمانِ

آپ ہر پہلے مقرب سے افضل ہیں ... اور فضیلت کارہائے خیر پر موقوف ہے نہ زمانہ پر

والطلُّ قد يبدو أمامَ الوابلِ ... فالطلُّ طلٌّ ليس كالتهتانِ

چنانچہ ہلکا مینہ ہمیشہ موسلا دھار بارش سے پہلے ہوتا ہے

لیکن ہلکے مینہ اور جھڑی میں بڑا فرق ہوتا ہے

بَطَلٌ وَحِيْدٌ لَا تَطِيْشُ سِهَامُهُ
آپ یگانہ پہلوان ہیں آپ کے تیر کبھی خطا نہیں کرتے
ذُوْ مُصْمِيَاتٍ مُوْبِقُ الشَّيْطَانِ
آپ نشانہ رس تیروں کے مالک شیطان کے ہلاک کنندہ ہیں

هُوَ جَنَّةٌ إِنِّيْ أَرَى أَثْمَارَهُ
آپ باغ ہیں میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے پھل
وَقُطُوْفُهُ قَدْ ذُلِّلَتْ لِجَنَانِيْ
اور خوشے میرے دل کے قریب ہیں

أَلْفَيْتُهُ بَحْرَ الْحَقَائِقِ وَالْهُدَى
میں نے آپ کو حقائق اور ہدایت کا دریا پایا
وَرَأَيْتُهُ كَالدُّرِّ فِي اللَّمَعَانِ
اور چمک دمک میں آپ کو موتی دیکھا

قَدْ مَاتَ عِيْسَى مُطْرِقًا وَنَبِيُّنَا
عیسیٰؑ چپ چاپ گذر گئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
حَيٌّ وَرَبِّيْ إِنَّهُ وَافَانِيْ
زندہ ہیں اور بخدا وہ مجھ سے ملے بھی ہیں

وَاللّٰهِ إِنِّيْ قَدْ رَأَيْتُ جَمَالَهُ
قسم بخدا میں نے آپ کا جمال
بِعُيُوْنِ جِسْمِيْ قَاعِدًا بِمَكَانِيْ
دیدۂ سر سے اپنے مکان میں بیٹھے دیکھا

هَا إِنْ تَظَنَّيْتَ ابْنَ مَرْيَمَ عَائِشًا
دیکھو اگر تم ابن مریمؑ کو زندہ سمجھتے ہو
فَعَلَيْكَ إِثْبَاتًا مِّنَ الْبُرْهَانِ
تو دلیل سے ثبوت پیش کرنا تمہارا فرض ہے

أَفَأَنْتَ لَاقَيْتَ الْمَسِيْحَ بِيَقْظَةٍ
تم کہیں بیداری میں مسیح سے ملے ہو؟
أَوْ جَاءَكَ الْأَنْبَاءُ مِنْ يَقْظَانِ
یا کسی جیتے جاگتے نے تمہیں خبر دی ہے کہ وہ زندہ ہے؟

أُنْظُرْ إِلَى الْقُرْآنِ كَيْفَ يُبَيِّنُ
قرآن کو دیکھو کہ وہ کیسی صاف موت بیان کرتا ہے
أَفَأَنْتَ تُعْرِضُ عَنْ هُدَى الرَّحْمَانِ
کیا تم رحمان کی ہدایت سے منہ پھیرتے ہو

فَاعْلَمْ بِأَنَّ الْعَيْشَ لَيْسَ بِثَابِتٍ
جان لو کہ زندگی ثابت نہیں!
بَلْ مَاتَ عِيْسَى مِثْلَ عَبْدٍ فَانِ
بلکہ عیسیٰؑ ایک فانی بندہ کی طرح مر گئے

وَنَبِيُّنَا حَيٌّ وَإِنِّيْ شَاهِدٌ
اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں میں گواہ ہوں
وَقَدِ اقْتَطَفْتُ قَطَائِفَ اللُّقْيَانِ
اور میں آپ کی ملاقات کے ثمرات سے بہرہ مند ہوا ہوں

وَرَأَيْتُ فِيْ رَيْعَانِ عُمْرِيْ وَجْهَهُ
میں نے آغاز جوانی میں آپ کا منہ دیکھا
ثُمَّ النَّبِيُّ بِيَقْظَتِيْ لَاقَانِيْ
پھر آنحضرتؐ بیداری میں مجھ سے ملتے رہے

إِنِّيْ لَقَدْ أُحْيِيْتُ مِنْ إِحْيَائِهِ
وَاهًا لِإِعْجَازٍ فَمَا أَحْيَانِيْ
میں آپ کے زندہ کرنے سے زندہ کیا گیا ہوں!
سبحان اللہ کیا ہی اعجاز ہے اور میں بھی کیا ہی خوب زندہ ہوں

يَارَبِّ صَلِّ عَلٰى نَبِيِّكَ دَائِمًا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا وَبَعْثٍ ثَانِ

اے رب اپنے نبی پر ہمیشہ صلوٰۃ بھیج اس دنیا میں بھی اور دوسرے عالم میں بھی

يَا سَيِّدِيْ قَدْ جِئْتُ بَابَكَ لَاهِفًا وَالْقَوْمُ بِالْإِكْفَارِ قَدْ آذَانِيْ

میرے آقا میں سخت افسوس سے تیرے دروازہ پر حاضر ہوا ہوں قوم نے مجھے کافر کہہ کر سخت ستایا ہے

يَفْرِيْ سِهَامُكَ قَلْبَ كُلِّ مُحَارِبٍ وَيَشُجُّ عَزْمُكَ هَامَةَ الثُّعْبَانِ

تیرے تیر ہر جنگجو کے دل کو چھیدتے ہیں اور تیرا عزم اژدہاؤں کے سر کو کچل ڈالتا ہے

لِلّٰهِ دَرُّكَ يَا إِمَامَ الْعَالَمِ أَنْتَ السَّبُوْقُ وَسَيِّدُ الشُّجْعَانِ

آفرین تجھ پر اے امام عالم تو سب سے بڑھا ہوا اور شجاعوں کا سردار ہے

اُنْظُرْ إِلَيَّ بِرَحْمَةٍ وَتَحَنُّنٍ يَا سَيِّدِيْ أَنَا أَحْقَرُ الْغِلْمَانِ

مجھ پر رحم اور محبت کی نظر کر اے میرے آقا میں تیرا ایک ناچیز غلام ہوں

يَا حِبِّ إِنَّكَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّةً فِيْ مُهْجَتِيْ وَمَدَارِكِيْ وَجَنَانِيْ

اے پیارے تیری محبت میری جان اور سر اور دماغ میں رچ گئی ہے

مِنْ ذِكْرِ وَجْهِكَ يَا حَدِيْقَةَ بَهْجَتِيْ لَمْ أَخْلُ فِيْ لَحْظٍ وَلَا فِيْ آنِ

تیرے منہ کی یاد سے اے میرے خوشی کے باغ میں کبھی ایک لحظہ بھی فارغ نہیں رہتا

جِسْمِيْ يَطِيْرُ إِلَيْكَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا

میرا جسم شوقِ غالب کے سبب سے تیری

يَا لَيْتَ كَانَتْ قُوَّةُ الطَّيَرَانِ

طرف اُڑا جاتا ہے کاش مجھ میں اُڑنے کی طاقت ہوتی

قرآن مجید کی وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ

(۴)

(از قلم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ ربوہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ ویرانوں میں سے گزرے گا اور ان سے کہے گا کہ اپنے خزانے نکال تو وہ نکالیں گے۔ آسمان سے کہیگا کہ برس اور وہ برسے گا جس سے بنجر زمین سرسبز و شاداب ہو جائے گی۔ ہواؤں پر بھی اُسے تسلط ہوگا۔ اس کے پاس سامانِ خورد و نوش کی بہتات ہوگی جو قوم اس کا کہا مانے گی وہ خوشحال اور جو نہ مانے گی وہ قحط زدہ ہو جائے گی۔ وہ زمین میں فتنہ و فساد مچائے گا۔ لوگوں کے مذہبی عقائد کو بگاڑے گا۔ وہ مُردوں کو زندہ کر دکھائیگا[1]۔ اور لوگوں سے کہیگا خدا کوئی نہیں بلکہ اپنی خدائی قدرت اُن سے منوائے گا۔

اِن بیان کردہ اوصاف میں سے ایک ایک وصف عیسائی اقوام پر راس بیٹھتا ہے اور دیکھنے والے کو دجال کی شخصیت متعین کرنے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ سورۂ کہف

---

[1] ٹھیک اس وقت جبکہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں اخبار الفضل مورخہ ۲/۵۸ مجھے ملا تو اچانک میری نظر شکاگو کی ایک خبر پر پڑی جو ریڈیو پاکستان نے نشر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص جو حرکتِ قلب بند ہو جانیکی وجہ سے مر گیا پھر اُسے بجلی کی رو سے پینتالیس ۴۵ منٹ بعد دوبارہ زندہ کیا گیا۔ اِس سے قبل دوسری جنگِ عظیم میں اِسی قسم کا واقعہ ماہواری میگزین (Digest نومبر ۱۹۴۶ء) میں شائع ہوا تھا۔ ایک روسی جس کا نام چیراپانو (Cherapanov) تھا جنگ میں شدید زخمی ہوا اور دورانِ اپریشن مر گیا۔ ڈاکٹروں نے تحقیق کے بعد اس کی موت کا اعلان کیا۔ یہ اپریشن اس ہسپتال میں کیا گیا جس میں پروفیسر ولادی میر نگوونسکی (Veladi mir Neg...) احیاء موتی کا تجربہ کیا کرتا تھا۔ کتوں، بلیوں، چوہوں اور خرگوشوں پر انہوں نے کئی ایک تجربے کامیابی سے کئے۔ خون، گلوکوز اور انڈرلین کا انجکشن خاص طریق سے اس تجربہ پر استعمال کیا جاتا تھا اور مصنوعی سانس سے پھیپھڑوں کو حرکت عمل میں لایا جاتا۔ چنانچہ ساڑھے چار منٹ کے عمل کے بعد مذکورہ بالا مُردہ شخص دوبارہ زندہ ہوا۔ دل نے کام کرنا شروع کر دیا اور ساڑھے سات منٹ بعد پھیپھڑوں کا عمل بحال ہوا۔ ایک گھنٹہ کے بعد ہوش آنے پر اسے یہ معلوم کر کے صدمہ ہوا کہ اس کی آنکھوں میں بینائی نہیں لیکن چند دن کے علاج کے بعد بینائی بھی عود کر آئی اور وہ اچھا بھلا چلنے پھرنے لگا۔ لوگ اُس سے جب دریافت کرتے تو وہ اُن سے یہی کہتا کہ اُسے ہوش آنے پر یہی محسوس ہوا تھا کہ گویا وہ سویا ہوا تھا اور جاگ پڑا ہے۔ اِس واقعہ سے منکرینِ حیاتِ آخرت نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ رُوح اور مابعد الموت زندگی کا خیال یونہی ہے اگر کچھ ہوتا تو یہ مُردہ دوبارہ زندہ ہو کر حیاتِ آخرت کے متعلق بیان نہ کرتا۔

منکرینِ حیاتِ آخرت کے اِس استدلال کے بودا پن کو مطبوعہ کتاب "حیات الآخرت" میں واضح کیا جا چکا ہے +

میں تو مذکورہ بالا الفاظ میں تفصیل نہیں لیکن ان کی غیر معمولی ترقی، پھیلاؤ، عظیم الشان سلطنت اور قدرتِ خلق و احیاء و اماتت اور خارقِ عادت تصرفات کے بارے میں جو آیاتِ بیّنات اس میں وارد ہوئی ہیں ان میں یہ سارا مفہوم پایا جاتا ہے جس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ عیسائی قوموں کی ترقی کے تعلق میں سورۂ کہف میں دو انگورستانوں اور ایک کھیتی کی مثال میں ان کی سلطنت کے تین زمانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس مثال میں یہ بھی فرمایا ہے کِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا بَيْنَهُمَا نَهَرًا وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ[۱] ...... الآیہ۔ یعنی دو باغوں میں سے ہر ایک نے اپنا پھل دیا اور اس میں اُن سے کسی قسم کی کمی نہیں کی گئی یعنی کھانے پینے کی ہر شے ان کے لئے مہیا کی گئی اور ان باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کی۔ اور اسے پھل حاصل ہوا تو اپنے مال و دولت کی بہتات اور کثرتِ نفری دیکھ کر اس باغ کے مالک کو گھمنڈ ہوا اور سمجھنے لگا کہ اب اس کا یہ باغ کبھی تباہ نہیں ہوگا اور اپنے ساتھی سے کہا وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدِدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا۔ میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کی گھڑی قائم ہوگی اور اگر اپنے رب کی طرف میں لوٹایا گیا تو وہاں بھی اس سے بہتر انجام ہوگا۔ اس پر اس کے ساتھی نے کہا أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا۔

[۱] آیت محولہ بالا کی تشریح کیلئے دیکھیں تفسیر کبیر شرح سورۂ کہف مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔

کیا تُو نے اپنے اس خالق کا انکار کیا ہے اور اس ذات کا ناشکرگزار ہوا ہے جس نے تجھے پیدا کیا مٹی سے، پھر نطفہ سے اور پھر مردِ کامل بنایا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ عیسائی قوم اپنی حکومت اور طاقت کے گھمنڈ میں یہاں تک دلیر ہو جائے گی کہ خدا تعالیٰ اور حیاتِ آخرت کا انکار کرے گی اور اُن میں سے جس کے دل میں کچھ ایمان باقی ہوگا وہ بھی اپنے باطل عقیدہ کے باوجود یہ یقین رکھیگا کہ ان کی حالت بہتر ہوگی۔ اور سورۂ کہف کی ابتدائی آیات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عیسائی قوم کی دُنیا خوبصورت ہوگی مگر عملِ صالح کے فقدان کی وجہ سے آخر وہ ویرانگی میں تبدیل ہوگی۔ اور اس سورۃ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ پیدائشِ عالم کی کُنہ اور اس کا سربستہ راز دریافت کرتے کرتے اس حد تک پہنچے گی کہ گویا وہ خود بھی خلقِ اشیاء پر قادر ہے اور اپنے تئیں شریکِ باری تعالیٰ سمجھنے لگیگی جیسا کہ دانیال نبی نے فرمایا تھا کہ شریعتوں کو بدل کر زمین پر ایک نیا نظام قائم کریگا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوگا اور جلد ہی آگ میں ہلاک کیا جائے گا جس سے اُن کے لئے کوئی جائے فرار نہ ہوگی۔ عیسائی اقوام کے اس قسم کے خیالاتِ باطلہ اور ان کی تعلّیوں کے پیشِ نظر ہی اللہ تعالیٰ ان کی نفی کرتا اور فرماتا ہے مَا أَشْهَدْتُهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا۔ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا (۵۲-۵۳)
یعنی میں نے آسمان اور زمین کی پیدائش کے وقت انہیں تو

موجود نہیں رکھا کہ وہ دیکھیں کہ یہ کیونکر ہوئی اور نہ اسوقت موجود رکھا جب ان کی جانوں کو پیدا کیا گیا اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو (کسی نظام کے) پیدا کرنے میں اپنا مددگار بنانے والا ہوں۔ اور جس دن اُن سے کہیگا پکارو انکو جن کے متعلق تمہارا خیال ہے کہ وہ میرے شریک ہیں تو وہ انہیں پکاریں گے اور وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور ہم انکے درمیان ہی ہلاکت کا سامان کر دیں گے اور یہ مجرم یعنی خدا تعالےٰ سے قطع تعلق کرنے والے آگ دیکھیں گے اور انہیں یقین ہو جائیگا کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں پس وہ اس سے پیچھے ہٹنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔ الفاظ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں جو نفی کی گئی ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ ایک دن یہ خیال عیسائیوں کے سر میں سمائیگا کہ انہوں نے پیدائش عالم کا راز دریافت کر لیا ہے اور یہ کہ اس کی نقل کرنے پر بھی وہ قادر ہیں اور ایک نئی دنیا اور نیا نظام قائم کریں گے مگر اس میں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ نئی دنیا اور نیا نظام ہمیشہ آدم اور اس کی نیک ذریت اور ملائکۃ اللہ کے ذریعہ سے ہی قائم ہوا کرتا ہے نہ کہ شیطان اور اس کی ذریت سے۔ یہ مضمون ہے سورۃ کہف کے ساتویں رکوع کا۔ اور اس سیاق کلام میں آیت مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا کا مفہوم از خود واضح ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ اس آیت میں دراصل ان کے اس زعم باطل کی تردید کی گئی ہے کہ وہ خلق اور موت و حیات میں شریک باری تعالیٰ ہیں۔

اور اس آیت سے دجال کے خدائی دعویٰ کی حقیقت بھی آشکار ہو جاتی ہے جس کا ذکر احادیث مذکورہ بالا میں بھی گذر چکا ہے۔ سورۃ کہف کی ان آیات بینات نے ضمناً یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان مدعیانِ شرکت باری تعالیٰ کو نئی دنیا اور نیا نظام قائم کرنے کے مواقع میسر آئیں گے مگر وہ ان سے فائدہ نہ اٹھائیں گے۔ اور انجام ان کی کوششوں کا آگ ہوگا جس سے بھاگنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی مشاہدہ کرایا گیا تھا کہ بختی اونٹوں[1] جیسے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ دجال کو اٹھا اٹھا کر آگ میں پھینکیں گے اور ہلاک کریں گے۔ سورۃ المرسلٰت میں اللہ تعالیٰ صلیب پرستوں کے متعلق فرماتا ہے اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۝ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (آیت ۳۱ تا ۳۴) یعنی چلو تین شاخوں والے سایہ کی طرف جو نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ وہ شعلہ زن آگ سے بچائے گا۔ وہ ایسے شرارے پھینکے گا جو محلوں

سورۃ کہف میں بالتکرار صلیب پرستوں کی تباہی آگ سے ہی بتائی گئی ہے اور اس آگ کے متعلق آیت ۲۶ ع ۵ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ آسمان سے پھینکی جائے گی جو

[1] بختی اونٹوں کی مانند پرندوں والا نظارہ جو آپ کو دکھایا گیا اس کی تصدیق آجکل لڑائی کے طیاروں کی صورت میں ہمارے مشاہدہ میں بھی آچکا ہے۔ ایسا ہی جِمٰلَتٌ صُفْرٌ کی پیشگوئی ٹینکس (Tanks) پر صادق آتی ہے دونوں کی آتشباری ایک جہنم برپا کر دیتی ہے۔

ان کے باغ کو ویران کر دے گی۔ یُرۡسِلَ عَلَیۡہَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ صَعِیۡدًا زَلَقًا یعنی اللہ تعالیٰ ان کے باغ پر آسمان سے آگ چھوڑے گا تو وہ ایسا چٹیل میدان بن جائے گا جس پر ٹھہرنا ممکن نہ ہوگا۔ (زلقاً کے معنے پھسلنے والا) عیسائی حکومتوں کی آگ والی یہ تباہی وہی ہے جس کا ذکر دانیال کی پیشگوئی میں بھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دکھایا گیا تھا کہ بختی اونٹوں کی مانند پرندے دجال اور اس کے ساتھیوں کو آگ میں پھینک کر انہیں ہلاک کر رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ بنی نوع انسان کو پیش آنے والے فتنہ کے بارے میں سورۃ کہف کی آیات بیّنات میں جو انذار کیا گیا ہے اور اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ ملکوت میں جو مکاشفہ ہوا یہ انذار و مکاشفہ دونوں آپس میں مطابقت کھاتے ہیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ جو دجال کے فتنہ سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ سورۃ کہف کی آیات کا مطالعہ کرے۔ حضرت دانیالؑ کی پیشگوئی کے متعلق میں نے حاشیہ میں مختصر سا ذکر کیا ہے اسکو بھی اگر سورۃ کہف کی پیشگوئی کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے تو ہمیں وحی الٰہی کی ان واضح تجلیات اور مکاشفات سے یقینی طور پر ایک ایسے عالم کے وجود کا پتہ چلتا ہے جو نہایت ہی لطیف اور نہاں در نہاں ہے اور مادہ اور زمانہ کی حدود سے بالاتر ہے اور اس کے متعلق ہمیں اس دنیا میں تمثلات یعنی صورتوں اور شکلوں اور اشاروں میں علم ہوتا ہے جو وسیع معانی و معلومات پر حاوی ہوتے ہیں۔ اور یہ تمثلات خیالی نہیں بلکہ حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہوتے ہیں۔

موعودہ بشارت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدات و تصریحات

یہ حصہ مضمون مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ سورۃ کہف کی بشارت کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدات کا نمونہ نہ پیش کر دیا جائے۔ سوال یہ اٹھایا گیا تھا کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی حیاتِ آخرت اور لقائے ربانی کا ذکر کیا گیا ہے وہاں لامحالہ کسی نہ کسی مہتم بالشان پیشگوئی کا ذکر بھی موجود ہے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیشگوئی کے متعلق نہ صرف وحی الٰہی کی تجلی واضح کلام میں ہوتی بلکہ اس کے علاوہ اس کا مشاہدہ بھی کرایا گیا ہے۔ اس تعلق میں میں نے سب سے پہلے سورۃ کہف کی تین پیشگوئیوں بأس شدید، بشارت اور عیسائیوں سے متعلقہ انذار کا حوالہ دیا تھا۔ بأس شدید اور انذار کے متعلق ایک حد تک بیان کیا جا چکا ہے اب میں ذیل میں بشارت والے حصہ کو لونگا اور بتاؤنگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے متعلق بھی عینی مشاہدہ کرایا گیا تھا جس کا ثبوت نہ صرف آپ کے مستند اقوال سے ملتا ہے (جو صحاح ستہ میں مروی ہیں) بلکہ واقعات کی تصدیق سے بھی آپ کا یہ مشاہدہ برحق ثابت ہو چکا ہے۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ سورۃ مریم بھی سورۃ کہف کی طرح بشارت و انذار کی حامل ہے اور اس تعلق میں دونوں سورتوں کی ہم معنی آیات کا مقابلہ کر کے ان کا نفسِ موضوع میں اشتراک بھی ثابت کیا جا چکا ہے۔ خود سورۃ مریم کا عنوان جو حروف مقطعات کٓھٰیٰعٓصٓ سے شروع ہوتا ہے وہ بھی اسی وحدتِ موضوع پر دلالت کرتا ہے۔

قرآن مجید کے بعض نسخوں میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ ان میں حروف مقطعات کی شرح بھی دی گئی ہے۔ اس تشریح میں حرف "ک" سے مراد "کذٰلک" بتائی گئی ہے جس کے معنی ہیں اسی طرح یا ایسا ہی۔ لفظ کذٰلک دلالت کرتا ہے کہ سورۂ مریم کا تعلق سورۂ کہف کے ساتھ ہے۔ اور یہ کہ جو باتیں پہلی سورت میں بیان ہوئی ہیں اُسی تسلسل میں سورۂ مریم کا بھی نزول ہے۔ چونکہ سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ کی صفت وہّابیت کا ذکر بار بار دوہرایا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالفاظ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا اور وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا پختہ وعدہ کیا گیا ہے کہ تیرا رب تجھے نہیں بھولے گا اور تیرے ساتھ بھی اس قسم کی رحمتِ خاص کا سلوک کیا جائے گا جو سابقہ انبیاء کرام سے ہوا ہے وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اسلئے مذکورہ بالا عنوان کٓھٰیٰعٓصٓ کے متعلق سمجھنا درست ہوگا کہ اس کے حروف قائم مقام ہیں جملہ کذٰلک الوھاب یبعث لک وعداً صادقاً یعنی اسی طرح خدائے وہاب تیرے لئے بھی مبعوث کریگا یہ سچا وعدہ ہے۔ یہ جملہ اُسی قاعدہ کی رُو سے اخذ کیا جاسکتا ہے جس قاعدہ کی بناء پر حضرت ابن عباس رضؓ نے سورۃ البقرۃ کے عنوان الٓمٓ کے حروف مقطعات سے اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ کا جملہ اخذ کیا ہے۔ الف انا کا قائم مقام ہے اور لام اللہ کا اور میم اعلم کا۔ یعنی میں اللہ سب سے بڑھ کر علم رکھنے والا ہوں۔ اسی طرح ھ قائم مقام ہے وہاب کا جو مبتدا ہے اور ی قائم مقام ہے یبعث کی جو خبر ہے اور صیغہ مضارع ہے اور عین قائم مقام ہے وعداً کی اور ص قائم مقام ہے صادقاً کا اور یہ آخری جملہ آیت اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا کا مترادف ہے جو سورۂ مریم کے چوتھے رکوع میں ہے۔ علاوہ ازیں سورۂ مریم کے پہلے چار رکوع پر نظر ڈال کر دیکھیں کہ جملہ کذٰلک الوھاب یبعث لک ان چار رکوع کے مضمون پر ٹھیک ٹھیک منطبق ہوتا ہے یا نہیں ——— نہ صرف یہی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات سے بھی اس مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے سر پر ایسا شخص ضرور بھیجے گا جو اس کے لئے اس کے دین کو از سرِ نو تازہ کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تصریح سے سورۂ مریم کی آیات بینات کی نہ صرف تصدیق ہی ہوتی ہے بلکہ ایک زائد بات کا بھی علم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس میں ایک صدی کا عرصہ بھی معین کیا گیا ہے جس کے خاتمہ پر دینِ اسلام کی تجدید اور آپ کی اُمت کی اصلاح کے لئے مجدد بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ سورۂ مریم کے عنوان یا اس کی آیات بینات میں بظاہر کسی عرصہ کا تعین نظر نہیں آتا مگر چونکہ واقعات نے اس تعین کی تصدیق کر دی ہے اور ہر صدی کے سر پر کوئی نہ کوئی مجدد مبعوث ہوتا رہا ہے[1] اسلئے آپ کی مذکورہ بالا تصریح

[1] ملاحظہ ہو تفصیل مجددین حجج الکرامہ از ص۱۳۵ تا ص۱۳۹۔ اس کتاب کے مصنف نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم ہر صدی کے مجدد کا نام ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ چودھویں صدی میں ابھی دس سال باقی ہیں۔ اگر حضرت مہدی اور حضرت مسیح تشریف لائے تو وہ اس صدی کے مجدد اور مجتہد ہوں گے۔ (ص۱۳۹)

کے متعلق دو صورتوں میں سے ایک صورت یقینی ہے۔ اوّل یہ کہ سورۂ مریم کے نزول کے ساتھ وحی خفی کے ذریعہ سے تفہیماً آپ پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ یہ وعدہ ہر صدی میں پورا کیا جائیگا یا اس سے علیحدہ آپ کو اس امر کا مشاہدہ کروایا گیا ہے۔ بہرحال جونسی بھی صورت ہو اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصریح سورۂ مریم کے عنوان اور اسکے موضوع کے مطابق ہے اور ہمارے لئے اس لحاظ سے حیرت انگیز اور ایمان افروز ہے کہ آپ کا یہ فرمودہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی پر امت اسلامیہ کے لئے مجدد بھیجتا رہیگا ہر صدی پر پورا ہوتا رہا۔ اور یہ خبر غیب ایک عالم غیب کے وجود کا پتہ دیتی ہے۔

اس موعودہ بعثت کے تعلق میں مندرجہ ذیل باتیں ملاحظہ ہوں جن کا تعلق خاص کر سورۂ کہف والی بشارت سے ہے:-

(۱) آپ نے فرمایا کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ حَکَماً عَدْلاً فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ ...... الخ یعنی تمہاری کیسی حالت ہوگی (اطاعت کی یا انکار کی) جب تم میں ابن مریم نازل ہوگا اور تمہارے امام تم میں سے ہوں گے۔ وہ اختلافات مٹانے میں بطور ثالث عادل کے ہوگا صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کریگا۔ ایک دوسری متعدد روایت میں یکسر الصلیب و یقتل الدجال مروی ہے بجائے یقتل الخنزیر کے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی نہایت مشہور ہے اور متعدد راویوں نے قابل اعتبار سندوں سے اسے روایت کیا ہے۔ یہ صحیح بخاری میں بھی مروی ہے اور صحیح مسلم اور دیگر صحاح ستہ میں بھی۔ یہ تمام روایتیں نزول ابن مریم کے بارے میں متفق ہیں۔ نیز ابن مریم کی غرض بعثت کے متعلق بھی متفق ہیں کہ وہ مسلمانوں کے اختلافات مٹائیگا۔ کسر صلیب کریگا اور خنزیر و دجال کو قتل کرے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ صلیب پرستی اور دجال کا آپس میں تعلق ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی یہ پیشگوئی بھی عالم غیب کی اصطلاحات سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اس کے الفاظ کو ظاہر پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ پیتل یا لوہے کی صلیب توڑنا تو کوئی بڑی مشکل بات نہیں کہ اس کے لئے ایک رسول بھیجا جائے اور نہ خنزیر کا شکار مراد ہو سکتا ہے۔ ایک نبی کو خنزیر کے شکار سے کیا واسطہ؟ اسلئے الفاظ مذکورہ بالا کو عالم ملکوت کی مخصوص اصطلاحات کی روشنی میں دیکھنا پڑے گا۔ عالم رؤیا میں اگر یہ دیکھا جائے کہ کوئی خنزیر کا گوشت کھا رہا ہے یا خنزیر کی شکل میں ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ شخص جسے ایسی حالت میں دیکھا گیا ہے عیسائی ہو جائے گا (تعطیر الانام) واقعات نے بھی اس تعبیر کی تصدیق کی ہے۔ غالباً یہ تعبیر اسلئے ٹھیک ہے کہ لحم الخنزیر عیسائی قوم کا من بھاتا کھاجا ہے۔ یا اسلئے کہ بعض صفتوں میں ان دونوں کا اشتراک ہے اور اس مشارکت و مماثلت ہی کی وجہ سے مستند احادیث میں کبھی یکسر الصلیب و یقتل الدجال اور کبھی یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر آیا ہے اسلئے علمائے سلف[1] میں سے جن علماء نے حدیث مذکور کے الفاظ کو کسر صلیب سے

---

(۱) ان علماء میں سے قابل ذکر علامہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ شارح صحیح بخاری ہیں۔ آپ کسر صلیب کے بارے میں لکھتے ہیں:- فُتِحَ لِی ھٰذَا معنی من الفیض الالٰہی وھو ان المراد من کسر الصلیب اظھار کذب النصاریٰ (عینی جلد ۵ صفحہ ۵۸۵ طبع مصر)

دینِ مسیحی کا ابطال اور قتلِ خنزیر سے خنزیر صفت قوموں کی ہلاکت مراد لی ہے انہوں نے غلطی نہیں کی بلکہ درست سمجھا ہے کیونکہ اس عظیم الشان پیشگوئی کو ظاہری الفاظ پر محمول کرنا درحقیقت اس کی عظمت و اہمیت کو گرانا ہے اور عالمِ ملکوت کی اصطلاحات کو بھی نظر انداز کرنا ہے۔

یہ سوال کہ آیا فی الواقعہ آپؐ کو عالمِ غیب میں ہی کوئی ایسا نظارہ دکھایا گیا تھا جس سے آپؐ نے یہ پیشگوئی اخذ کی؟ صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے (جو بہت بڑے پایہ کے راوی ہیں) مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

بینما انا نائمٌ اطوفُ بالکعبة فاذا رَجُلٌ سبطُ الشعر ینطفُ او یُھراقُ رأسُہ ماءً قُلتُ مَن ھذا قالوا ابنُ مریمَ ثمّ ذھبتُ اَلتفِتُ فَاِذا رَجُلٌ جسیمٌ اَحمرُ جعدُ الرّاسِ اَعوَرُ العینِ کَاَنَّ عینہ عِنَبَةٌ طافیةٌ۔ قالوا ھذا الدجالُ۔ اَقربُ النّاسِ بہٖ شبھاً ابنُ قطنٍ رَجُلٌ مِن خُزاعة۔

یعنی اس اثناء میں کہ میں سویا ہوا بیت اللہ کا طواف کر رہا ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص جس کے بال سیدھے ہیں، سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے کہا ابن مریم ہیں۔ پھر میں نے جو مڑ کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بھاری جسم کا، سر کے بال گھنگھریالے یک چشم۔ اس کی آنکھ ایسی تھی گویا دانہ انگور ہے جو ابھرا ہوا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ دجال ہے شکل میں ابن قطن سے زیادہ مشابہ تھا۔ اور یہ شخص ابن قطن خزاعہ قبیلہ میں سے ایک شخص تھا۔"

اس روایت کی دوسری سند میں یہ الفاظ ہیں: اَعوَرُ عَینِ الیُمنٰی۔ یعنی داہنی آنکھ سے کانا۔ اس روایت میں لفظ نائم بتاتا ہے کہ آپؐ کو ابن مریم اور دجال کا نظارہ خواب میں دکھایا گیا تھا۔ اس حصہ مضمون میں مجھے اس وقت اس امر سے بحث نہیں کہ مسیح ابن مریمؑ فوت ہو گئے یا زندہ ہیں۔ آیا ان کا رفع ان کی روح کا تھا یا جسم کا۔ اور یہ کہ ان کے جسمانی نزول کا آئندہ کوئی امکان ہے یا نہیں۔ اس قسم کی بحث سے میرے موضوع کا کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ مجھے یہ دکھانا اور ثابت کرنا مقصود ہے کہ سورۃ کہف میں ایک بأس شدید اور بشارت کی جو خبرِ غیب دی گئی ہے اور پھر اس تسلسل میں سورۃ مریم کی جو آیات بیّنات نازل ہوئی ہیں اس عظیم الشان خبر کے بارے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ) یعنی فیض الٰہی سے مجھ پر اس کا یہ مفہوم کھولا گیا ہے کہ کسرِ صلیب سے مراد عیسائیوں کے جھوٹ کا اظہار ہے۔ علامہ حافظ حجر عسقلانی شارح بخاری نے بھی یہی مفہوم لیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔ "اَیْ یُبطِلُ دینَ النّصرانیّةِ" (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۵۹) یعنی وہ عیسائی دین کو باطل کر دیگا۔ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ نووی بھی انہیں معنوں کی تصدیق و تائید کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۳۵۲ و نووی کی شرح مسلم صفحہ)

آئندہ کے واقعات کا عینی مشاہدہ بھی کرایا گیا تھا اور یہ مشاہدہ حق الیقین کا درجہ رکھتا ہے۔ ایسا کامل یقین کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے ذاتِ باری تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ ایسا ضرور ہوگا۔ اس بارے میں آپ کے الفاظ جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے نقل کئے ہیں یہ ہیں:۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَۃَ وَیُفِیْضُ الْمَالَ حَتّٰی لَا یَقْبَلَہٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَۃُ الْوَاحِدَۃُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْہَا۔

یعنی اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ قریب ہے کہ ابن مریم حکم عدل ہو کر تم میں نازل ہوں۔ وہ صلیب کو توڑیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ منسوخ کرینگے۔ اور مال پانی کی طرح بہائیں گے۔ یہاں تک کہ اسے کوئی قبول نہیں کرے گا۔ حتیٰ کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا"

اس روایت کا آخری حصہ ان روایتوں سے ملتا جلتا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ دجال کے قتل کئے جانے کے بعد دنیا میں کامل امن ہوگا اور یہ کہ زمین سے کہا جائے گا اُگا تو وہ اُگائے گی۔ اور یہ کہ اپنی برکت لوٹا اور ہر چیز میں برکت ہوگی۔ اسی طرح اس روایت کی دوسری سندوں کے الفاظ میں بھی اسی قسم کے تاکیدی حلفیہ الفاظ ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ یہ پیشگوئی محض اس خواب والے مشاہدے کی بناء پر ہی نہیں کی گئی بلکہ اس کے علاوہ نزول ابن مریم اور اسکی عظیم الشان مہم کے متعلق وحی الٰہی کی بھی کوئی نہ کوئی واضح تجلی ہے جو آپ پر ہوئی۔ بے شک خانہ کعبہ کے طواف اور دجال کی وہاں موجودگی سے اس رؤیا کی یہ تعبیر کی جا سکتی ہے کہ دجال جو مظہر شیطان ہے جب بیت اللہ کا شیطانی اغراض سے قصد کریگا تو ابن مریم اس کی حفاظت کریں گے اور شریعت اسلامیہ کو جس کا مرکز بیت اللہ ہے قائم کرینگے اور دیکھا کہ ابن مریم کا یہ طواف حفاظت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہوگا کیونکہ آپ نے اپنے تئیں بھی خواب میں طواف کرتے پایا۔ آپ کے رؤیا کی یہ تعبیر عالم ملکوت کی اصطلاح کی رُو سے نادرست نہیں[۱]۔ مگر باایں ہمہ محض اس تعبیر کی بناء پر نزول ابن مریم کی پیشگوئی اس شدومد اور تفصیل سے کرنا غیر معمولی معلوم ہوتا ہے۔ جب تک کہ اس رؤیا کے علاوہ اس کیلئے کوئی واضح مشاہدہ یا وحی الٰہی کی کھلی تجلی نہ ہو۔ سورۂ مریم کی آیات بینات اور ان کے سیاق و سباق پر نظر ڈالنے سے یہ بات یقینی ہے کہ یہی وہ عظیم الشان تجلی وحی ہے جسکی بناء پر ابن مریم کے نزول، کسرِ صلیب نیز زلزلوں کے برپا ہونے اور جنگوں کے آتش خیز محشر کے متعلق جنمیں مسلمان بھی شریک ہونیوالے ہیں پورے یقین اور وثوق سے خبر دی گئی ہے۔ یہ عظیم الشان پیشگوئی جو درحقیقت مجموعۂ اخبار غیبیہ ہے اسکی تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

[۱] شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ تبریزی کی قابل قدر تصنیف مشکوٰۃ کا حاشیہ اس تعلق میں ملاحظہ ہو۔ جہاں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رؤیا آپ کے مکاشفات میں سے ہے اور ابن مریم کے طواف سے مراد یہ ہے کہ وہ دین میں پیدا شدہ فساد کی اصلاح کریگا اور شریعت کو قائم کریگا جبکہ دجال اس میں بگاڑ پیدا کرنے کا ارادہ کرے گا +

تحقیق اُمّ الالسنہ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونیکا قطعی ثبوت

(۱۰)

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور)

رفعِ مقلوبیّت

کلید:-

"ولا تری دهوء المفردات فی تلك الالسن المحارفة المقلوبة۔ الا قلیلاً غیر کافٍ للمهمات المطلوبة۔ وان سمعت انها کانت عربیّة فی اوائل الازمنة ثمّ مسخت فبدت باقبح الصورة۔ فلذلك تراها منتنةً کالجیفة۔ یعنی تو مفردات کی کثرت کو ان محرّف اور مقلوب زبانوں میں نہیں پائے گا مگر کچھ تھوڑا سا۔ جو مہمات مطلوبہ کیلئے غیر کافی ہے۔ اور تو سُن چکا ہے کہ وہ زبانیں ابتدائے زمانہ میں عربی تھیں پھر مسخ ہو کر ایک نہایت بُری صورت میں ظاہر ہوئیں۔ سو اسی وجہ سے تو ان کو مُردار کی طرح بدبودار پاتا ہے۔"

(منن الرحمٰن صفحہ ۹)

"یہ اختلاف یونہی بے قاعدہ نہیں تھا بلکہ ایک طبعی قاعدے کے نیچے تھا۔ سو جس قدر قاعدہ نے تقاضا کیا اُسی قدر اختلاف بھی ہوا۔ غرض جو کچھ مؤثراتِ سماوی ارضی کی وجہ سے انسان کی بناوٹ، خلق یا خیالات کی طبعی رفتار میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے وہ تبدیلی بالضرورت سلسلۂ کلمات میں تبدیلی ڈالتی ہے۔ لہذا وہ طبعاً اختلاف پیدا کرنے کے لئے مجبور ہوتی ہیں اور اگر کوئی دوسری زبان کا لفظ ان کی زبان میں پہنچے تو وہ عمداً اس میں بہت کچھ تبدیلی کر دیتے ہیں۔" (منن الرحمٰن صفحہ ۳)

مندرجہ بالا حوالجات سے ظاہر ہے کہ تحریف کی ایک قسم مقلوبیت یعنی کسی لفظ کے حروف کا آگے پیچھے ہو جانا ہے جس سے کوئی لفظ اپنی اصلی شکل بدل لیتا ہے یعنی مسخ ہو جاتا ہے اور نیز یہ مقلوبیت اور مسخ ہونا لہجے کی طبعی ساخت کے لحاظ سے مجبوراً بھی ہوتا ہے اور عمداً بھی یہ تبدیلی کی جاتی ہے۔

metathesis یعنی مقلوبیت اہلِ لغت کے نزدیک ایک مسلمہ بگاڑ ہے جو الفاظ میں واقع ہو جاتا ہے اور اس کی وجوہات حسب ذیل ہیں:۔

(الف):۔ جہالت اور زبان سے ناواقفیت۔ مثلاً لمحہ سے لحمہ۔ چاقو سے قاچو۔ نسخہ سے نخسہ۔ مطلب سے مطبل ان پڑھ لوگوں کی زبان سے آپ نے سنے ہوں گے۔

(ب):۔ تصریف یعنی جب کسی اصل لفظ پر سابقے اور لاحقے یا کوئی حرفِ زائد لگایا جاتا ہے تو حروف کی ترتیب اصلی کو ادا کرنے میں زبان تعقید محسوس کرتی ہے۔ اسلئے حروف کی ترتیب بدل جاتی ہے کیونکہ لہجہ قدرتاً سہولت پسند واقع ہوا ہے۔

(ج):۔ بعض لہجے اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ حروفِ حلقی کو شروع کی بجائے اخیر میں ادا کر سکتے ہیں۔ مثلاً قادَ (رہنمائی کرنا) لاطینی میں Duco ہو گیا ہے۔ اور انگریزی میں Guide صحیح ترتیب پر قائم ہے۔ اسکے برعکس بعض لہجے حرفِ حلقی کو پہلے ادا کرتے ہیں۔ مثلاً درجہ کی بجائے Grade علیٰ ہذا القیاس مخارج کے لحاظ سے آب و ہوا کا فرق حروف کی ترتیب کو بدل دیتا ہے۔ مثلاً حرفِ شفوی حرفِ حلقی سے پہلے ادا ہو جاتا ہے اور نیز اسکے برعکس۔

(د):۔ ایک زبان کا لفظ جب دوسری زبان میں دخیل ہوتا ہے تو بھی حروف کی ترتیب کو دانستہ یا نادانستہ بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً زنجیر فارسی سے عربی میں دخیل ہو کر جنزیر ہو گیا ہے اور زنگار جنزار بن گیا ہے۔

سنسکرت اور ہندی میں جا کر عربی الفاظ بکثرت مقلوب ہوئے ہیں۔ ایسا ہی انگریزی اور لاطینی میں بھی یہ تغیر اور تحریف بڑی کثرت سے پائی جاتی ہے۔

(ﮦ) بعض دفعہ محض تفننِ طبع کے لئے کسی لفظ کو مقلوب کر لیا جاتا ہے جیسے Police کی بجائے Slop۔ یا بعض دفعہ تجنیسِ خطی یا التباس ہجا سے بچنے کے لئے بھی مقلوبیت سے کام لیا جاتا ہے۔

مقلوبیت کی اور وجوہات بھی ہو سکتی ہیں لیکن مندرجہ بالا وجوہاتِ عمومی اور ظاہر ہیں اور اکثر مسلمہ ہیں اور طبعی مؤثرات یا دانستہ تبدیلی کا نتیجہ ہیں۔

ہم شروع میں کہہ چکے ہیں کہ عربی زبان میں حروف کی ترتیب مقرر اور معین ہے اور یہ ترتیب معانی سے وابستہ ہے یعنی اگر حروف کی ترتیب بدلیگی تو نیا لغت اور نئے معانی پیدا ہوں گے۔ عجمی زبانوں میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔ مثلاً کَرَمَشَ (سُکڑنا) اور شَکَرَ (شکر کرنا) الگ الگ لغت ہیں لیکن کرمش مقلوب ہو کر اردو میں سُکڑنا بن گیا ہے اور انگریزی میں اس کی مقلوبی شکل یوں ہوئی۔

کرمش = Shrink۔ اور "غ" کا اضافہ ہو کر Shrink بحالیکہ شرك (شریک ہونا) الگ لغت ہے۔

ان امور سے ظاہر ہے کہ مقلوبیت بھی عربی کے

اُمّ الالسنہ ہونے پر ایک بُرہانِ قاطع ہے کیونکہ جب تک حروف اپنی اصلی ترتیب پر نہیں آئیں گے اور تحریف دُور نہیں ہوگی تب تک عربی رُوٹ دستیاب نہیں ہوگا۔ نہ وجہ تسمیہ حاصل ہوگی نہ اشتقاقِ کبیر اور اشتقاقِ اکبر کے لحاظ سے لفظ زیرِ تحقیق اپنے اصلی خاندان میں داخل ہوگا۔ اور جب ہم حروف کی اصلی ترتیب قائم کر دیں گے تو یہ تینوں امور حاصل ہو جائیں گے۔ مثلاً Flex بمعنے مُڑنا لفق (دوہرا کرنا) یا لوَق (مروڑنا) عربی ترتیب پر آکر معنے مطلوبہ ادا کرتا ہے اور اگر ہم اسے انگریزی ترتیب پر رہنے دیں تو یہ (فلق بمعنے چیرنا) مروڑنا کے بالکل متضاد معنے دکھاتا ہے۔

اقسامِ مقلوبیت

ہم بیان کر چکے ہیں کہ الفاظ یا تو فارمولا دفع لین کے ماتحت سالم ہوں گے یعنی تین حروفِ صحیحہ پر مبنی ہوں گے یا مکسّر ہوں گے یعنی حروفِ تکسیر (ع ا ہ ح و ی) میں سے ایک یا دو حروف گرے ہوئے ہوں گے۔ اور انہی دو اصول پر ہماری تحقیق کا دارومدار ہے۔ اسلئے مقلوبیت بھی دو حال سے خالی نہ ہوگی۔

(الف) مقلوبِ سالم سے مراد وہ عجمی لفظ ہے جس کے تین حروفِ صحیحہ قائم تو ہیں مگر آگے پیچھے ہو گئے ہیں اور ان کو صحیح ترتیب پر لانے سے عربی رُوٹ بحال ہو جائے گا۔ مثلاً اُوپر کی مثالوں میں Flex سے لفق یا لوق۔

(ب) مقلوبِ مکسّر سے مراد وہ عجمی لفظ ہے جس میں دو حروفِ صحیحہ کو آگے پیچھے کر کے پھر ایک حرفِ تکسیر لگانا پڑے۔ مثلاً (صاحب۔ آقا) مقلوب ہو کر Boss ہو گیا ہے اور الف اور حاء گر گئے ہیں۔ یا یوں کہو کہ o میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ پس اس کے حل کرنے کا یہ قاعدہ ہے یعنی Boss = BS = SB = صاحب۔ Kill = KL = LK = ہلاک یا گلا = ق ل = ل ق = خلق وغیرہ

ظاہر ہے کہ مقلوبیت کو دُور کرنا دفعِ مقلوبیت ہماری اصطلاح میں ہے یعنی حروف کو بے ترتیبی سے پاک کرنا اور اصلی ترتیب پر لانا۔ دفعِ مقلوبیت انتقالِ ذہنی پر موقوف ہے اور مشکل امر ہے۔

عربی زبان سے زبانوں کی مغائرت کا ایک سبب مقلوبیت بھی ہے جس کی طرف لوگوں کی نظر نہیں گئی اور مقلوبیت نے عربی الفاظ کا حلیہ بگاڑ کر انہیں غیر متجانس ظاہر کیا لیکن جب یہ بگاڑ دُور ہو جائے تو کل شیئٍ یرجع الی اصلہ کا اصول صادق آجاتا ہے۔

اب ہم مقلوبیت کی ہر دو قسموں کی الگ الگ فہرستیں درج ذیل کرتے ہیں جن سے مندرجہ صدر بیانات کی تصدیق و تائید ہو کر عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کا ایک اور ثبوت قائم ہوگا۔

نکتہ:۔ ہم نے اُوپر مقلوبیت کی کچھ قسمیں درج کی ہیں لیکن مقلوبیت ہمارے پیش کردہ ہر ایک فارمولے پر حاوی ہے۔ مثلاً فارمولا دفعِ زوائد میں بھی مقلوبیت اثر انداز ہے۔ جیسے Crust میں t زائد ہے اور CSR = CRS = قشر۔ گویا Crust مقلوبِ سالم لفظ ہے لیکن t کو دُور کرنے کے بعد۔ علیٰ ہذا القیاس مقلوبیت ہر ایک فارمولے اور اس کی تحتی اقسام میں پائی جانی ممکن ہے۔

پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک لفظ ایک ہی زبان میں مقلوب حالت میں بھی پایا جاتا ہے اور درست حالت میں بھی یا یہ کہ ایک

زبان میں مقلوب حالت میں ہے اور دوسری زبان میں راست حالت میں - بہرحال مقلوبیت دُور کرنے سے عربی روٹ مع وجہ تسمیہ و اشتقاقِ کبیر دستیاب ہوتا ہے - اسکی مثال ایسی ہے کہ مثلاً ایک جزیرے میں لوگ اوندھے مُنہ چلتے ہوں تو وہ انسان نما حیوان یا بن مانس اور لنگور معلوم ہوں گے لیکن جب اُنہیں سیدھا کر دیا جائے تو انسان معلوم ہوں گے :-

افمن یمشی مُکبّاً علیٰ وجھہٖ اھدٰی

امّن یمشی سویّاً علیٰ صراطٍ مستقیم -

پس غیر زبانوں میں جو عربی الفاظ مُکبّاً علیٰ وجھہٖ ہیں انہیں ہم سویّاً علیٰ صراطٍ مستقیم پر لائیں گے -

لاطینی، انگریزی، سنسکرت وغیرہ عجمی زبانیں چونکہ مفردات کا نظام نہیں رکھتیں اور انہیں ضرورتاً مرکب الفاظ اختراع کرنے پڑتے ہیں - یا مفرد الفاظ پر ہی گرامر، سابقے اور لاحقے پیوست کرتی ہے - اسلئے جب ایک لفظ دو اجزاء پر مبنی ہوتا ہے تو حروف کی ترتیب اکثر آگے پیچھے ہو جاتی ہے اور یہ اسلئے ہوتا ہے کہ حروف کی صحیح ترتیب قائم رکھنے سے زبان میں گرہ پڑتی ہے - یا یوں کہو کہ تعقید واقع ہوتی ہے - اور مقلوبیت کے ذریعہ سے لہجے میں سہولت اور صفائی یا روانی اور انسجام پیدا ہوتا ہے کیونکہ لہجہ قدرتاً سہولت پسند واقع ہوا ہے - اس سے ظاہر ہے کہ عجمی زبانوں کا مرکب الفاظ پر مشتمل ہونا یا الفاظ پر سابقوں اور لاحقوں کا عائد ہونا بھی مقلوبیت کی بڑی وجہ ہے - اسی لحاظ سے عجمی زبانوں میں مقلوبیت بہت ہی کثیر پائی جاتی ہے جس کا عام آدمی اندازہ بھی مشکل سے کر سکتا ہے - اور یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے جس سے الفاظ کا عربی ماٰخذ بظاہر نظر نہیں آتا -

مندرجہ بالا امور کو مدنظر رکھ کر امثلہ ذیل کا مطالعہ کرنا چاہیئے - اگر آپ غور کریں گے تو ہر مقلوب لفظ میں وجوہات مندرجہ صدر میں سے کوئی نہ کوئی وجہ پائی جائے گی - ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر لفظ کی مقلوبیت کی وجہ فرداً فرداً بیان کریں بلکہ اس امر کو قاری کے ذوق پر چھوڑ دینا انسب و اعلیٰ ہے -

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مندرجہ صدر عبارات ظاہر کر رہی ہیں کہ مقلوبیت بھی عربی زبان سے غیر زبانوں کی مغائرت کا ایک سبب ہے -

مقلوب سالم

ذیل کے الفاظ میں حروفِ صحیح کی ترتیب کو درست کرنے سے عربی ماٰخذ بحال ہو گیا ہے اور یہ سالم الفاظ ہیں - علاوہ ازیں ان الفاظ میں ایک نہایت قابلِ غور بات ہے اور وہ یہ کہ حرفِ حلقی یا حرفِ ثقیل کو لہجے نے لازماً شروع کی بجائے آخر میں ادا کیا ہے - اور اس میں سہولت اور انسجام محسوس کیا ہے -

(۱)

Peak = KP - قُفّ - چوٹی

Apex = KP - " "

Arges سفید = GR - غَرّ - سفید ہونا

گورا = GR - " "

Lack = KL - قِلّة - کمی

Leak = KL - خَلّ - چھیدنا

Dreg تلچھٹ = GDR - غُدره - باقی مانده

Trick = KTR - خَتَر - دھوکا دینا

Trickle = KTR - قطر - ٹپکنا

Dark = KDR - خَدَر - اندھیرا

$\frac{B}{F}$ Bark = KRB - قَرَف - چھال

Drake سانپ = KDR - قُداد - سانپ

Prick = PKR - فَقَر - سوراخ کرنا

$\frac{P}{B}$ Punc-ture = NCP - نَقَب - چھیدنا

Dirge گیت = GRD - غَرَد - گانا

(اس کا روٹ دراصل انگریزی والوں کو نہیں ملا)

ruga جُھری = GR - غَرّ - سلوٹ

Peak³ - اوندھا ہونا = KP - کَبّ - اوندھا ہونا

Pug - پنجہ = GP - کَفّ - پنجہ

Sarco - طعن کرنا = CRS - قَرَص - دُکھ دہ الفاظ بولنا۔ بدنام کرنا۔

Seek = KS - قَسّ - تلاش کرنا -

Ask = KS - " " "

Skip - کودنا = KPS - قَفَز - کودنا

Skip - پنجرا = KPS - قَفَص - پنجرا

Torch = CHRT - قِراط - چراغ کا شعلہ

Smock - قمیص = KMS - قمیص

frag-rant = FGR - فاغرہ - خوشبو

Plug = GLP - قَلَف - درزیں بند کرنا - قلفہ چھال

Rollick - عیش کرنا = KRL - اَغرَل - آسودہ زندگی

(اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا)

Tega - ڈھانکنا = GTA - غَطا - ڈھانکنا

$\frac{D}{T}$ ڈھکنا = DK = KD = KT = غَطا

اب مندرجہ بالا تمام الفاظ پر دوبارہ یکجائی نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ K یا G عربی میں پہلا حرف ہے جو انگریزی میں آخر میں ادا ہوا ہے۔

(۲)

مندرجہ ذیل الفاظ میں حرفِ حلقی یا حرفِ ثقیل اپنا اصل مقام چھوڑ کر شروع میں ادا کرنا لہجے کو سہل معلوم ہوتا ہے گویا (۱) کے برعکس یہ مقلوبیت ہے۔

Crave = RCV - رَغِبَ فی - عاجزی سے مانگنا۔ التجا کرنا

Cliff - ٹیلہ = FLC - فَلَک - ٹیلہ

gulf - نگلنا = LGP - لَقَّف - نگلنا

Grue - کانپنا = RG - رَجّ - کانپنا

Grade = DRG - درجہ

Glace - برف = CLG - ثَلج - برف

Glass = SLG - زُلقہ - آئینہ

(اس کا روٹ دراصل انگریزی والوں کو نہیں ملا)

Gloss = SLG - ذَلِق - روشن ہونا

Glide = DLG - دَلَق - زور سے بہنا

Glib = LBG - لَبِق - نرم خو ہونا

Glue = LG - عِلک - گوند

Gnu - بیل نما چوپایہ = NG - نَعجہ - جنگلی گائے

Gris-ly - کانپنا = RGS - رَجز - کانپنے کی بیماری

Grame - چراگاہ = MRG - مَرج - سبزہ زار

Grume - ڈھیر = RGM - رُکام - ڈھیر

غور کریں کہ ہر انگریزی لفظ کا پہلا حرف G یا K ہے لیکن عربی لفظ میں یہ اکثر لام کلمہ ہے۔

—— (۳) ——

مندرجہ ذیل الفاظ میں لہجے نے حروف کو آگے پیچھے کردیا ہے۔

گریوہ۔ ٹیلہ = RQV ۔ رقوہ۔ ٹیلہ

نرم = MRN ۔ مِرن۔ نرم ہونا

گدگدانا = DGDG ۔ دغدغ۔ گدگدانا

مسلنا = LSM ۔ لَسْم۔ روندنا

ڈنگ ۔ NDG ۔ ندغ۔ ڈسنا

پنکھ = KNP ۔ کنف۔ پرندے کا بازو

help = LHP ۔ لاحَف۔ مدد کرنا

miser = SMR ۔ صَمَر۔ بخیل ہونا

dally = دَلّ۔ ناز کرنا

لاڈ = DL ۔ دَلّ۔ ناز کرنا

lead = DL ۔ دَلّ۔ رہنمائی کرنا

Trudge ۔ مشکل سے چلنا = RTG ۔ رَتَج بچے چلنے لگنا (بچہ)

یعنی بچے کی طرح بمشکل چلنا۔ (اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا۔

مقلوبِ مکسّر

—— (۴) ——

مندرجہ ذیل الفاظ میں واول گرا کر دو حروفِ صحیحہ باقی رہتے ہیں۔ اُن کی ترتیب درست کر کے ایک حرفِ تکسیر زائد کرنا پڑتا ہے اسلئے ان کا نام مقلوبِ مکسّر ہے۔ عربی لفظ کو اُلٹا کر پڑھو تو یہی لفظ ہوگا۔ مثلاً

fox = عُقعت۔ لومڑی

Glue = عِلک۔ گوند

Back = عَقَب۔ پیچھے

Boss = صاحب۔ حاکم۔ گورنر

Vine = (Bine) = عِنب۔ انگور

Wine = (Bine) = عِنبہ۔ شراب

نَحَب۔ چلا کر رونا = بَین۔ ڈین

اسی طریق پر آپ مندرجہ ذیل الفاظ کو اُلٹا کر پڑھینگے تو یہ فارمولا بخوبی سمجھ میں آجائے گا۔ اُلٹا پڑھنے کی صورت میں حروفِ تکسیر ضرور گرجائیں گے۔

Borough ۔ محلّہ = RB = اربعہ۔ رتبہ۔ رحبہ محلّہ۔

Col ۔ دلدل = BC = بُقعہ۔ دلدل

Bog ۔ دلدل = BG = "

Coil = LC = لَاخ۔ پیچیدہ ہونا

Lock = LK = " "

Littus ۔ کنارہ = TL ۔ طلَع۔ کنارہ

Moan = NM ۔ نَأمَ۔ گریہ وزاری کرنا

Munus ۔ دینا = NM ۔ نَعَم۔ دینا

Cud = DC ۔ دَسَح۔ جُگالی کرنا

Dick ۔ تصدیق کرنا = KD ۔ اَکَدَ۔ تصدیق کرنا

ferry ۔ لیجانا = RF ۔ رَفَع۔ اُٹھا کر لیجانا

Face = CF ۔ صُفحہ۔ رُخسار

Gale ۔ تند ہوا ہونا = LG = ل۔ق = لواقح۔ بارش لانے والی ہوا۔

Meli ۔ شہد = LM ۔ لَعَم۔ لُعاب (کیونکہ شہد مکھی کا لُعاب ہوتا ہے)

Kill = LK - هَلَكَ - ہلاک کرنا

Mail = LM = لَامَہ - زرہ (اس کا روٹ غلط دیا ہے)

Make = KM - قوام - نظام

match = CHM = ق - م = قَاوَمَ - مقابلہ کرنا -

K = CH - برابر ہونا -

Mero - ٹکڑا = RM - رُمَّہ - ٹکڑا

Mole = LM - لُمعہ - داغ - نشان

Moon² - سونا = NM - نَامَ - سونا

Mouse = SM = شِیام - چوہا

موش = SHM = " "

Muse - خیال کرنا = SM - زَعَمَ - خیال کرنا

Orb - چھلا = BR - بُرۃ - چھلا - حلقہ دار چیز

Pity = TP = عَطَفَ - رحم - ہمدردی

Put⁴ - بے وقوف = TP - تفہ - بے وقوف

deca = CD - عَقد - دہائی

Pick = KP = قَفَا - مخصوص کرنا - ترجیح دینا

Rodes - چکر لگانا = DR - دَار - گھومنا

Run = NR = نَارَ - دوڑنا

Sin = NS - حِنث - گناہ

Veil = LV = لَوَی - چھپانا

Wrestle = RS(L) = SR = صَارَعَ - کشتی لڑنا

Lean - دُبلا = NL = نَحِلَ - دُبلا ہونا -

نَحِیل - دُبلا

Lean - جھکنا = LN - لَحَن - جھکنا

Lenient = LN - لَانَ - نرم ہونا

لمّا - لمبا - (B) = LM(B) = ML = ملیح - لمبا - طویل

سر = RS - رَأس - سر

وَسنا = SV - ثَوَی - اقامت کرنا

تاگا = GT - خیط - تاگا

ٹانکنا = K(N)T = KT - خَاطَ - سینا

مینخ = GM - غیم - بادل

بچّہ = BCH = CHB - صبی - بچّہ CH/S

کالا = LK = حَلَکَ - سیاہ ہونا

کالا (سامان) = LK = عُلقہ - سامان

چھیننا = CHN = NCH - نَشَحَ - چھیننا CH/SH

Snatch = (S)NCH = NCH - نَشَحَ - چھیننا CH/SH

بستن = BS = SB = عَصَبَ - باندھنا

(۵)

مندرجہ ذیل الفاظ میں آخری حرف زائد ہے۔ اُسے چھوڑ کر باقی حروفِ صحیح کو درست کیا گیا ہے۔

Fold = FL = LF - لَفَّ - لپیٹنا

لپیٹنا = LP(T) = " "

R/L " " = LP = RP = wrap

Dragon = GDR(N) - قُدار - سانپ

Crimp = دبانا MRC(P) - مَرَصَ - چٹکی سے دبانا

Crypt = چھپانا CPR(T) - کَفَرَ - چھپانا

Cover = CVR = " "

Crevix = گردن RCV(X) - رَقَبہ - گردن

غرضیکہ امثلہ مذکورہ بالا میں کئی جہات سے مقلوبیت کی مثالیں دکھائی گئی ہیں۔

مقلوبیت کی ایک اور قسم ابھی باقی ہے جو آئندہ بیان ہوگی۔ تلک مائۃ وامثالہا کثیرۃ جداً۔

(۶)

گزر چکا ہے کہ عربی زبان میں حروف کی ترتیب بجائے خود ایک تاثیر رکھتی ہے۔ مثلاً (د+ن) میں پستی ہے اور (ن+د) میں اسکے برعکس فراخی اور علو ہے۔ اس لحاظ سے امثلۂ ذیل پر غور کریں:۔

(۱) Daunt = DN(T) = ND ۔ ندہ۔ دھمکانا یعنی بلند آواز سے اور زور سے بولنا۔ ہندی میں بھی ڈانٹنا یہی لفظ ہے۔

(۲) دان = DN = ND - ندا سخی ہونا۔ ندی۔ فیاض (یعنی دانی) donate = DN = ND = ندا سخی ہونا

دونوں مندرجہ بالا الفاظ سنسکرت اور انگریزی میں مشترک ہیں۔ جو شخص انہیں دیکھیگا سنسکرت اور انگریزی کے اشتراک کا قائل ہوگا لیکن ان دونوں میں (د+ن) حروف کی ترتیب ہے اور معنی بلندی پر مبنی ہیں اسلئے انہیں مقلوب کرنیسے عربی حروف کی تاثیر بحال ہوتی ہے اور جس محقق نے یہ قدم آگے نہیں بڑھایا وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکا۔

(۳) دھن سنسکرت میں مویشی اور دولت کو کہتے ہیں جو فراخی کو چاہتا ہے اسلئے

دھن = DN = ND = نَدَأة - مویشی یا دولت کی کثرت۔

نکتہ:۔ ابتدائے تمدن میں سونا چاندی اور سکے معیار دولت نہ تھے بلکہ مویشی اور ریوڑ دولت کا معیار تھا اسلئے یہ لفظ دھن مقلوب ہے ندأة کا۔ اسی طرح pecuniary کا روٹ pecu یعنی سنسکرت لفظ پسو یا پشو بمعنی مویشی یا چوپایہ ہے جو کہ عربی لفظ ہے۔ (فشاء - مویشیوں کی زیادتی۔ افشی۔ بہت ریوڑ والا ہونا) اسی طرح money کے معنے ہیں "تبادلہ کرنیکا ذریعہ مثلاً مویشی وغیرہ" جو کہ مقلوب ہے (نعمہ۔ دولت۔ مویشی) کا

غرضیکہ دھن pecuniary اور money تینوں الفاظ ابتدائے تمدن میں مویشی کی کثرت یعنی مال و دولت کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں۔ فتدبّر!

(۴) تھن = TN = NT = ND (D کا بدل T ہے۔ نَہَد اُبھرنا۔ اسلئے نَہْد۔ پستان حروف کی صحیح ترتیب سے ماخذ معہ وجہ تسمیہ ملا ہے۔

(۵) down - نیچے = دُون - نیچے - پست

down - ٹیلہ = ND - نَدّ - ٹیلہ

dune - ریت کا ٹیلہ = ND - نَہْد بلند ریت کا ٹیلہ

دُوْن (فارسی) کمینہ = دَنِیّ - کمینہ۔

(دیکھو عربی ترتیب حروف قاعدے کے ماتحت ہے)

(۶) ڈونڈی اور ڈونڑی ہندی یا سنسکرت میں منادی کو کہتے ہیں جو وسعت اور بلندی کو چاہتے ہیں۔ پس

DN(D) = ND - نادی - پکارنا۔ بلانا

DN(R) = اعلان کرنا۔ ندی۔ گونجنا

(D حرف مکرر ہے اور R حرف صوت ہے)

حروف کی ترتیب و تاثیر امثلۂ مذکورہ میں بہت تدبر کے قابل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سنسکرت یا کسی اور زبان کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ترتیب حروف میں حکمت مرکوز ہے+

واختلاف السنتکم والوانکم انّ فی ذلک لآیٰت للعٰلمین۔

دستوری سفارشات کے متعلق علماء کی ترمیمات پر تبصرہ

آج کل پھر جماعتِ اسلامی کی طرف سے "دستوری سفارشات" کے بارے میں پاکستان میں نیا پروپیگنڈا ہو رہا ہے اور خصوصیت سے "ان ترمیمات" پر فخر کیا جا رہا ہے جو کراچی میں علماء کے ایک اجتماع نے پیش کی تھیں۔ ان ترمیمات میں جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر بھی زور دیا گیا ہے۔ پہلے پہل علماء کی یہ ترمیمیں اور ان کا بیان "اسلامی جماعت" کے اخبار کوثر ۲۵ جنوری ۱۹۵۳ء میں شائع ہوئے تھے۔ ہم ذیل میں ان ترمیموں پر تبصرہ شائع کرتے ہیں تاکہ سوچنے والے غور و تدبر سے کام لے کر منصفانہ رائے قائم کر سکیں۔

(ادارہ)

علماء اکتیس ۳۱ تھے یا تینتیس ۳۳؟

بیان کے شروع میں لکھا ہے کہ:-

"جنوری ۱۹۵۱ء میں تمام اسلامی فرقوں اور گروہوں کے علماء کا جو اجتماع دستور اسلامی کے مسائل پر غور کرنے کے لئے کراچی میں منعقد ہوا تھا اس کے مرتب کردہ ۲۲ اصول اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کے نام سے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔"

پھر موجودہ آخری اجتماع ۱۱ تا ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کے ذکر پر لکھا ہے کہ:-

"اس میں شرکت کے لئے انہیں اصحاب کو دعوت دی گئی جو ۱۹۵۱ء کے اجتماع میں مدعو تھے۔"

لیکن ۱۹۵۱ء میں ۲۲ اصولِ موضوعہ کو "پاکستان کے ۳۱ علماء کا متفقہ فیصلہ" کے زیرِ عنوان شائع کیا گیا تھا اور دیباچہ میں ان اصول کے واضعین کے متعلق "مسلمانوں کے تمام بڑے بڑے فرقوں کے اکابر علماء" کے الفاظ استعمال ہوئے تھے مگر ترمیمات والے تازہ اجتماع کو "تینتیس ۳۳ علماء" کا اجتماع قرار دیا گیا ہے۔ (کوثر ۲۵ر جنوری)

اب سوال یہ ہے کہ ۱۹۵۱ء والے علماء کو ہی ۱۹۵۳ء والے اجتماع کے لئے مدعو کیا گیا تھا تو وہ ۳۱ کی بجائے ۳۳ کس طرح ہو گئے؟ یا تو یہ غلط ہے کہ جنوری ۱۹۵۳ء والے اجتماع میں صرف ان کو ہی بلایا گیا تھا جو جنوری ۱۹۵۱ء والے اجتماع میں شامل تھے اور یا پھر ۳۳ کی تعداد غلط ہے۔ ہاں ایک صورت ممکن ہے کہ ترمیمی اجتماع میں "دو اکابر علماء" بن بلائے زبردستی شامل ہو گئے ہوں۔ بہرحال اس ۳۱ اور ۳۳ کے معمے کو کوئی عالم صاحب ہی حل فرمائیں گے ہمارے نزدیک علماء کے ۳۲ یا ۳۳ ہزار ہونے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سوال صرف اس خلاف بیانی کا ہے جو علماء نے کی ہے۔ دراصل بیان میں یہ فقرہ ان بے شمار علماء کے منہ بند کرنے کے لئے بڑھایا گیا ہے جو کراچی کے اجتماع میں شمولیت کے لئے مقام اجتماع کے اردگرد جمع ہو گئے تھے لیکن بیان لکھتے وقت . . . . علماء بھول گئے کہ ۱۹۵۱ء میں تو ہم نے "اکتیس ۳۱ علماء کا متفقہ فیصلہ" شائع کیا تھا۔

فرقہ بندی خلافِ اسلام ہے اور اسکے ذمّہ دار علماء ہیں!

"مسلمانوں کے بڑے بڑے فرقوں کے اکابر علماء"

اسلامی سلطنت کا دستور وضع کرنے لگے ہیں۔ نیز وہ بڑے بڑے فرقے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دستوری سفارشات پر ترمیمیں کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں مگر ان اکابر میں سے کوئی بھی غور نہیں کرتا کہ ان کی یہ فرقہ بندی کہاں تک قرآن مجید کے مطابق ہے؟ اللہ تعالےٰ نے تو فرمایا ہے۔ ولا تکونوا کالذین تفرّقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البیّنٰت واولٰئک لھم عذاب عظیم۔ (آل عمران) کہ اے مسلمانو! تم ان لوگوں کی طرح نہ بن جانا جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور کھلی بیّنات کے باوجود اختلاف کرتے تھے۔ ایسوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر انبیاء کرام علیہم السلام کا نام لیکر وصیّت فرمائی ہے ان اقیموا الدّین ولا تتفرّقوا فیہ (الشوریٰ) کہ دین کو قائم کرو اور اس بارے میں کوئی فرقہ بندی اختیار نہ کرو۔ ایک تیسرے مقام پر ارشادِ خداوندی ہے۔ انّ الذین فرّقوا دینھم وکانوا شیعاً لست منھم فی شیءٍ انّما امرھم الی اللہ ثمّ ینبّئھم بما کانوا یفعلون (الانعام) کہ جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اے پیغمبر! تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ وہ ان کو ان کی کرتوتوں سے خود آگاہ کرے گا۔

اِن تین۳ آیاتِ قرآنیہ میں فرقہ بندی کی شدید مذمّت کی گئی ہے بلکہ فرقہ بندی کو غیر اسلامی قرار دیا گیا ہے فرقے بنانے والوں سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے۔ وہ "اکابر علماء" جنہوں نے قرآن مجید کی صریح نصوص کے خلاف محض اپنے آپ کو اکابر ثابت کرنے کے لئے اُمّت میں فرقے قائم کر رکھے ہیں اور مسلمانوں کو تقسیم کر رکھا ہے وہ اِس بات کا کیا حق رکھتے ہیں کہ اسلام کے نام پر دستور بنائیں؟ ان کی اِس شدید فرقہ بندی سے دو۲ باتوں میں سے ایک بات ضرور واضح ہے۔ (۱) یا تو یہ "علماء" اپنی ناسمجھی اور کتاب الہٰی کی نافہمی کے باعث اختلاف کر رہے ہیں۔ اس صورت میں انہیں مجرم تو نہیں سمجھا جائے گا مگر ایسے نا اہلوں کو قرآن مجید کے نام پر دستور بنانے کا حق نہیں ہو سکتا۔ (۲) یہ علماء فہم رکھنے کے باوجود اپنی ضد اور ہٹ کی وجہ سے مسلمانوں میں فرقے بنا رہے ہیں۔ اِس صورت میں بھی یہ اسلام کے نام پر دستور بنانے کے اہل نہیں بلکہ مجرم اور کتاب اللہ کے باغی قرار پاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ علماء خدا ترسی سے کام لیتے تو اُمّت کی یہ زبوں حالت نہ ہوتی اور مسلمانوں کے یہ فرقے نہ ہوتے۔ لیکن اِس صورت میں اِن "اکابر علماء" کو بڑے بڑے فرقوں کے مستند اور جیّد عالم" ہونے کا شرف کیونکر حاصل ہوتا؟ بہرحال مسلمانوں کی فرقہ بندی کی ساری ذمّہ داری اکابر علماء کے سر ہے اور اِس غیر اسلامی اور خلافِ قرآن جُرم کے ارتکاب کا بوجھ علم مولویوں کی گردن پر ہے۔ اگر یہ لوگ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اِس سیاہ دھبّے کو دھوئیں اور فرقوں کو ختم کر کے اپنا علاج کریں۔ پس میں اِن بیمار معالجوں سے کہتا ہوں کہ پہلے اپنا علاج کرو اور پھر کسی اور کے علاج کا دعویٰ کرو۔

مسلمان کی دستوری تعریف اور علماء

میں نے علماء کے بائیس ۲۲ اصولِ موضوعہ بھی پڑھے

ان کی تازہ ترمیمیں بھی پڑھیں۔ ان میں اور بہت سی رطب و یابس باتیں موجود ہیں مگر ایک بنیادی چیز ہر جگہ "عمداً" نظر انداز کی گئی ہے اور وہ ہے مسلمان کی دستوری تعریف۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ "اکابر علماء" قرآن و سنت کے نام پر اسلامی حکومت کا دستور بنائیں مگر اس میں مسلمان کی تعریف ہی بیان نہ کریں۔ آخر بات کیا ہے کہ علماء نے اپنے دستور میں "قادیانیوں" کی تعریف بیان کرنے کا تکلف فرما لیا ہے مگر اسلامی دستور میں مسلمان کی تعریف ندارد ہے؟ کیا یہ سہواً رہ گئی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اکابر علماء کے کرتا دھرتا آجکل مودودی صاحب ہیں ان سے دستور کے ضمن میں جولائی ۵۲ سنہ میں جو سرسری سی ملاقات اور گفتگو ہم نے کی تھی اس میں انہیں اچھی طرح سے اس طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ جب تک دستور میں مسلمان کی تعریف نہ کر دی جائے کسی پاکستانی کو غیر مسلم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور مسلمان کی دستوری تعریف کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث من صلّی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی له ذمة الله وذمة رسوله بھی ان کے سامنے پیش کر دی گئی تھی۔ اور عقلاً بھی یہ معقول نہیں کہ مسلمان کی دستوری تعریف کا سوال اکابر علماء کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہو اسلئے

اس پردہ داری کا کوئی اور ہی سبب ہے ؎

بےخودی بے سبب نہیں، غالب

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اصل بات یہ ہے کہ علماء کے سامنے دو گونہ مشکل تھی۔ اگر وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تعریفِ مسلمان کو قبول کر کے اسے دستور میں شامل کر دیتے تو اس کی رو سے "قادیانی" "مسلمان" قرار پاتے تھے اور یہ امر حضرات علماء کیلئے اس دور میں ناقابلِ قبول تھا اور اگر علماء اپنی خود ساختہ تعریف کو دستور کا جزو بناتے تو ان میں سے اکثر کو بلکہ سب کو غیر مسلم قرار دینا پڑتا تھا جیسا کہ وہ پہلے سب ایک دوسرے پر فتوی دے چکے ہیں۔ اس دو دھاری تلوار سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ان مولوی صاحبان کے پاس تھا اور وہ یہ کہ دستور میں مسلمان کی تعریف ہی درج نہ کریں حالانکہ دستور میں مسلمان کی تعریف ایک بنیادی چیز ہے۔ علماء نے اپنے اصولِ موضوعہ میں پاکستان کے مسلم اور غیر مسلم باشندوں کے حقوق متعین کئے ہیں ان حقوق سے استفادہ کے لئے بنیادی بات یہ ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کی تعریف جزوِ دستور ہوتی۔

ہم نے اوپر علماء کی جس مشکل کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ایک حقیقی اور اصلی مشکل ہے۔ اگر کسی کا خیال ہو کہ ہم اپنے بیان میں علماء کی طرف ناواجب بات منسوب کر رہے ہیں تو اس کا فرض ہے کہ وہ علماء سے دستوری زبان میں مسلمان کی ایسی تعریف شائع کروا دے جس تعریف کے لئے قرآن مجید یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سند موجود ہو۔ ہمیں یقین ہے کہ علماء اس مرحلہ پر کبھی بھی مسلمان کی دستوری تعریف شائع نہیں کریں گے۔ کیونکہ ایسا کرنے کے ساتھ ہی ان کا وہ طلسم باطل ہو جائے گا جو آجکل وہ حکومت کو کھوکھلا کرنے کے لئے عوام پر چلا رہے ہیں۔

پاکستان نام میں ترمیم اور اسکی دلیل

علماء صاحبان لکھتے

تھا :-

"پیراگراف ۹ - اس دفعہ کی شق (۱) میں مملکت کا نام صرف پاکستان تجویز کیا گیا ہے ہمارے نزدیک یہ کافی نہیں ہے۔ اس کی بجائے مملکت کا نام "جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" ہونا چاہئیے۔ اس نام پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کی موجودگی اسے جمہوریہ کہنے میں مانع ہے۔ آخر جب روس میں کثیر التعداد غیر اشتراکیوں کی موجودگی جمہوریہ روس کو اشتراکی جمہوریہ کہنے میں مانع نہیں ہے تو پاکستان میں غیر مسلموں کی موجودگی اسے اسلامی جمہوریہ کہنے میں کیوں مانع ہو۔"

قارئین کرام! آپ علماء کرام کی دلیل کی پختگی اور اس کی شرعی سند پر ذرا غور فرمائیے۔ اشتراکی جمہوریہ کے لفظ سے بڑھ کر اور کس نص کی ضرورت تھی۔ اشتراکی اگر غلط تعبیر کریں اور غلط نام رکھ لیں تو ہم کیوں ان کی نقل نہ کریں اور یہ ساری نقل بازی جمہوریہ اسلامیہ نام کی خاطر ہے۔ ہمارے نزدیک پاکستان کا نام اپنی ذات میں "جمہوریہ اسلامیہ" کے مفہوم سے زیادہ وسیع اور موزوں تر ہے۔ الارض المقدسہ یعنی پاکستان اگر اسم بامسمّیٰ بن جائے تو سب چیزیں اس میں داخل ہیں مگر یہ بات عمل سے تعلق رکھتی ہے نام کی سستی شہرت کی طرح نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ علماء کو اپنی ترمیم کی تائید میں روس کی استبدادیت کے سوا کوئی اور دلیل میسر نہیں آئی۔ اگر غیر مسلم کہیں کہ روس کی برسر اقتدار پارٹی تو باقی لوگوں کو نظر انداز کر رہی ہے اور ان کی باتوں کو سننے کی روادار نہیں تو کیا پاکستان کو بھی اسی طرز کا جمہوریہ اسلامیہ قرار دیا جا رہا ہے اور کیا یہاں کی غیر مسلم اقلیتوں کو بھی نظر انداز کر دیا جائے گا اور یہاں بھی ان کی بات کو سننا گوارا نہ کیا جائے گا؟ فرمائیے اس صورت میں یہ ترمیم کچھ مفید ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سے فائدہ تو شاید کوئی نہ ہو البتہ اس سے ملک کی فضا میں بعض ناخوشگوار خیالات کے پنپنے کا موقع پیدا ہو سکتا ہے۔ پاکستان کا لفظ بڑی جامعیت اپنے اندر رکھتا ہے اور اس پر کسی کو اعتراض بھی نہیں ہے۔

قرآن و سنّت میں ہر فرقہ کا تفسیری اختلاف گوارا ہے

علماء نے اپنے "متفقہ فیصلہ" مطبوعہ جنوری ۱۹۵۱ء میں نمبر ۹ پر لکھا تھا کہ :-

"مسلّمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے۔ اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں۔"

اب بسلسلہ ترمیمات علماء صاحبان نے لکھا ہے کہ :-

"قرآن پاک اور سنّت کے وہ احکام جو قانونی صورت میں نافذ کئے جا سکتے ہیں ان کی تدوین و تنفیذ کے لئے مناسب کارروائی کی جائے۔ البتہ کوئی قانون جو مسلمانوں کے شخصی معاملات سے متعلق ہو ہر فرقہ کے لئے کتاب و

سُنّت کے اِس مفہوم کی روشنی میں بنایا جائیگا جو اس کے نزدیک مسلّم ہو۔ اور کوئی فرقہ دوسرے فرقے کی تعبیر کا پابند نہ ہوگا اور نہ کوئی ایسا قانون بنایا جائے گا جس سے کسی فرقہ کے مراسم و فرائض میں روکاوٹ پیدا ہوتی ہو۔"

(کوثر ۲ جنوری ۵۳ء)

"متفقہ فیصلہ" کی رُو سے "اسلامی فرقے" دو قسموں میں منقسم تھے۔ (۱) مسلّمہ اسلامی فرقے۔ (۲) غیر مسلّمہ اسلامی فرقے۔ علماء صاحبان نے ان اسلامی فرقوں کو تو اپنے فیصلہ میں ہر طرح کی آزادی عطا فرمائی ہے جو اُن کے مسلّمہ تھے۔ لیکن اُن اسلامی فرقوں کی آزادی کا ذکر نہیں فرمایا جو اُن کے نزدیک مسلّم نہ تھے۔ یہ ابہام ہی علماء کے "متفقہ فیصلہ" پر کافی بدنما داغ تھا کہ اب انہوں نے اپنی ترمیم میں قرآن و سُنّت کے احکام کی دو قسمیں کر دی ہیں۔ (۱) وہ احکام جو قانونی صورت میں نافذ کئے جاسکتے ہیں۔ (۲) وہ احکام جو قانونی صورت میں نافذ نہیں کئے جاسکتے۔ اور پھر "تدوین و تنفیذ کے لئے مناسب کارروائی" کا تعلق صرف قسم اوّل کے احکام سے قرار دیا ہے۔ ترمیم کے آخری حصہ میں "مسلّمہ اسلامی فرقوں" کی بجائے "مسلمانوں کا ہر فرقہ" عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ کیا اب مسلّمہ اور غیر مسلّمہ کا سوال نہیں رہا یا اِس تقسیم کو غیر معقول سمجھ کر ترک کیا جارہا ہے؟ بہرحال اب ہر فرقہ کے لئے قرآن و سُنّت کی وہی تعبیر، وہی مفہوم اور وہی معنے ہوں گے جو اس فرقہ کے لوگ مانتے ہیں اور ہر فرقہ اپنی تشریح اور تفسیر کے مطابق عقائد رکھ سکتا ہے۔ اپنے مراسم اور فرائض ادا کرسکتا ہے۔ گویا خلاصہ یہ ہے کہ نام کے رُو سے کتاب و سُنّت کا ذکر ہوگا۔ باقی عقائد و اعمال اور مراسم میں اپنا اپنا طور و طریقہ ہوگا۔ قرآن و سُنّت کی علیحدہ علیحدہ تشریح اور تعبیر کرنے کا ہر فرقہ کو اختیار رہوگا۔

اگر ذرہ بھی خدا ترسی سے کام لیا جائے تو اس صورت میں جماعت احمدیہ سے پرخاش کی کیا وجہ باقی رہ جاتی ہے۔ کیا احمدیوں کا باقی فرقوں سے تعبیر اور تفسیر کے سوا کوئی اور اختلاف ہے؟ احمدیت پر پچاس سال گذر چکے ہیں کیا احمدی قرآن و سُنّت کا انکار کرتے ہیں؟ کیا احمدیوں نے دُنیا میں قرآن و سُنّت کی اشاعت میں وہ حصہ نہیں لیا جو دوست دشمن سے خراج تحسین حاصل کر رہا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ اب دو ہی باتیں احمدیوں کے خلاف حکومتی دباؤ ڈالنے اور عوام کو مشتعل کر کے ان کا محاذ قائم کرنے کا موجب ہوسکتی ہیں۔ (۱) یا تو علماء احمدیوں کے دلائل اور ان کی تبلیغ سے عاجز ہیں اور ڈرتے ہیں کہ ان کے "فرقوں" کے لوگ جن کے کندھوں پر وہ "اکابر علماء" بنے پھرتے ہیں احمدی ہو جائیں گے (۲) یا پھر احمدیوں کا قلیل التعداد ہونا علماء کو غصہ دلا رہا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے وقت میں بنی اسرائیل کی کمزور حالت کو دیکھ کر فرعون نے کہا تھا انّھم لشرذمة قلیلون و انّھم لنا لغائظون کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں انہیں دیکھ کر ہمیں غصہ آرہا ہے۔

الغرض علماء کی اِس "وسعت خیالی" کے پیش نظر جو مجبوری حالات کے ماتحت انہوں نے مندرجہ بالا اقتباسات میں اختیار کی ہے توقع کی جاسکتی ہے کہ شاید وہ کبھی عنقریب احمدیہ کے تعبیری اور تفسیری اختلاف کو بھی برداشت کرسکیں گے۔

علماء کا بورڈ دستور ساز کمیٹی نے اپنی سفارشات میں

"ماہرین قانون اسلامی" کے ایک بورڈ کی سفارش بھی کی تھی۔ اس سفارش کی ہر حلقے سے مذمت ہوئی ہے۔ کیونکہ اس طرح کہلانے والے علماء اپنے آپ کو جمہور پر مسلط کرنے کی تدبیریں نکال سکتے تھے۔ جب پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک علماء کے بورڈ کے تقرر کو سخت ناپسند کیا گیا تو اس پر مودودی اخبار "کوثر" بھنّا اٹھا اور اس نے جمہور کی دماغی ذہنی پر برافروختہ ہو کر لکھا کہ :۔

"تجویز میں جو الفاظ ہیں ان میں علماء یا مولویوں کا کہیں مذکور نہیں بلکہ ماہرین قانون اسلامی کے الفاظ ہیں۔ اور کوئی احمق ہی ان سے مولوی مراد لے سکتا ہے۔"

(۱۴ر جنوری ۱۹۵۳ء)

اس مضطربانہ صراحت کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی کہ کراچی میں ۳۳ علماء نے جناب مودودی صاحب کی معیت میں اعلان کر دیا کہ :۔

"پیراگراف ۴-۵-۶- اور ۸- ان میں قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی کی روک تھام کے لئے علماء کے ایک بورڈ کے قیام کی جو صورت پیش کی گئی ہے وہ نہ کسی لحاظ سے معقول ہے اور نہ اس طرح کی قانون سازی کو روکنے کیلئے مؤثر ہو سکتی ہے۔" (کوثر ۲۵ر جنوری)

ہم تو نہیں کہہ سکتے مگر مولانا نصر اللہ خاں عزیز ایڈیٹر کوثر فرمائیں کہ ان کی مذکورہ بالا صراحت کی روشنی میں یہ ۳۳ علماء "احمق" قرار پاتے ہیں یا نہیں؟ جب تجویز میں کوئی ایسا لفظ ہی نہیں جس سے "علماء کے بورڈ" کے تقرر کی صورت پیدا ہو تو یہ اکابر علماء خواہ مخواہ اسے غیر معقول اور غیر مؤثر قرار دے رہے ہیں۔ مدیر کوثر ان علماء کو "احمق" کہیں یا کچھ اور مگر اتنا تو ظاہر ہے کہ یہ حضرات پیراگراف ۴-۵-۶- اور ۸ سے اپنے آپ کو ہی مراد لے رہے ہیں۔ شاعر کہتا ہے ؎

اذا القوم قالوا من فتی خلت انّنی
عنیت فلم اکسل ولم اتبلّد

۳۳ علماء کو تو ان دفعات میں "علماء کا بورڈ" نظر آتا ہے مگر مدیر کوثر اسے "حماقت" سمجھتے ہیں۔ علماء کو صرف یہ اعتراض ہے کہ علماء کا یہ بورڈ مؤثر نہیں اسے مؤثر بنایا جائے۔ اجتماع کراچی کے علماء کی اکثریت علماء کے مؤثر بورڈ کے لئے بایں الفاظ **متبادل تجویز** پیش کرتی ہے کہ :۔

"پیراگراف ۳ کے تحت مجالس قانون ساز کے بنائے ہوئے قوانین کے خلاف جو دستوری اعتراضات یا تعبیر دستور کے مسائل پیدا ہوں ان کا فیصلہ کرنے کے لئے سپریم کورٹ میں پانچ علماء مقرر کئے جائیں گے جو سپریم کورٹ کے کسی ایسے جج کے ساتھ جسے امیر مملکت تدین و تقویٰ اور واقفیت علوم و قوانین اسلامی کے پیش نظر اس مقصد کے لئے نامزد کرے گا مل کر اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ قانون کتاب وسنت کے مطابق ہے یا نہیں۔"

اکثریت علماء کی اس تجویز کو مولانا ابو الحسنات مولانا عبد الحامد بدایونی اور مفتی محمد صاحب داد نے "بے کار" اور "بے معنی" قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"ہمیں علماء کے اجتماع کی اس تجویز سے

کہ کتاب وسُنّت کی تعبیر کا فیصلہ کرنے کے لئے
سپریم کورٹ کے ساتھ علماء منسلک ہوں بجائے
موجودہ اختلاف ہے، اسلئے کہ علماء کا محض
کتاب وسُنّت کی تعبیر و معانی بتانے کے لئے
سپریم کورٹ کے ججوں کے ساتھ منسلک ہونا
بے کار و بے معنی ہے۔" (کوثر ۲۵ جنوری)

یہ تین علماء اکثریت کی تجویز کو غلط قرار دے کر اپنی تجویز یوں بیان فرماتے ہیں:۔

"ایسی صورت میں جبکہ مجلس مقننہ میں کتاب وسُنّت کی تعریف و تعبیر پر اعتراض ہو تو ضروری ہوگا کہ یہ سوال ماہرینِ قانونِ اسلامی علماءِ پاکستان کے بورڈ کے پاس بھیجا جائے۔ یہ بورڈ اپنا جو فیصلہ صادر کرے مجلس مقننہ اس کی پابند ہوگی۔"

گویا ان حضرات کو جو ۳۰ کے مقابلہ میں تین علماء ہیں یہ حق ہے کہ ۳۰ علماء کی تجویز کو "بے معنی" بتلا کر رد کر دیں لیکن دو تین مولویوں کے مجوزہ بورڈ کے فیصلہ سے مجلس مقننہ کو سرِمو انحراف کرنے کا حق نہ ہوگا۔ ایں چہ بوالعجبی است!۔

اب سوال یہ ہے کہ علماء کے بورڈ کے بارے میں مذکورہ بالا دو تجویزوں میں سے کونسی تجویز بے معنی ہے اور کونسی بامعنی؟ میرا خیال ہے کہ دستورِ پاکستان کے فیصلہ کیلئے تو علماء کا بورڈ بنتا ہی بنے گا فی الحال فوری طور پر علماء صاحبان ہوس پوری کرنے کے لئے علماء کا ایک بورڈ مقرر کرکے یہ فیصلہ تو کرالیں کہ اکابر علماء کی مندرجہ بالا دونوں تجویزوں میں سے کونسی تجویز بامعنی ہے، تا دستور ساز مجلس اس پر غور کرے اور کونسی بے معنی ہے، تا مجلس مقننہ اسے ردّی کی ٹوکری میں پھینک دے۔ چونکہ موجودہ ۳۳ اکابر علماء تو اس اختلاف کو حل نہیں کر سکے بلکہ خود دو پارٹیوں میں منقسم ہوگئے ہیں اسلئے ہمارا مجوزہ بورڈ بہرحال ان علماء کے علاوہ دوسرے اکابر علماء پر مشتمل ہونا چاہیئے۔ البتہ اسجگہ یہ خطرہ ضرور ہے کہ علماء کا وہ بورڈ کہیں ان دونوں تجویزوں کو ہی "بے کار اور بے معنی" قرار نہ دیدے اور وہ عقلمند مفکرین کی طرح یہ نہ کہدے کہ علماء کا بورڈ بنانا ہی غیر معقول ہے۔ اس کے مؤثر یا غیر مؤثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا علماء کے گروہ کو ہماری اس تجویز سے اتفاق ہے؟

علماء کے بورڈ کی تشکیل کا طریقہ

علماء کے اوّل الذکر گروہ نے سپریم کورٹ کے متدین اور علوم و قوانینِ اسلامی سے واقف جج کے ساتھ "پانچ علماء" لازمی قرار دیکر ان کے انتخاب کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ:۔

"اس منصب کے لئے صرف ایسے ہی علماء اہل ہوں گے جو (الف) کسی دینی ادارے میں کم از کم دس سال تک مفتی کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہوں۔ یا (ب) کسی علاقے میں کم از کم دس سال تک مرجعِ فتویٰ رہے ہوں یا (ج) کسی باقاعدہ محکمۂ قضاءِ شرعی میں کم از کم دس سال تک قاضی کی حیثیت سے کام کرچکے ہوں۔ یا (د) کسی دینی درسگاہ میں کم از کم دس سال تک تفسیر، حدیث یا فقہ کا

درس دیتے رہے ہوں۔"

علماء کے مؤخر الذکر گروہ یعنی تین صاحبان نے تشکیل بورڈ کا طریق یوں بتلایا ہے کہ:۔

"حکومت پاکستان علماء کی اُن مذہبی جماعتوں سے جو مرکزی اور صوبجاتی حیثیت سے قیامِ پاکستان کے بعد سے کام کر رہی ہیں اور جن کا نظام اِس وقت باقاعدہ قائم ہے اُن سے علماء پاکستان کے نام طلب کرے، اور امیر مملکت ان کا اعلان کر دے۔"

پہلے طریق میں بھی بے شمار الجھنیں ہیں۔ دینی ادارے کی کوئی تشریح نہیں۔ مُفتی کی علمی قابلیت کا کوئی معیار مذکور نہیں۔ دس سال کی حدبندی کی حکمت ذکر نہیں کی گئی۔ "علاقے" کی کوئی تعیین نہیں۔ مرجع فتویٰ ہونیکا مفہوم غیر واضح ہے۔ "باقاعدہ محکمہ قضاء شرعی" سے کیسے محکمے اور کس فرقے کے مراد ہیں اور ان کی باقاعدگی کا کیا مطلب ہے۔ دینی درسگاہ کی کیا تعریف ہے۔ "تفسیر، حدیث یا فقہ" میں تقابل کیسا ہے۔ کس درجہ میں یہ درس قابلِ اعتناء ہوگا۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ حل طلب سوال ہے کہ ہزارہا علماء میں سے پانچ کا انتخاب کون کریگا اور کن اصولوں کی بناء پر کریگا۔ مسلمانوں کے ۷۲-۷۳ فرقوں میں سے کس کس کے علماء پر یہ بورڈ مشتمل ہوگا۔ ایک فرقے کے علماء کو دوسرے فرقے کے علماء پر ترجیح کس وجہ سے دیجائیگی۔ پھر ان پانچ علماء کے انتخاب کو غلط قرار دینے والوں کی شکایات کا ازالہ کون اور کیونکر کریگا۔

الغرض علماء کا بورڈ کیا ہے، ایک دلدل ہے جس پر جتنا غور کریں اتنا ہی دماغ پریشان ہوتا جائے گا۔ یہ تو تیس ۳۱ علماء کے پیش کردہ طریقۂ تشکیل کا حال ہے۔ تین اختلافی علماء نے اور بھی کمال کر دیا ہے۔ انھوں نے نہ مذہبی جماعتوں کی تعیین کی ہے اور نہ ہی "کام کر رہی ہیں" سے پتہ لگتا ہے کہ وہ کیا کام کر رہی ہیں۔ کیونکہ اگر "کام" سے مراد تکفیر بازی ہے تو مولویوں کی کونسی جماعت ہے جو یہ کام نہیں کر رہی۔ پھر ان صاحبان نے یہ بھی نہیں بتایا کہ علماء کی جماعتوں کے باقاعدہ نظام سے کیا مراد ہے؟ ان جماعتوں سے "علماء پاکستان" کے نام طلب کرنے کا کیا مطلب ہے۔ کیا ان میں کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو "علماء پاکستان" کے زمرہ سے باہر ہیں۔ "علماء" کا کوئی معیار متعین نہیں کیا گیا۔ آخری حصّہ کہ علماء کی جماعتوں کے بتائے ہوئے ناموں کا امیر مملکت اعلان کر دے سب سے حیرت انگیز ہے۔ بھلا اِس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ جب امیر مملکت کو ان ناموں میں سے انتخاب کرنے یا ان میں سے کسی کو رد کرنے کا اختیار نہیں تو پھر وہ جماعتیں ہی کیوں "علماء پاکستان" کا اعلان نہ فرما دیں۔ پھر یہ بھی سوچیے کہ یہ "علماء پاکستان" تعداد میں کتنے ہوں گے۔ اگر تمام "علماء پاکستان" کا جمِ غفیر جمع کر دیا گیا تو اس سے جمہور کس خیر کی توقع رکھتے ہیں۔ اور اگر بعض کو بعض پر ترجیح دی گئی تو کیوں اور کن اصولوں کی بناء پر ہوگی؟

اِس سارے گورکھ دھندے پر ہمارا تبصرہ تو یہ ہے کہ جمہور اور علماء کا اِسی میں فائدہ ہے کہ علماء کے بورڈ کے معاملے کو گہرے گڑھے میں دفنا دیا جائے۔

نہ رہے بانس نہ بجے بانسری

جن علماء کو زعم ہے کہ وہ مسلمانوں میں مسندِ اقتدار پر بیٹھ کر ان کی لیڈری کرنا چاہتے ہیں وہ صحیح طریق سے انتخابِ نمائندگان میں مقابلہ پر آئیں تو انہیں یہ بھی پتہ لگ جائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہیں اور وہ مجلسِ مقننہ میں اپنی تفرقہ انگیزی کے جوہر دکھا کر قوم پر اپنی ضرورت اور اہمیت بھی واضح کر سکیں گے۔ نمائندۂ جمہوریہ بنے بغیر محض علماء کہلانے سے اُنہیں قانون سازی کا حق نہیں مل سکتا۔ مدیر کوثر بھی لکھ چکے ہیں کہ:-

"ہم قانون سازی کو علماء کا حق تسلیم نہیں کر سکتے۔" (۱۴ر جنوری ۱۹۵۳ء)

"آخری عدالتِ انصاف" اس عنوان سے کوئی شخص حیرت زدہ نہ ہو کہ کیا اب دُنیا میں عدالت انصاف بند ہو جائے گی اور کسی عدالت کو انصاف کرنے کا حق نہیں رہے گا کیونکہ "آخری عدالتِ انصاف" مقرر ہو چکی ہے؟ اس میں کسی پریشانی کی بات نہیں۔ اِس جگہ علماء خود بھی آخری عدالت کا وہ مفہوم نہیں لیتے جس کے لینے پر لفظ "آخری نبیؐ" میں وہ مُصر ہوا کرتے ہیں۔ علماء لکھتے ہیں:-

"جبکہ ہمارے دستور میں سپریم کورٹ کو آخری عدالتِ انصاف قرار دیا جائے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک کے کسی شخص کو خواہ وہ فوجی ہو یا سویلین یا عام شہری انصاف حاصل کرنے کے لئے اس کا دروازہ کھٹکھٹانے کا موقع نہ دیا جائے۔"

ہر شخص جانتا ہے کہ سپریم کورٹ کے لئے "آخری عدالتِ انصاف" کا لفظ بطور مدح ذکر ہوا ہے اور اس کے معنے انصاف کی اعلیٰ عدالت کے ہیں۔ انصاف کو بند کرنے والی عدالت کے نہیں ہیں۔ کیا اسی طرح علماء کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم انہی معنوں میں آخری نبی ہیں کہ آپ تمام نبیوں میں اعلیٰ افضل ہیں؟

دہریت اور الحاد کی تبلیغ علماء صاحبان نے جنوری ۱۹۵۱ء میں اپنے اصولِ موضوعہ کے بیسویں نمبر پر لکھا تھا کہ:-

"ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکتِ اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔"

لیکن جنوری ۱۹۵۳ء میں علماء صاحبان یہ ترمیم پیش کرتے ہیں کہ:-

"دہریت اور الحاد کی تبلیغ اور قرآن و سنت کی توہین و استہزاء کا بذریعہ قانون سازی انسداد کیا جائے گا۔"

علماء کی یہ ترمیم خاص توجہ کے قابل ہے۔ آپ اگر دہریوں کو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں تو وہ دہریت کے اعتراض ضرور پیش کریں گے۔ آخر دہریوں کی بات سُنے بغیر آپ انکے شکوک کا ازالہ کیونکر کر سکیں گے۔ لیکن کیا اس طرح دہریت کی تبلیغ کا شاخسانہ کھڑا نہ ہو جائے گا؟ یہی حال الحاد کے بارہ میں ہے۔ اوّل تو علماء کے ہاں الحاد قرار دینے میں بے حد وسعت ہے اِس غیر معیّن لفظ سے بہت سے فتنے پیدا ہو سکتے ہیں۔ شیعہ صاحبان کے بیسیوں مسائل و عقائد کو اہل حدیث الحاد قرار دیتے ہیں اور اہل حدیثوں کے کئی خیالات کو دوسرے علماء صریح الحاد و زندقہ ٹھہرا چکے ہیں۔ پھر عیسائیوں کی تبلیغ کا سوال

ہے آپ جب ان کو اسلام کی تبلیغ کرنے کا حق رکھتے ہیں تو کیا وہ آپ سے یہ مطالبہ نہ کریں گے کہ ہماری تبلیغ بھی سُنی جائے۔ کیا یہ صورتِ حال مہذب دُنیا کی نظروں میں اسلامی ثقافت کی تذلیل ہوگی کہ علماء دوسروں کو تبلیغ کرنے کا حق مانگتے ہیں مگر انہیں یہ حق دینے کے لئے تیار نہیں؟ باقی رہا قرآن و سُنّت کی توہین و استہزاء کا سوال تو یہ بھی علماء کی نگاہ میں عام مرض ہے سُنّی شیعوں کو قرآن کی توہین کرنے والے بتلاتے ہیں اور شیعہ اہلحدیثوں پر تحریف کرنے کا الزام لگا کر انہیں توہینِ قرآن کا مرتکب گردان رہے ہیں اور یہ سلسلہ کسی جگہ ختم نہیں ہوتا۔ سب فرقے ایک دوسرے پر اسی طرح کے الزام لگا رہے ہیں "دربحث" اور "دعوت" پڑھنے والے اس لامتناہی سلسلہ سے خوب واقف ہیں۔ ہمارے نزدیک ہمیں دہریت اور الحاد کی تبلیغ سے خوف زدہ ہو کر قانون کی پناہ نہ لینی چاہیئے۔ یہ زمانہ تو لیظہرہ علی الدین کلہٖ کا ہے۔ اسلام اپنی حقانیت، اپنے زندہ معجزات اور اپنے پُر رعب دلائل کے ساتھ دہریت اور الحاد کے قلعوں کو مسمار کرنے کے لئے میدان میں للکار رہا ہے اور اسلام کے سپاہی دہریت اور الحاد کے گھر میں جا کر اس پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ لیکن ہمارے یہ علماء پاکستان میں بیٹھے دہریت و الحاد سے لرزہ براندام ہو کر قانون کی دوہائی دے رہے ہیں۔ کیا ایسے کم ہمت اور کمزور انسان بھی اسلامی قلعہ کی حفاظت کر سکتے ہیں؟ ...... یہ درست ہے کہ تبلیغ دلائل کے ساتھ ہوگی گلوگیر سے نہ ہو۔ اس میں کسی کے جذبات کو مجروح نہ کیا جائے۔ اور دلآزاری نہ کی جائے۔ یہ پابندیاں تو معقول ہیں اور ہر امن پسند شہری انہیں تسلیم کرے گا مگر یہ کیا کہ ہم دہریوں اور ملحدین کو بات کرنے کی بھی اجازت نہ دیں۔ میں سمجھ نہیں سکتا کہ آخر یہ علماء پھر کس مرض کا علاج ہیں؟ اگر یہ دہریوں اور ملحدین کو بھی معقولیت سے جواب نہیں دے سکتے تو ان کا مذہبِ اسلام کا علمبردار ہونا کیا معنے رکھتا ہے؟ پاکستان کے دستور میں غیر مسلموں کو مطلقاً تبلیغ سے روکنا شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ کیا اگر عیسائی اور لادینی ممالک اسلام کی تبلیغ کو قانوناً روک دیں تو آپ اسے پسند کریں گے؟ یہ تو درست ہے کہ کسی شخص کو حق نہیں کہ قرآن مجید کی توہین کرے یا سُنّت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر استہزاء کرے مگر کیا پاکستان میں بسنے والی دوسری قوموں کی مسلّمہ الہامی کتابوں یا مقدس صحیفوں کی توہین و استہزاء جائز ہے اور قانون اس پر گرفت نہ کرے گا؟ یقیناً کسی قوم کی مقدس کتاب یا کسی قوم کے مقدس پیشوا کی توہین و استخفاف جرم ہے اور قانون میں اسے جرم قرار دیا جا چکا ہے۔ اس سے پاکستان میں بسنے والوں میں منافرت پھیلتی ہے اور کوئی حکومت اپنے مُلک کے باشندوں میں منافرت پھیلانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ پس ظاہر ہے کہ علماء کی اس ترمیم سے اگر وہ کوئی خفتہ فتنہ بیدار کرنا نہیں چاہتے تو انہوں نے یہ ترمیم پیش کر کے شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ دین جو دہریوں اور دُنیا بھر کے ملحدوں کو للکار کر کہہ رہا ہے ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین کہ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کرو آج اس دینِ قویم کے بظاہر مدعی یہ ترمیم پیش کر رہے ہیں کہ پاکستان میں دہریت اور الحاد کی تبلیغ کو بزورِ قانون روک دیا جائے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے ربانی علماء کا کام تو "جادلھم بالتی ھی احسن" تھا مگر آہ! آج ان علماء

کا وہ طریق کہاں ہے؟

قادیانیوں کے لئے مخصوص نشستیں

آخر میں "نہایت ضروری ترمیم" جسے علماء نے بقول خود "پورے اصرار" کے ساتھ پیش کیا ہے وہ قادیانیوں کے لئے مخصوص نشستوں کی ترمیم ہے۔ لکھتے ہیں کہ:-

"مسلم نشستوں کے عنوان کے کالم میں پنجاب کے بالمقابل ۸۸ کی جگہ ۸۷ کا عدد درج کیا جائے اور ایک نئے کالم کا اضافہ کیا جائے جس کا عنوان "قادیانیوں کیلئے مخصوص نشستیں" ہو اور اس کالم میں پنجاب کے بالمقابل ایک کا عدد درج کیا جائے"۔

اسجگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جماعت احمدیہ (جنہیں یہ علماء غیر اسلامی طریق پر "قادیانی" کہتے ہیں) نے جب مخصوص نشستوں کا سوال ہی نہیں اُٹھایا تو آپ خواہ مخواہ ان کے لئے ایک نشست کیوں مخصوص کر رہے ہیں؟ اپنی اس خود ساختہ ترمیم کیلئے "اکابر علماء" نے وجہ جواز کے طور پر دھمکی آمیز لہجہ میں کہا ہے کہ:-

"ملک کے دستور سازوں کے لئے یہ بات کسی طرح موزوں نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک کے حالات اور مخصوص اجتماعی مسائل سے بے پرواہ ہوکر محض ذاتی نظریات کی بناء پر دستور بنانے لگیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ملک کے جن علاقوں میں قادیانیوں کی بڑی تعداد مسلمانوں کے ساتھ ملی جلی آباد ہے وہاں اس قادیانی مسئلہ نے کس قدر نازک صورتِ حال پیدا کر دی ہے۔ انکو پچھلے دور کے بیرونی حکمرانوں کی طرح نہ ہونا چاہیئے جنہوں نے ہندو مسلم مسئلہ کی نزاکت کو اُسوقت تک محسوس کرنے ہی نہ دیا جبتک متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ دونوں قوموں کے فسادات سے خون آلودہ نہ ہوگیا۔ جو دستور ساز حضرات خود اِس ملک کے رہنے والے ہیں اُنکی یہ غلطی بڑی افسوسناک ہوگی کہ وہ جب تک پاکستان میں قادیانی مسلم تصادم کو آگ کی طرح بھڑکتے ہوئے نہ دیکھ لیں اُسوقت تک انہیں اِس بات کا یقین نہ آئے کہ یہاں ایک قادیانی مسلم مسئلہ بھی موجود ہے جسے حل کرنیکی شدید ضرورت ہے"۔

اس عبارت کا صرف ایک مطلب ہے اور وہ یہ کہ علماء صاحبان پاکستان کے مسلمانوں کو جماعت احمدیہ کے پُرامن شہریوں کے خلاف خونریزی پر اُبھار رہے ہیں۔ یہ خواہش کہ احمدیوں کے خون سے ملک کا گوشہ گوشہ رنگ دیا جائے علماء کا پُرانا مشغلہ ہے اور تحریکِ احمدیت کے آغاز سے ہی یہ مولوی لوگ احمدیوں کو واجب القتل ٹھہراتے رہے ہیں۔ علماء دستور ساز اسمبلی کو چیلنج کر رہے ہیں کہ اگر ان کی مندرجہ بالا "پُر اصرار" ترمیم کو حسبِ سابق درخورِ اعتناء نہ سمجھا گیا تو وہ عوام کو برانگیختہ کر کے ملک میں احمدیوں کا قتل عام کرائیں گے۔ علماء نے اس اقتباس میں جس قدر غلط بیانی و خطرناک انگیخت سے کام لیا ہے اسکا معاملہ تو آئینی حکومت کے سپرد ہے ہم اُن سے التجاء کرتے ہیں کہ وہ ان ظالمانہ منصوبوں کو پنپنے نہ دے۔ لیکن میں ان علماء سے پوچھتا ہوں کہ اگر فی الواقع ملک میں "قادیانی مسلم مسئلہ" اِسی نوعیت کا ہے جیسا کہ ان لوگوں نے بیان کیا ہے تو اس کا یہ کیا حل ہوا کہ "قادیانیوں کو پنجاب کی اٹھاسی مسلم نشستوں میں سے ایک نشست دیدو"۔ اب جبکہ "قادیانیوں" کے پاس ایک بھی نشست نہیں تو علماء ان سے اتنے تنگ آ رہے ہیں کہ گویا انگاروں پر لوٹ رہے ہیں اگر "قادیانیوں" کیلئے نشستیں مخصوص ہوگئیں تو علماء کا کیا حال ہوگا؟ میں صرف یہ پوچھتا ہوں کہ علماء کی بیان کردہ بیماری اور انکے تجویز کردہ علاج میں تناسب کیا ہے؟ کیا متحدہ پنجاب میں ہندو اور مسلمانوں کی نشستوں کے مخصوص ہوجانے کے نتیجہ میں خونریزی رُک گئی تھی؟ اگر نہیں تو پھر نشستوں کے مخصوص کرنے کو علاج سمجھنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

اِس فتنہ کا موجب خود علماء ہیں۔ وہ اپنی اشتعال انگیزی کو چھوڑ دیں تو یہ فتنہ خود بخود فرو ہو جاتا ہے۔ اِس وقت تو یہ علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پیشگوئی

"من عندھم تخرج الفتنة
وفیھم تعود۔"

کی اپنے عمل سے تصدیق کر رہے ہیں۔

شیعوں کی طرف سے مخصوص نشستوں کا مطالبہ۔

جماعت احمدیہ تو مسلمانوں کے اتحاد اور پاکستان کے استحکام کے پیش نظر نشستوں کے مخصوص کرانے کا کوئی مطالبہ پیش نہیں کرتی۔ علماء خواہ مخواہ نشستوں کے مخصوص کئے جانے کی سفارش فرما رہے ہیں۔ ان لوگوں کو اگر ایسا ہی نشستوں کے مخصوص کرنے کا شوق ہے تو لیجئے کراچی کا شیعہ روزنامہ المنتظر لکھتا ہے کہ:-

"اِس مظلوم قوم (شیعہ) کو ایک جداگانہ اقلیت قرار دیدیا جائے تاکہ یہ اپنے حقوق کی حفاظت میں اپنی آبادی کے تناسب سے نمائندوں کا انتخاب کر سکے۔ کم از کم اِس طرح اِس قوم کی زندگی خطرہ سے دُور ہو جائے گی۔ وقت آگیا ہے کہ اِن تمام حالات کا سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے۔ اگر دستور یہ پاکستان میں ہندوؤں کے لئے جگہ ہے تو پھر شیعوں کیلئے جگہ نکالی جائے۔"

اِس عبارت کو نقل کرتے ہوئے شیعہ اخبار "دُرِّ نجف" سیالکوٹ لکھتا ہے کہ:-

"ہم محترم معاصر کے خیالات سے متفق ہیں۔" (دُرِّ نجف ۲۴ر اکتوبر ۵۲ء)

اِس اقتباس سے ظاہر ہے کہ شیعہ حضرات اپنی مظلومیت کی وجہ سے ان علماء سے مطالبہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ کہ شیعوں کو جُداگانہ اقلیت قرار دیدیا جائے اور وہ دستوریہ پاکستان میں ہندوؤں کی مثال پر اپنے لئے علیحدہ جگہ کے طالب ہیں۔ ہم مسلم قوم کی سالمیت کے پیش نظر شیعہ بھائیوں کے مطالبہ کو مناسب نہیں سمجھتے۔ گو ہم جانتے ہیں کہ شیعوں نے یہ مطالبہ انتہائی مجبوری میں کیا ہے۔ تاہم وہ علماء جو احمدیوں کے لئے نشستیں مخصوص کرنے پر اصرار کر رہے ہیں وہ فی الحال شیعوں کے بارے میں اپنے شوق کو پورا کر لیں۔ اور اگر خدانخواستہ ان علماء کو ناخن مل گئے تو شیعوں کے بعد دوسرے اکثر بلکہ فرقوں کی نوبت بھی جلد آ جائیگی۔ اور خدا نہ کرے کہ دُنیا پاکستان میں ان بے رحم علماء کے طفیل وہی نظارہ دیکھے جو ان جیسے لوگوں کے ہاتھوں سلطنتِ بغداد دیکھ چکی ہے۔

علماء کی انتہائی چیرہ دستی

علماء نے لکھا ہے کہ:-

"اِس مسئلہ کو جس چیز نے نزاکت کی آخری حد تک پہنچا دیا ہے وہ یہ ہے کہ قادیانی ایک طرف مسلمان بن کر مسلمانوں میں گھستے بھی ہیں اور دوسری طرف عقائد، عبادات اور اجتماعی شیرازہ بندی میں مسلمانوں سے نہ صرف الگ بلکہ ان کے خلاف صف آراء بھی ہیں اور مذہبی طور پر تمام مسلمانوں کو علانیہ کافر قرار دیتے ہیں۔"

اگر کوئی دہریہ یا غیر مسلم ایسی غلط بیانی کرتا تو ہم سمجھتے کہ

اسے قرآنی تعلیم لا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ الّا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ کا علم نہیں مگر حیرت تو یہ ہے کہ یہ لوگ علماء کہلا کر ایسی غلط بیانی کر رہے ہیں۔

جب احمدی مسلمان ہیں اور اسلام کے تمام عقائد کو مانتے ہیں، اس کی مقرر کردہ عبادات کو بجا لاتے ہیں اور اسکے مقرر کردہ اجتماعی نظام اور شیرازہ بندی کے پابند ہیں تو ان کے مسلمانوں میں گھُسنے کا کیا مطلب؟ کیا یہ کہنا درست ہے کہ حنفی مسلمانوں میں گھُستے ہیں، شیعہ مسلمانوں میں گھستے ہیں، اہل حدیث یا اہل قرآن مسلمانوں میں گھُستے ہیں؟ اگر درست نہیں تو یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ احمدی مسلمانوں میں گھُستے ہیں؟

مسلمانوں سے الگ ہونے اور ان کے خلاف صف آرا ہونے کا سوال مسلمانوں کے قومی معاملات میں ہی پیدا ہو سکتا ہے اور متحدہ ہندوستان سے لیکر آج تک جماعت احمدیہ مسلمانوں کے ہر قومی معاملہ میں انکے ساتھ رہی ہے۔ بلکہ یہ کہنے میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں کہ اس بارے میں جماعت احمدیہ ایسی غریب اور قلیل التعداد والی جماعت نے اپنی بساط سے بڑھ کر ایثار اور قربانی کی ہے۔ ان ملانوں کی نظر تو میت کے غسل اور جنازے تک ہی محدود ہوتی ہے مگر صائب الرائے مسلمان جانتے ہیں کہ سائمن کمیشن سے لے کر قیامِ پاکستان تک تحریک شدھی سمیت ہر معاملہ میں جماعت احمدیہ نے ہر رنگ میں مسلمانوں کے سارے فرقوں کی نہ صرف ہمنوائی کی بلکہ ہر قسم کی قابلِ تعریف قربانی پیش کی ہے۔ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی اور ہے۔ مسلم لیگ اور قائدِ اعظم مرحوم کے دوش بدوش اور ان کی زیرِ کمان احمدیوں نے اسی طرح اس کی جنگ لڑی ہے اور اُس وقت لڑی۔ احرار اور یہ مودودی پارٹی والے پاکستان کے خلاف تھے، اسے "پلیدستان" کہتے تھے۔ اور مسلم لیگ اور قائدِ اعظم مرحوم کو ناگفتہ بہ گالیاں دیتے تھے۔ میں کبھی باور نہیں کر سکتا کہ پاکستان بن جانے اور آزادی مل جانے پر مسلمان قوم مسلمانوں کے جماعتی مفاد کو تباہ کر کے ان لوگوں کی انگیخت پر احمدی جماعت کی قربانیوں کو نظر انداز کر سکتی ہے؟ ہم نے وہ قربانیاں اپنا ملی اور ملکی فرض سمجھ کر ادا کی ہیں۔ ہم ان کا کوئی صلہ کسی سے طلب نہیں کرتے مگر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آج ان علماء اور مودودیوں کا جماعت احمدیہ کو مسلمانوں کے مقابل صف آراء قرار دینا انتہائی غلط بیانی اور خطرناک ظلم ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ظلم کا جلد ازالہ فرمائے گا۔ افسوس کہ یہ تینتیس ۳۳ علماء کتنا غلط مسلک اختیار کر رہے ہیں۔

یہ کافر گر مولوی عمر بھر کسی کو مسلمان نہ بنا سکے۔ ساری عمر تکفیر بازی میں بسر کرتے رہے اور سارے مسلمان فرقوں کو نام بنام کافر لکھ چکے ہیں اور احمدیوں کو تو روزِ اول سے انہوں نے کافر، مرتد اور واجب القتل قرار دے رکھا ہے۔ ہمارے مقاطعے ہوئے، ہمارا پانی بند کیا گیا، ہمیں سنگسار کیا گیا، ہمارے مُردے قبروں سے نکال کر کتوں کے آگے پھینکے گئے۔ پچاس برس تک ان مظالم کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو رنگنے کے بعد آج یہ علماء مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مذہبی طور پر تمام مسلمانوں کو علانیہ کافر قرار دیتے ہیں"۔

اِس فتنہ کا موجد ... ٹ ہے۔ جماعت احمدیہ کسی مسلمان کو کافر کو چھوڑ دیں آ ... علانیہ نہ خفیہ۔ ہم تو دن رات کافروں کو بہ علا ... بنانے کے فکر میں گھُل رہے ہیں۔ ہم تو اپنے پیٹ کاٹ کر کفرستانوں میں اسلام کے نام کو بلند کرنے کیلئے چندے دے رہے ہیں، ہم تو اپنے نونہالوں اور جگر گوشوں کو کُفر کے ویرانوں میں بھیج رہے ہیں تا دُنیا کے کونے کونے میں اسلام کا پرچم لہرائے۔ مگر یہاں کراچی میں جمع ہونیوالے علماء انتہائی ظلم کے ساتھ یہ کہہ رہے ہیں کہ جماعت احمدیہ مسلمانوں کو کافر کہہ رہی ہے حنفی، شیعہ، اہلحدیث، دیوبندی، بریلوی اور مودودی وغیرہم ایک دوسرے کو کافر کہیں، مرتد قرار دیں تو وہ تو مسلمانوں کو علانیہ کافر کہنے والے نہ ٹھہرائے جائیں مگر جماعت احمدیہ اس ضمن میں ایک اصطلاحی مسئلہ بیان کرے تو اسے مسلمانوں کو کافر کہنے والی جماعت کہہ کر گردن زدنی و کشتنی قرار دیدیا جائے۔ حالانکہ دیوبندیوں اور بریلویوں، شیعوں اور سُنیوں وغیرہ کے آپس کے فتوی ہائے تکفیر انتہائی ہولناک ہیں۔ اِس بارے میں جماعتِ احمدیہ کا مسلک حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے الفاظ میں حسب ذیل ہے حضور فرماتے ہیں:۔

"مَیں پھر ایک دفعہ اعلان کر دیتا ہوں کہ ہم کفر کے وہ معنی نہیں سمجھتے جو وہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ ہم کافر جہنمی کسی کو نہیں کہتے۔ اور نہ یہ کہتے ہیں کہ ہر کافر دوزخ میں جائے گا۔ ہمارے نزدیک کفر کا اطلاق ایک خاص حد کے بعد ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اسلام کو اپنا مذہب قرار دیتا ہے اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کو اپنا دستور العمل سمجھتا ہے اُس وقت مسلمان کہلانے کا مستحق ہوجاتا ہے اور حقیقی معنوں میں وہ مسلمان اُس وقت ہوتا ہے جب کامل طور پر اسلام کی تعلیم پر عمل کرتا ہے لیکن اگر وہ اسلام کے اصول میں سے کسی اصل کا انکار کر دیتا ہے تو گو وہ مسلمان کہلاتا ہے مگر حقیقی معنوں میں وہ مسلم نہیں رہتا۔ پس کافر کے ہم ہرگز یہ معنے نہیں لیتے کہ ایسا شخص محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے۔ جو شخص کہتا ہو کہ میں محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتا ہوں اُسے کون کہہ سکتا ہے کہ تُو انہیں نہیں مانتا۔ یا کافر کے ہم ہرگز یہ معنے نہیں لیتے کہ ایسا شخص خدا تعالیٰ کا منکر ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کہتا ہو کہ مَیں خدا تعالیٰ کو مانتا ہوں تو اُسے کون کہہ سکتا ہے کہ تُو خدا تعالیٰ کو نہیں مانتا۔ ہمارے نزدیک اسلام کے اصول میں سے کسی اصل کا انکار کُفر ہے جس کے بغیر کوئی شخص حقیقی طور پر مسلمان نہیں کہلا سکتا۔"

(الفضل یکم مئی ۱۹۳۵ء)

علماء کا پیش کردہ حل سراسر غیر معقول ہے

علماء کی ترمیم کی آخری سطر یہ ہے کہ:۔

"اِس خرابی کا علاج آج بھی یہی ہے اور پہلے بھی یہی تھا کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیدیا جائے۔"

سیاسی طور پر یہ مطالبہ قائدِ اعظم اور اُنکی قائم کردہ بنیادِ اتحاد

کو برباد کرنے کے مترادف ہے اور جماعتِ احمدیہ سے بدلے درجہ کی بدعہدی - قائدِ اعظم مرحوم نے مسلمان کہلانے والوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور سب کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے اکٹھا کیا - اس میں شیعہ، سُنّی، احمدی اور اہلحدیث کی کوئی تفریق نہ تھی - اس دانشمندانہ سیاست کے ذریعہ پاکستان حاصل کیا گیا لیکن مودودی قسم کے مُلّا اِس اتحاد کے شیرازہ کو تار تار کرنے کے لئے سب سے پہلے "قادیانیوں کو الگ اقلیت" قرار دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

یہ مطالبہ آج جبکہ پاکستان بننے پر بھی پانچ برس گذر چکے ہیں جماعت احمدیہ کے ساتھ انتہائی بدعہدی ہے۔ ان علماء کو اِس امر کا فیصلہ اُسی وقت کرنا چاہیئے تھا جب کانگرس اور مسلم لیگ میں دو قوموں کے نظریہ پر لڑائی ہو رہی تھی۔ آج اس لڑائی جیتنے والے سپاہیوں کے ایک حصہ کو پاکستان کے فوائد سے محروم کرنے کے منصوبے ایسے مولوی کر رہے ہیں جو اِس لڑائی کے وقت مخالف کیمپ میں شامل تھے۔ ان مودودیوں اور ان علماء کو اُس وقت پاکستان کی کھُلی مخالفت سے فرصت نہ تھی اب وہ اندرونی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ بہرحال یہ بے وقت کی راگنی ہے جسے شائد علماء کے گروہ کے سوا اور کوئی گانے کے لئے تیار نہ ہوگا۔

مذہبی طور پر بھی یہ مطالبہ غیر معقول ہے۔ علماء نے جنوری ۱۹۵۱ء میں جو بائیس ۲۲ اصولِ موضوعہ شائع کئے تھے ان میں باشندگانِ پاکستان کو دو ۲ قسموں میں تقسیم کیا تھا - (۱) مُسلم - (۲) غیر مُسلم پھر مسلم باشندوں کو دو ۲ قسموں میں تقسیم کیا گیا - (۱) مسلمہ اسلامی فرقے (۲) غیر مسلمہ اسلامی فرقے - ان اصول میں علماء نے کمال ہوشیاری سے کام لیکر یہ تصریح نہ کی تھی کہ مسلمہ اسلامی فرقے کون کون سے ہیں اور غیر مسلمہ اسلامی فرقے کون کون سے ہیں۔ اب دو سال بعد احمدیوں کو الگ اقلیت قرار دلوانے کی ترمیم پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ احمدیوں کو علماء نے پہلے کس زمرہ میں شمار کیا تھا۔ یہ ۱۹۵۱ء میں بھی غیر مسلموں میں سمجھے گئے تھے؟ اگر یہ سچ ہے تو علماء کے نزدیک اُس وقت غیر مسلمہ اسلامی فرقے کون کون تھے اور اب کون کون ہیں؟ اور اگر ۱۹۵۱ء کے اصولِ موضوعہ کے رُو سے چالاک علماء نے مسلمہ اسلامی فرقے اور غیر مسلمہ اسلامی فرقے کی اصطلاح ایجاد ہی احمدیوں کی خاطر کی تھی تو ماننا پڑے گا کہ ۱۹۵۱ء میں اکتیس ۳۱ علماء کے نزدیک احمدی تھے تو اسلامی فرقہ مگر ہاں وہ غیر مسلمہ اسلامی فرقہ تھے۔ اگر علماء کی اُس وقت یہی ذہنیت تھی تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب علماء کس مُنہ سے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیتے ہیں۔ کیا یہ علماء کا صریح تضاد نہیں ہے؟

پھر اس مطالبہ کی غیر معقولیت اِس طرح بھی ظاہر ہے کہ علماء نے لکھا تھا کہ :-

"غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو حدودِ قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا" (اصول موضوعہ کا قاعدہ ۱۰)

…ں فتنہ کا مو… …ٹ ہے۔
…علانیہ نہ خفیہ پاکستان علماء کے غیر معقول مطالبہ کے …دیں تو… …نانے کے فک… …مدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدے اور احمدی …کہ… اپنے مذہب کے موافق اپنے فیصلے قرآن مجید اور سنتِ نبویؐ کے مطابق کرائیں تو گویا دُنیا یہ نظارہ دیکھے گی کہ پاکستان کی غیر مسلم اقلیت قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہے۔ کیا دُنیا کے دانشور اس نظارہ کو دیکھ کر پاکستان کے اربابِ اقتدار کی عقلوں کا ماتم نہ کریں گے؟ ایسی صورت میں پاکستان دُنیا بھر میں ایک مُلک ہوگا جس پر دوسرے مسلمان اور غیر مسلمان ممالک ہنسیں گے اور یہ سب کچھ اِن عاقبت نا اندیش علماء کے اِس غیر معقول مطالبہ کو ماننے کے نتیجہ میں ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اگر علماء بھی اِس تجزیہ پر غور کریں گے تو اپنے کئے پر نادم ہوں گے۔ مَیں کہتا ہوں کہ آپ بیرونی مُلکوں کی نظروں میں عزت و ذلت کے سوال کو نظر انداز بھی کر دیں صرف پاکستان کی آئندہ نسل کا ہی تصور کریں، وہ دیکھیں گے کہ اِس مُلک کے دستور کے رُو سے ایک جماعت کو غیر مسلم قرار دیدیا گیا حالانکہ وہ قرآن مجید کے پیشکردہ عقائد کو مانتی اور اسکے احکام پر چلتی ہے۔ آئندہ نسل دیکھے گی کہ مسجدوں کو آباد کرنے والے، کفرستانوں میں مسجدیں بنانے والے، باقاعدہ پانچوں نمازیں پڑھنے والے، قرآنِ مجید کی اشاعت کرنے والے، ہر وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود پڑھنے والے، شریعت پر عمل کرنیوالے اور دُنیا کے کونے کونے میں اسلام کا جھنڈا گاڑنے والے تو پاکستانی دستور کے رُو سے کافر اور غیر مسلم ہیں لیکن مسجدوں کو ویران کرنے والے بے نماز، اشاعتِ قرآن مجید سے غافل، اسلام کی تبلیغ سے سراسر بیگانہ اور شریعت کو پس پُشت پھینکنے والے پاکستانی قانون کے رُو سے پکے مومن اور مسلمان ہیں۔ کیا اِس منظر کو دیکھ کر اگلی نسلوں کے سر ندامت سے جھک نہ جائیں گے کہ ہمارے اکابر علماء نے کیا ظلم کمایا ہے۔

پس احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ سیاسی اور مذہبی ہر لحاظ سے غیر معقول، غیر دانشمندانہ بلکہ سراسر ظالمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اِن لوگوں کو سمجھ دے اور اپنے سلسلہ کی خود حفاظت فرمائے آمین۔ ثم آمین۔

مشرقی و مغربی پاکستان کی مساوات پر خاموشی اور اس کا سبب۔

دستوری سفارشات میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے لئے نمائندگی کی مساوات کا اصول تجویز کیا گیا ہے۔ دستوری سفارشات پر تنقید کرنے والوں نے اِس شق کو خاص طور پر قابلِ تنقید ٹھہرایا ہے اور اِس بات پر بہت لے دے ہو رہی ہے۔ آخر قرار پایا کہ اِس بارے میں پنجاب اور مشرقی پاکستان کے نمائندے براہِ راست گفتگو کریں۔ گویا یہ مسئلہ ایک نہایت اُلجھن پیدا کرنے کا موجب بن رہا ہے۔ کراچی میں علماء نے اس کے متعلق اپنے بیان میں لکھا ہے کہ:

"ایوانِ ولایت (ہاؤس آف یونٹس) اور ایوانِ جمہور (ہاؤس آف دی پیپل) کی ترکیب وتشکیل جس طرح کی گئی ہے اس میں متعدد امور ایسے ہیں جو اس مجلس کے نزدیک قابلِ اعتراض ہیں اور ان میں بڑی بے اصولی بھی پائی جاتی ہے۔ مگر چونکہ اس وقت مختلف صوبوں کے

سیاسی رہنماؤں کے درمیان ان امور میں گفت و شنید ہو رہی ہے اور ہم اس میں خلل ڈالنا پسند نہیں کرتے اسلئے ان کے بارہ میں ہم سر دست اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں۔"

(کوثر ۲۸ جنوری)

سوال یہ ہے کہ جب علماء دستور ساز مجلس کی پیش کردہ سفارشات پر تبصرہ کرنے اور ترامیم پیش کرنے کیلئے جمع ہوئے تھے تو اس اہم ترین شق کے متعلق اپنی رائے محفوظ رکھنے کا کونسا موقع تھا؟ اس عبارت سے بظاہر ملک کی خیر خواہی اور خلل ڈالنے سے اجتناب کی پالیسی دکھائی دیتی ہے مگر حقیقت اس کے خلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے یہ جالینوس ملک کے سیاسی رہنماؤں کا امتحان لینا چاہتے ہیں اور اپنے "اصل علاج" کو اسوقت تک ظاہر کرنے کے لئے تیار نہیں جب تک ملک تباہی کے گڑھے کے قریب نہ پہنچ جائے۔ ہمارا یہ بیان کوئی بدگمانی نہیں، جناب مودودی صاحب نے کھلے مجمع میں اس راز کا انکشاف کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"سب سے آخر میں پیرٹی کا مسئلہ ہے، جس پر ہر طرف سے اتنی لے دے ہو رہی ہے لیکن علماء نے اس کے متعلق اپنا فیصلہ محفوظ رکھا ہے۔ اسلئے کہ معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ خود ہی اس کے متعلق کسی نہ کسی سمجھوتے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو فھو المراد لیکن اگر یہ کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے، جو آگ ان لوگوں نے بھڑکائی ہے اسے نہ بجھا سکے اور پھر پبلک کو بھی اچھی طرح اس بات کا علم ہو جائے کہ ان کے ارباب اقتدار صرف آگ لگانا ہی جانتے ہیں اسے بجھانا نہیں جانتے اور ملک واقعی کسی تباہی کے قریب پہنچ جائے تو پھر علماء اُٹھیں گے اور ان کے سامنے وہ فیصلہ رکھ دیں گے، جس سے انشاء اللہ یہ توقع ہے کہ وہ آگ بجھ جائے گی اور پنجاب بھی جسے بخوشی قبول کرے گا اور بنگال بھی۔"

(کوثر یکم فروری ۵۳ء)

گویا ۳۳ علماء قرآن و حدیث کے اصول و ہدایات بیان کرنے کے لئے جمع نہ ہوئے تھے، عوام کی رہنمائی کرنا اور انہیں دینی تعلیمات سے آگاہ کرنا ان کے مدنظر نہ تھا وہ تو صرف اپنی برتری منانا چاہتے ہیں اور "ہمچو ما دیگرے نیست" کے ثابت کرنے کے لئے انہیں یہ منظور ہے کہ بنگال اور پنجاب میں آگ لگی رہے اور ملک تباہی کے قریب پہنچ جائے۔ علماء کے نزدیک ملک کے سیاسی رہنما اندھے ہیں اور وہ خود بھی آگ سے کھیل رہے ہیں اور ملک کو بھی آگ میں دھکیل رہے ہیں لیکن علماء ابھی اپنا خفیہ جنتر منتر بتانے کے لئے تیار نہیں حالانکہ ان کے پاس وہ جادو ہے کہ جس سے بنگال بھی خوش ہو جائے گا اور پنجاب بھی۔ پچھلے بزرگ، تو فرمایا کرتے تھے۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
وگر خاموش بنشینم گناہ است

مگر آج کے یہ بڑے علماء پاکستان کے مسلمانوں کو آگ میں

گرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور انہیں تباہی کے قریب جاتے ہوئے خیال کرتے ہیں لیکن ان کے دل ذرا نہیں پسیجتے حالانکہ بزعم خویش ان کے پاس ایسا علاج موجود ہے جس سے یہ آگ فرو ہو سکتی ہے اور مسلمان اس تباہی سے بچ سکتے ہیں۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ علما صرف اپنی برتری منوانے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں انہیں ملک کے باشندوں کی خیر خواہی اور بہبودی سے کوئی سروکار نہیں۔ کیا یہ مذہبی لیڈروں کا کام ہے کہ قوم کو تباہ ہوتے دیکھیں اور خاموش بیٹھے رہیں۔ کیا قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی حکم ہے؟ سچے مسلمان کا تو یہ کام ہوتا ہے کہ وہ حق بات کہتا ہے کوئی اُسے مانے یا نہ مانے وہ خدا کا فیصلہ سُنا دیتا ہے کوئی اس پر عمل پیرا ہو یا نہ ہو۔ مگر چودھویں صدی کے یہ ۳۳ "اکابر علماء" اُس وقت خدا اور رسولؐ کی بات سُنائیں گے جب ان کو مسند اقتدار پر بٹھا دیا جائے اور ان کے علم و فضل کے قصیدے گائے جائیں۔

وقت کا تقاضا تھا کہ علماء اس شق پر صحیح رہنمائی کرتے اور حق بات بیان کرتے علماء کو معلوم تھا کہ ایسے موقع پر خاموش رہنے والے کے متعلق حدیث نبوی میں سخت وعید آیا ہے۔ الساکت عن الحق شیطان اخرس کہ حق بات کہنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہوتا ہے۔ اسلئے میں تو یہ نہیں سمجھ سکتا کہ علماء نے جانتے بوجھتے اس وقت خاموشی کو ترجیح دی ہو۔ اس وقت انکی خاموشی کو ان کے کامل عجز پر محمول کیا جاتا ہے۔ اخبارات کہہ رہے ہیں کہ علماء نے اپنی عاجزی کو چالاکی کے نیچے چھپانا چاہا ہے

کیونکہ اگر سمجھوتہ ہو گیا تو یہ حضرات کہہ دیں گے کہ ہماری بھی یہی رائے تھی اور ہم نے پہلے ہی "فهو المراد" کہہ دیا تھا۔ لیکن اگر خدا نخواستہ سمجھوتہ نہ ہو سکا اور فریقین میں بدستور اختلاف رہا تو یہ صاحبان ایک یا دوسری رائے ظاہر کر کے خاموشی اختیار کر لیں گے۔ اندریں حالات ماننا پڑیگا کہ یا تو علماء کو اس مشکل کا حل معلوم نہ تھا مگر ان علماء کے لئے "نہ جاننے" کا اعتراف کرنا ناممکن تھا اسلئے انہوں نے اپنی کمزوری کو مذکورہ بالا بھونڈے طریق پر چھپانے کی کوشش کی ہے اور یا پھر علماء حسب دستور اس بات سے ڈر گئے ہیں کہ کہیں پنجاب والے یا بنگال والے ہم سے ناراض نہ ہو جائیں اسلئے "غیر جانبداری" کا طریق اختیار کر لو۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں علماء کے منصب اور ان کی شان کے صریح خلاف ہیں۔ باقی رہا جناب مودودی صاحب کا نیا ایجاد کردہ خیال تو وہ تو اور بھی علماء کی شان کے منافی ہے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔

نہایت رنجدہ سانحہ

ملک حبشہ سے ایک نوجوان السید رضوان عبداللہ علم دین سیکھنے ربوہ (پاکستان) آیا تھا تاکہ واپس جا کر اپنے ملک کی عیسائی اور دیگر اقوام کو اسلام کی طرف دعوت دے۔ یہ ہونہار، بااخلاق اور نہایت محنتی طالب علم ساڑھے تین سال تک مسلسل دن رات علم دین سیکھتا رہا۔ مگر افسوس کہ گذشتہ ماہ جامعہ احمدیہ کے طلبہ کے ساتھ دریائے چناب پر نہانے گیا اور پانی میں ڈوب گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم رضوانؓ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور اسکی اس غریب الوطنی کی دوہری شہادت کی موت پر اسکے والدین و دیگر رشتہ داروں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا

قرآنی حقائق و معارف بیان کرنے والا ماہنامہ

الفرقان

جلد ۳ نمبر ۱۲ — قرآن نمبر — ماہ دسمبر ۱۹۵۳ء

یہ رسالہ ہر ماہ کی بیس تاریخ کو مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر:
ابو العطاء جالندھری

چندہ سالانہ: پانچ روپے

قرآن نمبر کی قیمت ایک روپیہ

مقامِ اشاعت
احمد نگر ربوہ ضلع جھنگ
پاکستان

ہمارا چاند

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے قلم سے

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاک رحماں ہے

بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

کلامِ پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے

ملائک جسکی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی
سخن میں اسکے ہمتائی کہاں مقدورِ انساں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اس پہ آساں ہے

ارے لوگو کرو کچھ پاس شانِ کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے
خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے

اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذاتِ واحد کا
تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے

یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمہارے جہل کے پردے
خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھ خوفِ یزداں ہے

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم ــــــــــ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

الفرقان

(قرآن نمبر)

فہرست مضامین

(طابع وناشر ابو العطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا سے چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر۔ ربوہ سے شائع کیا)

قرآن کریم کی ترتیبِ نزول اور ترتیبِ تحریر میں فرق کی حکمت

تحریر فرمودہ حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ پہلا سلسلہ سورتوں کا مدنی ہے۔ ان میں سے صرف دو مکی ہیں یعنی سورۃ انعام اور سورۃ اعراف لیکن یہ سورتیں ہجرت کے بالکل قریب نازل ہوئی ہیں اور اس وجہ سے مدنی سورتوں کی طرح ہی سمجھنی چاہئیں۔ سورۃ یونس اور اس کے ساتھ کی سورتیں سب کی سب مکی ہیں اور ان میں سے بعض وسطی زمانہ کی اور بعض ہجرت کے قریب کی ہیں پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ان مدنی سورتوں کو پہلے کیوں رکھا گیا ہے۔ اور مکی سورتوں کو بعد میں کیوں رکھا گیا ہے۔ اگر پہلی سورتوں کو مضمون کے لحاظ سے پہلے ہی پڑھنا مناسب تھا تو کیوں خدا تعالیٰ نے ان کو پہلے نازل نہ کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک کام حکمت سے پُر ہوتا ہے۔ چونکہ نبی کے پہلے مخاطبوں اور بعد میں آنے والوں کی ضرورتوں میں فرق ہوتا ہے اسلئے قرآن کریم کے نزول کی ترتیب اور تحریر کی ترتیب میں فرق رکھا گیا ہے۔ نزول کی ترتیب ان لوگوں کے حالات کو مدنظر رکھ کر ہے جو قرآن کریم کے پہلے مخاطب تھے اور جمع کی ترتیب ان لوگوں کو مدنظر رکھ کر ہے جو بعد میں آنے والے تھے اب یہ امر ظاہر ہے کہ جب کوئی تشریعی نبی دعویٰ کرے گا تو اس وقت اس کی تعلیم یا اس کی پیشگوئیوں کا پورا ہونا زیر بحث نہیں ہوگا کیونکہ نہ تو شروع میں تعلیم مکمل صورت میں لوگوں کے سامنے ہوگی نہ ابھی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آیا ہوگا پس شروع زمانہ میں لوگ ان امور پر بحث نہیں کریں گے بلکہ (۱) سب سے پہلے اسکے ساتھ بحث اس امر پر ہوگی کہ وہ کیسا خدا ہے جس کی طرف سے ہونیکا وہ دعویٰ کرتا ہے۔ اسکی کیا صفات ہیں۔ اسکی کیا طاقتیں ہیں۔ کیا الہام کوئی حقیقت رکھتا ہے۔ انسان کو الہام کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس قسم کے اور سوالات ہوں گے جن کی طرف لوگ توجہ کرینگے۔ پس کلام الٰہی لازماً انہی امور پر مشتمل ہوگا جن کی طرف اس زمانہ کے لوگوں نے توجہ کرنی ہے۔ اور نیز پیشگوئیوں پر جو آئندہ اسکے صدق دعویٰ پر دلیل ہوں۔ اسی طرح شریعت کے بعض ابتدائی مسائل بتائے جائینگے (۲) دوسرا زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ اسکے دعویٰ کی حقیقت کو سمجھ کر اس کی مخالفت پر آمادہ ہونگے

اور اس کی آمد کو عبث قرار دیں گے۔ اور اس کے عقائد جو وہ خدا تعالیٰ کے متعلق یا ایک مذہبی نظام کے متعلق بیان کرتا ہو اُسے رد کریں گے۔ اور کچھ لوگ مان بھی لیں گے۔ اس وقت اس امر کی ضرورت ہوگی کہ اس کی آمد کی غرض کو بتایا جائے اور پہلی تاریخ کی شہادت سے اسکے دعویٰ کو سُنّۃ اللہ کے مطابق بتایا جائے اور عام عقلی دلائل اسکے دعویٰ کی تائید میں بتائے جائیں اور پہلے انبیاء کے حالات سے سبق لینے کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی جائے اور شریعت کی بعض تفصیلات بتائی جائیں۔ اور ماننے والوں کو ان کے فرائض سے اور کامیابی کیلئے جدّ و جہد کے اصول سے آگاہ کیا جائے۔ (۳) پھر اس کے بعد تیسرا زمانہ وہ ہوگا کہ اس میں شریعت مکمل کر کے اس کو بطور حجت کے پیش کیا جائے۔ اور جو پیشگوئیاں پُوری ہو چکی ہوں ان کو پیش کر کے مخالفین کو قائل کیا جائے۔ غرض خود اس نبی کے اپنے کام پیش کر کے بتایا جائے کہ یہ سچا ہے جھوٹا نہیں۔ اور جو کام کر چکا ہے وہی اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ اسے ماننے میں دُنیا کی بہتری ہے۔

لیکن پہلے زمانہ کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ مذہب سے ایسے ناواقف نہ ہوں گے جیسے کہ پہلے زمانہ کے لوگ۔ ان کے سامنے ایک قائم شدہ جماعت ہوگی جس کے دعویٰ سے ایک حد تک وہ واقف ہوں گے۔ ان کے سامنے سب سے پہلا سوال یہی ہوگا کہ اس مدعی کے دعویٰ کو کیوں تسلیم کیا جائے۔ اس کی تعلیم دوسری تعلیموں کے مقابلہ پر کیوں قابلِ قبول ہے اور اس کے کیا کام ہیں؟ جب ان امور کو سمجھ کر کوئی شخص مذہب کی حقانیت کو سمجھ جائے گا تو دوسرے نمبر پر علم کی زیادتی کیلئے اسے یہ ضرورت ہوگی کہ منہاجِ نبوت کی بناء پر اصولی رنگ میں بھی وہ صداقت کو سمجھ لے۔ اور اس کے بعد پھر دوسرے امور کی طرف اس کی توجہ پھرے گی۔

پس اِس طبعی تقاضا کو مدّنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کے نزول کی ترتیب اَور ہے۔ اور اس کے جمع کی ترتیب اَور۔ نزول کی ترتیب پہلے زمانہ کے لوگوں کی ضرورت کو مدِّنظر رکھ کر ہے۔ اور جمع کی ترتیب بعد میں آنے والوں کی ضرورت کو مدِّنظر رکھ کر ہے۔ اور یہ بات خود ایک ایسی بیّن فضیلت ہے جو صاحبِ بصیرت کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے +

(ک)

مضامینِ قرآن!

رقم فرمودہ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے

محترمی مولوی ابو العطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعۃ المبشرین نے مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ میں رسالہ الفرقان کے لئے ایک چھوٹا سا نوٹ "مضامینِ قرآن" کے عنوان کے ماتحت لکھ کر بھجواؤں۔ اس سے چند دن قبل انہوں نے لکھا تھا کہ "ترتیب فی القرآن" کے موضوع پر کچھ لکھوں لیکن اب وہ مؤخر الذکر مضمون کو ترجیح دیتے ہیں۔ میرے لئے یہ مشکل ہے کہ ایک طرف تو یہ دونو مضمون گویا بحرِ بیکراں کا رنگ رکھتے ہیں اور دوسری طرف آجکل جلسہ سالانہ کے قرب اور قافلہ قادیان کے ہنگامی کام کی وجہ سے فرصت بہت ہی کم ہے اور پھر مجھے نقرس کے عارضہ کی وجہ سے (عارضہ ہی کہنا چاہیئے گو وہ اب تو ایک مستقل مرض بن گیا ہے) سخت اعصابی تکلیف رہتی ہے اور طبیعت میں یکسوئی نہیں پیدا ہوتی اسلئے کسی لمبے مضمون کا لکھنا محال ہے تاہم ثواب کی خاطر مؤخر الذکر مضمون کے متعلق ذیل کی چند سطور رسالہ الفرقان کے ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کرتا ہوں۔ یہ نوٹ صرف ایک بیج کے رنگ میں ہے جسے ناظرینِ کرام اپنی اپنی استعداد کے مطابق ترقی دیکر درخت کی شکل دے سکتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین کی نوعیت اور وسعت کو سمجھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض وغایت اور آپؐ کے مقام کا سمجھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے نازل ہوا ہے۔ پس جو غرض وغایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ہے

وہی لازماً قرآن کے نزول کی ہے اور تمام قرآنی مضامین اسی غرض و غایت اور اسی مقصد و منتہاء کے اِرد گرد گھومتے ہیں۔

اب جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کے لئے سورۃ بقرہ کی یہ آیت کلیدی حیثیت میں ظاہر ہوتی ہے کہ :-

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (سورۃ بقرہ آیت ۱۳۰)

"یعنی اے ہمارے پروردگار تو ہماری اِس نسل میں (جو مکہ کی غیر ذی زرع وادی اور عرب کے لق و دق صحرا میں آباد کی جارہی ہے) اپنا ایک رسول مبعوث فرما جو انکو تیری آیات سنائے اور انہیں احکامِ شریعت اور ان کی حکمت سکھائے اور انہیں پاک کر کے تیرے حضور میں بلند کرے۔ یقیناً تو بہت غالب آقا اور تمام حکمتوں کا منبع ہے"۔

یہ وہ عظیم الشان دعا ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے کعبۃ اللہ کی بنیاد رکھتے ہوئے خدا کے حضور کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اَنَا دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ" "یعنی مَیں ابراہیمؑ کی اِس دعا کا ثمرہ ہوں"۔ پس یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت یہی ہے جو اِس دُعا میں بیان کی گئی ہے جو ذیل کے چار ستونوں پر قائم ہے :-

(اوّل) آیات اللہ کا مظہر ہونا یعنی ایسے نشانات اور ایسے معجزات کے ظہور کا منبع ہونا جو خدا کی طرف رہنمائی کرنیوالے اور اسکے قریب لانے والے ہوں۔

(دوم) احکامِ شریعت کا نزول جو انفرادی اور قومی اصلاح کی بنیاد ہیں۔

(سوم) حکمت یعنی احکامِ شریعت کا فلسفہ اور ان کے دلائل وغیرہ بیان کرنا جس کے بغیر دین میں بصیرت حاصل ہونا محال ہے

(چہارم) تزکیہ نفوس یعنی نفوس کو پاک و صاف کر کے مومنوں کو ہر جہت سے ترقی کی منازل کی طرف لے جانا۔

یہ وہ چار عظیم الشان اغراض ہیں جو اِس دُعا میں بیان کی گئی ہیں اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت انہی چار ستونوں پر قائم ہے اور لازماً یہی وہ مربّع بندی ہے جسکے اردگرد تمام قرآنی مضامین گھومتے ہیں۔ بیشک قرآن مجید میں ہزاروں مضامین کا دریا بہہ رہا ہے اور ہر دریا سے ہزاروں نہریں پھوٹتی ہیں مگر ان دریاؤں اور نہروں کا منبع انہی چار چشموں کے پانی کا مرہونِ منّت ہے اور اگر ضمناً گہری نظر سے دیکھا جائے تو قرآنی آیات کا نزول بھی بحیثیتِ مجموعی اِسی ترتیب کا حامل ہے جو اِس آیت میں رکھی گئی ہے۔ یعنی اوّل نمبر پر آیات ہیں۔ اسکے بعد دوم اور سوم نمبر پر احکامِ شرعی اور انکی حکمت ہے جو گویا ایک دوسرے کے توام بھائی ہیں اور بالآخر چہارم نمبر پر تزکیہ کا سامان ہے۔ اور گو موجودہ قرآنی ترتیب کو ایک خاص حکمت کے ماتحت نزول کی ترتیب سے بدل دیا گیا ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں لیکن غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ نزول کی ترتیب اِسی آیت کی ترتیب کے اصول پر قائم ہے جو اوپر درج کی گئی ہے۔

باقی رہا قرآنی احکام کی زمانی وسعت کا سوال سو گو یہ ایک جداگانہ سوال ہے مگر چونکہ اِس سوال کا جواب قرآنی مضامین کی وسعت پر گہرا اثر رکھتا ہے اسلئے اِسجگہ اسقدر بیان کر دینے میں حرج نہیں کہ قرآنی شریعت دراصل ابدی ہی نہیں بلکہ ازلی بھی ہے۔ ابدی ہونا تو اِس کا ظاہر ہے یعنی یہ کہ قرآنی شریعت قیامت تک کے لئے نازل ہوئی ہے جیسا کہ قرآن خود فرماتا ہے:-

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط (سورۃ انعام آیت ۲۰)

"یعنی قرآنی خطاب میں کوئی قومی یا زمانی حد بندی نہیں بلکہ جسے اسکا پیغام پہنچے اور جب پہنچے وہی اسکا مخاطب ہے۔"

اور یہی وہ مضمون ہے جو ایک نہایت لطیف رنگ میں قرآنی آیت خاتم النبیین میں بیان کیا گیا ہے جس سے یہ مراد ہے کہ پہلی تمام نار ربی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وجود میں آکر ختم ہو گئیں اور آئندہ ہر نار آپ کے بابرکت وجود میں سے نکلیگی کیونکہ آپ سلسلہ رسالت کا مرکزی نقطہ ہیں۔ اور ضمناً اسمیں یہ اشارہ بھی ہے کہ قرآنی شریعت ازلی بھی ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ قرآن ایک منفرد اور جداگانہ حیثیت میں نازل نہیں ہوا بلکہ اسمیں خدائی شریعت کا کمال اور معراج مقصود ہے اور وہ یہ کہ ابتدا میں مختلف قوموں اور زمانوں کی محدود ضرورت کے مطابق خدائی شریعت کا نزول شروع ہوا اور پھر آہستہ آہستہ خدائی شریعت قرآن میں آکر اپنے معراج کو پہنچ گئی۔ یہی وہ نکتہ ہے جسکی طرف ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لطیف حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ کنتُ نبیاً و آدم منجدل بین الماء والطین "یعنی میں اسوقت سے نبی ہوں جبکہ ابھی آدم گویا اپنی خلقت کے مراحل میں سے گذرتا ہوا پانی اور مٹی میں لت پت تھا۔"

خلاصہ یہ کہ اولاً قرآنی مضامین ان چار ستونوں پر قائم ہیں جو آیت ربنا وابعث فیھم رسولا میں بیان کئے گئے ہیں اور پھر ثانیاً یہ کہ یہ مضامین اس مقصد کے ماتحت نازل کئے گئے ہیں کہ وہ ہر قسم کی زمانی اور مکانی اور قومی حدود سے آزاد ہو کر تمام قوموں اور تمام زمانوں اور تمام ملکوں کی ہدایت کا سامان مہیا کریں اور یقیناً جو شخص ان دو اصولوں کو سامنے رکھ کر پاک نیت کیساتھ قرآن کا مطالعہ کریگا وہ کبھی بھی اسکی صحیح تفسیر کے رستہ سے بھٹک نہیں سکتا اور اسکے لئے ہر قرآنی آیت اور ہر قرآنی سورۃ گویا ایک نور کا مینار بنکر دائمی اور عالمگیر روشنی مہیا کریگی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین +

خاکسار

مرزا بشیر احمد۔ ربوہ ۱۷/۱۲/۵۲

قرآنی معاشرہ
(یا)
اسلامی سوسائٹی!

قرآنی دعوت پر عمل کا ثمرہ

قرآن مجید ایک زندہ کتاب ہے۔ اس میں غیر معمولی قوتِ تخلیق موجود ہے۔ جب قرآن مجید کا نزول ہوا اس وقت سرزمینِ عرب ہر قسم کے فساد کی آماجگاہ تھی۔ تمام اخلاقی خرابیاں وہاں پر موجود تھیں اور فسق و فجور کا دور دورہ تھا۔ اس وقت کی پسماندہ ترین قوم یعنی عربوں میں اس کا ظہور ہوا۔ چند ہی سالوں میں قرآن مجید کی قوتِ قدسیہ کی تاثیرات کا یہ نتیجہ تھا کہ عرب نہ صرف ایک ممتاز قوم تھے بلکہ دنیا بھر کی قوموں کے ہادی اور رہنما تھے۔ اس حقیقت کا تمام دوستوں اور دشمنوں کو اعتراف ہے۔

قرآن مجید جس معاشرہ یا سوسائٹی کو قائم کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس نے تفصیلی احکام دیئے اور اس معاشرہ کی بنیادیں نہایت محکم طور پر استوار کی ہیں۔

قرآن مجید کی دعوت پر عمل پیرا ہونے سے یہ زمین جنت بن سکتی ہے اور اس پر بسنے والے انسان فرشتے بن سکتے ہیں بلکہ فرشتوں سے بھی افضل قرار پا سکتے ہیں۔ گویا یہ دنیا ایک ارضی بہشت کا نظارہ پیش کر سکتی ہے۔ انسان پورے سکون، پوری دلجمعی اور پورے اطمینان سے زندگی بسر کریں گے۔ کسی کو کسی سے کسی گزند اور نقصان کا خطرہ نہ ہوگا اور ہر شخص بنی نوع انسان کی محبت و ہمدردی سے لبریز دل کے ساتھ سارے کام بجا لا رہا ہوگا۔ سچ ہے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

قرآن مجید کا نصب العین

قرآن مجید نے اپنا نصب العین یہ قرار دیا ہے کہ قرآن کریم پر ایمان لانے والے منعم علیہم بن جائیں۔ وہ دینی اور دنیوی طور پر انعام یافتہ قوم ہوں۔ ان کو دنیوی طور پر حکمرانی تک نصیب ہو اور دینی طور پر ان میں نبوت پائی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ جماعتی انعامات پانے کے لئے اعلیٰ درجہ کے اخلاق، نہایت مضبوط کردار اور بلند روحانیت کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید انہی خطوط پر اپنے معاشرہ کی عمارت تعمیر کرتا ہے۔ وہ ہر مسلمان کا نقطۂ نگاہ عام اور معمولی کامیابی قرار نہیں دیتا بلکہ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا سکھا کر اسے توجہ دلاتا ہے کہ وہ اپنا مطمح نظر اعلےٰ درجہ کی کامیابی ٹھہرائیں اور انعام پانے کا اپنے آپ اہل ثابت کریں۔

قارئین اس جگہ ایک لمحہ کے لئے سوچیں کہ قرآن مجید کے اس ارفع نصب العین کے مقابلہ میں ہندو دھرم اور عیسائیت نے کتنا پست خیال اپنے پیرووں میں پیدا

کیا ہے۔ ہندو دھرم تناسخ کے عقیدہ کے مطابق ہر انسان کو پیدائشی گناہ گار ٹھہرا کر عمر بھر کے لئے پرانے بندھنوں سے مخلصی حاصل کرنے کو ہی بڑا کارنامہ قرار دیتا ہے۔ عیسائیت آدم علیہ السلام کے مزعومہ گناہ کے نتیجہ میں تمام آدمزادوں کو گناہ گار بتلاتی ہے، اس کے نزدیک انسان کا بڑا کمال یہی ہے کہ وہ پچھلے گناہ کی سزا سے بچ جائے۔ قرآن مجید نے مومن کو انعام یافتہ بننے کی ترغیب دیکر سرفرازی اور بلند نظری عطا فرمائی ہے۔

قرآنی معاشرہ کے خصائص
یعنی
از روئے قرآن مجید مومنوں کی صفات

اللہ تعالےٰ جس قسم کے مومن بنانا چاہتا ہے اُن کی صفات کا ذکر اس نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے۔ (۱) سورۃ الاحزاب میں فرماتا ہے:۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ
وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَ
الْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَ
الصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَ
الصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَ
الْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَ
الْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَ
الْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَ
الْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ
كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ
لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

(الاحزاب: ۳۵)

ترجمہ:۔ قانونِ خداوندی کی اطاعت کرنیوالے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانیوالی عورتیں، دلی خوشی سے احکام بجالانے والے مرد اور احکام بجالانے والی عورتیں، قربانیوں میں صدق و وفا دکھانے والے مرد اور صدق و وفا دکھانے والی عورتیں، مصائب پر صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنیوالی عورتیں، خدا کے جلال پر گداز ہونے والے دلوں والے مرد اور ایسے دلوں والی عورتیں، اپنے اموال کو بنی نوع کی ہمدردی میں خرچ کرنے والے مرد اور خرچ کرنیوالی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، پاک دامن مرد اور پاک دامن عورتیں، ذکر الٰہی میں مشغول رہنے والے مرد اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنے والی عورتیں ان سب کیلئے اللہ تعالےٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔"

(۲) سورۃ آل عمران میں فرمایا:۔

الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَ
الْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَ
الْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝

(آل عمران: ۱۷)

ترجمہ:۔ وہ صبر کرنے والے، سچائی اختیار کرنے والے، فرمانبرداری کرنے والے، اپنے مال خرچ کرنے والے، اور سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور طلبِ مغفرت کرنے والے ہیں۔"

(۳) اسی سورۃ میں دوسری جگہ فرمایا:۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَ

وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَ
الْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِينَ (آل عمران : ۱۳۴)

ترجمہ:۔ وہ لوگ عسر و یسر میں مال خرچ کرتے ہیں، غصہ کو پی جانے والے ہیں، لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی نیکوکار لوگوں سے پیار کرتا ہے۔"

(۴) سورۃ القصص میں فرمایا:۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ
لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَ
لَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ
(القصص : ۸۳)

ترجمہ:۔ اگلے جہان کی برکت ان کو دی جائیگی جو زمین میں تکبر اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی فساد برپا کرتے ہیں یقیناً اچھا انجام متقیوں کا ہی ہوتا ہے۔

(۵) سورۃ الذاریات میں فرمایا:۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ
وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ٥
وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَ
الْمَحْرُومِ (الذاریات : ۱۷-۱۹)

ترجمہ:۔ وہ لوگ ذکر الٰہی کے باعث راتوں کو کم سوتے تھے۔ بوقت سحر استغفار کرتے تھے اور ان کے اموال میں مانگنے والوں اور محروموں کے لئے حق ہوتا ہے۔"

(۶) سورۃ المعارج میں فرمایا:۔

الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ
وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ
لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ وَالَّذِينَ
يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ۔ وَالَّذِينَ هُم
مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ۔ إِنَّ
عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ٥ وَ
الَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا
عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ
فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ۔ فَمَنِ ابْتَغَىٰ
وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ۔
وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
رَاعُونَ۔ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ
قَائِمُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ
يُحَافِظُونَ (المعارج : ۲۳-۳۴)

ترجمہ:۔ یہ لوگ اپنی نماز پر دوام اختیار کرتے ہیں۔ ان کے اموال میں سائل اور محروم کیلئے معلوم حق ہے۔ یہ لوگ جزا و سزا کے وقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ کا عذاب خوفناک چیز ہے۔ یہ لوگ صرف اپنی منکوحہ بیویوں اور لونڈیوں سے ہی اختلاط رکھتے ہیں اسلئے قابل ملامت نہیں ہاں جو اس شرعی پابندی سے تجاوز کریں وہ حد سے گزرنے والے ہیں۔ پھر متقی لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی ہمیشہ نگرانی کرتے ہیں۔ اور سچی گواہی پر قائم رہتے ہیں اور بلاناغہ اور بالالتزام عبادت بجالاتے ہیں۔"

(۷) سورۃ الانسان میں فرمایا:۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا
كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا وَيُطْعِمُونَ
الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا
وَأَسِيرًا۔ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ

لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُورًا ۝
(الانسان: ۷-۹)

ترجمہ:- یہ لوگ اپنی نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کا عذاب حاوی ہو جانے والا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کھانا کھلاتے ہیں۔ آپ سے کسی بدلہ یا شکریہ کے طلبگار نہیں ہیں۔"

(۸) سورۃ التوبہ میں فرمایا:-

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (التوبہ: ۱۱۲)

ترجمہ:- وہ توبہ کرنے والے، عبادت بجا لانے والے، حمد کرنے والے، سیاحت کرنے والے، رکوع و سجود کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے منع کرنے والے اور خدا تعالیٰ کی مقررہ حدود کی نگہداشت کرنے والے ہیں۔ ایسے ایمانداروں کو بشارت دو۔"

(۹) سورۃ المومنون میں فرمایا:-

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۔ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ۔ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ (المومنون: ۱-۹)

ترجمہ:- وہ مومن یقیناً کامیاب ہوں گے جو اپنی نمازیں خشوع سے ادا کرتے ہیں اور لغو باتوں سے پرہیز کرنے والے ہیں۔ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ وہ پاکدامنی اختیار کرتے ہیں اور اپنی منکوحہ بیویوں اور لونڈیوں کے سوا کسی سے ازدواجی تعلق نہیں رکھتے جو لوگ اس طریق سے تجاوز کریں گے۔ وہ اعتدال سے گزرنے والے ہیں۔ یہ مومن اپنی امانتوں اور عہدوں کی بھی پوری پابندی کرنے والے ہیں اور ہمیشہ پوری احتیاط سے اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔"

(۱۰) سورۃ الفرقان میں عباد الرحمٰن یا قرآنی سوسائٹی کے افراد کی صفات میں فرمایا:-

(الف) وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا۔ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا (الفرقان: ۶۳-۶۴)

ترجمہ:- اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر باوقار طور پر زندگی بسر کرتے ہیں اور اگر جاہل انہیں جاہلانہ خطاب کریں تو وہ سلام کر کے چل دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کے حضور قیام اور سجدوں میں راتیں بسر کرتے ہیں۔"

(ب) وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ۝ (الفرقان: ۶۷)

ترجمہ:- وہ جب مال خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ بخل اختیار کرتے ہیں بلکہ میانہ روی ان کا شیوہ ہوتا ہے۔"

(ج) وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۝ (الفرقان: ۷۲)

ترجمہ:- وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کبھی لغو بات

یا لغو موقع پیش آئے تو وہ نہایت کریمانہ انداز میں وہاں سے بچ نکلتے ہیں۔"

قرآن مجید کے مختلف مقامات پر مومنوں کے لئے جن صفات سے متصف ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے انکا مختصر خاکہ سطور بالا میں کھینچا جا چکا ہے، اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآنی معاشرہ کیسا ہونا چاہیئے۔ نیز یہ کہ جس ملک یا جس قوم میں یہ معاشرہ قائم ہو جائے وہ کس قدر سعادتمند اور خوش قسمت ہے۔

قرآنی معاشرہ کی خصوصیات

قرآن کریم جس معاشرہ کو قائم کرنا چاہتا ہے اسمیں جن اعتقادی، تمدنی، اقتصادی، اخلاقی اور تربیتی خصوصیات کو پیدا کرنا چاہتا ہے ان کی ایک جھلک مندرجہ ذیل امور پر غور کرنے سے نظر آسکتی ہے۔

(۱) توحید۔ قرآنی معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کی ذات، صفات اور عبادت میں شریک نہیں ٹھہرایا جائیگا۔ کلی طور پر خدا کی توحید کو مدارِ اعتقاد و عمل قرار دیا جائیگا اور تمام ایمانیات اسکے تابع ہونگے۔ یَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔ (لقمان: ۱۳) اے بیٹے! اللہ کیساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

(۲) ماں باپ سے حسنِ سلوک۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (الف) وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا، إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۝ (الاسراء: ۲۳-۲۴)

ترجمہ۔ تیرے رب کا فیصلہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور ماں باپ سے حسنِ سلوک کرو۔ اگر وہ تیری زندگی میں بوڑھے ہو جائیں تو خصوصاً لحاظ رکھو۔ اُف تک نہ کہو اور نہ ہی درشتی استعمال کرو بلکہ ہمیشہ عزت و احترام سے بات کرو اور محبت کے ساتھ ان کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو کہ اے خدا! تو ان دونو پر رحم فرما کیونکہ انہوں نے بچپن میں میری تربیت کی ہے"۔

(ب) فرمایا۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (العنکبوت: ۸) کہ ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ اپنے والدین سے عمدہ سلوک کرے ہاں اگر وہ تجھے شرک پر آمادہ کرنا چاہیں تو اس بارے میں انکی بات نہ مانی جائے میری طرف تم سب لوٹو گے اور میں تمہارے اعمال سے تمہیں آگاہ کروں گا"۔ (ج) پھر فرمایا وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ۔ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (لقمان ۱۴-۱۵) ترجمہ۔ ہم نے انسان کو ماں باپ سے اچھے سلوک کیلئے وصیت کی ہے۔ اسکی ماں اسکے حمل اور شیر خوارگی کے دو سال بڑی تکلیف سے گزارتی ہے پس اے انسان! تو میرا بھی شکر کر اور اپنے ماں باپ کا بھی شکر ادا کر۔ میری طرف لوٹنا ہے۔ اگر ماں باپ تجھے نامعلوم باطل معبودوں کو میرے ساتھ شریک ٹھہرانے پر مجبور کریں تو ان کی یہ بات نہ مان مگر دنیاوی معاملات میں بہرحال ان سے اچھا سلوک کرتا رہ اور اعتقادات و اعمال میں ان لوگوں کے رستہ کو اختیار کر جو میری طرف جھکنے والے ہیں۔ تم سب میرے پاس آؤگے میں تمہیں تمہارے

اعمال سے آگاہ کرونگا۔"

(۳) رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دیگر لوگوں سے حسن سلوک۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (الف) فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الروم: ۳۸) کہ رشتہ داروں کو، مسکینوں کو اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو۔ خدا کی خوشنودی چاہنے والوں کیلئے یہ بہتر ہے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہونگے۔" (ب) وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (الاسراء: ۲۶) رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو۔ اسراف اور فضول خرچی نہ کرو۔" (ج) وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (النساء: ۳۶) کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ماں باپ سے اچھا سلوک کرو۔ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسیوں، اجنبی پڑوسیوں، عارضی ساتھیوں، مل کر کام کرنیوالوں، مسافروں اور غلاموں ماتحتوں سے عمدہ اور محسنانہ سلوک کرو۔ اللہ تکبر اور فخر کرنیوالے کو پسند نہیں کرتا۔" (د) وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرۃ: ۱۷۷) کامل نیکی والا وہ شخص ہے جو اللہ پر، قیامت پر، فرشتوں پر، کتاب پر، نبیوں پر ایمان لاتا ہے اور محبت کے باوجود اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والے حاجتمندوں پر اور گردنوں کے آزاد کرانے میں خرچ کرتا ہے۔ پھر وہ نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور ایسے لوگ جب عہد کریں تو اُسے پورا کرتے ہیں اور تنگی، بیماری اور جنگ کے اوقات میں صبر و حوصلہ سے کام لیتے ہیں۔ یہی سچے مومن اور پورے متقی انسان ہیں۔"

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی سوسائٹی میں شامل ہونیوالے افراد کے اعمال و عقائد کا ایک نقشہ پیش فرمایا ہے۔ موخر الذکر آیت میں نیکی کا معیار واضح کر دیا ہے۔ نیک بننے کیلئے جہاں یہ ضروری ہے کہ انسان کے عقائد درست ہوں، اسکے اعمال درست ہوں وہاں یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دیگر لوگوں سے عمدہ سلوک کرنیوالا اور ان پہ مال خرچ کرنیوالا ہو۔

(۴) یتیموں اور مسکینوں سے سلوک۔ قرآنی معاشرہ میں یتیم کی خبرگیری اور مسکین کی دستگیری پر خاص زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ سوسائٹی کا ضعیف ترین رکن ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (الف) كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (الفجر: ۱۸) اے قریش! تم لوگ یتیموں کا اکرام نہیں کرتے اور مسکینوں کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتے۔ (ب) فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ (البلد ۱۳-۱۶) اخلاقی بلندی یہ ہے کہ غلاموں کو آزاد کرایا جائے یا رشتہ دار یتیم اور خاک آلود مسکین کو قحط کے وقت کھانا کھلایا جائے۔ (ج) فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ

اَلْیَتِیْم - وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۵ (الماعون ۲-۳) یہ منکرینِ قیامت یتیموں کو دھتکارتے ہیں اور مسکین کے کھانے کے لئے کسی کو ترغیب نہیں دیتے۔

(د) فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ - وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْھَرْ (الضحیٰ: ۹-۱۰) اے مومن! تو یتیم سے کسی طرح کی بدسلوکی نہ کر اور مانگنے والے کو مت ڈانٹ۔

(ھ) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ (الاسراء: ۳۴) یتیم کے مال میں صرف وہی تصرف کرو جس سے اسے فائدہ پہنچے تاکہ اُسے بالغ ہو کر اپنا پورا مال مل سکے۔

(و) اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (النساء: ۱۰) جو لوگ ظلم کی راہ سے یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں یہ لوگ دوزخ میں جلیں گے۔

(ز) وَاٰتُوا الْیَتٰمٰی اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَھُمْ اِلٰی اَمْوَالِکُمْ اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا (النساء: ۲) یتیموں کو ان کے مال ادا کر دو۔ عمدہ کی بجائے ردی مت دو۔ اور اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر ان کے مال مت کھاؤ یہ سخت گناہ ہے۔

(ح) وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ (البقرہ: ۲۲۰) کہ تجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ یتیموں کے بارے میں کیا تعلیم ہے تو انہیں بتا دے کہ یتیموں کی اصلاح اور بھلائی قوم و ملت کیلئے مفید ہے اور اگر تم انکو آپس میں بالکل ملا لو (یعنی ان کے احساسِ یتیمی کو مٹا دو) تو وہ بہرحال تمہارے بھائی ہیں"۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ جب مسلم معاشرہ میں یتیموں کی اس طور سے نگہداشت ہو تو کیا اس قوم کی ہلاکت کا کوئی خطرہ ہو سکتا ہے؟ اے کاش کہ مسلمان اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہوں۔

(۵) بیویوں کا مقام اور ان سے سلوک - قرآن مجید نے صنفِ نازک کے حقوق کی پوری پوری نگرانی کی ہے اسلام بیوی کو خاوند کے برابر حقوق دیتا ہے۔ خدا کے قرب کے پانے میں مرد و عورت برابر ہیں۔ تمدنی حقوق میں دونوں یکساں ہیں۔ وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ: ۲۲۸) عورت کے سکنیٰ، ورثہ اور مہر کے حقوق قائم کئے گئے ہیں۔ بیشک قرآن مجید نے نکاح کو ایک مقدس رشتہ اور مضبوط میثاق قرار دیا ہے۔ مگر اس نے اس نازک رشتہ کی بنیاد محبت کو قرار دیا ہے۔ فرمایا جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً (الروم: ۲۱) اللہ ہی نے تمہارے درمیان محبت اور شفقت کو پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کو تاکید فرمائی وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ (النساء: ۱۹) کہ اپنی بیویوں سے نہایت محبت کا سلوک کرو۔ اگر ان کی کوئی بات ناپسند بھی ہو تو بھی یاد رکھو کہ ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں خیر و برکت پیدا کر دے۔

بیویوں کو تاکید فرمائی فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ۔ (النساء: ۳۴) کہ اچھی بیویاں وہ ہیں جو خوشدلی سے بات ماننے والی ہوں اور غائبانہ طور پر بھی خاوندوں کے اموال اور حقوق کی حفاظت کرتی ہوں۔ پھر قرآن مجید نے نہایت لطیف پیرایہ میں ایک ہی جامع فقرہ میں ازدواجی زندگی کا نچوڑ بیان کر دیا۔ فرمایا ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ (بقرہ: ۱۸۸)

تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم اپنی بیویوں کا لباس ہو۔

قرآنی معاشرہ میں مذہبی آزادی

قرآن مجید ہر انسان کو عقیدہ اور عمل کی آزادی دیتا ہے۔ سب اہل مذاہب کے معابد کی حفاظت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(الف) لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ: ۲۵۶) مذہب میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں کیونکہ بلحاظ دلائل حق و باطل میں کھلا کھلا امتیاز ہو چکا ہے۔ (ب) وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ۝ (توبہ: ۶) اگر کوئی مشرک تمہارے پاس آئے تو اسے اپنے پاس پناہ دو یہاں تک کہ وہ کلام الٰہی سن لے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دو کیونکہ یہ لوگ اسلام سے ناواقف ہیں (ج) وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (العنکبوت ۴۶) اہل کتاب سے مذہبی گفتگو میں نہایت اچھا رویہ اختیار کرو۔ (د) وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (الحج ۴۰) اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ ظالموں کے ہاتھ نہ روکتا تو یہودیوں کی عبادتگاہیں، عیسائیوں کے گرجے، دوسری قوم کے معابد اور مسلمانوں کی مساجد گرا دی جاتیں اور محفوظ نہ رہ سکتیں حالانکہ ان میں اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے مددگاروں کی نصرت فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قوت اور غلبہ والا ہے۔"

قرآنی معاشرہ میں اقتصادی توازن

قرآن مجید نے سود کو حرام قرار دیا۔ جوا بازی کو ناجائز ٹھہرایا۔ ورثہ کے احکام جاری فرمائے۔ صدقات کی ترغیب دی اور زکوٰۃ کو فرض ٹھہرایا تاکہ اسلامی معاشرہ میں غیر طبعی طور پر انجماد ثروت نہ ہو۔ اموال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر اس کی حکمت كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ (الحشر: ۷) کے الفاظ میں بیان فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت کا حکم دیا اور اس کے لئے شرعی حدود مقرر فرمائے اور پھر فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ (النساء: ۲۹) اے مومنو! آپس میں کسی کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ ہاں باہمی رضامندی کی تجارت کرو اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کرنیوالا ہے۔" یاد رہے کہ اقتصادی توازن کو برباد کرنیوالی چیز سرمایہ داری ہے سرمایہ دار اپنے خزانہ پر سانپ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے:-

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ
وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

(التوبہ: ۳۴)

کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور انہیں اللہ کے مقررہ راستے میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی اطلاع دیدو"۔ پس اسلام اپنی روح اور اپنے الفاظ میں سرمایہ داری کے خلاف ہے اور قرآنی معاشرہ میں اقتصادی بحران پیدا ہونے کی کوئی جائز وجہ موجود نہیں ہے۔ (باقی پھر انشاء اللہ)

قرآن مجید کی بشارات اُمّتِ محمدیہ کے حق میں

رسالہ "طلوعِ اسلام" کے "تبصرہ" پر نظر

مُدیر طلوعِ اسلام کے جناب چودھری ظفر اللہ خاں صاحب سے سوالات کے جواب

تمہید کراچی کے رسالہ "طلوعِ اسلام" نے اپنی اشاعت اکتوبر ۱۹۵۳ء میں جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ایک پُرانے مضمون زیر عنوان "ایک عزیز کے نام خط" پر "تبصرہ" کیا ہے انہیں اسوقت اس تبصرہ کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ لوگ مدیر صاحب کو لکھتے تھے کہ "طلوعِ اسلام نے قادیانیت کے متعلق کچھ نہیں لکھا" (اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۴۸) اسلئے آپ نے عوام کے جذبہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے یہ تبصرہ شائع فرمایا ہے۔

تعلیمیافتہ لوگ اور احمدیت مدیر طلوعِ اسلام لکھتے ہیں:۔

"یہ خیال اکثر دہرایا جاتا ہے اور ہم سے بھی اس کے متعلق اکثر پوچھا جاتا ہے۔ کہ احمدی جماعت میں ایسے ایسے لکھے پڑھے لوگ موجود ہیں۔ اگر یہ سلسلہ ایسا ہی خلافِ اسلام اور باطل پر مبنی ہے تو اس قدر تعلیمیافتہ اور سمجھدار لوگ اس میں کیوں شامل ہیں؟ اس تعلیمیافتہ سمجھدار طبقہ میں چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا نام خصوصیت سے لیا جاتا ہے۔"

اس استفسار کے جواب میں جناب مدیر صاحب فرماتے ہیں:۔

"اگر کسی کے تعلیمیافتہ اور سمجھدار ہونے سے یہ لازم آجاتا ہے کہ وہ مذہب کے حقائق کو بھی پرکھ سکے اور کسی کی بین الاقوامی شہرت اس کی ضمانت ہو سکتی ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز بھی کر سکے تو مہاتما گاندھی کو کبھی ہندو دھرم جیسے فرسودہ مذہب کا پیرو نہیں ہونا چاہیئے تھا اور پنڈت جواہر لال نہرو کو کبھی خدا کا منکر نہیں ہونا چاہیئے تھا"

مدیر صاحب طلوعِ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر استدلال قرآن کریم کی روشنی میں کیا کرتے ہیں، اور اسی بنا پر وہ احادیث نبویہ کو بھی غیر ضروری سمجھ کر ان کا انکار کرتے ہیں لیکن اس جواب میں انہوں نے نہ کسی آیتِ قرآنی سے استدلال کیا ہے اور نہ ہی قرآن مجید کا خیال رکھا ہے۔ بے شک یہ درست ہے کہ ابھی تک سارے تعلیم یافتہ اور سمجھدار لوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے مگر کیا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ جن تعلیمیافتہ اور سمجھدار لوگوں نے اسلام کو قبول کیا ہے ان سے اسلام کی صداقت پر استدلال غلط ہے؟ مدیر صاحب اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر غور کریں۔ فرمایا:۔

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ

عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (الشعراء)

کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نشان نہیں کہ بنی اسرائیل کے علماء کو بھی قرآن پاک کی صداقت کا علم ہے۔"

ہم مانتے ہیں کہ خدا کے مامور کے آنے پر بہت سے ظاہر پرست "اہل علم" اس کی تکذیب پر کمربستہ ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (المؤمن: ۸۳) کہ جب ان کے پاس رسول بیّنات لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے علم پر ناز کرنے لگے اور رسولوں کی تعلیم پر استہزاء کرنے لگے۔ آخر کار انہیں اپنے استہزاء کا خمیازہ اٹھانا پڑا۔" لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اہل علم کے خدا ترس طبقہ کا کسی مامور کو مان لینا اسکی صداقت کی ایک دلیل ٹھہرایا ہے جیسا کہ سورۃ الشعراء کی آیت میں اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ان مؤخر الذکر تعلیمیافتہ اصحاب کے متعلق ہی فرمایا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۲۸) کہ وہ خشیت اللہ کے ماتحت تمام کام کرتے ہیں۔

قرآنی علم کے جائزہ کا انداز!

مدیر طلوع اسلام لکھتے ہیں:-

"جب ہم سے چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے متعلق خصوصیت سے پوچھا جاتا تو ہم جواب میں کہتے کہ خود یہ حقیقت کہ چودھری صاحب احمدیت جیسے کمزور مسلک کے متبع ہیں اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ قرآن کے متعلق ان کا علم بھی زیادہ سے زیادہ ویسا اور اتنا ہی ہے جیسا اور جتنا علم خود میرزا صاحب کا تھا۔"

کیا یہ اندازِ تحریر کسی خدا ترس انسان کا ہو سکتا ہے؟ مدیر طلوع اسلام کا خیال ہے کہ اس قسم کی خالی خولی طنزیہ عبارتوں سے وہ حق کو چھپانے کی کوششوں میں کامیاب ہو سکیں گے مگر ؏ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

احمدیت کا "کمزور" یا "مضبوط" ہونا تو زیر بحث تھا اور اسی کے فیصلہ کے لئے لوگ آپ سے چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے بارے میں پوچھتے تھے مگر آپ ہیں کہ احمدیت کو "کمزور" قرار دیکر اپنی دلیل کو استوار کرنا چاہتے ہیں۔ اہل علم اس غلط اندازِ استدلال کو مصادرہ علی المطلوب قرار دیا جانا ٹھہرا چکے ہیں۔ آخر دعویٰ اور دلیل میں کوئی فرق بھی ہوتا؟

جناب مدیر صاحب لکھتے ہیں:-

"ہمارے نزدیک اسلام کی بنیاد ان عقائد و تصورات حیات پر ہے جو قرآن کریم میں مندرج ہیں اسلئے کسی عقیدے یا تصور کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار بھی قرآن ہی ہے۔ زیر نظر پمفلٹ (ایک عزیز کے نام خط) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود **چودھری صاحب بھی اس حقیقت سے متفق ہیں۔**"

جب یہ حقیقت ہے کہ جماعت احمدیہ کے نزدیک صحت عقائد کا معیار قرآن مجید ہے تو صاف ظاہر ہے کہ مدار گفتگو قرآن مجید پر ہونا چاہیئے نہ کہ ادھر ادھر کی قیاسی باتوں کو طول دیا جائے۔ مدیر صاحب کہتے ہیں کہ چودھری صاحب کے اس مضمون یا پمفلٹ کا "بیشتر حصہ اسلام کی عمومی تعلیم سے متعلق ہے" ہاں "جستہ جستہ مقامات پر" احمدیت کے اختلافی مسائل کا ذکر آیا ہے۔ مدیر صاحب بزعم خویش چودھری صاحب کے علم قرآن کا جائزہ لینے کے لئے پمفلٹ کے

صفحہ ۶ سے ایک ادھورا سا اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں چودھری صاحب موصوف نے آیت قرآنی مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ کی روشنی میں کلام الٰہی کی مختلف صورتوں کا ذکر فرمایا۔ اس عبارت میں لکھا ہے کہ "جو نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ خالص الہام یا وحی کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور وہ کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے۔"

اس پر مدیر طلوع اسلام یوں جائزہ لیتے ہیں:

"کیا چودھری صاحب بتا سکتے ہیں کہ قرآن میں کہیں یہ لکھا ہے کہ الہام کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں کیا سارے قرآن میں کسی ایک جگہ بھی کسی نبی کے لئے الہام کا ذکر آیا ہے؟"

خدا را سوچئے کہ کیا اہل علم اسی طرح گفتگو کیا کرتے ہیں؟ کیا چودھری صاحب کی عبارت میں یہ دعویٰ موجود ہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ الہام کے الفاظ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتے ہیں؟ کیا چودھری صاحب کی عبارت میں یہ فقرہ ہے کہ نبی کے لئے الہام کا لفظ قرآن مجید میں آیا ہے؟ جب مکرم جناب چودھری صاحب کی عبارت میں یہ دعویٰ ہی موجود نہیں تو ایک غلط دعویٰ ان کی طرف منسوب کر کے اس کے ثبوت کا مطالبہ کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ ان کی عبارت میں صرف یہ فقرہ ہے کہ "خالص الہام یا وحی کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔" ظاہر ہے کہ اس جگہ چودھری صاحب نے "خالص الہام" کا لفظ "وحی" کے مترادف کے طور پر استعمال کیا ہے اور یہ امر مدیر صاحب کو مسلّم ہے کہ "قرآن خدا کی مرضی کے اظہار کیلئے صرف وحی کا ذریعہ بتاتا ہے اور یہ وحی صرف انبیاء علیہم السلام کو ملتی ہے۔" اور حضرت چودھری صاحب کا یہ بیان کہ الہام کا لفظ کبھی وحی کے ہم معنی استعمال ہوتا ہے عربی لغت سے بھی ثابت ہے۔ اَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ بِكَذَا کے معنے ہوتے ہیں: اَلْهَمَهُ بِهٖ کہ اسے الہام کیا (المنجد) ایڈیٹر صاحب طلوع اسلام نے پہلے تو یہ تصرف کیا کہ "خالص الہام یا وحی" کے الفاظ کی بجائے صرف لفظ "الہام" رکھ دیا اور پھر اس پر اعتراض جما دیا۔ کیا اہل قرآن کے علمی جائزہ کا یہی انداز ہوتا ہے؟

مسئلہ نبوت کے متعلق جماعت احمدیہ کا عقیدہ

جناب مدیر طلوع اسلام نے حضرت چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے پمفلٹ سے مندرجہ ذیل اقتباس نقل کیا ہے:-

"مسلمانوں کی طرف سے بڑا اعتراض جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نہیں آسکتا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ ایک لمبا مسئلہ ہے لیکن مختصر طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ قرآن کریم

۱؎ آیت قرآنی ما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیًا او من وراءِ حجاب میں وحی کے مقابل پر من وراءِ حجاب کا لفظ آیا ہے۔ پس دعویٰ حصر باطل ہے۔

۲؎ آیت وَاَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ سے حواریوں کی طرف وحی ثابت ہے۔ پس وحی کو انبیاء سے مخصوص ٹھہرانا درست نہیں ہے۔

آخری شریعت ہے اور چونکہ یہ ہر رنگ میں کامل ہے اسلئے اس کے بعد کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں اور نہ کوئی نیا شارع نبی آسکتا ہے جو اسلامی شریعت کو منسوخ کرے یا اس کی ترمیم کرے۔ اور نہ کوئی ایسا نبی آسکتا ہے جس کو بغیر اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا درجہ عطا ہو۔ کیونکہ بجز آپ کی اتباع کے اور قرآن کریم پر عمل کرنے کے کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا چہ جائیکہ اعلیٰ ترین روحانی انعام یعنی درجہ نبوت کو پاسکے لیکن اس رنگ میں نبی آسکتا ہے کہ وہ اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا فی الرسول کا مقام حاصل کرلے اور اللہ تعالیٰ اُسے کثرت مکالمہ مخاطبہ سے مشرف فرمائے اور اسے تجدید اسلام کے لئے مقرر فرمائے اور اسے نبوت کا درجہ عطا فرمائے چونکہ ایسی نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ہی ظلّ اور جزو ہے اور حضور کی نبوت سے الگ نہیں۔ اور ایسی نبوت امت محمدیہ کے لئے ایک رحمت ہے اور ختم نبوت کے منافی نہیں اور امت محمدیہ کو دوسری امتوں میں ممتاز کرتی ہے کیونکہ ان کی تعلیمیں اور شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اور ان کی تجدید اور احیاء کے لئے اب کسی خاص انتظام کی ضرورت نہیں لیکن قرآن کریم زندہ ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتا اور اس کی باطنی حفاظت کے لئے اور اس کی تعلیم کے مطابق نمونہ قائم کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے احیاء کا انتظام ہو سو وہ ظلّی نبوت کا سلسلہ ہے جو اِس اُمت میں جاری ہے۔" (طلوع اسلام ص ۳۹ تا اکتوبر ۵۳ء)

یہ عبارت اپنے مضمون کے لحاظ سے نہایت واضح ہے اِس سے ثابت ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے لئے قرآن مجید کی رُو سے بہت بڑی بشارات موجود ہیں۔ تمام اعلیٰ درجات کے دروازے اِس شرط سے ان کے لئے کھلے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنیوالے ہوں۔ اُمتِ محمدیہ کا یہ وہ بلند مرتبہ ہے جو جماعتِ احمدیہ کے مسلمات سے ہے۔ اسی لئے جماعتِ احمدیہ کے نزدیک آنے والا مسیح موعود بنی اسرائیل میں سے نہیں بلکہ اُمتِ محمدیہ کا ایک فرد اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام ہے۔

تشریعی اور غیر تشریعی نبوت

مدیر طلوع اسلام نے جناب چودھری صاحب کی مندرجہ بالا عبارت پر جو "تبصرہ" فرمایا ہے وہ محض پانچ سوالات میں منحصر ہے۔ پہلا سوال جناب مدیر صاحب کے الفاظ میں یوں ہے:-

"کیا چودھری صاحب فرمائیں گے کہ قرآن میں کسی جگہ شارع اور غیر شارع نبی کی تمیز و تفریق کی گئی ہے؟ کیا اس میں کہیں یہ لکھا ہے کہ نبوت دو قسم کی ہوتی ہے ایک شریعت والی اور ایک غیر شریعت والی؟ کیا اس میں کہیں یہ مذکور ہے کہ نبی بغیر شریعت کے بھی آیا کرتا ہے؟"

جواباً عرض ہے کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ انبیاء دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) صاحبِ شریعت نبی جو

نئی شریعت کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں (۲) غیر تشریعی نبی جنہیں نئی شریعت نہیں دی جاتی بلکہ وہ سابقہ شریعت کی پیروی کرنے کے لئے مامور کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ

(المائدہ: ۴۳)

"ہم نے تورات کو نازل کیا اس میں ہدایت اور نور تھا۔ یہود کے لئے تورات کے مطابق وہ نبی بھی فیصلے کرتے تھے جو تورات کے تابع تھے اور ربانی اور احبار بھی کیونکہ ان سب کو کتاب الٰہی (تورات) کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ تورات کے بعد کچھ ایسے نبی آئے تھے جو نئی شریعت نہ لائے تھے۔ بلکہ وہ تورات کو ہی نافذ کرنے پر مامور تھے۔ النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ وہ تورات کے تابع نبی تھے ورنہ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا کا ذکر بالکل بے ضرورت نظر آتا ہے۔ کیونکہ کوئی نبی ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو فرمانبردار نہ ہو۔ اس جگہ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا کا لفظ اسی غرض سے لایا گیا ہے تا یہ بتایا جائے کہ تورات کی شریعت پر چلانے کے لئے جس طرح ربانی اور احبار مقرر تھے اسی طرح نبیوں کی ایک جماعت بھی تورات کی شریعت کو نافذ کرنے کے لئے مامور تھی۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔

(بقرہ: ۸۶)

"ہم نے حضرت موسیٰ کو الکتٰب (تورات) دی اور ان کے بعد بہت سے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بیّنات دیئے اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔"

اس آیت میں "وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ" میں مذکورہ رسولوں ہی کے متعلق سورۂ مائدہ کی آیت میں الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا فرمایا ہے۔ یہ جملہ انبیاء موسوی شریعت پر چلانے کے لئے آئے تھے اور یہ سب یہود کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

قرآن مجید کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید سے پہلے کتاب موسیٰ یعنی تورات ہی بنی اسرائیل کی شریعت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحقاف میں جنوں کا یہ قول بیان فرمایا ہے اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى (آیت ۳۰) کہ قرآن کا نزول موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے پھر سورۃ الجاثیہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (آیت ۱۵) کہ ہم نے بنی اسرائیل کو شریعت، حکومت اور نبوت عطا کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (آیت ۱۷) کہ اب ہم نے اے پیغمبر! تجھے شریعت دیکر بھیجا ہے پس تو اس کی پیروی کرتا رہ اور بے علم لوگوں کی خواہشات کی

پیروی مت کر"۔ اس سے واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی کتاب کے بعد بطور شریعت قرآن مجید کا ہی نزول ہوا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان کے جملہ[1] اسرائیلی نبی غیر تشریعی نبی تھے۔ وہ اپنی کوئی شریعت نہ لائے تھے بلکہ اس لئے مبعوث ہوئے تھے کہ یہود کو شریعتِ تورات پر قائم کریں۔

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ان کے ساتھ بطور وزیر ان کے بھائی حضرت ہارونؑ بھی نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ کا وزیر قرار دیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ ھٰرُوْنَ اَخِیْ (طٰہٰ ۲۸-۲۹) کہ میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر (مددگار، بوجھ بٹانے والا) مقرر کیا جائے۔ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے تابع تھے اور ان کی کوئی علیحدہ شریعت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:-

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ
وَجَعَلْنَا مَعَہٗۤ اَخَاہُ ھٰرُوْنَ
وَزِیْرًا۔ (الفرقان: ۳۴)

کہ ہم نے موسیٰ کو الکتٰب یعنی تورات دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارونؑ کو ان کا وزیر مقرر کیا۔"

حضرت ہارونؑ عملی طور پر بھی حضرت موسیٰؑ کے تابع تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور سے واپسی پر حضرت ہارونؑ سے فرمایا تھا اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ (طٰہٰ ۹۳) کہ کیا تُو نے میری نافرمانی کی ہے؟

ان آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰؑ کے تابع تھے۔ وہ کوئی نئی شریعت نہیں دیئے گئے تھے۔ بلکہ موسوی شریعت کے نفاذ میں موسیٰ علیہ السلام کے وزیر تھے۔

پس صاف ظاہر ہے کہ از روئے قرآن مجید نبی دو قسم کے ہوتے تھے (۱) نئی شریعت لانے والے نبی۔ (۲) نئی شریعت نہ لانے والے نبی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ طلوعِ اسلام اِن آیات کا کیا جواب دیتا ہے؟

ظلّی نبوّت کا قرآن مجید سے ثبوت۔!

جناب مدیر طلوعِ اسلام نے دوسرا اور تیسرا سوال یوں کیا ہے کہ:-

(۲) "کیا چودھری صاحب فرمائیں گے کہ قرآن میں کہیں بھی یہ لکھا ہے کہ ایک نبی کی اتباع سے کوئی شخص نبی بن سکتا ہے؟ کیا قرآن نے کسی ایسے نبی کا ذکر کیا ہے جو کسی دوسرے نبی کی اتباع سے خود نبی بن گیا ہو؟ (۳) کیا چودھری صاحب یہ بتائیں گے کہ قرآن میں کہیں بھی یہ لکھا ہے کہ کوئی نبوّت کسی دوسری نبوّت کا ظلّ یا جزو ہوتی ہے؟ کیا قرآن نے کسی نبی کو کسی دوسرے نبی کا ظلّ یا جزو قرار دیا ہے؟ کیا اس میں کسی ظلّی یا جزوی نبی کا ذکر تک بھی ہے؟"

خلاصہ اِن دونوں سوالوں کا یہ ہے کہ قرآن مجید سے ظلّی نبوّت کا ثبوت دیا جائے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ ظلّی نبوّت ایک اصطلاح ہے اس سے مراد وہ نبوّت ہے جو کسی متبوع نبی کی پیروی کے نتیجہ میں حاصل ہو براہِ راست یا تشریعی نبوّت نہ ہو۔ گویا ظلّی نبوّت وہ غیر تشریعی نبوّت ہے

[1] بعض لوگ انجیل کی وجہ سے حضرت مسیحؑ کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ انجیل کوئی شریعت کی کتاب نہیں انجیل کے معنی بشارت کے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کا خاص مشن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قریب آجانے کی بشارت دینا تھا۔

جو کسی اعلیٰ درجہ کے نبی کی پیروی اور اتباع کی برکت اور فیضان کے طور پر ملتی ہے ظلی نبوت کے ان معنوں کی رو سے اس قسم نبوت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جب تک جامع کمالات نبی مبعوث نہ ہو جس کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہو تب تک ظلی نبوت کا معرض وجود میں آنا ناممکن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے انبیاء اس درجہ پر نہ تھے کہ ان کی پیروی سے کوئی شخص نبوت کو حاصل کر سکتا۔ ان انبیاء کی پیروی کا بڑے سے بڑا ثمرہ صدیقیت تھا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ (الحدید ۲۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ مرتبہ اور مقام عطا فرمایا کہ آپ کے پیروکاروں کے لئے آپ کی پیروی کے نتیجہ میں نبوت کے پانے کا دروازہ بھی کھلا رکھا گیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ پہلے نبیوں کے روحانی مدرسوں میں صرف تین جماعتیں ہوا کرتی تھیں (۱) صالحیت (۲) شہیدیت (۳) صدیقیت۔ ہمارے سید و آقا حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی مدرسہ کامل ہے اور اس میں چاروں جماعتیں موجود ہیں (۱) صالحیت (۲) شہیدیت (۳) صدیقیت (۴) نبوت

اب یہ چاروں انعامات اُمت محمدیہ کے لئے مخصوص ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے مشروط ہیں۔ اس طرح سے ملنے والی نبوت ظلی نبوت ہے اور یہ صرف اُمت مسلمہ میں جاری ہے۔ پہلے کسی نبی کی اُمت کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ اس ظلی نبوت کا قرآن مجید کی آیت ذیل سے بالبداہت ثبوت مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (النساء ۶۸-۶۹)

کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے وہ ان کے ساتھ ہیں ان کے ہم رتبہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ انعام فرما چکا ہے یعنی وہ نبی ہیں اور صدیق ہیں اور شہید ہیں اور صالح ہیں۔ یہ بہترین ساتھی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے"

اس آیت کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بطور خیر الرسل بیان ہوا ہے اور اُمت محمدیہ کا درجہ بطور خیر الامم ذکر ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امتیاز بیان ہوا ہے کہ آپ کی پیروی سے ظلی نبوت بھی مل سکتی ہے۔ اور اُمت محمدیہ کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ تمام ایسے انعامات حاصل کر سکیگی جو پہلی اُمتوں کو ملے تھے۔ ہاں ان انعامات کا پانا رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے وابستہ ہے ایسی اطاعت والی نبوت کو ظلی نبوت کہتے ہیں۔ پس قرآن مجید سے آنحضرتؐ کی پیروی میں ظلی نبوت کا ثبوت بالبداہت ثابت ہے۔ اس نبوت کی پہلے نبیوں میں مثال تلاش کرنا عبث ہے کیونکہ ظلی نبوت کا ظہور محض خاتم النبیینؐ کے بعد ہو سکتا تھا اس سے پہلے نہیں ہو سکتا تھا۔

قرآن مجید کی باطنی حفاظت

مدیر صاحب طلوع اسلام لکھتے ہیں:-

"کیا چودھری صاحب فرمائیں گے کہ قرآن نے

کہیں بھی اپنی ظاہری اور باطنی حفاظت کی تخصیص کی ہے کیا قرآن میں کہیں بھی اس کی باطنی حفاظت کا ذکر ہے؟ کیا اللہ نے قرآن میں کسی جگہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کی ظاہری حفاظت تو ویسے ہی ہوتی رہے گی لیکن اسکی باطنی حفاظت کے لئے ظلی نبوت کا سلسلہ جاری کیا جائے گا؟"

مدیر صاحب کا یہ سوال ظاہر کرتا ہے کہ وہ سنجیدگی اور تدبر فی القرآن کے عادی نہیں ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر) میں وعدہ فرمایا ہے کہ میں قرآن مجید کی حفاظت کروں گا۔ جملہ انا لہ لحفظون اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی خاص حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ قرآن مجید کتاب الٰہی کا نام ہے اور کون نہیں جانتا کہ آسمانی کتاب کی حفاظت کے دو پہلو ہیں (۱) اس کے الفاظ محفوظ رہیں۔ ان میں کوئی تحریف یا تغیر و تبدل نہ ہو سکے (۲) اس کے معانی بھی محفوظ ہوں ان میں کوئی الحاد و زندقہ جاری نہ ہو نیز اس کتاب کے احکام زیر عمل ہوں معطل ہو کر نہ رہ جائیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک کسی کتاب کی حفاظت کے یہ دونوں پہلو مکمل نہ ہوں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کتاب محفوظ ہے۔ پس اول تو قرآن مجید کی ظاہری و باطنی حفاظت کا ذکر خود آیت انا لہ لحفظون میں موجود ہے۔ ذرا سے تدبر کی ضرورت ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے تورات کے متعلق فرمایا ہے اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ (المائدہ ۶ : ۴۴) کہ ہم نے تورات کو نازل کیا اس میں ہدایت اور نور تھا اس تورات کے مطابق وہ نبی بھی فیصلے کرتے تھے جو تورات کے تابع تھے اور ربانی لوگ اور علماء یہود بھی۔ کیونکہ وہ سب کتاب الٰہی کیلئے بطور محافظ مقرر کئے گئے تھے۔ اور وہ اس پر گواہ تھے!"

اس آیت کے فقرہ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ سے پوری صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ تورات جب تک منسوخ شریعت نہ قرار دیدی گئی اسکی حفاظت کا یہ انتظام تھا کہ تابع نبی، ربانی لوگ اور ظاہری علماء اس کے محافظ تھے۔ پس جب تورات کی حفاظت اس طریق سے ہو چکا ہے تو قرآن مجید کی حفاظت کے لئے ظلی نبوت کے سلسلہ پر چیں بجبیں ہونے کا کیا موقع ہے؟ اس آیت سے ظاہری اور باطنی حفاظت کا ذکر بھی نکلتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عام احبار (علماء) اس کی ظاہری حفاظت کرتے تھے اور نبی و ربانی لوگ اپنے درجہ کے مطابق اس کی باطنی حفاظت کرتے تھے۔ اس جگہ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تورات کے نا تمام کورس ہونے کا یہ نتیجہ تھا کہ تورات کا نفاذ کرنے والے نبیوں نے مقام نبوت (آخری درجہ) براہ راست حاصل کیا ہوتا تھا اس میں حضرت موسیٰ کی پیروی کا دخل نہ ہوتا تھا اسلئے وہ تابع نبی تو تھے مگر ظلی نبی نہ تھے لیکن قرآن مجید چونکہ مکمل کورس ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کامل ترین نبی ہیں اس لئے قرآن مجید کے نفاذ پر مامور ہونے والے نبی بھی قرآنی مدرسہ کے شاگرد اور نبوت محمدیہ سے فیض یافتہ اور اسی کے طفیل مقام نبوت کو پانے والے ہیں اسلئے وہ ظلی نبی ہیں۔ سچ ہے ؎

ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ ہی سے اے خیرِ رُسل!
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

قرآن مجید میں مسیح موعود کے آنے کا وعدہ۔

جناب مدیر طلوعِ اسلام نے حضرت چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی عبادت پر پانچواں اور آخری سوال یہ کیا ہے کہ:-

"کیا چودھری صاحب بتائیں گے کہ سارے قرآن میں کہیں کسی جگہ کسی مسیح کی آمد کا وعدہ کیا گیا ہے؟ اگر خدا نے قرآن میں اس قسم کا کوئی وعدہ نہیں کیا تو پھر مسیح موعود کا تصور قرآن کی کھلی ہوئی تحریف اور خدا کی کتاب کی مخالفت نہیں تو اور کیا ہے؟"

قرآن مجید پر تدبّر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ مسلمہ میں آنے والے موعود کا وعدہ فرمایا ہے جس کی مختصر تشریح یوں ہے کہ:-

(الف) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰ قرار دیا ہے۔ فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل: ۱۵) کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری طرف اسی طرح رسول اور نگران بنا کر بھیجا ہے۔ جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول (موسیٰؑ) بھیجا تھا۔" پھر فرمایا وَشَھِدَ شَاھِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِہٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَکْبَرْتُمْ (الاحقاف: ۹) کہ بنی اسرائیل میں سے عظیم الشان شاہد (موسیٰؑ) نے اپنے مثیل کی شہادت دی اور وہ ایمان لایا لیکن اے قریش! تم تکبر کر رہے ہو۔"

پس قرآن مجید کے رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰؑ ہیں۔

(ب) اُمّتِ محمدیہ کے خلفاء موسوی خلفاء کی مانند ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (النور: ۵۶) اللہ تعالیٰ اُمّتِ محمدیہ کے نیکوکار مومنوں سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ انہیں زمین میں اسی طرح خلیفے بنائیگا جس طرح اس نے اُن لوگوں کو خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے تھے" اِس آیت میں لفظ کَمَا لا کر واضح فرما دیا۔ کہ مسلمانوں میں خلافت اسی طرح جاری ہوگی جس طرح پہلی اُمتوں میں بالخصوص موسوی اُمّت میں تھی۔ اسجگہ جماعتی خلافت کا بھی ذکر ہے اور انفرادی خلفاء کا بھی وعدہ ہے۔ یہ خلفاء اسی نہج پر ہونے والے ہیں جس نہج پر بنی اسرائیل میں خلیفے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰ ہیں اسلئے آپؐ کی اُمّت میں موسوی خلفاء کی مانند خلفاء کے ہونے کا وعدہ اس آیت سے ثابت ہے۔ اور اس کا کون انکار کر سکتا ہے کہ مثیلِ موسیٰ کو مثیلِ مسیح کے دیئے جانے کے بغیر یہ وعدہ پورا نہیں ہو سکتا۔

(ج) اُمّتِ محمدیہ میں مامورِ منجانب اللہ کے آنے کا عام وعدہ بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ (آل عمران: ۱۰۹)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس حالت پر نہیں

چھوڑ دیگا جس پر تم ہو بلکہ وہ خبیث کو طیب سے
علیحدہ علیحدہ کرتا رہیگا لیکن اس کے لئے وہ تم کو
(براہ راست) غیب پر اطلاع نہ دیگا بلکہ وہ جسے
چاہے گا اپنے رسول کے طور پر برگزیدہ کرے گا۔
پس تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے سب رسولوں پر
ایمان لاتے رہو۔ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور
تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے بہت بڑا
اجر ہوگا۔"

اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور
انہیں بشارت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں انکی
اصلاح کا انتظام کرتا رہیگا اور وہ یوں ہوگا کہ
اللہ تعالیٰ ضرورت کے وقت جسے پسند فرمائیگا
بطور اپنے فرستادہ کے مبعوث فرماتے گا تمہیں
چاہیے کہ خدا کے سب فرستادوں پر ایمان لاؤ۔

ت) قرآن مجید نے آخری زمانہ میں آنے والے موعود کی
تین شانیں بیان کی ہیں:۔

اوّل۔ آنے والا موعود حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
کا شاہد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَمَنْ
كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ
شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى
اِمَامًا وَّرَحْمَةً (ہود: ۱۷)
کہ کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے بیّنہ
(دلیل و برہان) پر قائم ہو اور پھر خدا کی طرف
سے اس کی پیروی کرنے والا شاہد اس
کے پیچھے آتے۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی
کتاب امام اور رحمت ہو (کیا وہ جھوٹا ہو سکتا
ہے) اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی صداقت پر تینوں زمانوں کے دلائل کو جمع
کر دیا گیا ہے۔ زمانہ ماضی میں تورات
کی پیشگوئیاں آپ کی صداقت پر گواہ ہیں اور
زمانہ حاضر میں پے در پے ظاہر ہونیوالے
بیّنات آپ کی سچائی پر دلیل ہیں اور زمانہ
مستقبل میں آنے والا عظیم الشان شاہد
اس کی صداقت پر ناطق برہان ہوگا۔
اس آیت میں آنے والے موعود کو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کا شاہد قرار دیا گیا۔

دوم۔ آنے والا موعود حضرت عیسیٰ کے رنگ پر
ظاہر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پانچوں
وقت پڑھی جانے والی دعا میں سکھلایا ہے
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ
کہ اے خدا! ہمیں صراط مستقیم دکھا اور
انعام پانے والوں کی راہ پر چلا اور مغضوب
علیہم (یہودی) اور ضالین (عیسائی) بننے
سے بچا۔ اس دعا سے واضح ہے کہ کوئی
ایسا موعود بھی آنے والا ہے جو منعم علیہ
گروہ کا ایسا فرد ہوگا جس کے انکار پر
مسلمان کہلانے والے مغضوب علیہم کے
کے زمرہ میں شمار ہونے لگیں گے۔ قرآن مجید
سے ثابت ہے کہ یہود کے قطعی طور پر مغضوب
علیہم قرار پانے کی نوبت اس وقت آئی تھی
جب انہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام
کا انکار کر دیا تھا۔ ادنیٰ تدبر سے ثابت
ہے کہ سورۃ فاتحہ آنے والے موعود کو
مثیل مسیح قرار دے رہی ہے۔

سوم۔ آنے والا موعود حضرت نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کا ظل اور بروز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ (سورۃ جمعہ ۲)
کہ اللہ نے ہی عرب کے لوگوں میں سے ان کیلئے اس عظیم الشان رسول کو مبعوث فرمایا ہے جو انکو اللہ کی آیات سُناتا ہے، ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پیشتر کھلے طور پر گمراہ تھے۔ پھر خدا اسی رسول کو دوسرے لوگوں میں مبعوث کریگا جو ابھی تک پہلے اُمّی لوگوں سے نہیں ملے۔ اللہ تعالیٰ بڑی عزت والا اور حکمت والا ہے"

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُو بعثتوں کا ذکر ہے (۱) اُمیوں میں (۲) آخرین میں۔ لفظ واخرین منھم لما یلحقوا بھم عربی زبان کے لحاظ سے اگر مجرور ہو تو اس کے معنے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اس دوسری جماعت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کرے گا اور اگر اخرین منھم کو منصوب قرار دیا جائے تو اس کے معنے ہوں گے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمیوں کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں اسی طرح آپ آخرین کو بھی کتاب و حکمت سکھائیں گے۔ بہر حال اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بلحاظ بعثت اور بلحاظ تعلیم و تزکیہ دو جماعتوں سے ہے

سورہ الواقعہ کی آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کا اوّلین حصہ اور آخری حصہ خاص طور پر بہت بابرکت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس برکت کا موجب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کے فیوض و برکات کا انتشار ہی ہے۔ اور اوّلین اور آخرین میں یہ بعثت اس طرح ہو سکتی ہے کہ اوّلین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ظاہر ہوئے، اور آخرین میں آپ سے فیض پا کر آپ کا ظِلّ اور بروز ظاہر ہو۔ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔

پس قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آنے والے موعود کا ذکر فرمایا ہے۔ و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین +

مضمون نگار حضرات سے معذرت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے الفرقان کا قرآن نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اہل قلم اصحاب میں سے بہت سے اصحاب کے مضامین ایسے تنگ وقت میں موصول ہوئے ہیں کہ وہ شاملِ اشاعت نہ ہو سکے ایسے تمام دوستوں سے معذرت خواہ ہوں۔ ان کے قیمتی مضامین آئندہ اشاعتوں میں شائع ہوں گے انشاء اللہ

قرآن مجید کی رُو سے تربیت کے آٹھ اُصول!

(جناب مولوی قمر الدین صاحب فاضل - انسپکٹر تعلیم و تربیت -)

قرآن مجید رب العالمین کی طرف سے ہدایت نامہ ہے - آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ اور آیت وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنَ اس دعویٰ کی شاہد ہیں - سو جیسے وہ جسمانی تربیت فرماتا ہے ویسے ہی روحانی تربیت کے سامان بھی بہم پہنچاتا ہے اور درحقیقت خدا تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے آیت یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْکُمْ اور آیت یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (نساء ع۴) کے مطابق ہدایت اور رہنمائی کا کام اپنے ذمہ رکھا ہے - اور اگر وہ شریعت مقرر کر کے خود ہی اپنی مخلوق کو راستہ نہ دکھاتا تو بیچارے انسان ضعیف البنیان کی ساری عمر قانون بنانے میں ہی صرف ہو جاتی اور پھر بھی تجربہ کے بعد تجربہ پر شاید صحیح قانون نہ بن سکتا اور انسان صراطِ مستقیم کو نہ پا سکتا -

واضح ہو کہ قرآن مجید کی رُو سے ہمارا عقیدہ ہے کہ خدائے عزّوجلّ ہمیشہ سے ضرورتِ حقّہ پر لوگوں کی رہنمائی فرماتا رہا ہے اور اس سلسلہ میں اس نے کامل و اکمل کتاب قرآن مجید بطور ہدایت نامہ اور شریعت نازل فرمائی - جس کے متعلق فرما دیا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدۃ) کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا ہے اور مذہب اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا ہے - اب سوال یہ ہے کہ اس کامل و اکمل کتاب میں اصولِ تربیت کیا بیان فرمائے گئے ہیں ؟ یہ ایک بہت اہم مضمون ہے اور اپنی وسعت کے لحاظ سے مستقل کتاب کو چاہتا ہے مگر اس وقت میں وقت کے تقاضا کے لحاظ سے صرف اصولِ تربیت میں سے چند باتیں احباب کے سامنے رکھوں گا -

اوّل:- جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید میں انسانی پیدائش کی غرض آیت مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ میں عبد بننا بیان کی گئی ہے اور سب سے پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ کی تعمیل میں جو دعا سکھائی گئی ہے وہ سورۃ فاتحہ ہے جس کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے ہوتی ہے - کہ سب خوبیوں اور تعریفوں کی مالک ذات صرف اللہ ہی ہے جو رب العالمین ہے - رب کے معنی (۱) پیدا کرنے والا (۲) ترقی دینے والا اور (۳) بتدریج کمال تک پہنچانے والا ہے - سو جیسے اُس نے ایک حقیر نطفہ سے انسان بنا دیا اور ناقابلِ ذکر وجود کو اشرف المخلوق کا جامہ پہنا دیا ایسے ہی عبودیت میں کمال کو پہنچنے کے لئے بھی ہدایت فرما دی کہ تمہیں رب العالمین کی طرف توجّہ کرنی چاہیئے - اور اُسی کے آگے جھکنا چاہیئے - اور جیسے نطفہ بتدریج ترقی کرتا ہے اور علقہ سے مضغہ

اور مضغہ سے عظام اور فَکَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا کی منزلیں طے کرتا ہوا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ کا مصداق ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی عبودیت میں کمال کو پہنچنے کے لئے بھی صبر اور استقامت کی ضرورت ہے۔ اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کا وِرد کرنا ضروری ہے جس کا مخالف مفہوم یہ ہے کہ جلد بازی کرنے والا شخص ٹھوکر کھاتا ہے اور درمیانی منازل سے ہی گر کر فنا ہوجاتا ہے اور اس کا وجود ملیا میٹ ہوجاتا ہے۔
پس اس میں بتایا کہ صفتِ ربّ العالمین کو پیشِ نظر رکھنا تربیت کے اہم اصولوں سے ہے۔

دوم:۔ قرآن مجید نے ایک اصل یہ بیان فرمایا ہے۔ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ۔ اے لوگو! تم ربّانی بنو۔ اور ربّانی کے معنے ہیں: اَلَّذِیْ یُرَبِّیْ صغار العلم قبل کبارها۔ جو بڑے علوم سے پہلے چھوٹے اور ابتدائی علوم سکھاتا ہے اور بنیاد مضبوط کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر بنیاد مضبوط نہ ہوگی تو عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

اسی طرح قرآن مجید اور اسلامی باتیں اُنہیں لوگوں میں قائم رہ سکتی ہیں جن کی بنیادیں مضبوط کی گئی ہوں پس بچپن ہی سے اصولِ ایمانیہ اور فروعات کو سکھانا اور ان پر ایمان کی عمارت کو مضبوط بناتے جانا ضروری امور سے ہے۔ ورنہ جن خاندانوں میں بنیادیں ناقص ہوتی ہیں اُن کے ایمان کی عمارت کسی وقت بھی متزلزل ہوسکتی ہے۔

سوم:۔ قرآن مجید نے اصولِ تربیت میں یہ ایک اہم اصل بیان فرمایا ہے کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ الخ (البقرہ) کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی رضامندی کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے سارے کام خدا کے لئے ہوجاویں۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے اَسْلِمْ کہنے پر فرمایا تھا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت خدا تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ آپ کے سارے کام خدا کی خاطر تھے۔ جیسا کہ آیت قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں مذکور ہے۔ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے حکم کے مطابق ہے۔ جب انسان روحانیت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے تو وہ یقیناً کامیاب ہوگیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں آیت مذکورہ کے ماتحت فنا، بقا اور لقا کے درجات کا ذکر کیا ہے اور ان درجات کو حاصل کرنیوالا نفسِ امارہ سے نجات حاصل کر کے نفسِ لوّامہ اور پھر نفسِ لوّامہ کے بعد نفسِ مطمئنّہ بن کر خدا کی طرف سے اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً کی پیاری آواز کو سنتا ہے اور خدا کے پاک بندوں کے ساتھ ہو کر اس کی جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔

چہارم:۔ قرآن مجید کی رُو سے جیسا کہ سورۂ لقمان سے ظاہر ہے، شرک اور والدین کی نافرمانی بہت بڑے گناہوں میں سے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشراک باللہ اور عقوق الوالدین کو اکبر الکبائر قرار دیا ہے۔ پس اگر ہم خدا کو راضی کرنا چاہتے ہیں تو گو ہم بڑی بڑی ریاضتیں کریں اور اپنے نفس کو مارنے کی تدبیریں کریں لیکن اگر ہم خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور ماں باپ کے نافرمان ہیں تو ہماری ریاضتیں اور تدبیریں

سب ہیچ ہوں گی۔ جیسے ہم لوگوں سے ہزار نیکی کرکے والدین کو دُکھ دیں اور انہیں ناراض رکھ کر نیکی کے اعلیٰ مقام کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر ہم اس کی ہزار عبادت کریں اور اس کے آگے تذلّل کریں تو یہ امر خدا کو خوش نہیں کر سکتا۔ پس تربیت کے اہم امور میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کو راضی کرنے کے لئے اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ دیا جائے۔ اور والدین کیساتھ خدا کے تاکیدی حکم کے مطابق ہر طرح کا حسن سلوک روا رکھا جائے۔

پنجم:۔ قرآن کریم میں ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب) کہ اے لوگو! محمد رسول اللہ صلعم تمہارے لئے نیک نمونہ ہیں جیسے یہ عمل کرتے ہیں ویسا کرنے سے خدا خوشنود ہو سکتا ہے۔ ایک دوسرے مقام میں فرمایا۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (کہف) کہ جو شخص اپنے رب کی ملاقات چاہتا ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کے مطابق عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ دے۔

آنحضرت صلعم کا دین کے بارے میں یہ اسوۂ حسنہ ہے کہ آپ دین کے قائم کرنے میں جان تک کی پروا نہ کرتے تھے۔ اور آپ کو دُنیا سے محبت نہ تھی۔ چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ کہ اے رسول! شاید تو اپنی جان کو ہلاک کر دیگا اسلئے کہ لوگ ایماندار ہو جائیں؟ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ایماندار بنانے کے لئے اپنی جان کو ہر شکل میں ڈالنے کے لئے تیار تھے۔ اور آپ کا کام لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (طلاق) تھا۔ یعنی آپ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف لے جاتے تھے۔ دُنیا سے بے رغبتی کا یہ حال تھا کہ آپ بادشاہ تھے۔ ہر قسم کے اموال آپ کے پاس آئے۔ آپ نے مہاجرین و انصار کو دے کر اُنہیں مالامال کر دیا۔ مگر جب ازواج مطہرات نے غزوۂ احزاب سے آئے ہوئے اموال کے پیش نظر مطالبہ کیا تو فرمایا کہ اگر دُنیوی اموال مطلوب ہیں، تو مَیں دے دیتا ہوں مگر اس صورت میں میرے ساتھ نہ رہ سکو گی اور اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا سُنا دیا۔ (احزاب) اس پر ازواج مطہرات نے بھی اموال لینے سے انکار کیا۔ اور آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ کیا پاکیزہ وجود تھا جسے رات دن دین کی ترویج کا فکر تھا۔ بس۔ اللّٰھم صلِّ علیہ و علیٰ آلہٖ اجمعین۔

ششم:۔ چھٹا تربیتی اصول قرآن مجید نے یہ پیش کیا ہے کہ بعض اوقات بیویاں اور اولاد بھی انسان کو دین سے دُور کر دیتی ہیں چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (تغابن) کہ تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے بھی تمہارے دشمن ہیں اُن سے بچو۔ اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ بیویوں اور اولاد کے اس قدر مطالبات ہوں کہ انسان دینی خدمت میں حصہ نہ لے سکے۔ اس صورت میں گویا بیویاں اور اولاد اُس کے لئے دشمن بن گئے۔ پس فرمایا کہ ان سے بچو۔ یعنی ایسا طریق اختیار کرو جس سے دین ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔

ہفتم:۔ ساتواں تربیتی اصل یہ ہے کہ

اور اپنے جسم کے اعتبار سے وہ کمال حاصل کر سکتا ہے جس کے لئے اُسے معرضِ وجود میں لایا گیا۔

خوب غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جسمانیت کا روحانیت کے ساتھ نہایت لطیف تعلق ہے اور اس حقیقت کا اظہار بھی جملہ مذاہب میں سے صرف اسلام ہی نے کیا ہے۔ وہ جسم جس کی پرورش کسی ناپاک اور غیر طیب غذا سے کی جائے کبھی اس قابل نہیں ہو سکتا کہ اس میں جاگزیں رُوح روحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کر سکے۔ اسلئے اسلام نے انسانی غذا کی تعیین کے متعلق بھی اصولی باتیں بیان کر دی ہیں تاکہ روحانیت کا طالب بے خوف و خطر اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا چلا جائے اور تمام اُن مؤثرات سے استفادہ کرتا چلا جائے جو اسے منزلِ مقصود تک پہنچانے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن کریم نے ہی اس طرف توجہ دلائی کہ روحانیت کے حصول کے لئے پاکیزہ غذاؤں کا استعمال ضروری ہے اور پاکیزہ غذا وہی ہے جس سے وہ نتائج حاصل ہوں جو غذا کی علّتِ غائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (مومنون رکوع ۴)

یعنی اے رسولو! جو اُمتوں کے مقتدا ہو پاکیزہ چیزیں کھاؤ تاکہ تمہارے نقشِ قدم پر چل کر تمہاری اُمتیں بھی پاکیزہ چیزیں ہی استعمال کریں۔ کیونکہ اعمالِ صالح کی تحریک پاکیزہ چیزوں کے استعمال ہی سے ہوتی ہے۔ کیونکہ غذا بالواسطہ انسانی اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے اسلئے کلامِ الٰہی میں انسانوں پر اس حقیقت کا اظہار کر کے انہیں ایسی خوراک استعمال کرنے کا حکم دیا، جو اعمالِ صالحہ کی بجا آوری کی محرک ہو۔ اسی لئے فرمایا

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (بقرہ ع ۶)

کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم کو دیں۔

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:-

كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ (بقرہ ع ۲۱)

زمین میں جو چیزیں ہیں ان میں سے حلال اور طیب کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔

گویا جس کی خوراک حلال اور طیب اشیاء پر مشتمل نہیں ہو گی وہ شیطان کے نقشِ قدم پر چلیگا۔ لہٰذا شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے سے بچنے اور روحانی لوگوں کی پیروی کی توفیق پانے کے لئے ضروری ہے کہ انسان ایسی چیزیں بطور خوراک استعمال کرے جو حلال اور طیب ہوں۔

غذا کے جسم اور اعمال و اخلاق پر اثر انداز ہونے کے ثبوت کائنات میں ہزاروں مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو عظیم الجثہ حیوانات کے گوشت بطور غذا استعمال کرتے رہتے ہیں ان کی نسلیں قد و قامت میں معتدبہ ترقی حاصل کر لیتی ہیں۔ اس کا ثبوت جنگل میں بسنے والی قوموں اور دیہات میں بود و باش رکھنے والی قوموں کی امتیازی خصوصیات میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرنے والی قوموں کی نسلیں بھی جسمانی نشو و نما میں ترقی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ صبر و تحمّل اور قوتِ بار برداری میں کافی بڑھ جاتی ہیں جو اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ انسان کی خوراک اس کے جسم اور اخلاق وغیرہ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور یہ صرف انسانوں ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر ذی حیات کی خوراک اس کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اہلِ فلاحت

کا بیان اور اہلِ تجربہ کا مشاہدہ ہے کہ جن مرغیوں کو اونٹ کی مینگنیوں میں ملا کر پکاتے ہوئے دانے کھلائیں انکے انڈوں سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ اُن مرغیوں کے بچوں سے قد و قامت میں بڑے ہوتے ہیں جو اس قسم کی خوراک سے محروم ہوں۔ بہرحال یہ مشاہدہ میں آئی ہوئی حقیقت ہے کہ خوراک جسم پر بلاواسطہ اور اخلاق و اعمال پر بالواسطہ اثر انداز ہوتی ہے۔

قرآن کریم نے اصولی طور پر پاکیزہ چیزوں کے استعمال کی تعلیم دینے کے بعد اِس امر کی بھی تشریح کر دی کہ کون کون سی چیزیں انسان کے لئے مفید اور کون کون سی غیر مفید ہیں۔ کون کون سی چیزیں استعمال کرنے کے قابل اور کون کون سی پرہیز کے لائق ہیں۔ خوراک کی تعیین کرتے وقت قرآن کریم نے انسان کے ان طبعی جذبات کی تربیت کو نظر انداز نہیں کیا جو عقل اور الہام کی روشنی میں ترقی حاصل کر کے اخلاق کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے خوراک کی فہرست میں گوشت، سبزی، پھل، دودھ اور شہد وغیرہ سب چیزوں کو شامل رکھا ہے تاکہ وہ اخلاق اور جذبات جن کا تعلق گوشت کے استعمال سے ہے وہ گوشت سے پرورش پاتے رہیں اور جو دیگر اشیاء کے استعمال سے تعلق رکھتے ہیں ان کی تربیت متعلقہ اشیاء کے استعمال سے ہوتی رہے۔ چنانچہ سبزیوں کے استعمال کے متعلق فرمایا:-

فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّن نَّبَاتٍ شَتَّىٰ ۝ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ
(طٰہٰ ع ۲)

ہم نے اس (بارش) کے ذریعہ تمہارے لئے مختلف سبزیوں کے جوڑے پیدا کئے۔ تم انہیں کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو کھلاؤ۔

اسی طرح پھلوں کے متعلق یوں راہنمائی فرمائی:-

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ (انعام ع ۱۷)

اور وہی ہے جس نے باغ پیدا کئے چھتری دار اور غیر چھتری دار اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کی خوردنی اشیاء مختلف ہیں اور زیتون اور انار ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے۔ ان کے پھلوں سے کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور کاٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو اور اسراف نہ کرو اللہ تعالیٰ مسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔

اِس آیت میں زرعی پیداوار کی خوردنی اشیاء یعنی سبزیوں اور دالوں کے استعمال کی طرف اشارہ کرنے کے علاوہ پھلوں کے استعمال کی ہدایت فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی تنبیہہ فرما دی کہ کسی چیز کے استعمال میں اسراف نہیں ہونا چاہیئے۔ ہر چیز کے استعمال میں طبی لحاظ سے مقررہ حدود کی پابندی کرنی لازم ہے۔

قرآن کریم انسان کی غذا کو صرف سبزیوں، دالوں اور پھلوں تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ انہیں گوشت کے استعمال کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے۔ کیونکہ مختلف اخلاق و جذبات کی تربیت کے لئے جہاں سبزیوں، دالوں اور پھلوں کے استعمال کی ضرورت ہے وہاں گوشت استعمال کئے بغیر بھی چارہ نہیں۔ کیونکہ جن جذبات اور اخلاق کا

تعلق گوشت کے استعمال سے ہے اُن کی تربیت سبزیوں کے استعمال سے نہیں ہو سکتی۔ پھر گوشتوں کے متعلق بھی ایک ہی قسم کے گوشت پر انحصار نہیں رکھا، بلکہ مختلف قسم کے جانوروں کے گوشت کے استعمال کی ہدایت فرمائی۔ ہوا میں اُڑنے والے پرندوں، سمندر میں تیرنے والی مچھلیوں اور سطح زمین پر چرنے چُگنے والے جانوروں سب کے گوشت استعمال کرنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ سورۃ مائدہ میں آتا ہے:۔

أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ
إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ۔ (مائدہ ع ۱)

تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے ہیں سوائے ان کے جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں (یعنی جو چوپائے تمہارے لئے ممنوع قرار دیئے گئے ہیں اُن کے علاوہ جملہ چوپائے تمہارے لئے حلال ہیں)۔

جنگلی جانوروں کے متعلق فرمایا:۔

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا۔
(مائدہ ع ۱)

جب تم احرام سے نکلو تو شکار کرو۔

سمندر کے جانوروں کے متعلق فرمایا:۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ
(مائدہ ع ۱۲)

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اسکا کھانا حلال کیا گیا ہے۔

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ
حُرُمًا (مائدہ ع ۱۲)

اور جب تک تم احرام کی حالت میں ہو اس وقت تک تمہارے لئے خشکی کا شکار ممنوع ہے (اور جب تم احرام سے نکل جاؤ اُس وقت حلال ہے) جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

بعض مذاہب ایسے ہیں جو دُنیوی لذائذ سے متمتع ہونے کو روحانیت کے منافی سمجھتے ہیں لیکن قرآن کریم کے نزدیک خدا تعالیٰ کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے متمتع ہونا خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کا محرک اور روحانیت کا معین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ از روئے قرآن کریم حلال چیزوں کو خواہ مخواہ اپنے لئے ممنوع قرار دے لینا پسندیدہ نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ اس پر تنبیہ کی گئی ہے اور اس حرکت کے ارتکاب سے روکا گیا ہے چنانچہ فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا
الطَّيِّبٰتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا
تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِينَ ٥ (مائدہ ع ۱۲)

اے مومنو! پاکیزہ حلال چیزوں کو جو خدا نے تمہارے لئے جائز ٹھہرائی ہیں حرام نہ ٹھہراؤ۔ اور حد سے نہ گزرو۔ اللہ تعالےٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

گویا خدا تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو اپنے لئے ممنوع قرار دے لینا خدا تعالےٰ کے منشاء کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی ناراضگی کا باعث ہے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي
أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ
الرِّزْقِ۔ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (اعراف ع ۴)

کہدے اللہ کی زینت کو اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو جو اُس نے اپنے بندوں کے فائدہ کے لئے نکالی ہیں کون حرام کرتا ہے؟ کہدے

یہ سب چیزیں مومنوں کے لئے ہیں تاکہ وہ دُنیا کی زندگی میں ان سے مستفید ہوں۔

قرآن کریم کے رو سے بہترین غذا

سطور بالا میں قرآن کریم سے اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ انسانی غذا کن کن چیزوں پر مشتمل ہونی چاہیئے۔ اب یہ ظاہر کیا جائے گا کہ از روئے قرآن مجید غذاؤں میں سے بہترین غذا کون کون سی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ قرآنی تعلیم کی رُو سے انسانی لذتوں کا انتہائی مقام جنت کو قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جنت ایک ایسا مقام ہے جہاں انسان اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے متمتع ہوگا اسلئے انسانی غذا سے تعلق رکھنے والی جن جن نعمتوں کا ذکر جنت کے سلسلے میں آئے گا انسانی غذا سے تعلق رکھنے والی اشیاء میں سے وہی بہترین ہوں گی، قطع نظر اس بحث سے کہ وہ نعمتیں روحانی ہوں گی یا جسمانی۔ اگر وہ نعمتیں روحانی ہیں اور حقیقۃً ہیں بھی روحانی ہی تو بھی ان بہترین روحانی نعمتوں کی حقیقت کو ہمارے ذہنوں کے قریب تر کرنے کے لئے جن جسمانی نعمتوں کا نام لیا گیا ہے وہ یقینی طور پر دُنیا کی بہترین اشیاء کے ناموں پر مشتمل ہوں گی۔ جیسا کہ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے دودھ، شہد، گوشت اور مختلف قسموں کے پھل ہی وہ نعمتیں ہیں جو جنتیوں کے لئے مہیّا کی جائیں گی۔ لہذا اشارۃ النص کے طور پر قرآن کریم کی تعلیم کی رُو سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بہترین غذا یہی چیزیں ہیں۔

جنت کی نعمتوں کے سلسلہ میں قرآن کریم میں آتا ہے:۔

فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ج وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ ج وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ج وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ط وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ (محمد ع ۲)

جنت میں نہریں ہوں گی ایسے پانی کی جو سڑے بسے گا نہیں۔ گویا پینے کے لائق وہی پانی ہے جو سڑا بُسا ہوا نہ ہو۔ اور پانیوں میں سے بہترین پانی وہی ہے جو نہ سڑے اور نہ بسے۔ وہ بارش کا مصفّٰے پانی یا کشید کیا ہوا پانی ہے۔ اور جنت میں ایسے دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوا ہو گا۔ گویا بہترین دودھ تازہ دوہا ہوا دودھ ہے۔ دودھ کے متعلق ایک دوسرے مقام میں آتا ہے لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ۔ خالص دودھ جو پینے والوں کیلئے خوشگوار ہوتا ہے۔ گویا اس طرح دودھ کے ایک اعلیٰ غذا ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ جنت کی نعمتوں کے بارے میں پھر فرمایا کہ پاکیزہ شراب کی نہریں ہونگی پینے والوں کے لئے لذیذ۔ (چونکہ سورۃ مائدہ میں خمر یعنی نشہ آور شراب کے متعلق صریح طور پر فرما دیا کہ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ (مائدہ ع ۱۲) یہ شراب پلید چیز ہے اور اس کا استعمال شیطانی عمل ہے اسلئے اس سے پرہیز کرو۔ اس طرح دنیا کی ناپاک شراب کو دُنیاوی زندگی کی غذا سے خارج کر دیا) دودھ کے متعلق یہ فرما کر کہ یہ پینے والوں کے لئے خوشگوار ہوتا ہے اسے بہترین غذا قرار دیدیا۔ پھر فرمایا کہ جنتیوں کے لئے مصفّٰے شہد کی نہریں ہوں گی۔ اور دنیا میں شہد کے متعلق فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ فرما کر اس کے استعمال کی ترغیب دلائی اور اسے بہترین خوراک قرار دیا۔

پھر فرمایا اور جنتیوں کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر جنتیوں کے متعلق فرمایا۔ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (طور ع ۱) اور ہم نے جنتیوں کو پھل دیئے اور گوشت اُن چیزوں کا جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں۔ اس طرح دودھ، شہد، پھل اور گوشت کا ذکر بطور جنت کی نعمتوں کے بیان کر کے ضمناً اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ غذاؤں میں سے یہ چیزیں بہترین غذا ہیں۔

جہاں قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کو کون کون سی چیز بطور خوراک استعمال کرنی چاہیئے وہاں یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ کس حد تک کوئی چیز استعمال کرنی چاہیئے۔ چنانچہ فرمایا:۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (اعراف ع ۳)

کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ یعنی کسی چیز کے کھانے پینے میں حد سے نہ بڑھو۔

قرآن کریم نے مختلف غذاؤں کے استعمال کی حدبندی خود نہیں کی بلکہ اُسے انسانی عقل اور تجربہ پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ ایسی حدود ملکی آب و ہوا، موسمی تغیر و تبدل، اور جسمانی حالات کے تنوع کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیشہ مختلف ہوتی رہیں گی۔ مثلاً جنگل میں بود و باش رکھنے والوں کو جس قدر گوشت کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے بستی میں رہنے والوں کے لئے اتنی مقدار کا استعمال اسراف میں داخل ہوگا۔ اسی طرح سرد ممالک کے رہنے والوں کے لئے جتنی مقدار مناسب ہوگی گرم ممالک کے باشندوں کے لئے اتنی مقدار غیر مناسب ہوگی۔ اسی طرح مختلف پیشوں کے اعتبار سے غذا کے اسراف اور عدم اسراف کا تناسب جدا جدا ہوگا۔ اس قسم کی تفصیل کو قرآن کریم نے پیش نہیں کیا۔ تاکہ یہ باتیں انسان اپنی عقل اور تجربہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ اگر اس قسم کی تفصیلات بھی بیان کر دی جاتیں تو علمی میدان میں عقل کی دَوڑ دھوپ کے لئے اس سلسلہ میں کوئی سامان نہ ہوتا۔ اور عقل کا عدم اور وجود برابر ہوتا۔

قرآن مجید کے رُو سے محرّم اشیاء

قرآن کریم نے انسانی غذا کے متعلق صرف مثبت پہلو ہی نہیں لیا بلکہ منفی پہلو پر بھی واضح روشنی ڈالی ہے۔ جہاں اُن چیزوں کے متعلق اصول بیان فرمائے ہیں جو انسان کے لئے اس کے اخلاق اور روحانیت پر اثر انداز ہونے کے لحاظ سے مفید ہیں وہاں اُن اشیاء کی بھی وضاحت فرمائی ہے جو انسان کے اخلاق اور روحانیت کی تربیت کے منافی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ۔

یعنی حرام کیا گیا ہے تم پر مُردار۔ خون۔ سُؤر کا گوشت۔ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور۔ گلا گھونٹ کر مارا ہوا۔ اونچی جگہ سے گِر کر مرا ہوا۔ سینگ کی ضرب سے مرا ہوا اور درندوں کا پھاڑا ہوا (لیکن اگر اسے تم نے مرنے سے پہلے ذبح کر لیا ہو تو استعمال جائز ہے) اور تھانوں پر ذبح کئے جانے والے جانور اور تیروں کے ساتھ قسمت معلوم کرنا کیونکہ یہ سب فسق ہیں۔

فسق کے معنی عربی زبان میں خروج عن طریق الحق

والصلاح ہیں۔ یعنی درستی اور بہتری کے طریقہ سے نکل جانا۔ یعنی ان چیزوں کے استعمال سے تمہاری روحانیت درست نہیں رہ سکتی اور تم صحت و اخلاق کی صلاحیت کھو بیٹھو گے۔ خنزیر اور دوسرے مُردہ جانوروں کے گوشت کھانے سے جو اخلاقی اور جسمانی مضرتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں ان کی تشریح تحصیل حاصل ہے کیونکہ موجودہ روشنی اور علمی ترقی کے زمانے میں ان کے مضر ہونے کی صداقت روز روشن کی طرح ثابت ہو چکی ہے۔

اسی طرح شراب کے متعلق فرمایا:۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ۔
قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

(بقرہ ع ۲۷)

تجھ سے پُوچھتے ہیں شراب اور جُوئے کے بارے میں۔ کہہ دے اِن دونوں میں ضرر بڑا ہے اور لوگوں کے لئے کچھ تھوڑے سے فائدے بھی۔ لیکن ان کا ضرر ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

چونکہ ہمیشہ عقلمند انسان زیادہ منفعت کا خواہشمند ہوتا ہے اس لئے شراب کے متعلق یہ بیان کر کے کہ اس میں نقصان زیادہ ہے اور نفع کم ہے اس سے پرہیز کرنے کی تعلیم دی۔ اور تمام کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق ایک اصولی تعلیم دے دی کہ ایسی چیزیں استعمال کرو جن میں نفع زیادہ اور نقصان کم ہو۔ شراب کے متعلق پھر سورہ مائدہ ع ۱۲ میں فرمایا رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ کہ یہ پلید ہے اور شیطانی عمل میں سے ہے اگر اسے استعمال کرو گے تو پاکیزہ اخلاق سے محروم ہو کر شیطان کے ہم جنس ہو جاؤ گے اسلئے فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اس سے پرہیز کرو تاکہ تم اپنی زندگی کا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔

قرآن کریم ان تمام چیزوں کو کھانے سے منع فرماتا ہے جن پر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ چنانچہ سورہ انعام ع ۱۴ میں آتا ہے وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ۔ یعنی وہ چیز نہ کھاؤ جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام ذکر نہ کیا جائے۔ گویا ہر ایسی چیز کھانے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو کیونکہ ایسی چیزوں کا کھانا انسان کی روحانیت کے لئے مہلک ہے۔

یہ ہیں وہ ہدایات جن پر عمل کرنے کی ہدایت قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو دی ہے اور جن پر عمل کر کے انسان دین و دُنیا میں خائز المرام ہو سکتا ہے۔

حق کی مخالفت اور اسکی وجوہات

(پروفیسر بشارت الرحمن صاحب ایم اے تعلیم الاسلام کالج لاہور)

گذشتہ دنوں علماء کی طرف سے حکومت کے سامنے یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ پاکستان میں جماعت احمدیہ کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا جائے۔ میں اس وقت اس مطالبے کے سیاسی پہلو کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا، صرف اس کی بعض نفسیاتی وجوہات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ جماعت احمدیہ مسلمانوں کی صفوں میں اندرونی طور پر انتشار پیدا کرتی ہے۔ جہاں تک سیاسی انتشار پیدا کرنے کا تعلق ہے یہ الزام ظاہرا طور پر بعید از حقیقت ہے۔ سیاسیات میں جماعت احمدیہ نے ہمیشہ ہی دوسرے مسلمانوں کا ساتھ دیا ہے اور ہر موقع پر ان کی تائید کی ہے جس کے ثبوت میں مسلمانوں کے چوٹی کے سیاسی لیڈروں کے اعترافات پیش کئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ بعض موقعوں پر جبکہ مسلمانوں کے دوسرے سیاسی لیڈر بعض خطرات سے غافل ہوتے تو حضرت امام جماعت احمدیہ مسلمانوں کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے رہے۔ اور ان خطرات کے تدارک کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔

جہاں تک مذہبی اور دینی انتشار پیدا کرنیکا الزام ہے تو یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں مذہبی اور دینی اتحاد اور یگانگت پہلے سے ہی مفقود ہے اور ہر فرقہ کے مسلمہ علماء نے دوسرے فرقوں پر کفر کے غلیظ ترین فتوے جاری کئے ہوئے ہیں۔ جماعت احمدیہ تو قائم ہی اسلئے کی گئی ہے کہ ان منتشر مسلمانوں کو جن کے علماء نے ایک دوسرے پر خواہ مخواہ کفر کے فتوے عائد کئے ہیں پھر ایک متحدہ دینی پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔ تا دُنیا اسلام کی ابتدائی جماعت بندی، یگانگت و اتحاد کا از سرِ نو نظارہ دیکھے۔ جماعت احمدیہ مسلمانوں کے مذہبی انتشار کو زیادہ کرنے کی بجائے اس کو رفع کرتی ہے۔ اور اس جماعت میں اس امر کا اچھی طرح سے نظارہ دیکھا جاسکتا ہے کہ مختلف فرقوں کے افراد جو ایک دوسرے کی تکفیر کیا کرتے تھے جماعت احمدیہ کا رُکن بن کر

فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

کا مصداق نظر آتے ہیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علماء کے اس مطالبے کی پُشت پر احمدیت کے مقابلہ میں ان کا اضطراری اعترافِ شکست ہے اور اس طرح پر ان کا ایسا مطالبہ کرنا اپنی ذات میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا عظیم الشان ثبوت بن جاتا ہے۔ اگر علماء کے دلوں میں یہ یقین ہوتا کہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی وہ تشریح جو جماعت احمدیہ پیش کرتی ہے بالبداہت غلط ہے اور کسی ٹھوس بُنیاد پر قائم نہیں تو قرآن کریم کے پیش کردہ اصول جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا کے مطابق انہیں ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ وہ میدان میں آتے اور دلائل سے اسلام کی اصل تشریح

مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے اور اس کے بعد وہ دیکھتے کہ باطل کا طلسم خود بخود حق کے سامنے دھوآں بنکر اُڑنا شروع ہو جاتا۔ لیکن حقیقت اس کے الٹ تھی۔ علماء یہ محسوس کر رہے تھے کہ اسلام کی وہ تشریح جو وہ پیش کر رہے ہیں ناقص اور بے بنیاد ہے۔ ان کا پیش کردہ اسلام جماعت احمدیہ کے پیش کردہ اسلام کے مقابلہ میں گھناؤنا اور بدنما نظر آتا ہے۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ وہ دلائل کے ذریعہ سے اپنے مقام اور موقف کو قائم نہیں رکھ سکتے لہذا احمدیت کو مٹانے کے لئے انہوں نے یہ انوکھا مطالبہ کر دیا۔ اس مطالبے کی بعض سیاسی وجوہات بھی تھیں لیکن یہ اس وقت میرے مضمون کا حصہ نہیں۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ کیا علمائے کرام نے قرآن کریم نہیں پڑھا تھا جس میں لکھا ہوا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۰

یعنی جو لوگ اللہ تعالے پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ اگر احمدیت خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو یقیناً یقیناً یہ افتراء علی اللہ سے بھرپور ہے اور جماعتِ احمدیہ مندرجہ بالا خدائی قانون کے مطابق کبھی بھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔ پھر علمائے کرام کے لئے ڈرنے کی کونسی وجہ تھی۔ لیکن اگر وہ واقعی یہ محسوس کر رہے تھے کہ احمدیہ جماعت کے افراد عقائد اور اعمال کے لحاظ سے سیدھے راستے پر قائم ہیں اور انہیں نمایاں کامیابی حاصل ہو رہی ہے اور ان کے عقائد و اعمال دوسرے مسلمانوں کے عقائد و اعمال پر برتری رکھنے کی وجہ سے انہیں مغلوب کرتے چلے جاتے ہیں تو پھر علمائے کرام کو نیک نیتی سے اس امر کی وجہ دریافت کرنی چاہیئے تھی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا اللہ تعالے پر جھوٹ باندھنے والے شخص کے متبعین دنیا میں پھلا پھولا کرتے ہیں اور کبھی بھی ان کے خیالات اور معتقدات کو حق کے مقابلے میں کامیابی اور برتری نصیب ہوا کرتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر قرآن کریم سچا ہے تو ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اگر احمدیت کے معاملہ میں ایسا ہو رہا ہے تو یہ امر اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ بانیٔ احمدیت علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعی اللہ تعالیٰ کی وحی کے مورد تھے۔ علماء کا فرض تھا کہ اس حقیقت کو سمجھتے اور اس زمانے کے داعی الی اللہ پر خود بھی ایمان لاتے اور مسلمانوں کو بھی اس امر کی تلقین کرتے اور اللہ تعالے کی رحمتوں کے مورد بنتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہی امر مخالفین کے سامنے پیش کیا ہے۔ فرماتا ہے :-

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَا اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ۔

یعنی اے رسول! تو ان سے کہدے کہ اگر میں گمراہی کے رستے پر گامزن ہوں تو تمہارے لئے گھبرانے کی اور خواہ مخواہ پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ گمراہی خود بخود مجھ پر اُلٹ پڑے گی اور میں اپنے مقاصد میں ناکام و نامراد ہو جاؤنگا۔ لیکن اگر تم سمجھتے ہو کہ میں سیدھے راستہ پر ہوں تو یاد رکھو کہ اس کا موجب وہ وحی ہے جو اللہ تعالے کی طرف سے مجھ پر نازل ہو رہی ہے۔ یعنی اس صورت میں تمہارا فرض ہے کہ اس وحی الٰہی پر ایمان لے آؤ۔

افسوس صد افسوس کہ ہر زمانے میں حق کے مخالفین اس سنہری اصل کو سامنے رکھنے کی بجائے کبھی یہ نعرہ

بلند کرتے ہیں لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا کہ (اے حق پرستو!) ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے۔ اور اسی طرح سے قرآن کریم کے الفاظ میں کبھی ان کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلتے ہیں کہ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ۔ یہ تو ایک چھوٹی سی جماعت ہے جو قلیت میں ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ إِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ یہ اپنے معتقدات کی وجہ سے ہمیں غصہ دلاتے ہیں۔ انہیں یا تو اپنی سرگرمیوں کو بند کرنا پڑے گا ورنہ اس کا نتیجہ ان کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ آخر میں یہ نعرہ بلند کرتے ہیں إِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ یعنی ہم ان پر ہر طرح سے غالب ہیں اور جو چاہیں گے ان سے سلوک کریں گے اور انہیں ہمارے درمیان ہماری مرضی کے مطابق ہی رہنا پڑے گا۔

تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دُہراتی رہی ہے اور اس زمانے میں بھی دُنیا نے وہی نظارہ دیکھا ہے جو ہمیشہ سے حق کے مخالف دُنیا کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ کسی اصول کی مخالفت اگر معقول اور معروف طریقوں سے کی جائے تو کبھی بھی قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتی۔ لیکن حق کے مخالفین ہمیشہ ہی اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آیا کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی فطرت بول رہی ہوتی ہے کہ وہ باطل پر ہیں اور حق عنقریب ان کے باطل عقائد پر غالب آجائے گا پس وہ ہر ناجائز طریقے سے حق کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں۔ لیکن دُنیا ہمیشہ یہ نظارہ دیکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حاسدوں اور معاندوں کے شر سے اپنے رسولوں کو بچایا ہے۔ اور خارق عادت رنگ میں ان کی تائید اور نصرت کرتا ہے اور ان کی مخالفت کو ان کی ترقی کے لئے کھاد بنا دیتا ہے۔

آج ہم بھی قرآن کریم کی زبان میں اپنے مخالفین سے یہ کہتے ہیں کہ دیکھو! اگر ہم گمراہ ہیں تو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کی وہ تشریح جو ہم پیش کرتے ہیں اگر وہ غلط ہے تو جائز اور بہتر طریقوں سے تم سچائی کا پرچار کرو۔ اور اس طریق سے حق خود بخود باطل پر غالب آجائے گا۔ لیکن تمہاری فطرت یہ تسلیم کرتی ہے کہ احمدیت کی تعلیم اتنی قوی اور معقول ہے اور اتنی مضبوط بُنیادوں پر قائم ہے کہ دلائل سے اسے مٹایا نہیں جا سکتا تو پھر سمجھ لو کہ ہماری اس برتری کا موجب وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست پیشگوئیوں کے مطابق ہماری طرف نازل کی ہے اور انشاء اللہ جلد یا بدیر دُنیا میں احمدیت کا ہی بول بالا ہوگا۔ چونکہ قرآن کریم کا یہ اصول یقیناً یقیناً سچا ہے کہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا +

"قرآن مجید کے مفسرین اور اُن کے مختصر حالات" (بقیہ صفحہ ۵۵)

ثابت ہوتی ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے۔ اور اسی کو مان کر انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے اور دُنیا بھی اسی کو مان کر سُدھر سکتی ہے۔

دل چاہتا ہے کہ اس تفسیر کو بار بار پڑھا جائے۔ بلکہ جس آیت کی تفسیر کو پڑھنا شروع کیا جائے اس کے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

كل العلم فى القرآن لكن
تقاصر عنه افهام الرجال

کہ قرآن مجید تمام علوم کا منبع ہے لیکن لوگوں کی عقول کو اس بات تک رسائی نہیں۔ یہ صداقت اگر آج کسی نے مشاہدہ کرنی ہو تو تفسیر کبیر کا مطالعہ کرے +

جماعتِ احمدیہ اشاعتِ قرآن کریم کیلئے کتنا کام کر چکی ہے

اور

آئندہ کیا پروگرام ہے

از جناب صاحبزادہ میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم۔اے انچارج شعبہ تالیف و تصنیف تحریکِ جدید

آج انسانیت مختلف نظریات اور متضاد نظامِ حیات کی تاریکیوں میں گھری ہوئی ہے۔ مادیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور سرمایہ و محنت کی باہمی آویزش نے ترقی پسند دنیا کے مذہبی رجحانات میں زبردست تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ مذہبی لٹریچر اُن کی توجہات کا مرکز بن رہا ہے اسلامی تعلیمات سے متعلق روز بروز ان کی دلچسپی بڑھ رہی ہے اور وہ ایک ایسی روشنی کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں جو انہیں موجودہ سیاسی تحریکات کے مہیب گرداب سے نکال کر بسلامت ساحلِ مراد تک پہنچائے اور حقیقی نجات سے ہمکنار کرے۔

آج سے تیرہ سو سال قبل فاران کی چوٹیوں سے ایک بدرِ منیر اپنی دلربا شان میں طلوع ہوا۔ یہی وہ نور تھا جس کی روح نواز کرنوں میں انسانیت نے اپنے بلند ترین نصب العین کو حاصل کیا اور یہی وہ ضابطۂ اخلاق ہے جو ہماری دینی و دنیوی فلاح و بہبودی کا کفیل بن سکتا ہے جسے دُنیا کے سب سے بڑے محسن اور نجات دہندہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے گمراہ انسانیت کے سامنے پیش کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ اُولیٰ کا تعلق "تکمیلِ شریعت" کے ساتھ تھا۔ تا بکھری ہوئی صداقتیں دستورِ اساسی کے طور پر ایک سلک میں مربوط ہو جائیں۔ اسلامی لٹریچر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے رسولِ عربی (فداہ امی و ابی) صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وجود کے ذریعہ اس عظیم الشان کام کو علی الوجہ الاتم پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اور ہمیں اُن روحانی خزائن سے روشناس ہونے کی سعادت بخشی حتیٰ کہ مستشرقینِ یورپ بھی ہماری تاریخ کو پڑھ کر فرطِ حیرت سے انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ پھر تیرہ سو سال کے طویل عرصہ کے بعد آپ کی بعثتِ ثانیہ کا ظہور ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے عین مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس زمانہ کے لئے مبعوث ہوئے اور "تکمیلِ اشاعت" کا اہم ترین فریضہ آپ کے سپرد ہوا آپ نے جس حسن و خوبی سے اس کام کو سرانجام دیا اور فلسفۂ حیاتِ انسانی کو قرآنی معارف کے ساتھ جس سلیس اور عام فہم اور دلکش انداز میں پیش کیا وہ تاریخِ احمدیت کا ایک کھلا ہوا ورق ہے۔

آج چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بج رہا ہے اور مجاہدینِ احمدیت قرآنی دلائل سے آراستہ ہو کر کفر و الحاد کے عظیم مرکزوں میں یلغار کرتے نظر آتے ہیں اور اس کثرت سے قرآنی صداقتوں کی اشاعت ہو رہی ہے کہ

جس کی نظیر گذشتہ صدیوں میں نہیں ملتی۔

جماعت احمدیہ نے آغاز ہی سے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا کہ دنیا کی پیاسی اور تڑپتی روحوں کو حق و صداقت کے اس لازوال سرچشمہ سے شاد کام کیا جائے۔

اب تک دنیا کی جن مختلف آٹھ زبانوں میں قرآنِ مجید کے تراجم کروائے جا چکے ہیں اُن کے نام یہ ہیں:۔

انگریزی۔ ڈچ۔ سپینش۔ اٹیلین۔ پولش۔ فرنچ۔ جرمن۔ گورمکھی۔

اس وقت ایک لاکھ روپیہ کے صرف سے ہالینڈ میں قرآن مجید کے ڈچ، جرمن اور انگلش تراجم مع متن طبع کروائے جا رہے ہیں۔ متن کی کتابت ایک بلند پایہ خوشنویس سے کروائی گئی ہے اور اسکے بلاک ہزاروں روپیہ کے صرف سے یورپ میں تیار کروائے گئے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی انگریزی تفسیر پندرہ پاروں تک شائع ہو چکی ہے۔ قابل علماء اور انگریزی زبان میں اعلیٰ مہارت رکھنے والے جدید علوم سے آراستہ افراد پر مشتمل ایک بورڈ اس کی تکمیل میں روز و شب مصروف ہے۔ نیز علوم قرآنیہ پر مشتمل لاکھوں صفحات کا لٹریچر دنیا کے چالیس ملکوں میں ہر سال کثیر تعداد میں پھیلایا جاتا ہے۔

اس اہم کام کے علاوہ جو بنیادی کام جماعت احمدیہ نے سر انجام دیا وہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تحریر کردہ اردو "تفسیر کبیر" کی اشاعت ہے۔ یہ تفسیر قرآنی علوم کا ایک بحر ذخار ہے جس میں مختلف علوم کے دریا بہتے نظر آتے ہیں۔ یہ ایک انسائیکلوپیڈیا ہے جس سے قرآن کریم کے متعلق اور ادق ترین مقامات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں کہ آئندہ قرآنی علوم کی اشاعت کے لئے یہ تفسیر ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں جماعت اس روحانی خزانہ کی اشاعت میں جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

آئندہ کے لئے ہمارے عزائم خدا کے فضل سے بہت بلند اور ہمارے مقاصد بہت ارفع و اعلیٰ ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی ملک قرآن کی دولت سے محروم نہ رہے اور یہ دلنواز پیغام ہر شخص کے لئے سامع نواز ہو اور اسے اسلام سے قریب تر لانے کا موجب۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیشِ نظر کئی ایک زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کا کام شروع ہے جو پوری تندہی سے ہو رہا ہے علاوہ ازیں دنیا کی اور بہت سی زبانوں میں قرآنِ مجید کے تراجم کروانے کے انتظامات زیرِ غور ہیں جنکو تکمیل کے بعد جلدی منظرِ عام پر لانے کا خیال ہے۔ اسی طرح علوم قرآنیہ سے متعلق لٹریچر اس کثرت سے شائع کرنے کی تجاویز زیرِ غور ہیں۔ تا کوئی ملک بھی اس روحانی اور علمی دولت سے محروم نہ رہے اور خدا کا نام اس وسیع کائنات کے ہر گوشہ میں پوری شان سے بلند ہو اور ہر طرف اس کے نام لیوا ہی نظر آئیں۔

بہر حال ہماری مساعی کا مختصر خاکہ آپ کے سامنے ہے۔ اس تمام تگ و دو اور جد و جہد سے مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ قرآنی علوم سے آگاہ ہوں، اس کے معارفِ دقیقہ اور بلاغتِ کاملہ پر وسیع رنگ میں ان کی نظر پڑے، اسکے محاسن سے ان کے قلوب ایک روحانی حلاوت محسوس کریں اور زندہ خدا کے ساتھ اُن کا تعلق پیدا ہو جائے اور زیاں کار دنیا ایک دفعہ پھر اپنے خالق و مالک کے قدموں میں جا گرے اور قعرِ مذلت میں گرے ہوئے بامِ رفعت پر سرفراز ہوں۔ وہ حیوانوں سے انسان اور انسان سے با اخلاق اور با اخلاق سے باخدا انسان بن جائیں۔

قرآن پاک میں قانونِ وراثت کے متعلق اصولی ہدایات

(از جناب مولانا ارجمند خان صاحب پروفیسر دینیات تعلیم الاسلام کالج لاہور)

تمہید

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان پر احسانِ عظیم فرمایا ہے کہ اُس نے عاجز بندوں کی رہنمائی اور فلاح کے لئے قرآن مجید کے ذریعہ زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اصولی ہدایات نازل فرمائی ہیں حتیٰ کہ حقوق بعد الممات کے بارے میں بھی واضح قرآنی احکام موجود ہیں۔

مثلاً اگر ایک طرف دنیوی زندگی میں حقوق الزوجین کے بارے میں وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ کا ارشاد موجود ہے جس میں خاوند کے بیوی پر اور بیوی کے خاوند پر حقوق کا ذکر ہے، تو دوسری طرف یہ اصولی ہدایت بھی موجود ہے کہ بیوی کے مرنے کے بعد جس طرح خاوند ورثہ پانے کا حقدار ہے اسی طرح بیوی کو بھی اپنے شوہر کے متروکہ مال میں سے حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔

اب مَیں اِس مختصر تمہید کے بعد اصل مضمون کیطرف رجوع کرتا ہوں

ورثہ کے معنی اور ورثہ کی قسمیں

وفات یافتہ (میت) شخص کا وہ متروکہ مال جو اس کے پسماندگان میں قرآنی ہدایات کے مطابق بحصّہ رسدی تقسیم کیا جاتا ہے ورثہ کہلاتا ہے۔

وارثوں کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو علمِ میراث کی اصطلاح میں ذوی الفروض کہلاتے ہیں اور دوسرے وہ جن کو عَصَبَہ کہتے ہیں۔

ذوی الفروض وہ ورثاء ہیں جنکے معیّن حصّے قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

اور عصبہ وہ وارث ہیں جو میّت کے جدی اور خونی رشتہ دار و اقارب ہوں۔ وہ سارے باقی مال کے وارث ہوتے ہیں۔ عصبہ ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مرد ہو اور تنہا عورت عصبہ نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر مرد عصبہ کے ساتھ کوئی عورت شریک ہو تو وہ بھی اس مرد کی وجہ سے عصبہ بنے گی۔ مثلاً اگر میّت کے بیٹے کے ساتھ میّت کی لڑکی بھی ہو تو وہ لڑکی بھی عصبہ بنے گی اور اگر لڑکی تنہا ہو تو وہ ذوی الفروض میں شمار ہوگی عصبہ نہ ہوگی۔

عصبہ وارث کی دوسری خصوصیّت یہ ہے کہ جو مال متروکہ ذوی الفروض کے حصّوں سے اور وصیّت و قرض کی ادائیگی سے بچے وہ تمام کا تمام مال ان ورثاء کو ملتا ہے جو عصبہ کہلاتے ہیں۔

وراثت کے متعلق قرآن مجید کی پہلی اصولی ہدایات

وراثت کا مضمون سورۃ النساء رکوع ۱ و ۲ میں تفصیلی ہدایات کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس بارے میں پہلی اصولی ہدایت یہ ہے کہ کسی وفات یافتہ شخص کی جائداد میں سے جس طرح اسکے قریبی رشتہ دار مردوں کو حصّے ملتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی درجہ بدرجہ اس ورثہ میں حقدار ہوتی ہیں۔ مطلب یہ کہ قرآنی قانونِ شریعت کی رُو سے عورت

بھی مرد کے ساتھ شریکِ ورثہ ہے اور محروم الارث نہیں۔

قرآن پاک کی اصولی ہدایات میں یہ ایک ایسی زرین اصل ہے جس کے ذریعہ وراثت کے متعلق عورتوں کے تمام واجبی حقوق کی حفاظت و نگہداشت فرمائی گئی ہے اور اس سے عورت اور مرد دونوں صنفوں کے درمیان مساوات اور انصاف کی ایک مستحکم بنیاد ڈالی گئی ہے۔ حالانکہ اہلِ عرب کے قدیم رواج کے مطابق ورثہ میں سے کوئی حصہ عورتوں کو نہیں ملتا تھا۔ حصہ ملنا تو کجا یہ مظلوم طبقہ اناث اس وقت تو ایک مالِ ورثہ کے طور پر مردوں کے تصرف میں آتا تھا۔ اسلامی فیاضانہ ہدایت نے ایک دیرینہ اور ظالمانہ رسم کو موقوف فرما کر عورت کو مرد کے ساتھ ورثہ لینے میں قانونی طور پر حصہ دار قرار دیا۔

قرآن کریم کی بے شمار امتیازی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی تعلیم نے عورتوں کے تمام حقوق کی (ورثہ کے متعلق ہوں یا دیگر امور کے متعلق) پوری پوری حفاظت فرمائی ہے ایسی حفاظت جس کی نظیر دنیا کی کسی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب میں نہیں مل سکتی۔

وراثت کی بناء تین قسم کے تعلقات ہیں!

قرآن مجید نے اصل میں استحقاقِ وراثت کی بنیاد مندرجہ ذیل تعلقات پر رکھی ہے:۔

اول۔ وہ تعلق قرابت جو میت کو اپنی نسل (اولاد) سے ہوتا ہے۔

دوم۔ وہ تعلق قرابت جو میت کو اپنی اصل (والدین) سے ہوتا ہے۔

سوم۔ تعلقِ زوجیت جو خاوند اور بیوی کے درمیان ہوتا ہے۔

ان تین قسم کے ورثاء کو ایک ہی وقت میں میت کے متروکہ مال میں سے ورثہ کا حق حاصل ہے اور ان میں کوئی دوسرے کے حق میں روک نہیں بنتا۔ مثلاً اگر زید نامی شخص وفات پا جائے اور اس کے بعد اس کی بیوی ہو، ماں باپ ہوں اور اولاد ہو تو تینوں قسم کے وارثوں کو ورثہ میں سے مقررہ حصہ ملے گا۔ اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی موجودگی میں محروم الارث نہ ہوگا۔

ایک اور بات بھی یہاں سے معلوم ہوتی ہے کہ جہاں میت اور وارث کے درمیان خونی قرابت کا تعلق ہے جیسا کہ میت اور اس کی اولاد کے درمیان ہوتا ہے یا جیسا کہ میت اور اس کے ماں باپ کے درمیان ہوتا ہے اس صورت میں ان زیادہ قرب رکھنے والے وارثوں کی موجودگی میں کسی اور قریب کو ورثہ نہیں ملے گا۔ ہاں ان کی عدم موجودگی میں انکے توسط سے دوسرے درجہ کے اقارب کی طرف ورثہ منتقل ہو جائے گا۔ مثلاً میت کے باپ کی موجودگی میں دادا کو ورثہ نہیں مل سکتا اور نہ ہی میت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو ورثہ ملنے کا کوئی تعامل موجود ہے۔ گویا اس کی بنیاد الاقرب ثم الاقرب کے قول پر ہے۔ یعنی جو رشتہ دار میت کے زیادہ قریب ہے وہی ورثہ لینے میں زیادہ مستحق ہے۔

اور جہاں تعلق زوجیت کی بناء پر ورثہ ملتا ہے جیسا کہ خاوند کے مرنے پر بیوی کو اور بیوی کے مرنے پر خاوند کو ورثہ ملتا ہے تو اس صورت میں وراثت زوجین تک محدود ہوتا ہے ان کے واسطے سے کسی اور رشتہ دار کو ورثہ نہیں مل سکتا۔ مثلاً اگر خاوند کے مرنے کے بعد بیوی زندہ ہو تو خاوند کے

ورثہ میں سے اس کو مقررہ حصہ ملیگا اور اسی طرح خاوند کو بیوی کے بعد اپنا مقررہ حصہ ورثہ میں ملے گا۔ مگر یہ نہیں کہ خاوند کے مرنے کے بعد اگر بیوی زندہ نہ ہو تو بیوی کے ماں باپ کو اس کا وہ حصہ منتقل ہو جائے یا بجائے خاوند کے خاوند کے ماں باپ کو بیوی کے ورثہ میں سے کچھ ملے۔

اب تینوں قسموں کے ورثاء کی مختلف حالتیں ہیں۔ ہر ایک حالت کے متعلق قرآن کریم نے جُدا جُدا ہدایت فرمائی ہے۔

قسم اول کے ورثاء کی چار حالتیں اور انکے متعلق ہدایات

اولاد کے وارث ہونیکی صورت میں اگر میت کے لڑکے اور لڑکیاں دونوں موجود ہوں تو ان میں تقسیم ورثہ کے لئے یہ ہدایت اور قانون ہے کہ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دو چند ہو۔ اور اگر صرف لڑکے ہوں تو برابر طور پر ساری جائداد ان میں تقسیم کی جائے (گو یہ مؤخر الذکر پہلو قرآن مجید میں صراحۃً مذکور نہیں لیکن اسلوب قرآن مجید سے یہی ہدایت معلوم ہوتی ہے) اور اگر صرف لڑکیاں وارث ہوں تو اگر ایک لڑکی ہو تو کل جائداد کے نصف کی وہ لڑکی مالک ہوگی اور باقی مال میت کے دُور کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو وہ سب مساوی طور پر دو تہائی جائداد لیں گی اور باقی ایک تہائی دُور کے رشتہ داروں کو ملے گی۔

(نوٹ) مذکورہ بالا طریق تقسیم صرف اس حالت میں ہے جہاں اولاد کے ساتھ میت کے ماں باپ، شوہر یا بیوی ورثہ لینے والے نہیں۔

قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق ماں باپ کی وراثت کی صورتیں

قرآن کریم کی رو سے ماں باپ کی وراثت کی تین صورتیں ہیں اور ہر صورت کے متعلق الگ الگ ہدایت ہے

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ میت کے وارث ماں باپ ہوں اور ان کے علاوہ اولاد بھی وارث ہو۔ اس صورت میں ماں اور باپ میں سے ہر ایک کو متروکہ جائداد کا چھٹا حصہ ملیگا اور باقی تمام مال اولاد کو دیا جائیگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ میت کے ماں باپ ہوں اور اولاد کوئی نہ ہو۔ اس صورت میں ماں کو ایک تہائی مال ملیگا اور باقی دو تہائی باپ کو (بوجہ عصبہ ہونیکے) ملے گا۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اولاد نہ ہو مگر میت کے بھائی ہوں۔ اس حالت میں ماں کو چھٹا حصہ ملیگا اور اکثر علماء کے نزدیک باقی سارا مال باپ کو ملیگا۔

سوم قسم ورثاء کے حصص کا بیان

وہ ورثاء جو تعلق زوجیت کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں نہ کہ خونی قرابت کی بناء پر ان کی مندرجہ ذیل چار حالتیں ہیں:۔

اوّل۔ اگر وفات یافتہ بیوی کی اولاد زندہ ہو اور خاوند بھی ہو تو خاوند کو اپنی بیوی کی جائیداد میں سے چوتھا حصہ ملیگا۔ دوم۔ اگر وفات یافتہ بیوی کی اولاد موجود نہیں تو خاوند کو کل مال کا نصف ملیگا۔ سوم۔ اگر شوہر مر گیا ہو اور اس کی اولاد موجود ہو اور اسکی بیوی بھی زندہ ہو تو اس حالت میں بیوی کو کل مال متروکہ کا آٹھواں حصہ ملیگا۔ چہارم۔ اور اگر متوفی شوہر کی اولاد موجود نہ ہو تو بیوی کو کل جائداد شوہر سے چوتھا حصہ ملے گا۔

تقسیم ورثہ کے متعلق ایک اور محکم اصول

قرآن کریم نے تقسیم ورثہ کے متعلق ایک اور محکم اصول بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے

کہ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے تقسیم ورثہ اور حصص ورثاء کا ذکر فرمایا ہے وہاں یہ تاکیدی حکم بھی موجود ہے کہ تقسیم ترکہ سے قبل وارثوں پر تعمیلِ وصیت اور ادائیگی قرض ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں چونکہ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ کوئی مرنے والا شخص (کلالہ ہونے کی صورت میں) دُور کے رشتہ دار وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لئے کسی قرضہ کا اقرار کرے یا بغیر کسی ضرورت کے محض ورثاء کو ضرر پہنچانے کے لئے قرضہ لے لے یا وصیت کرے۔ اسلئے خدائے علیم و خبیر نے ورثاء کو نقصان سے بچانے کے لئے یہ پُرحکمت ہدایت فرمائی کہ کوئی مرنے والا بوقت مرگ ورثاء کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ کوئی وصیت کرے اور نہ ہی کسی قرضہ کا اقرار کرے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ میت کی اولاد میں سے لڑکے کو لڑکی کی نسبت دُگنا حصہ ملتا ہے اور خاوند بیوی کی نسبت زیادہ حصہ لیتا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟

تو اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ مُردوں کی ذمہ داریاں عورتوں کی ذمہ داریوں سے بہت زیادہ ہیں۔ اور جن کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں وہ زیادہ رعایت کے مستحق ہیں۔ کیونکہ مُردوں پر اپنے اخراجات کے علاوہ بیوی اور بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری بھی تو ہوتی ہے۔

کلالہ کے متعلق قرآن مجید کی ہدایات

اکثر علماء کے نزدیک کلالہ اُس میت کو کہتے ہیں (مرد ہو یا عورت) جسکی بوقت وفات نہ اصل ہو نہ نسل یعنی اسکے نہ باپ دادا زندہ ہوں اور لاولد ہو۔ پس ایسا شخص جو کلالہ ہونیکی حالت میں وفات پائے اسکے ورثاء کے حصص کے متعلق قرآن پاک میں دو جگہ ذکر آیا ہے۔

سورۃ نساء رکوع ۲ میں جہاں کلالہ کا ذکر آیا ہے وہاں اس کے ورثاء کے متعلق مندرجہ ذیل ہدایات ہیں:۔

اوّل۔ اگر کوئی شخص کلالہ ہونیکی صورت میں مرجائے اور اس کا صرف ایک بھائی یا بہن (اخیافی یعنی صرف ماں کی طرف سے بھائی اور بہن) ہو تو ایسی صورت میں ہر ایک کو متروکہ کا چھٹا حصہ ملیگا۔

دوم۔ اگر وہ بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں تو دو تہائی مال میں وہ سب شریک ہوں گے اور پھر وصیت اور ادائیگی قرضہ کے بعد جو مال باقی رہیگا وہ بیت المال کا حق ہوگا۔

پھر اسی سورۃ نساء کے آخری رکوع میں کلالہ کے ورثاء یعنی اسکے بھائی اور بہنوں (اخیافی یا علاتی یعنی ماں و باپ یا صرف باپ کی طرف سے بھائی اور بہن) کیلئے تقسیم ورثہ اور رنگ میں بیان ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کلالہ کی ایک بہن وارث ہو تو کل مال کا نصف حصہ اسکو ملیگا اور دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو کل مال کے دو تہائی حصوں کی حقدار ہوں گی۔

اور اگر کلالہ کے وارث صرف بھائی ہوں ایک یا زیادہ تو اس صورت میں کل متروکہ جائداد انکو ملیگی اور اگر کلالہ کے مرنے کے بعد اسکے زندہ بھائی اور بہنیں ملے جلے ہوں تو سارا ورثہ مرد کو عورت سے دو چند حصہ دیکر تقسیم ہوگا۔

خلاصہ کلام

قرآن مجید کے رُو سے وراثت کے قانون کا یہ مختصر سا خاکہ ہے۔ اس علم پر بہت طویل تصنیفات موجود ہیں۔ تاہم آپ اس مختصر بیان سے سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید نے کس پُرحکمت طریق پر مسئلہ وراثت کو بیان فرمایا ہے۔

اسلام کا مسئلہ وراثت جہاں حقدار کو اس کا حق دلاتا ہے وہاں وہ انسانی تمدن اور انسانی قابلیتوں کے بدترین دشمن یعنی سرمایہ دارانہ نظام کا بھی خاتمہ کرتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

معیاری اسلامی حکومت کیونکر قائم ہوسکتی ہے؟

(از جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ۔ ربوہ)

كَمَا تَكُونُونَ كَذٰلِكَ يُوَمَّرُ عَلَيْكُمْ (الحدیث)

جیسے تم ہوگے ویسے تمہارے حاکم بنائے جائیں گے

مکرم ایڈیٹر صاحب (الفرقان) المحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے پرسوں شام کو وعدہ کیا تھا کہ کل تک مطلوبہ مضمون فرقان کے لئے بھیج دوں گا۔ مگر کل ہی مجھے سفر جھنگ کے لئے ادھر آنا پڑا اور اب یہیں سے مختصر سا مضمون اشاعت کے لئے بھیج رہا ہوں۔ اس میں صرف حکومت کے بارے میں اصولی باتیں پیش ہوں گی۔ ان بیان کردہ اصول کے پیش نظر اسلامی حکومت کب، کہاں کہاں اور کس کس صورت و شکل میں قائم ہوتی اس قسم کی تفاصیل کسی اور موقع پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا لکھ سکوں گا۔

حکومت کے بارے میں مندرجہ ذیل اصولی ہدایات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا قول میں سموئی ہوئی ہیں جو اس بارے میں درحقیقت جوامع الکلم کی شان رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا اوتیت جوامع الکلم مجھے ایسی باتیں دی گئی ہیں جو اپنے اندر جامعیت رکھتی ہیں یعنی ایک ایک فقرہ آپ کے کلام کا حقائق کا خزانہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ زیر عنوان فقرہ حکومت کے بارے میں اصولی حقائق پر شامل ہے اور مندرجہ ذیل اصول اس میں بیان ہیں:۔

اوّل:۔ یہ کہ حکومت کے قیام کا منبع و مصدر درصل افرادِ اُمت ہیں۔ اگر افرادِ اُمت اچھے ہوں گے تو اُن میں سے قائم کردہ حاکم بھی اچھے ہوں گے اور اگر افراد بُرے ہونگے تو پھر ان کے حاکم بھی بُرے ہوں گے۔ افراد کی اچھی یا بُری تربیت پر انحصار ہے اچھی اور بُری حکومت کا۔

اس سے پایا جاتا ہے کہ حکومت کے اولین فرائض میں سے ہے کہ اگر وہ اپنے لئے استواری، مضبوطی اور دوام چاہتی ہے تو تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے رعایا میں اچھے اخلاق پیدا کرے تا اُن میں سے جو حاکم بنیں وہ بھی اچھے ہوں۔ کما تکونون کذالک یُوَمَّر علیکم۔ کیونکہ رعیت کے افراد جیسے ہوں گے ویسے ہی ان کے حاکم ہوں گے۔

دوم:۔ کسی قوم میں کوئی ظالم اور استبدادی حکومت قائم نہیں ہوسکتی۔ یا اگر قائم ہو جائے تو ایسی حکومت کو کبھی دوام اور ہمیشگی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگر افراد کے اندر آزادی کی روح ہو وہ ظلم و استبداد سے نفرت کرنیوالے ہوں فسق و فجور کو اپنے اندر برداشت کرنیوالے نہ ہوں ظلم و استبداد کی حکومت صرف اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب قوم کے افراد کی اکثریت ظالم، فاسق اور فاجر ہو۔ حاکم مرتشی (رشوت لینے والا) اسوقت ہوگا جب رعیت رشوت دیکر دوسروں کے حق مارنے کے لئے خواہش کرتی ہے۔ اگر وہ رشوت سے نفرت کرنیوالے افراد ہوں تو حاکم کی کیا جرأت ہے کہ وہ رشوت لینے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا سکے۔ آزادی کی روح سے پرورده غیور افراد

ایسے ظالم حاکم کے ہاتھ کاٹنے کے لئے فوراً اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ظلم و استبداد پر حکومت اُسی وقت قائم ہوگی جب افراد کی اپنی ذہنیت غلامانہ اور ظالمانہ ہو۔ کما تکونون کذلک یؤمر علیکم۔ جیسے تم ہوگے ویسے تمہارے حاکم بنائے جائیں گے۔ آزاد اور اعلیٰ اخلاق سے پروردہ قوم کے حاکم بھی آزاد، انصاف پسند اور نیک اخلاق کے مالک ہوں گے۔

اس سے پایا جاتا ہے کہ اگر حکومت کی صورت و شکل ایسی ہے کہ ظلم و استبداد اور فسق و فجور کا اسمیں رواج ہے تو افراد بجائے اسکے کہ حاکموں کے خلاف بغاوت کا عَلَم بلند کریں پہلے اپنے اخلاق کی اصلاح کریں اس سے خود بخود حکومت و حکام کی صورت و شکل اصلاح پذیر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا تاوقتیکہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلے۔ قوم جب اچھے یا بُرے رنگ میں بدلتی ہے تو حاکم بھی اُسی طرح بدلتے ہیں۔

سوم:۔ زیر عنوان فقرہ سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ حکومت اصل نہیں بلکہ ظل یعنی عکس ہے اور اسے ثانوی (دوسرے درجہ کی) حیثیت حاصل ہے۔ حاکم تابع ہے اور اُمت متبوع ہے اصل مسئول و جوابدہ اور ذمہ دار خود قوم کو گردانا گیا ہے۔ اور یہ کہ اُمت کا یہ حق اور فرض ہے کہ وہ اپنے حاکم اپنی سلامتی اور بہبودی کی خاطر منتخب کرے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مذکورہ بالا کے ماتحت حکومت اسلامیہ شوریٰ کی صورت و شکل رکھتی ہے جیسا کہ قرآن مجید بھی اس بارے میں صراحت فرماتا ہے أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ یعنی مسلمانوں کے امور سلطنت باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں۔

چہارم:۔ کما تکونون کذلک یؤمر علیکم کی سنہری ہدایت سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جو حکومت افراد کے اپنے فسادِ اخلاق یا انتخاب کے وقت ان کی اپنی غفلت سہل انگاری یا اپنے حقوق سے ان کی جہالت کی وجہ سے قائم ہوتی ہے اور پھر اس ناقص حکومت کے قائم ہونے کی وجہ سے افراد کو اس کے بدنتائج سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو انہیں اپنے کردار کی سزا لامحالہ بھگتنی پڑے گی۔ اس کی شکایت اور اس پر واویلا عبث ہے۔ جو کسان اپنے کھیت میں جَو بوئے گا وہ جَو کاٹے گا، اپنے کئے کا نتیجہ وہ ضرور دیکھے گا۔ کما تکونون کذلک یؤمر علیکم۔ اگر مشورہ و انتخاب کے وقت حرص و لالچ، تعصب اور جنبہ داری جیسے محرکات افراد میں کارفرما ہوں گے اور وہ صلاحیت و اہلیت کو بوقتِ انتخاب پس پشت ڈالنے والے ہوں گے اور خدا تعالیٰ کے اس صریح حکم کو نظرانداز کریں گے أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا کہ جو لوگ امورِ سلطنت کی امانتوں کو سنبھالنے کی قابلیت رکھتے ہیں انہیں وہ امانتیں سپرد کرنی چاہئیں۔

اگر اس واضح حکم باری تعالیٰ کی نافرمانی کیجائیگی تو پھر اسی قوم کو اس نافرمانی کے بد انجام کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اسے اس کا گلہ کیوں کہ حاکم رشوت لینے والے ہیں۔ ناانصاف، ظالم اور فاسق و فاجر ہیں۔ انتخاب کرنے والے افراد جب خود ہوا و ہوس میں اندھے ہیں تو ضرور ہے کہ اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھائیں اور گڑھے میں گریں۔ کما تکونون کذلک یؤمر علیکم۔ کیا پُرحکمت کلام ہے جو سیاست کا ایک مکمل ضابطہ چند الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ تا اُمت میں سے حاکم و محکوم دونوں اسے اپنے لئے مشعلِ ہدایت بنائیں۔

عالمِ طیور، خالقِ کائنات کی قدرتوں کا عجیب کرشمہ ہے!

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُم مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَٰبِ مِن شَيْءٍ

ذیل کا مضمون ہمارے ایک بزرگ نے انگریزی رسالہ Reader's Digest سے ترجمہ کر کے جناب ناظر صاحب تعلیم و تربیت کی معرفت عنایت فرمایا ہے۔ اس مضمون کو رسالہ مذکور اور مترجم بزرگ کے شکریہ کیساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ عالمِ طیور (پرندوں کی دنیا) اتنا دلچسپ اور حیران کن موضوع ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ کے عادی انسان کے لیے تو کائنات کے ذرہ ذرہ میں قدرتِ خداوندی کے لامتناہی سبق موجود ہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی بے عیب صنعت کاری پر دلالت کر رہی ہے۔ پرندوں کے سلسلہ میں ذیل کا دلچسپ مضمون پڑھ کر آپ اپنے اندر قدرت کی نیرنگیوں پر اطلاع حاصل کرنے کی ایک نئی جستجو محسوس کریں گے۔

(ایڈیٹر)

خلقتِ طیور ایک بڑا معجزہ ہے

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہر چیز انسانی فہم سے بالا ہوتی ہے اور اپنی حکمتوں اور مناسبتوں سے انسانی عقل کو حیرت میں ڈالتی ہے۔ عملی سائنس کی ابتدا میں کسی کوتاہ بین نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پانی بنایا۔ انسان نے بھی ہائیڈروجن آکسیجن ملاکر پانی بنالیا۔

یہ خیال نہ کیا ہائیڈروجن اور آکسیجن تو انسان نہیں بنا سکا۔ اب ہائیڈروجن کی بناوٹ نے انسان کو حیرت میں ڈالا ہوا ہے اور آگے تحقیقات کے لیے ایک ناپیدا کنار سمندر نظر آرہا ہے۔

مشاہدات و محسوسات کی تحقیق و تدقیق میں انسان نے زمین و آسمان کے قلابے ملادیے۔ آخر اب ہر شعبہ کی انتہائی تحقیقات نے ایک دھندلی سی جھلک صانع حقیقی کی طرف دکھلائی ہے کہ یہ کارخانہ اتفاقی نہیں۔ مدبر کل کائنات کو نہایت کڑی نگرانی میں چلا رہا ہے کہ کہیں بھی کسی قسم کی اونچ نیچ نہیں ہونے پاتی۔

زمین و آسمان کی تمام چیزوں کی باریک سے باریک حرکات و تغیرات نہایت مناسب و پُر حکمت حدود میں رہ کر خالق کی تسبیح و تحمید کر رہے ہیں کہ انسان اپنے نفس کے اندر اعتدال پیدا کرے۔

دیکھنے والے یہ پُر عجائب فضائیں ہر طرف دیکھتے ہیں ان غور کرنے والوں نے خلقتِ طیور کے کچھ عجائبات امریکہ کے ایک رسالہ مشتری (Mercury) میں چھاپے ہیں۔ جس کا خلاصہ ریڈرز ڈائجسٹ (Reader's Digest) سے لیکر ناظرین الفرقان کے لیے ذیل میں پیش ہے۔

علم طیور کے ایک ماہر ایلیٹ کوئز (Elliot Cones) فرماتے ہیں کہ طیور مجھے ستاروں سے کم عجیب نظر نہیں آتے۔ ان پروں اور عجائبات کے متعلق تھوڑا سا علم بھی انسان کو انگشت بدنداں کر دیتا ہے۔

تخلیق طائر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک خیال یعنی سہولتِ پرواز کو بہت مدنظر رکھا گیا ہے۔ فضاءِ آسمانی کی زینت یہ مخلوق ہوا میں تیرنے والی بلکہ مجسم ہوا تیر کی طرح جھپٹنے والی اور تیزی نظر میں یکتا ہے۔ انسان جب طیور کی ان صفات پر غور کرتا ہے تو خود اس کی روح میں ایک پرواز پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ اللہ! کیا حکمتیں اس میں بھر دی ہیں۔

طائر کے دماغ ہی میں پرواز کا شدید میلان ہوتا ہے کیونکہ اس کی نظر غیر معمولی طور سے تیز ہوتی ہے ہمیں تو طائر کی آنکھ کا صرف تھوڑا سا حصہ نظر آتا ہے اور ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ طائر کا یہ عضو کس قدر اہم ہے۔ حقیقت میں طائر کی آنکھ اس قدر بڑی ہوتی ہے کہ اس کے کاسۂ سر میں آنکھوں کے سمانے کی گنجائش مشکل نکلتی ہے۔ بہت سے بازوں اور اُلوؤں کی آنکھیں ہماری تمہاری آنکھوں سے بڑی ہوتی ہیں۔ آنکھوں کی غیر معمولی بڑائی سے دماغ کی اہمیت کم نظر آتی ہے کہ وہ کاسۂ سر کے پچھلے حصہ میں دب کر رہ جاتا ہے۔

بہت سے پرندوں میں آنکھوں کا وزن دماغ کے وزن سے زیادہ ہوتا ہے اور بعض میں تو ایک آنکھ کا وزن بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ان آنکھوں کیلئے ایک تیسرا پپوٹا ہوتا ہے جو ہوا کے مقابلہ پر صفائی چشم کے لئے اندر باہر آتا جاتا ہے جبکہ پرند بلند آسمان میں تیزی سے اُڑ رہا ہوتا ہے۔

اُلو اندھیرے جنگلوں کو دیکھ سکتا ہے۔ اپنی نظر سے جو مدھم روشنی میں ہماری آنکھ سے دس گنا زیادہ دیکھتی ہے۔ ایک شہباز جب اپنے شکار کو دیکھنے کے لئے درخت پر بیٹھتا ہے تو اس کی نظر اتنی تیز ہوتی ہے کہ وہ اپنے چھوٹے شکار کو ایک میل سے زیادہ فاصلہ سے دیکھ لیتا ہے۔ درختوں کی چھال میں سے کیڑے نکال لینے کے لئے ہُدہُد کی زبان لمبی اس کے سر کے نیچے مڑی ہوئی اور سر میں آنکھوں کے نیچے جڑی ہوتی ہے۔

بہت سے سمندر کے کنارے رہنے والے پرندوں کی حس وقت کے متعلق ایسی برجستہ ہوتی ہے کہ جب وہ ملک کے اندرونی حصوں میں جاتے ہیں تو مدّوجزر کے لحاظ سے ٹھیک عین وقت پر اپنی خوراک کے لئے واپس پہنچ جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چڑیاں جو جھاڑیوں میں رہتی ہیں ان میں زندگی کی طاقت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ان کا دل ایک منٹ میں پانچ سو حرکت کی دوڑ لگاتا ہے بعض پرندوں کے جسم کا درجۂ حرارت ۱۱۰ درجہ تک ہوتا ہے۔ رسکن (Ruskin) نے کچھ زیادہ مبالغہ سے کام نہیں لیا۔ جبکہ اسنے پرندے کو پر لگی ہوئی موجِ ہوا کہا۔ پرندہ جب سانس لیتا ہے تو ہوا اس کے پھیپھڑوں ہی تک نہیں جاتی بلکہ زیادہ گہرائی میں تو تھیلیوں میں بھی بھرتی ہے جن میں سے بعض میں ہوا کی ایسی نالیاں ہوتی ہیں جو ہڈیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ ایک دودھ پلانے والے جانور کی ہڈی بھاری اور ٹھوس ہوتی ہے۔ پرندہ کی ہڈی اندر سے خالی اور جالی دار اسفنج کی طرح دب سکنے اور ابھر سکنے والی ہے کہ پرندہ جب سانس لے تو اس میں ہوا بھر جائے۔

کاسۂ سر کو بھی کھوکھلا ہی بنایا ہے۔ سر کی ہڈیاں ہلکی پھلکی پلیٹیں ہوتی ہیں اور اگلے حصہ کو ہلکا کرنے کیلئے قدرت نے پرندوں کے دانت نہیں رکھے جن کیلئے بھاری جبڑوں اور گوشت کی مچھلیوں (Muscles) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور پچھلے حصہ کو ہلکا رکھنے کیلئے دُم کے تمام پر صرف ایک ہلکی چھوٹی ہڈی میں جوڑ دیئے ہیں۔ اسی اصول پر ہوائی جہاز کی دُم ہوتی ہے۔

پھر اپنے وزن اور پھیلاؤ کے لحاظ سے قدرت کی چیزوں میں سب سے زیادہ ہلکے اور مضبوط ہوتے ہیں۔ بظاہر پر ایک پتلی لمبی ڈنڈی نظر آتی ہے جس کے دونوں

طرف ریشے پھیلے ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اس سے بہت کچھ زیادہ چیز ہیں۔ ان ریشوں کے دونو طرف اندر ریشے نکلے ہیں۔ اور اپنی ذات میں یہ بھی ایک قسم کے چھوٹے پر ہوتے ہیں جن کی طرفوں سے اور بھی بیشمار ریشے نکلے ہوتے ہیں۔ خوردبین سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چھوٹے ریشوں سے اور بھی بیشمار چھوٹے ریشے نکلے ہوتے ہیں جنپر حدِ شمار سے زیادہ تعداد پیچ دار بالوں کے کانٹے لگے ہوتے ہیں اور ریشے ان کانٹوں کے جال سے گھرے ہوتے ہیں۔ ایک پر میں یہ بڑے چھوٹے ریشے مل کر تعداد میں دس لاکھ سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

پرندہ کا جسم اس طرح بنا ہے کہ ہوا میں اُڑتے ہوئے ہوا کی روک برائے نام رہ جاتی اور اسکے ساتھ اسکے جسم کی ہڈیاں تمام جانداروں کی ہڈیوں سے زیادہ سخت بنائی گئی ہیں۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی کے مہرے ملے ہوتے اور جڑے ہوتے ہیں کہ مرکزی لمبی ہڈی اور بھی زیادہ سخت رہے۔ ریڑھ کی ہڈی اور پسلیاں اور سینہ کی ہڈی مل کر ایک ایسا پنجر بناتی ہیں جس کی مضبوطی کا مقابلہ اور جانوروں کے پنجر سے نہیں کیا جا سکتا۔ پرندوں کی پسلیاں مضبوط پٹھوں کے تسموں سے ریڑھ کی ہڈی اور سینہ کی ہڈی سے جڑی ہوتی ہیں۔ شانہ کی چوڑی ہڈی گلے کی ہڈیوں سے جُڑ کر مضبوط رہتی ہے جو آگے دوشاخہ ہڈی سے پیوست ہوکر قائم رہتی ہے۔ اس کے نیچے بیچوں بیچ وہ کنگارا اٹھی ہوتی ہے جس پر وہ گوشت کی مچھلیاں بڑھی ہیں جو پروں کو حرکت دیتی ہیں۔ اور یہ اس قدر زیادہ ہوتی ہیں کہ بعض پرندوں میں تمام جسم کے چوتھائی وزن سے زیادہ ان کا وزن ہوتا ہے۔

پرندہ جب اُڑتے ہوئے اپنے بازوؤں کو نیچے کی طرف حرکت دیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ کشتی کی طرح کھیتا ہوا اپنے آپ کو ہوا میں آگے دھکیل رہا ہے لیکن ایک اعلیٰ رفتار کیمرہ سے تصویر لینے پر معلوم ہوا کہ دراصل ایسا نہیں ہے۔ پرندہ ایک قدرت کا بنایا ہوا چھوٹا سا ہوائی جہاز ہے۔ نیچے حرکت کرنے پر ہر پر آگے بڑھتا ہے۔ پر کے اندر کا آدھا حصہ قریباً سخت ہوتا ہے۔ اس کا اگلا کنارہ ہوائی جہاز کے پر کے اگلے کنارہ کی طرح کچھ ڈھالو ہوتا ہے اور اوپر کی سطح پروں کے ذریعہ گولائی لئے ہوتی ہے۔ پر کا باہر کی طرف کا نصف حصہ کلائی سے چلتا ہے جو پر کی لمبائی کے بیچ میں ہوتی ہے۔ پر ہلانے کے وقت بازوؤں کے سروں پر جو ابتدائی پر ہوتے ہیں وہ پہلے باہر نکلتے ہیں۔ اور بازوؤں کے ساتھ قریباً زاویہ قائمہ بناتے ہوئے کھڑے ہوتے اور اس مشین کے لئے پروپیلر (دھکیلو) بن جاتے ہیں۔ اندر کے نصف بازو جو اسوقت گولائی لئے ہوئے ترچھے ہو جاتے ہیں وہ اس طرح قائم رہتے ہیں جس طرح ہوائی جہاز کے پر قائم رہتے ہوئے جہاز کو اوپر اُٹھائے رکھتے ہیں۔ ہوا سے اترتے اور چڑھتے ہوئے پرندہ اپنے اُن خاص پروں کے ذریعہ لڑکھڑانے سے بچتا ہے جو اس کی کلائی کے کنارے پر ہوتے ہیں۔ یہ پر کھڑے ہو کر اُڑنے والے سروں کے درمیان ہوا کو اس طرح روکتے ہیں کہ پرندے بغیر دھکے کے ہوا میں چڑھتے اُترتے ہیں۔

اُڑان میں پرندوں کے کرتب ایسے عجیب ہیں کہ ان پر یقین آنا مشکل ہے۔ مثلاً ایک باز جب بٹیر کے شکار پر جھپٹ رہا ہوتا ہے تو بٹیر اپنے بچاؤ کے لئے یکلخت ایک جھاڑی پر صرف پانچ چھ فٹ ہی کی بلندی سے ڈھیلا کی طرح گرتا ہے مگر اسکے

جھاڑیں میں پہنچنے سے پہلے باز بجلی کی کوند کی طرح اسکے نیچے پہنچ جاتا اور الٹا ہو کر بٹیر کو پنجوں میں لے لیتا ہے۔ پھر سیدھا ہو کر زناٹا بھرتا ہوا اوپر ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔

چھوٹی چڑیاں پکڑنے والا شکرہ انتہائی تیزی کے ساتھ اُڑتے ہوئے بھی اگر کوئی روک اچانک سامنے آجائے تو بغیر ٹکرائے پورے طور سے مُڑ جاتا ہے۔ افریقہ کا باز سو میل سے زیادہ کی رفتار سے جھپٹتے ہوئے بھی اپنے آپ کو صرف بیس فٹ کے فاصلہ کے اندر پر اور دُم پھیلا کر اس طرح پورے طور سے ٹھہرا لیتا ہے کہ انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

پرندہ ہوا سے اُترتے ہوئے اپنے پیروں پر ٹھہرتا ہے جو تین ہڈیوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ یہ ہڈیاں آپس میں ایسے جوڑوں سے ملی ہوتی ہیں جو مخالف سمتوں میں گھوم سکتے ہیں۔ دھکا روکنے کے لئے غالباً یہی طریقہ قدرت کا بہترین ہے۔

جب نر اپنا گیت اس انداز شان سے نکالتا ہے کہ گویا حدِ نظر تک مُلک اسی کا ہے۔ اس کی مادہ اس کے پاس آجائے تو یہ آواز حلق کے ایک غیر معمولی عضو سے نکلتی ہے۔ اس عضو میں ایک مڑی ہوئی ہڈی ہوتی ہے جس میں سے ایک جھلی نکلتی ہے جو بڑے پیچیدہ پٹھوں کے ذریعہ سکڑ کر اور کھل کر اس سوراخ کو حسب ضرورت کھولتی اور بند کرتی ہے جس سے پھیپھڑوں کی ہوا یہ خوشی کا راگ الاپتی ہے۔

موسم بہار میں مادہ کو خوش کرنے والے گیت گائے جاتے ہیں جن سے جذبات اُبھر کر فطرت کے سب سے زیادہ عجیب اور سب سے زیادہ خوشکن مراسم ادا ہوتے ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی چڑیوں میں غیر معمولی دلآویزی پیدا ہو جاتی ہے جس سے نر مادہ کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ کس خوبی سے نر سوچ کھی کے بیج چونچ میں لے کر مادہ کے پاس اُڑ کر پہنچتا ہے۔ اگر مادہ اس پر خوش نہ ہو تو وہ اُور لبھانے والی حرکات کرتا ہے۔ ایک ایک بیج نکال کر اسکے سامنے رکھتا ہے کلغی والا چھوٹا پرند خاص طور سے پَر پھڑپھڑا کر مادہ کو اپنی طرف مائل کرتا ہے۔ اور سارس ناچتے ہیں۔ جنگلی مرغ گھومتا ہوا سیدھا اُوپر ہوا میں اُڑ کر پَروں سے ہوا دیتا اور ایک ایسی محبت بھری آواز نکالتا ہے جو بھلائی نہیں جا سکتی۔

پرندوں کے گھونسلے اکثر ایسی کاریگری سے بنائے جاتے ہیں کہ یہ یقین کرنا ناممکن ہوتا ہے کہ یہ کاریگری پرندوں کے فطرتی شعور کا نتیجہ ہے لیکن ہوتا ایسا ہی ہے۔ سائنس سے حال میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ گھونسلے بنانے کی مکمل کاریگری کم از کم پانچ نسلوں تک بغیر کسی عملی تجربہ کے محض وراثتاً پرندوں میں چلی جاتی ہے۔ بیا چار پشتوں تک مصنوعی حالات میں اس طرح رکھا گیا کہ نہ اس نے گھونسلا دیکھا اور نہ وہ گھاس کے تنکے دیکھے جن سے گھونسلا بنایا جاتا ہے۔ پانچویں پشت میں اسے آزاد کیا گیا تو فوراً بلا بھول چوک کے اس نے اپنے بزرگوں جیسا گھونسلا بنا لیا۔

پرندوں کے بچے جب اپنے عارضی وانت انڈا توڑ کر باہر آتے ہیں تو ان کی خوراک ہضم کرنے کی طاقت حیرت میں ڈالنے والی ہوتی ہے۔ ایک چھوٹی سنہری سینے والی چڑیا (Robin) کا بچہ روزانہ جس قدر کیچوے کھا جاتا ہے ان کی لمبائی چودہ فٹ ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اور چھوٹی گھریلو چڑیا پھدکی

(Wren) کے پھیرے گنے گئے تو معلوم ہوا کہ سورج نکلنے سے لیکر شام تک وہ ۱۲۱۷ دفعہ اپنے بچوں کے لئے غذا لاتی ہے۔ اور چھوٹی پہاڑی مرغابی (Tern) کے بچے کا وزن کیا گیا تو ۳۱ گرام تھا۔ اور وہ روزانہ ۴۸ گرام غذا کھا جاتا تھا۔ زندہ رہنے کے لئے ویسے ہر پرندہ کو اپنے وزن کا نصف وزن خوراک کیلئے روزانہ درکار ہوتا ہے۔

موسم گرما کے آخری ایام میں پرند بچوں کو بڑا کر کے گھنے جنگلوں میں چلے جاتے اور گانا بند کر دیتے ہیں۔ یہ وقت ان کی کرتیز یعنی پر جھاڑنے کا ہوتا ہے۔ جب پر جھڑتے ہیں تو نہایت باقاعدگی سے ایک گرے ہوئے پر کی جگہ پر جب تک دوسرا پر نکل کر کچھ بڑھ نہ جائے دوسرا پر نہیں گرتا۔ اس طرح پروں کے بدلنے سے پرندوں کو اُڑنے میں کبھی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ جو پرند چمکیلے پروں کے ہیں مثلاً ٹناجر (Tanager) اور بنٹنگ (Bunting) انکے گرمیوں کے پر جبکہ سفر پر جا رہے ہوں بالکل بدل جاتے ہیں۔ چمکیلی پوشاک کی جگہ خاکی سفری رنگ کے پر نکل آتے ہیں۔

خزاں میں یہ پرند سفر کرتے ہیں۔ ان کی اڑان میں سے ۵۰۰۰ فٹ یا زیادہ بلندی تک ہوتی ہے اور دُوری کے لحاظ سے تو اس اس قدر دُور جاتے ہیں کہ یقین نہیں ہوتا۔ بلیک پول (Black poll.) ایک چھوٹی گانے والی چڑیا ہے۔ کناڈا میں گھونسلے بنا کر ۴۰۰۰ میل دُور برازیل اُڑ جاتی ہے۔ سنہرے رنگ کی پلوور (Plover) شمالی قطب کے سمندر کے کنارہ سے تقریباً ۸۰۰۰ میل اُڑ کر ارجنٹائن (جنوبی امریکہ) جاتی ہے۔ سب سے زیادہ سفری چڑیا قطبی۔ چھوٹی مرغابی (Arctic Tern) ہے جو گرمی شمالی قطب کی آخری حد زمین پر گزارتی ہے اور جاڑا قطب جنوبی کے برِ اعظم میں گذارتی ہے۔ یہ آنے جانے کا سفر اس کا ۲۲۰۰۰ ہزار میل کا ہوتا ہے۔

ان سفروں میں پرند راستہ کیسے معلوم کرتے ہیں؟ حال میں ماہرین نے دریافت کیا ہے کہ پرند سورج کے ترچھاؤ سے جغرافیہ اور غالباً وقت کا بھی اندازہ لگا لیتے ہیں لیکن تحقیقات طلب ایک اور یہ بات ہے کہ پرند اکثر رات کے وقت آسمان میں اڑتے ہیں اُس وقت بے نشان راہ فضا میں وہ اپنا راستہ کیسے پاتے ہیں؟

طائروں کی زندگی کے معجزہ کے سامنے ہمیں بالآخر واٹرٹن (Water ton) کی طرح جو قدرتی اشیاء کا بڑا ماہر محقق ہے سر جھکانا ہی پڑتا ہے۔ اس کے سادہ مگر فصیح الفاظ صرف چار ہیں "سوائے تسلیم چارہ نہیں"!

خدا کی مخلوق کی صنعتیں انسان کب پا سکتا ہے
اقرارِ عجز ہی صحیح مسلک ہے ؎
بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز

ایک اور رسالہ ٹائم میں ہے کہ:۔

"بہت سے پرندوں کے راگ انسان کے بھونڈے کانوں کے لئے نہیں بنے۔ کیونکہ ان راگوں کے بعض حصے انسان کے کان سُن بھی نہیں سکتے۔ ان کی لے کی اٹھان اس قدر اونچی ہوتی ہے کہ انسانی حسِ سماعت اس کے سننے سے قاصر رہ جاتی ہے۔ مثلاً کنگ لٹ (Kinglet) کے گیت جس طرح دوسرا کنگ لٹ سنتا ہے انسان نہیں سُنتا۔ کیونکہ اس کی آواز کی موجیں اس قدر

بلند اٹھتی ہیں کہ انسانی کانوں میں نہیں آسکتیں۔"

اس کے علاوہ پرندوں کی شنوائی انسانی شنوائی سے تیز تر ہوتی ہے۔ بعض پرندے آہستہ آہستہ چڑ چڑ تیزی سے بولتے ہیں کہ اُن کے اندر جو سُر ہوتا ہے وہ انسان نہیں سُن سکتا۔ کیونکہ سر یلے اجزاء بہت تیزی سے ادا ہوتے ہیں۔ بہت سے پرندے گانے کے ورزشی ہوتے ہیں۔ مثلاً اودا نیل کنٹھ (Bluejay) جو بہت بلند آواز سے گاتا ہے۔ اس کے بلند اور آہستہ سُر ایک ساتھ نکلتے ہیں۔ اور جنگلی چڑیا (Thrush) ایسے چار آواز ایک ساتھ نکالتی ہے۔ ایسی آوازیں انسان نہیں سن سکتا۔ ان کو آلہ صوت (Audiosspectugraph) کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں۔ جو آلہ ان کو سُنتا اور فیتے پر لکھتا ہے +

برکاتِ ظہورِ قرآن مجید

از نورِ پاک قرآں صبحِ صفا دمیدہ
بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ

ایں روشنی و لمعاں شمس الضحےٰ ندارد
ویں دلبری و خوبی کس در قمر ندیدہ

یوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنہا
ویں یوسفے کہ تنہا از چاہ برکشیدہ

از مشرقِ معانی صدہا دقائق آورد
قدِ ہلال نازک زاں نازکی خمیدہ

کیفیتِ علومش دانی چہ شان دارد
شہدیست آسمانی از وحیِ حق چکیدہ

آں نیّرِ صداقت چوں رُو بعالم آورد
ہر بومِ شب پرستی در کنجِ خود خزیدہ

روئے یقیں نہ بیند ہرگز کسے بدنیا
اِلّا کسے کہ باشد با رویش آرمیدہ

آنکس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف
واں بے خبر ز عالم کیں عالمے ندیدہ

بارانِ فضلِ رحماں آمد بمقدمِ او
بدقسمت آنکہ از وے سُوئے دگر دویدہ

میلِ بدی نباشد اِلّا رگِ زشیطاں
آنرا بشر بدانم کز ہر شرے رہیدہ

اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی
تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ

میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس
زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

(براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ در حاشیہ ص۲۷۵ سنہ ۱۸۸۲ء)

قرآن مجید کی رُو سے عورت کا مقام

(جناب مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعۃ المبشرین ربوہ)

اسلام نے اس وقت عورت کے حق میں آواز بلند کی ہے جب اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ عورت کو گھر کی لونڈی سمجھا جاتا تھا۔ وہ بکاؤ جنس کی طرح بازار میں فروخت ہوتی تھی۔ اُسے یہ جرأت نہ تھی کہ مرد کے سامنے بات کر سکے۔ اس مظلوم طبقہ کے حق میں پہلی مؤثر آواز اسلام نے بلند کی۔ تہذیب و تمدن کے علمبردار یورپ میں سب سے پہلی کتاب جس میں عورت کے حقوق کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے وہ سنہ ۱۷۲۳ء میں لکھی گئی تھی۔

اس سے پہلے زبان دراز عورتوں کو سزا دینے کے لئے ایک پنجرہ ہوتا تھا جس میں اندر کی طرف کانٹے لگے ہوتے تھے تاکہ سزا پانے والی عورتیں زبان نہ ہلا سکیں۔ مُنہ میں کانٹے دار لگام دی جاتی اور بازاروں میں پنجرہ پھرایا جاتا تھا۔ عدالتیں عورتوں کو الگ ننگا کر کے کوڑے لگاتیں۔ ڈاکٹر بیرنگ لکھتا ہے کہ سنہ ۱۵۰۰ء میں عورتوں کے متعلق انگلستان کے سخت قوانین کی وجہ سے عیسائیوں نے نوے لاکھ عورتوں کو زندہ جلا دیا۔

سنہ ۱۸۳۲ء میں انگلستان میں پہلی دفعہ عورتوں کو حقوق دیئے گئے ہیں۔ اس سے پہلے بھیڑ بکریوں سے زیادہ ان کی حقیقت نہ تھی۔

اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے طبقہ نسواں کے حقوق مقرر کئے۔ اور اسلام پہلا مذہب ہے جس نے عورت کو سربلندی عطا فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے گھر میں کوئی بات کی۔ آپؓ کی اہلیہ محترمہ نے مشورۃً کچھ عرض کیا۔ حضرت عمرؓ نے ڈانٹ پلائی۔ کہ تم عورتیں کون ہوتی ہو مردوں کے معاملہ میں بولنے والیاں۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ عمرؓ اب اسلام کا نام ظہور ہو چکا ہے اور اُس نے ہمیں بھی حقوق عطا کئے ہیں ـــــ آج یورپ نے عورت کو جو نام نہاد آزادی دے رکھی ہے یہ بھی اُن سختیوں کا ہی ردِ عمل ہے۔ اور اس میں بھی انسان نے اپنی انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج یورپ کی اہلی زندگی تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ یا تو عورت پر سختی کا یہ عالم تھا کہ جانوروں سے زیادہ اس کی حقیقت نہ تھی اور یا آزادی کا یہ عالم ہے کہ آج عورت کی اس آزادی نے یورپ کے معاشرہ کو ایک رِستا ہوا ناسُور بنا کر رکھ دیا ہے۔

صحیفۂ فطرت نے سب سے پہلے یہی نوع انسان کو پیغام دیا:۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ
وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (اعراف)

کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور پھر اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ انسان اس طرح تسکین

حاصل کر سکے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً

کہ یہ اُس اِلٰہ العالمین کے معجزات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے ایسے جذبات اور میلانات رکھنے والے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سرمایۂ سکینت حاصل کر سکو اور ایسا کر کے اُس حکیم خدا نے تمہارے درمیان محبت اور شفقت کا آغاز کیا۔

پس ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کتنے لطیف رنگ میں حقیقت کو واشگاف کیا ہے، فرمایا۔ عورت کو میں نے تمہاری لونڈی بنا کر نہیں بھیجا، وہ تمہارے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنا کر نہیں بھیجی گئی بلکہ وہ تو تمہارے لئے سرمایۂ تسکین ہے۔ مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ عورت دو خاندانوں کے درمیان محبت کے جذبات پیدا کرنیکا ایک ذریعہ ہے۔

ان دونوں آیات میں عورت کو "سکینت گاہ" قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عورت کا ایک مقام قرآن پاک نے یہ بیان فرمایا کہ وہ تمہارے لئے تسکین کا باعث ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہماری آپس کی زندگی اس ڈھب پر ہونی چاہیئے کہ ہماری بیوی ہمارے لئے سرمایۂ سکینت ہو۔ انسانی سماج کا نصف بہتر عورت ہے۔ انسانی زندگی کی گاڑی کے دو پہیئے مرد و عورت ہیں، یہ آیت بھی بتاتی ہے کہ ان دونوں پہیوں کے درمیان کامل درجہ کی یکجہتی ہونی چاہیئے۔

آج پارلیمنٹوں کے ایوانوں میں عورت کے حقوق کے مسودے پیش کئے جاتے ہیں کہ عورت کے کیا حقوق ہیں

لیکن اُس وقت جبکہ دُنیا میں ابھی قبائلی سسٹم تھا، جب یہ تہذیب کے علمبردار پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اس مظلوم طبقہ کے حقوق قرآن پاک نے یوں بیان فرمائے:۔

وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

کہ جیسے تمہارے حقوق ہیں ویسے ہی اُن کے بھی تم پر حقوق ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ۔

کہ تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔ تمہارے وجود سے ان کی زینت قائم ہے اور ان کا وجود تمہارے معاشرہ کے لئے گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے، وہ تمہارے معاشرہ کی زیبائش ہیں۔ اس آیت کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں اس طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ تم باہم مل کر سوسائٹی کے عیوب کو ڈھانپنے والے ہوگے، کیونکہ لباس پردہ ڈھانکنے کے علاوہ زینت کا موجب بھی ہوتا ہے۔ پس اسلام مرد وعورت کے باہمی اشتراک سے ایسی سوسائٹی کی تخلیق کرنا چاہتا ہے جو باہمی تعاون پر مبنی ہو۔ ایک دوسرے کے لئے زینت کا کام دے اور جس طرح لباس موسمی اثرات سے محفوظ رکھتا ہے اسی طرح زمانہ کے سرد و گرم سے تمہارا اشتراک تمہیں محفوظ رکھے۔

موسوی مذہب اور عیسوی مذہب میں عورت کی حیثیت روحانی طور پر کمتر تھی لیکن قرآن پاک کے نازل کرنے والے نے فرمایا:۔

اِنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی (آل عمران ع۲۰)

کہ اے بنی نوعِ انسان! تم میں سے جو بھی میری راہ کا

متلاشی ہوگا۔ میں اس کی کوششوں کو رائگاں نہیں جانے
دوں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ میری جناب میں کسی
کی تانیث روک نہیں ہے۔ مرد ہو یا عورت ہر دو کا
عمل میری بارگاہ میں یکساں قبولیت کا درجہ رکھتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک نے انسانی
سوسائٹی میں مرد پر عورت کی نسبت کچھ زائد ذمہ داریاں
ڈالی ہیں اور اس کی وجہ مرد کے فطری قویٰ ہیں۔ کیونکہ
اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورت و مرد کے فطری قویٰ میں فرق
رکھا ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ
بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ

کہ مرد عورتوں کے قوام ہیں بوجہ اس فضیلت
کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر عطا فرمائی ہے
اور بوجہ اس کے کہ نان و نفقہ کی ذمہ داری
مرد پر ہے۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نہایت عمدہ
طریق پر تقسیم کار کر دی ہے کہ نان و نفقہ کی ذمہ داری
مرد پر ہے۔ اس کے علاوہ اپنے قویٰ کی مضبوطی کی
وجہ سے دنیا کے مصائب کے سامنے اس نے سینہ سپر
ہونا ہے۔ مقاومت کی قوت اس میں ہے اسلئے حوادثات
کے تھپیڑے اس نے سہنے ہیں۔ عورت اس کی مددگار ہوگی
ان معنوں میں کہ داخلی امن (گھریلو زندگی) اور سکینت
کو وہ برقرار رکھے گی۔ اسلام کا یہ طریق فطرت کے
عین مطابق اور تمدن کی اساس ہے۔

اس تعلیم کے مقابل پر اشتراکیت جو کہ انسانی
دماغ کی انتہا پسندی کا دوسرا نام ہے اس نے
اپنے دستور میں عورت کو مرد کے ساتھ غیر فطری طور پر
مساویانہ حیثیت دینے کا اعلان کیا۔ چنانچہ اسکے دستور
کی دفعہ ۱۲۲ میں یہ درج ہے:۔

"سوویٹ یونین کی عورتوں کو اقتصادی
ریاستی، تہذیبی، سماجی اور سیاسی غرضیکہ
ہر شعبۂ زندگی میں مردوں کے برابر حقوق
حاصل ہیں۔"

لیکن عملی میدان میں آکر جب اس تجربہ کے نتائج نکلے انکی
ایک ہلکی سی جھلک یہ ہے کہ سنہ ۱۹۳۴ء کے اعداد و شمار کے
لحاظ سے صرف ماسکو میں ۵۷,۰۰۰ ولادتوں کے مقابلہ
میں ۱,۵۴,۰۰۰ بچے ضائع کر دیئے گئے اور دیہات میں
۲,۴,۹۷۹ کے مقابلہ میں ۳,۲۴,۱۹۴ بچے پختگی سے
پہلے ضائع کر دیئے گئے۔ چنانچہ اپنے تجربہ کے ان بھیانک
لوازم سے گھبرا کر روس نے اس اخلاقی انحطاط کو روکنے
کے لئے بعض اخلاقی ضابطے نافذ کئے۔ اور پھر جب بیرونی
دنیا کی طرف سے یہ اعتراض کیا جانے لگا کہ روس پھر
رجعت پسندی کی طرف لوٹنے لگا ہے تو ایک اشتراکی
لیڈر اس کا جواب یہ دیتا ہے:۔

"کوئی شک نہیں کہ نیم سماجی اور جنسی
آزادی کی بے جا اور انتہا پسندانہ
استعمال کے روک تھام کا خیال پیدا ہو گیا
ہے لیکن اس رجحان سے یہ خیال کر لینا کہ
روس پھر پرانے اخلاقی ضابطوں کی طرف
لوٹ رہا ہے ایسا ہی غلط ہوگا جیسے یہ سمجھنا کہ
سوویٹ یونین پھر سرمایہ دارانہ نظام کو
اختیار کرنے لگا ہے۔"

(Soviet Side Light. P187)

اسلام نے عورت کا ایک دائرہ عمل مقرر کیا ہے اور
جس سوسائٹی یا ملک نے اس دائرہ کی حدود کو توڑا ہے
تجربہ نے بتا دیا کہ اس نے اپنی سوسائٹی کو خود ہی تباہ کیا۔
اور اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوا وہ ان کی سوسائٹی اور ان کے

لیڈروں کے بیانات سے ظاہر ہے۔ آج کے ترقی یافتہ ممالک میں امریکہ کا نام سرفہرست ہے وہاں بھی عورت کو جو آزادی دی گئی (اور یہ اس سلوک کا ردِ عمل ہے جو عورت سے ان ممالک میں ازمنۂ وسطیٰ میں ہوا) اس کا نتیجہ وہاں کی اہلی زندگی کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مشہور امریکی اہلِ قلم Fulton. J. Sheen اپنی کتاب

"Communism and the Conscience of the West."

میں لکھتا ہے:۔

"امریکہ اپنی گھریلو زندگی میں جس راہ پر جا رہا ہے اس کو اس نے اگر ترک نہ کیا تو مذہبی و اخلاقی نقطۂ نظر سے الگ سراسر دنیوی نقطۂ نظر سے بھی وہ نہایت ہولناک نتائج سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

پس اسلام کے مقابل ان تمام ترقی یافتہ ممالک پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

ہر چہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از ہزار رسوائی

قرآن پاک نے مسلمان عورت کو کہا:۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَوٰةَ وَآتِينَ الزَّكَوٰةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (احزاب آیت ۳۳)

کہ اے عورتو! تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور دیکھو جاہلیت کے زمانہ میں جس طرح عورت زیب و زینت کا اظہار کرکے بے ہنگم باہر نکلتی تھی تم ایسا نہ کرو۔ تم اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرو اور خدا اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔

اس آیت میں عورت کے دائرۂ عمل کا تعین قرآن مجید نے کر دیا ہے کہ عورتوں کا اصل دائرۂ عمل گھر ہے۔ تم چراغِ خانہ بنو، شمعِ محفل نہ بنو۔ تم سڑکوں اور ہوٹلوں کی زینت نہ بنو۔ تمہاری زیب و زینت کا میدان تمہارا گھر ہے۔

یہ نہیں کہ عورت کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی، اُسے ضرورت کے وقت محرم کے ساتھ دور دراز علاقوں کے سفر کرنے کی بھی اجازت ہے۔ اُسے گھر کی چار دیواری میں مقید نہیں کیا۔ ہاں یہ ضرور کہا ہے کہ تمہارا اصل دائرۂ عمل خاوند کا گھر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

المرأة راعية على بيت بعلها و ولده وهي مسئولة عنهم۔

کہ عورت خاوند کے گھر کی نگران ہے اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور قیامت کے دن اس کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس فرض کو کیسے ادا کیا۔

آیت میں قَوَّامُونَ کے لفظ پر اعتراض کرنیوالے دیکھ لیں کہ یہاں رَاعِيَةٌ کا لفظ ہے جس کے معنے نگران کے ہیں اور قیّم کے معنے بھی نگران کے ہی ہیں۔ پس یہ تو ایک کیبنٹ کے ممبر ہیں۔ ایک اگر وزیر خارجہ ہے تو دوسری وزیر داخلہ۔

پس عورت کو باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ لیکن اُسے آزادانہ اختلاط کی اجازت نہیں۔ اور جب مسلمان مستورات باہر نکلیں تو مومن مردوں کی نگاہیں انکی طرف نہ اُٹھیں اور ایسے ہی ان مسلمان عورتوں کی نگاہیں بھی اوپر نہ اُٹھیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ

وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى
لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ
مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ
فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ
بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (نور)

یعنی۔ "اے ہمارے نبی! مومنوں کو کہدے کہ اپنی نظروں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کیلئے پاکیزگی کا موجب ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے۔ اور مومن عورتوں کو بھی کہہ دے کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔ اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈال لیں۔"

چنانچہ اس آیت کی عملی تفسیر حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے:۔

عن حمزة بن ابی اسید الانصاری عن ابیه انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول وهو خارج من المسجد فاختلط الرجال مع النساء فی الطریق فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم للنساء استأخرن فانه لیس لکنّ ان تحققن الطریق علیکنّ بحافات الطریق فکانت المرأة تلصق بالجدار حتی ان ثوبها لیتعلق بالجدار من لصوقها به"

(ابوداؤد باب ما جاء فی النساء فی الطریق)

کہ ایک دن عورتیں بھی مسجد سے نکل رہی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مردوں سے ان کی مٹھ بھیڑ ہو گئی ہے۔ کیونکہ مسجد سے جانے کا ایک ہی راستہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو عورتوں کو فرمایا۔ ٹھہر جاؤ! تم راستہ کے ایک طرف ہو کر چلو۔ صحابی کہتے ہیں اسکے بعد عورتیں دیوار کے ساتھ لگ کر چلتی تھیں حتیٰ کہ ان کے کپڑے دیوار سے چھوتے تھے۔

پس قرآن مجید کا پردہ کا حکم عورتوں کو ترقی سے روکنے کے لئے نہیں بلکہ ان کی عزت و اکرام اور عفت و ناموس کی حفاظت کے لئے ہے۔ مسلمان خواتین نے پردہ کے باوجود دینی اور قومی اور ملکی ترقی میں ہمیشہ حصہ لیا ہے اور آج بھی پردہ کسی علمی اور دینی اور ملکی خدمت میں روک نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام نے عورت و مرد میں مذہبی، تمدنی اور روحانی ہر لحاظ سے مساوات قائم کی ہے اور قرآن مجید نے عورت کو ایک بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ اسے حقوقِ ملکیت دیئے ہیں اور ورثہ میں حصہ دار قرار دیا ہے۔ صرف نظام کے قیام کے لحاظ سے مرد و عورت کے الگ الگ دائرے ہیں۔ اور یہ بات درجہ کے انحطاط یا مقام کی فروتری کی وجہ سے نہیں بلکہ قدرت کی فطری تقسیم کی وجہ سے ہے۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰه رب العٰلمین٭

دار الهجرة ربوة

بقلم الاستاذ الجليل المولوي غلام الرسول القدسي المحترم

لك الحمد يا مسجود روحي وفطرتي … فدى لك ما عندي احبّ ومهجتي

ولست بشيءٍ غير ما قد خلقتني … فشكراً بحمدك كنت ربّي لمنّة

وانّ صروف الدهر من بعد برهةٍ … لتمحو نقوشاً غير نقش محبّة

فيا ربّنا ندعوك دعوة نصرةٍ … بعونك يكفي الخلق كلّاً برحمة

فنحمد مجدك بالثناء تشكّراً … وانت المعدّ لما نريد بعُدّة

ولمّا خرجنا بعد جبرٍ لهجرةٍ … فآويتنا فضلاً الى ارض ربوة

نزلنا بوادٍ غير ذي زرعٍ لنا … فاسكنتنا فيه بنوع سكينة

وليس لِمَن في ظلمة الجهل ماويٰ … وجدناك من نورٍ بعلمٍ وقدرةٍ

ولم يك شيءٌ عندنا من بضاعةٍ … فهيّأتَ اسباباً لتعمير ربوة

وقد كان ماء الارض غوراً بقعرها … فصرنا لحيراتٍ بتشويشِ غربة

فبعد هذا الاطّلاع امامنا … لقام الى باب الاله لدعوة

ففارت عيون الارضِ بعد دعاءِه … ومن تحت اقدامٍ لفارت بسرعة

فلمّا وجدنا الماء ذوقاً اُجاجة … لصار فراتاً في ذواق عذوبة

فاعجب اعجاز الامام كخارقٍ … اُناساً رأَوْ تبديلَ حالٍ بدعوة

فلا شكّ انّ امامنا في زمانه … لفردٌ ببركاتٍ وآياتٍ رحمة

فلله حمدٌ بعد حمدٍ بشكره … لايّد دين الحقّ منه بنصرة

وارسل في وقتِ الدواعي رسوله … وموعود اقوام لاتمام حجّة

فانذرا قواماً لضلّوا عن الهدىٰ … ليُصلح دنياهم بدينٍ وملّة

تجلت له آيات وقت ظهوره ... تراءت علامات له عند بعثة
وبعد شهادات الصدوق لصدقت ... قلوب كرام الناس من كل أمة
ومن آي سيدنا المسيح المحمدي ... لآيته الكبرى امام الخليفة
ومُصلح اقوام بطلعة احمداً ... ونائبه في الخلق من كل بركة
لتبليغ دين الله سيد حزبه ... بتنظيمه الانصار قاموا لخدمة
وارسل في الاطراف خدام ديننا ... لتبليغ اقوام واتمام حجة
يُبارك اقوام ببركات سعيه ... فللدين والدنيا ارى كل بركة
فيا رب بارك ثم بارك نزوله ... بانصار دين الله في دار هجرة
وفي ربوة آيات بركته بدت ... تدوم الى ما دام مسكن ربوة
وندعو المهيمن للحفاظة دائماً ... ليحفظها من شر كل بلية
ويجعل ربوتنا كبلد آمناً ... وينزل فيها كل نور وبركة
ويسكن من فيها زكياً مطهراً ... ومن هو من اهل التقاة وخشية
ويجعل مرجع عالم بدوامه ... لتعليم دين الله حقاً وحكمة
وانهار كل العلم للدين بالتقى ... لتجري وتروي كل قوم وأمة
ويوجد فيها الكاملون نموذجاً ... لدرس التقى والمتقون بخشية
ويحفظها الرحمان من كل آفة ... ومن حادثات الدهر فجئت بشدة
ويبعد عنها كل ظلم وظالم ... كذلك كل من فساد وفتنة
وشر النوازل والنوائب كلها ... كذلك من سوء القضا والمصيبة
فيا ربنا اجعل ربوة بكرامة ... كدار الامان ودار امن وبركة
ومن نورها الدنيا لصارت منيرة ... بفيض المسيح نبينا والخليفة

واني انا القدسي راج برحمة
ليقبل ربي ما رجوت بدعوتي

تلاوتِ قرآن کریم کے آداب

(از مکرم مولوی محمود احمد صاحب مختار
متعلم جامعۃ المبشرین)

ہر کام کے لئے کچھ نہ کچھ آداب ہوتے ہیں مثلاً کھانے کے آداب یا پینے کے آداب یا مجلس کے آداب۔ اسی طرح تلاوتِ قرآن مجید کے بھی کچھ آداب ہیں جن کا ملحوظ رکھنا تلاوت کرنیوالے کیلئے ضروری ہے، وہ آداب درج ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کو بار بار اور کثرت سے تلاوت کیا جائے یہ اس لئے کہ ایک بات کے بار بار پڑھنے اور سننے سے وہ ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

بعض لوگوں کو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو کتنے دنوں میں ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں اصل بات یہ ہے کہ قرآن مجید سمجھ سوچ کر پڑھا جائے خواہ ایک دن میں ختم ہو جائے یا سال بھر میں۔

۲۔ تلاوتِ قرآن پاک سے قبل وضو کر لینا مناسب ہے کیونکہ یہ تمام اذکار سے افضل ذکر ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ آپ ہر ذکر کے لئے باوضو ہوتے تھے۔ خود قرآن مجید میں آتا ہے کہ لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کہ اسے صرف پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔ روحانی پاکیزگی کے ساتھ ظاہری وضو ہونے سے نور علیٰ نور ہو جائے گا۔

۳۔ تلاوت قرآن پاک کے لئے صاف ستھری جگہ کا انتخاب کیا جاوے۔

۴۔ تلاوت کرتے وقت قبلہ رخ ہو کر بیٹھنا چاہیئے اس سے مقصود یہ ہے کہ قبلہ رخ ہو کر بیٹھنے میں اسکی توجہ زیادہ سے زیادہ قائم رہ سکے گی اور وہ پوری دلجمعی اور اطمینان سے تلاوت کر سکیگا۔

۵۔ تلاوت قرآن مجید سے قبل "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" ضرور پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ خود قرآن کریم میں آتا ہے۔ اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

۶۔ تلاوتِ قرآن مجید سے قبل بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بھی پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہر وہ بڑا کام جو بسم اللہ سے شروع نہیں کیا جاتا وہ ابتر ہے۔"

۷۔ تلاوت ترتیل سے کی جائے یعنی اچھی لَے، خوش الحانی اور الفاظ کو الگ الگ اور صحیح کر کے تلاوت قرآن کیجائے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت ابوحذیفہؓ کے غلام کے پاس سے گذرے اور وہ بڑی خوش الحانی اور ترتیل کے ساتھ تلاوت کر رہا تھا تو آپ نے خوشنودی کا اظہار کیا۔

۸۔ تلاوت فہم اور تدبر سے کرنی چاہیئے اور حقِ تلاوت ادا کرنا چاہیئے۔ حقِ تلاوت سے مراد یہ ہے کہ اگر آیتِ رحمت سے گذرے تو خداوند کریم سے رحمت کا طلبگار ہو۔ اگر آیت عذاب سے گذرے تو عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرے اور اگر آیت تسبیح سے گذرے تو تسبیح کرے۔

۹۔ تلاوت کرتے وقت اِدھر اُدھر کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں کیونکہ تلاوت ایک ذکر ہے اور ذکر کے وقت اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے ورنہ وہ ذکر ذکر نہیں رہتا۔

۱۰۔ تلاوت کرتے وقت اگر سجدہ والی آیت آ جائے تو سجدہ کرنا چاہیئے اور سجدہ چودہ ۱۴ مقامات پر ہے۔

۱۱۔ تلاوت کیلئے ایک وقت، ایک حصہ مقرر کر لینا زیادہ بہتر ہے اور افضل وقت دو ہیں۔ آخر شب اور صبح سویرے۔

یہ وہ موٹے موٹے آداب ہیں جو تلاوت قرآن مجید کرتے وقت انسان کو ملحوظ رکھنے چاہئیں اور جنکے لحاظ اور رعایت سے قرآن مجید کے تدبر اور فہم میں بہت مدد ملسکتی ہے اور اسکو پڑھنے اور سمجھنے اور اسپر عمل کرنیوالا ان علوم سے بھی واقف و آشنا ہو جاتا ہی جو نہ پڑھنے والے لوگوں پر پوشیدہ اور مخفی ہوتے ہیں +

شانِ قرآن کریم

(از کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ہست فرقاں آفتابِ علم و دیں	تا بَرَندت از گماں سوئے یقیں

قرآن مجید علم اور دین کا سورج ہے۔ تاکہ تجھے شک سے یقین کی طرف لے جائے

ہست فرقاں از خدا حبل المتیں	تا کشندت سوئے ربّ العالمیں

قرآن خدا کی طرف سے ایک مضبوط رسی ہے۔ تاکہ تجھے ربّ العالمین کی طرف کھینچ کر لے جائے

ہست فرقاں روزِ روشن از خدا	تا دہندت روشنیٔ دیدہ ہا

قرآن خدا کی طرف سے ایک روشن دن ہے۔ تاکہ تجھے آنکھوں کی روشنی دے

حق فرستاد ایں کلامِ بے مثال	تا رسی در حضرتِ قدس و جلال

خدا نے اِس بے نظیر کلام کو اسلئے بھیجا ہے تاکہ تو اس پاک اور ذوالجلال کی درگاہ میں پہنچ جائے

داروئے شک است الہامِ خدا	کاں نماید قدرتِ تامِ خدا

خدا تعالیٰ کا الہام شک کی دوا ہے۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی کامل قدرت کو ظاہر کرتا ہے

ہر کہ روئے خود ز فرقاں درکشید	جانِ او روئے یقیں ہرگز ندید

جس نے قرآن سے روگردانی اختیار کی۔ اُس نے یقین کا منہ ہرگز نہیں دیکھا

جانِ خود را مے کُنی در خود روی	باز مے مانی ہماں کول و غوی!

خود روی کی وجہ سے تُو اپنی جان ہلاک کرتا ہے مگر پھر بھی تُو ویسا ہی احمق اور گمراہ رہتا ہے

کاش جانت مَیلِ عرفاں داشتے	کاش سعیت تخمِ حق را کاشتے

کاش تیرا دل معرفت حاصل کرنے کی رغبت رکھتا۔ کاش تیری کوشش سچائی کا بیج بوتی

خود نگہ کن از سرِ انصاف و دیں	از گماں ہا کَے شود کارِ یقیں

تُو آپ انصاف عدل سے غور کر کہ گمان کس طرح یقین کا کام دے سکتا ہے

ہر کہ را سویش درے بکشودہ است	از یقیں نے از گماں ہا بودہ است

جس کا دروازہ خدا کی طرف کھُل گیا وہ یقین کی وجہ سے کھُلا ہے نہ کہ گمان کی وجہ سے

قدرِ فرقاں نزدت اے غدار نیست	ایں ندانی کت جز از وے یار نیست

اے بے وفا تیرے نزدیک فرقان کی کوئی قدر نہیں۔ تو یہ بات نہیں جانتا کہ اسکے سوا تیرا کوئی دوست نہیں

وحیِ فرقاں مردگاں را جاں دہد	صد خبر از کوچۂ عرفاں دہد

قرآن کی وحی مُردوں میں جان ڈالتی ہے اور معرفت کے کوچہ کی سینکڑوں باتیں بتاتی ہے

از یقیں ہا مے نماید عالمے!	کاں نہ بیند کس بصد عالم ہمے!

اور یقینی علوم کا ایک ایسا جہان دکھاتی ہے جو کوئی سو جہانوں میں بھی نہیں دیکھ سکتا

(براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ صفحہ ۱۵۲)

تبصرہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (انگریزی)

یہ رسالہ جماعت احمدیہ پاکستان کی طرف سے جناب صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی ایم۔اے کی زیر ادارت انگریزی زبان میں شائع ہونیوالا واحد ماہنامہ ہے۔ اس رسالہ میں اسلام کی فضیلتوں پر بلند پایہ علمی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ مغربی علماء کے ان اعتراضات کے جوابات بھی دیئے جاتے ہیں جو وہ اسلام اور قرآن مجید پر کرتے ہیں۔ تردید عیسائیت میں اس رسالہ کے تحقیقی مقالات نے اپنی دھاک بٹھا دی ہے۔ یورپ و امریکہ میں اس رسالہ کا بکثرت شائع ہونا اشد ضروری ہے تا دشمنان اسلام کی پیدا کردہ مسموم فضا کا ازالہ ہو سکے اور اسلام کی حقانیت دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔ اس رسالہ کے کم از کم دس ہزار خریدار تو ہونے چاہئیں۔ اسوقت دنیا میں کفر و الحاد کی اشاعت کرنیوالے رسائل کا ایک طوفان برپا ہے۔ بے دینی کی گھٹائیں چھا رہی ہیں جماعت احمدیہ کے مرکز سے اسلام کی یہ مشعل نمودار ہوئی ہے اسے زیادہ سے زیادہ انسانوں تک پہنچانیکی کوشش کرنا ہم سب کا فرض ہے۔ چاہیئے کہ آپ خود بھی اس علمی و دینی رسالہ کے خریدار بنیں اور اپنے حلقہ احباب میں بھی اس کی اشاعت کی کوشش فرمائیں۔ نیز مغربی ممالک کی پیاسی روحوں میں سے بھی کم از کم ایک کے نام اپنی طرف سے یہ رسالہ جاری کروا کر ثواب حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کا یہ ایک بہترین مصرف ہے۔

KHILAFAT LIBRARY

رسالہ ھٰذا کا سالانہ چندہ پاکستان کیلئے دس روپے ہے!

پتہ :- مینجر رسالہ ریویو آف ریلیجنز (انگریزی) - ربوہ (پاکستان)

نیک ماحول کو قائم رکھا جائے۔ اگر کوئی برائی کا ارتکاب کرے تو ساری قوم مل کر اصلاح کرے تا کہ وہ گناہ قوم میں نہ پھیل جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل میں یہ برائی تھی کہ کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (مائدہ ع۱۱) وہ برائی سے ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے اور یہ بہت برا کام کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ساری قوم میں برائی پھیل گئی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! انما ھلك من كان قبلكم اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد (مشکوٰۃ) کہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوگئے کہ اگر اُن میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے اور اگر معمولی اور کمزور آدمی برا کام کرتا اس پر حد قائم کرتے۔ گویا یہ طریق ماحول کو خراب کرنے والا ہے اس سے اجتناب کر کے نیک ماحول قائم رکھنا ضروری ہے۔

ہشتم:۔ قومی اتفاق و اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ بدگمانی، تجسس اور غیبت سے اجتناب کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا (حجرات) کہ اے مومنو! بدگمانی سے بہت بچو۔ نیز تجسس یعنی لوگوں کے عیوب کی تلاش اور ٹوہ میں نہ لگ جاؤ۔ اور غیبت یعنی اگر تمہیں فی الواقع کسی کے عیبوں اور برائیوں پر اطلاع ہے تو انہیں اس کی عدم موجودگی میں مجالس میں ذکر نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو فسادات اور خرابیاں پیدا ہوں گی۔ قومی شیرازہ بکھر جائے گا اور اتحاد اور اتفاق کو سخت نقصان پہنچے گا۔

الغرض اسلام نہایت پاکیزہ مذہب ہے۔ اُس نے تربیت کے لئے اعلیٰ اصول بیان فرمائے ہیں۔ اگر ہم لوگ ان پر عمل کریں تو ہمیں امن وامان کی زندگی حاصل ہوگی اور ہر قسم کے شروں سے ہم محفوظ رہیں گے اور خدا کی خوشنودی جو انسانی پیدائش کی اصل غرض ہے وہ بھی حاصل ہو جائے گی۔

اللّٰھم اجعلنا منھم! +

قرآن پاک

(از مکرم جناب بابو فضل الدین صاحب اوورسیر)

کلامِ پاک قرآں ہے جہاں میں چشمۂ شیریں
جسے سیراب یہ کر دے وہ سمجھو ہو گیا زندہ

اسی کے دم قدم سے ملّتِ بیضا بھی زندہ ہے
اسی کے فیض و برکت سے ہیں جملہ انبیاءؑ زندہ

انہیں اجزاءِ خالص سے ہے عمرِ جاوداں ملتی
یہی نسخہ ہے جس سے ہے ابد تک کیمیا زندہ

خدا کے پاک بندوں نے خدا کو اسمیں دیکھا ہے
اسی آئینہ میں دیکھو حبیبِ کبریا زندہ

یہی وہ حوضِ کوثر ہے یہی ہے چشمۂ حیواں
اسی نورِ خدا سے ہیں کروڑوں اصفیا زندہ

شہیدوں اور صدیقوں نے اِسی سے زندگی پائی
اِسی رستہ پہ چل کر ہیں ہزاروں اولیاء زندہ

شذرات

۱۔ امریکہ میں بہائیوں کے مشاغل

بہائی لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قرآنی شریعت کو منسوخ کر کے نئی شریعت اقدس کی پیروی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہائی لوگ ایک سوسائٹی بنا رہے ہیں یہ مذہبی تحریک ہی نہیں ہے۔ ہمارے اس بیان پر امریکہ سے آمدہ تازہ اطلاع شاہد ہے:۔

ہمارے مبلغ مکرم چودھری شکر الٰہی صاحب امریکہ سے اپنے تازہ ترین خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"کچھ عرصہ ہوا کہ مسٹر خلیل احمد ناصر نے جو انچارج مشنری ہیں مجھے فرمایا کہ میں یہاں کے بہائیوں کے نظام کے متعلق کچھ حالات دریافت کروں اور اس نظام کے متعلق مرکز کی اطلاع کیلئے رپورٹ لکھ کر دوں۔ اسوقت سے میں بہائیوں کے جلسوں میں جاتا رہا ہوں اور انکے ممبروں سے ملاقاتیں بھی کرتا رہا ہوں تاکہ میں انکے متعلق زیادہ علم حاصل کر سکوں۔ گذشتہ جمعہ کی شام کو شکاگو مشن کے بعض افراد کیساتھ میں انکے ایک جلسہ میں گیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہاں کوئی لیکچر ہوگا جیسا کہ پہلے جلسوں میں ہوتا تھا۔ مگر جب ہم عمارت میں داخل ہوئے تو ہمیں کچھ عجیب سی چیزیں نظر آئیں۔ کرسیاں جلسے کیلئے ترتیب نہیں دی گئی تھیں بلکہ راستے سے ہٹا کر رکھی گئی تھیں اور ایک جوان ایک کمرے میں آلۂ ریکارڈ کو ناچ اور راگ کے ریکارڈوں کیلئے درست کر رہا تھا ہم نے خیال کیا کہ یہ تفریح کا سامان ہے جو جلسہ شروع ہونے پر ختم کر دیا جائیگا پس ہم انتظار کرنے لگے اور کچھ لوگوں کے ساتھ جو ادھر اُدھر کھڑے تھے مذہبی گفتگو شروع کر دی۔ کچھ منٹ ہی گذرے تھے کہ بجائے جلسہ شروع ہونیکے کسی نے روشنی دھیمی کر دی اور چند جوانوں نے ان عورتوں کو پکڑنا شروع کر دیا جو ان کے قریب ترین تھیں اور ان کے ساتھ ناچنے لگے۔ غرض چند سیکنڈ میں وہاں ایک ناچ گھر کا سماں بن گیا۔ جب ہم نے یہ حالت دیکھی تو ہم وہاں سے چلے آئے۔ جب ہم آ رہے تھے ایک بہائی نوجوان نے کہا کہ "یہ تو ہماری سوشل میٹنگ ہے جس میں ہم بہائی لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔" یہاں کے بہائیوں کے مذہبی مشاغل کا یہ ایک نمونہ ہے۔"

۲۔ افریقہ میں اشاعتِ اسلام

مغربی نائیجیریا کے متعلق ایک انگریز مشنری نے لکھا ہے:۔

"To day Islam is Sweeping through Western Nigeria. I judge 20 converts to every convert to Christianity. The people say it is more African, more natural, more suited to them."

(The Listener NOV. 1953)

"کہ آج مغربی نائیجیریا میں اسلام کثرت سے پھیل رہا ہے۔ میرے اندازہ میں ایک عیسائی ہونیوالے کے مقابلہ میں وہاں پر بیس مسلمان ہو رہے ہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام فطرتی اور اس علاقہ کیلئے مناسب ترین مذہب ہے۔"

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کا مقالہ

مطالبۂ فرقان!

اے بے خبر بخدمتِ قرآں کمر بہ بند ٭ زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

مکرم مولانا ابو العطاء صاحب نے مجھے شریک ثواب ہونے کی عزت بخشی کہ میں الفرقان کے خاص نمبر کے لئے کوئی مضمون لکھوں۔ حالتِ سفر اور مصروفیت مجھے اجازت نہیں دیتی کہ میں حسب دلخواہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکوں مگر میں چند سطور لکھنے سے رہ نہیں سکتا۔

قرآن کریم کا ایک نام الفرقان بھی ہے۔ اور قرآن کریم کی سورتوں میں ایک مستقل سورۃ فرقان ہے۔ اس سورۃ کے آغاز میں قرآن کریم کا یا بالفاظِ دیگر الفرقان کا ایک مطالبہ اللہ تعالیٰ نے نہایت لطیف پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔

تبٰرک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیرًا۔

بابرکت ہے وہ ذات پاک جس نے الفرقان کو اپنے بندہ پر نازل فرمایا۔ اس تنزیل کا مقصد یہ ہے کہ وہ تمام دُنیا کو آگاہ اور متنبہ کر دے۔

نذیر کے لغوی معنے ڈرانے والا ہے۔ مگر اس کا یہ مفہوم نہیں کہ ڈرانے سے وہ مرعوب کرتا ہے بلکہ اس کے اندر ایک شانِ رحمت نمایاں ہے یعنے وہ آنے والے عذاب سے جو منہیاتِ الٰہیہ سے نہ بچنے اور مامورین و مرسلین کے انکار کی وجہ سے بطور مکافات ہے آگاہ کرتا ہے۔ اسی لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بشیر و نذیر ہے۔ غرض قرآن کریم کی تنزیل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اکنافِ عالم میں پھیلایا جائے اور اس کے لئے ہر شخص کا (جو قرآن کریم پر ایمان لاتا ہے) سعادت ابدی کے حصول کے لئے یہ فرض ہے کہ وہ اس کی اشاعت میں حصہ لے۔

قرآن کریم پر تدبّر کرنے سے یہ حقیقت بھی نمایاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آغاز میں فرمایا تبٰرک الذی۔ اللہ تعالیٰ نے اس چشمۂ برکات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جو لوگ قرآن کریم کی اشاعت اور اس کے مقصدِ انذار کے پھیلانے میں حصہ لینگے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکات کے مستحق ہونگے۔ یہ قرآن کریم کے اسلوب بیان کے کمالِ بلاغت کی ایک شان ہے۔ میں نے صرف اشارہ کیا ہے کہ اِس سورۃ کے آغاز میں ہی الفرقان (قرآن کریم) کی اشاعت میں حصہ لینے والے سعادت و برکات کو حاصل کرتے ہیں۔

رسالہ الفرقان اِسی مقصد کے لئے جاری کیا گیا ہے اور یہ قرآن نمبر اسی مقصد کی طرف ایک عملی اقدام ہے اور جماعت احمدیہ کی تاسیس اسی مقصد سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے کی ہے اور آپ کی شان میں بتایا گیا کہ وہ ایمان کو ثریا سے لائے گا۔ اور حضرت اقدس نے مندرجہ عنوان شعر میں اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ میں قارئینِ الفرقان کو اِس مطالبہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اگر وہ برکاتِ الٰہیہ سے سعادت اندوز ہونا چاہتے ہیں اور کون ہے جو اس کا آرزو مند نہیں تو الفرقان کی اشاعت کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ جس جس قدر اس کی اشاعت کا دائرہ وسیع ہوگا اسی قدر وہ

سعادت کی منازل میں اُوپر چلتے جائیں گے اور برکاتِ الٰہیہ کے حلقہ میں داخل ہوتے جائیں گے۔ میں ایک ادنیٰ خادم قدیم کی حیثیت سے الفرقان کے اِس مطالبہ کو دُہراتا ہوں کہ وہ ایک متفقہ کوشش کے ساتھ ۱۹۵۴ء کی پہلی سہ ماہی میں اس کی تعدادِ اشاعت

ایک ہزار تک پہنچادیں

پھر دوسرے ہزار کے لئے اس کے بعد قدم اُٹھایا جاوے علیٰ ہذا القیاس۔ مَیں صرف تحریک نہیں کرتا بلکہ خود بھی حصہ لیتا ہوں اور اِس سہ ماہی میں یا تو پانچ خریدار دوں گا (انشاءاللہ العزیز) ورنہ پانچ خریداروں کی قیمت ادا کر دوں گا۔ اور ختم جنوری سے پہلے اِس وعدہ کے ایفاء کی توفیق چاہتا ہوں۔

موجودہ خریدارانِ الفرقان میں سے اگر ہر ایک ایک ایک خریدار جنوری ۱۹۵۴ء میں دیدے تو فروری کا رسالہ موجودہ اشاعت سے دوچند ہو سکتا ہے (میں رسالہ کی موجودہ اشاعت کا ذکر کرتا مگر مَیں دشمن کو خوشی کا موقع دینا نہیں چاہتا) ہم کو اپنے پریس کو مضبوط کرنا ہے اور اس کے دائرہ اشاعت کو وسیع سے وسیع تر کرنا ہے۔

مَیں حقائق پسند جماعت کے افراد اور جماعتوں سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ

میری آرزو کو صدا بصحرا قرار نہ دینگے

اللہ تعالیٰ آپ کو ہر نیکی میں مسابقت کی توفیق دے۔ ھو نعم المولیٰ و نعم الرفیق۔

خاکسار یعقوب علی عرفانی الاسدی مدیر الحکم

نزیل ربوہ

۳۰ نومبر ۱۹۵۳ء

نصب العین!

رسالہ الفرقان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ اپنے اور بیگانے قرآن مجید کی حقیقت سے آشنا ہوں، اسکی اعلیٰ تعلیمات سے مستفید ہوں اور اسکی روح پر اور ہدایات کی پابندی کریں۔ غیروں کیلئے بہت سے حجاب ہیں متعدد شبہات اور اعتراضات ہیں انکا ازالہ بھی ضروری ہے۔ اپنوں پر غفلت کے پردے ہیں انکا دُور کرنا بھی لازمی ہے۔ جہانتک مسلمان کہلانیوالوں کا تعلق ہے ان میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ مَیں قرآن مجید کو مانتا ہوں اور اسے ذریعہ نجات یقین کرتا ہوں لیکن اسکی عملی زندگی میں قرآن مجید کیلئے کوئی جگہ نظر نہیں آتی حالانکہ قرآن کریم انسانی زندگی کے ہر پہلو کیلئے احکام دیتا ہے اور ہر مرحلہ حیات پر رہنمائی کرتا ہے۔

مَیں دیکھ رہا ہوں کہ میدانِ محشر ہے اور پہلے اور پچھلے تمام لوگ جمع ہیں۔ سرور کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کو ہاتھ میں لیکر بارگاہِ رب العزت میں عرض کر رہے ہیں یا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا اے میرے رب! میری قوم نے اس جلیل القدر قرآن کو پس پشت پھینک رکھا تھا منکرینِ اسلام گنگ ہیں۔ ان کے پاس اس شکایت کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ان پر حجت پوری ہو چکی ہے وہ جہنم کی طرف لیجائے جا رہے ہیں۔ مگر اسکے ساتھ ہی وہ کہلانیوالے مسلمان بھی مبہوت و حیران کھڑے ہیں جنہوں نے منہ سے قرآن پاک کی حقانیت کا اقرار کیا لیکن عملی طور پر قرآن مجید سے کلی اعراض رکھا۔ یہ بھی مجرم ہیں، ان کے پاس بھی کوئی جواب نہیں، یہ بھی مستحق سزا قرار پا چکے ہیں۔

بھائیو! آخرت کے اِس ہولناک منظر کو سامنے رکھ کر عزم کر لیں کہ ہم نے قرآن مجید کو پڑھنا اور سمجھنا ہے اور اس پر پوری طرح سے عمل پیرا ہونا ہے۔ الفرقان کی اشاعت کا مدعا و مقصد اسی نصب العین کو پورا کرنا ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِيْمِ +

"نیا نظام"

نتیجۂ فکر جناب راجہ نذیر احمد صاحب ظفرؔ

ذرا وہ وقت یاد کر! ✦ تھے ظلمتوں میں بحر و بر
تھے راہبر بھی کور و کر ✦ تو کون تھا؟ او بے خبر!
جو ظلمتوں پہ چھا گیا
جہاں کو جگمگا گیا

جہاں پہ جبکہ رات تھی ✦ اندھیری کائنات تھی
بجھی بجھی حیات تھی ✦ نہ دن کی کوئی بات تھی
تو کون ضو فشاں ہوا؟
کہ جس سے دن عیاں ہوا؟

خزاں براجمان تھی ✦ چمن پہ حکمران تھی
عجب خدا کی شان تھی ✦ بہار بے نشان تھی
گلوں کو گدگدا گیا
کلی کلی کھلا گیا

وہ جہل کی کہاوتیں ✦ وہ نفس کی بغاوتیں
بہم دگر عداوتیں ✦ کدورتیں شقاوتیں
گھٹیں تو کس طرح گھٹیں؟
مٹیں تو کس طرح مٹیں؟

"کنارِ گنگ[1] برہمن ✣ جوان و پیر و مرد و زن
صنمکدے میں تھے مگن ✣ تو شدھ کر کے سب کے من
طریق وہ دکھا دیا
کہ با خدا بنا دیا

وہ سرزمینِ پہلوی ✣ چِتا میں تھی یوں جل رہی
کہ جیسے کوئی استری ✣ فراقِ یار میں جلی
مگر اُسے بچا لیا
"پِتا" سے بھی مِلا دیا

صلیب کی زمین پر ✣ خدا تھے تین جلوہ گر
یہ ظلم و شرک دیکھ کر ✣ تھا چرخ پھٹ چلا مگر
"نیا نظام" آ گیا
جو کام سب بنا گیا

تبصرہ

"نماز"

نماز پانچ ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رُکن ہے۔ رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو دین کا ستون اور کفر و اسلام میں مابہ الامتیاز قرار دیا ہے۔ مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ نے اپنے جدید رسالہ "نماز" میں اسلام کے اس دوسرے بڑے رُکن کے مسائل کو واضح اور عام فہم انداز میں جمع کر دیا ہے۔ یہ رسالہ کتابی سائز کے سَو صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت و طباعت بہت عمدہ ہے البتہ چند اعرابی غلطیاں قابلِ اصلاح ہیں۔ رسالہ مجموعی طور پر نہایت مفید ہے۔ قیمت دس آنہ۔

ملنے کا پتہ :- دارالتجلید - اردو بازار (موہن لال روڈ) لاہور

---

[1] بند کا یہ حصہ جناب اکملؔ کا ہے جس میں معمولی تغیر کر لیا ہے۔ ظفرؔ

قرآن مجید اور عذابوں کے بارے میں قانونِ خداوندی

از قلم جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات

{ وہ عذاب جو بمقصد مکذبین انبیاء پر نازل ہوئے۔ موجودہ زمانہ میں بھی غیر معمولی اور ہولناک صورت میں نمودار ہو سکتے ہوں تو قرآن کا اسکے متعلق کیا فیصلہ ہے؟ }

ابتداء میں انسان (گندم گوں انسان) جنّت یعنی خود رو گھنے درختوں کے سایہ میں رہتا تھا۔ بھوک پیاس اور گرمی سردی کی تکالیف سے بچا ہوا تھا۔ بغیر محنت کے درختوں کے پھلوں پر گزارہ کرتا تھا۔ ایک خاص درخت کے نزدیک جانے سے منع کیا گیا تھا جس کو گندم یا انگور یا انجیر کہا گیا ہے۔ اس کو خاص طور پر متنبہ کیا گیا تھا کہ اگر اس ممنوعہ درخت کا پھل کھاؤ گے، جو جنّت یعنی خود رو پھلدار درختوں کے کاٹنے اور زمین کو ہموار اور صاف کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے تو ظالم ٹھہرو گے اور جنّت سے نکالے جاؤ گے۔ ایکدوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے اور تکالیف میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ مگر انسان نے شیطان راندۂ درگاہ ازلی کے بہکانے سے ممنوعہ درخت (گندم) کے پھل کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا جس کے نتیجہ میں وہ تمدن کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ قبضے کے حقوق اور ذمہ داریاں پیدا ہو گئیں۔ فتنہ اور فساد پیدا ہو گیا۔ تنازعات بڑھ گئے اور حکام کے فیصلوں کی ضرورت پڑ گئی۔ انسان کی بے بسی اور بے چارگی کو دیکھ کر خدا نے اس پر رحم کیا اور بذریعۂ الہام اس کی راہنمائی کی۔ اسکی زندگی بسر کرنے کے طریقے اس کو بتلائے اور آگاہ کیا کہ اب ضرورت کے وقت جبکہ معاشرہ میں فساد واقع ہو گا ہادی تمہارے پاس آیا کرے گا۔ اگر اس کی پیروی کرو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔ دکھوں سے محفوظ رہو گے اور خوف و غم تم پر طاری نہیں ہو گا۔ اور اگر اُس ہادی کی اطاعت سے انکار کرو گے اور اس کی تکذیب اور تمہید کے ڈیلے

ہو جاؤ گے تو زندگی تمہارے لئے وبالِ جان بن جائے گی۔ تمدن میں فساد اور بدامنی کا دور دورہ ہو جائیگا اور آخر تم جہنم کی آگ کا ایندھن بنو گے۔

(۱) وَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا

(۱) ہم نے کہا اے آدم! تو اور تیری عورت اس جنّت میں سکونت پذیر ہو اور اس سے بافراط جہاں سے چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ۔ اگر جاؤ گے تو ظالم ٹھہرو گے۔ مگر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور اس سکنی سے ان کو محروم کر دیا جس سے وہ بہرہ ور ہو رہے تھے۔ پس ہم نے کہا کہ جنّت سے باہر ہو جاؤ۔ اب تم سب ایکدوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے۔ اب زمین ہی میں تمہارا ٹھکانا ہو گا اور ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھاؤ گے۔ پھر آدم کو اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمات القاء ہوئے اور اس پر اس نے

جَمِيْعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ (۲/ ۳۴ تا ۳۶)

رحم کیا۔ کیونکہ وہ رحمت کے ساتھ رجوع کرنیوالا مہربان ہے۔ ہم نے کہا تم سب اس جنت سے اُتر جاؤ اگر میری طرف سے کوئی ہادی تمہارے پاس آئے تو جو اس کی پیروی کرینگے ان پر کوئی خوف طاری نہیں ہوگا اور نہ وہ غم میں مبتلا ہونگے۔ اور جو لوگ منکر ہو جائینگے اور ہمارے نشانوں کی تکذیب کریں گے وہ جہنم میں جائینگے۔

(۲) يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ۔ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (۷/۳۴)

(۲) اے بنی آدم! جب کبھی تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں۔ جو ہمارے نشان تم کو کھول کر بتلائیں اُسوقت جو لوگ اپنے آپ کو گناہوں سے بچائیں گے اور اپنی حالت کی اصلاح کرلینگے اُن پر خوف طاری نہیں ہوگا اور نہ وہ غم میں مبتلا ہوں گے۔ لیکن جو لوگ ہمارے نشانوں کا انکار کریں گے اور ازراہِ تکبّر ان سے رُوگرداں ہو جائینگے وہ آتشِ جہنم میں جھونکے جائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۳) فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ (۳) ہم نے کہا اے آدم!

اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ○ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ○ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ○ (۲۰/۱۱۶)

یہ شیطان تیرا اور تیری عورت کا دشمن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تم کو جنت سے نکال دے اور تم تکلیف اٹھاؤ۔ دیکھو تجھے اس جنت میں نہ بھوک کی تکلیف ہے نہ پیاس کی۔ یہاں نہ تجھے دُھوپ لگتی ہے نہ تو ننگا رہتا ہے۔

خدا کی یہی سُنّتِ مستمرہ ہے کہ جب کبھی انسان کی بدکرداریوں اور بے راہ رویوں کی وجہ سے معاشرہ میں فساد نمودار ہو جاتا ہے تو وہ اپنا ہادی اور راہنما بھیج دیتا ہے تاکہ لوگ راہِ راست پر آجائیں اور اپنی زبوں حالت کی اصلاح کرلیں اور بدامنی دُور ہو جائے۔

(۱) قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ○ (دعاءِ حضرت لوطؑ - ۲۹/۲۹)

(۱) لوطؑ نے کہا اے میرے رب! اس مفسد قوم کے مقابلہ پر میری مدد کر۔

(۲) وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○ (۲/۷)

(۲) زمین میں فساد کرتے ہوئے مت پھرو۔

(۳) وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○ (خطاب حضرت صالحؑ جانب قوم ثمود - ۱۱/۸۶)

(۳) زمین میں فساد کرتے ہوئے مت پھرو۔

(۴) فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○ مراد قوم حضرت موسیٰؑ (۷/۱۰۲)

(۴) دیکھ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

(۵) اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (۲/۱۱) (۵) سُن رکھو کہ وہی فساد کرنے والے ہیں۔
(مراد مخالفین پیغمبر اسلامؐ)

لیکن افسوس کہ جب کبھی خدا کے یہ استباز فرستادے چمکتے ہوئے نشانوں کے ساتھ بنی آدم کی اصلاح اور بھلائی کیلئے پیغامِ حق لیکر آئے انہوں نے نہ صرف اُن کی تکذیب کی بلکہ ان کی ہنسی اُڑائی اور ان کے ستانے اور دُکھ دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

(۱) يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۳۶/۲۹) (۱) ان بندوں پر افسوس کہ جو بھی رسول انکے پاس آیا انہوں نے اسکی ہنسی اُڑائی۔

(۲) مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (۲/۲۱۰) (۲) (اسلام سے پہلے جو لوگ انبیاء پر ایمان لائے) ان کو بڑی بڑی مصائب اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا اور اُن کی ہستی کی بُنیادیں ہلائی گئیں - یہاں تک کہ خود رسول اور جو اس پر ایمان لائے تھے یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ آہ خدا کی نصرت کب پہنچے گی۔

انبیاء کی مخالفت کرنے والے کون تھے؟ زمانہ کے با اثر، شریر اور وہ متمدین، آسودہ حال اور علماء جن پر عوام کا اعتماد تھا۔ باقی لوگوں نے ان کی پیروی کرتے ہوئے خدا کے فرستادوں کا ساتھ نہ دیا۔

(۱) كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ (۱) جب نوح نبی کی قوم کے مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ (۱۱/۴) سردار اس کے پاس سے گذرتے تو اس کی ہنسی اُڑاتے اور مخول کرتے۔

(۲) قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (۷/۶۶) (۲) ہُود نبی کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھ کو بیوقوفی میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہمارا پختہ خیال ہے کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔

(۳) قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْا اِنَّا بِمَا اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ (۷/۷۶) (۳) صالح نبی کی قوم کے متکبر سرداروں نے کمزوروں میں سے جو اس پر ایمان لائے تھے ان کو کہا کہ کیا تم کو یقین ہے کہ صالحؑ اپنے رب کی طرف سے رسول ہے؟ انہوں نے کہا کہ جو پیغامِ حق وہ لایا ہے اُس پر ہمارا ایمان ہے۔ متکبرین نے کہا کہ جس پر تمہارا ایمان ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

(۴) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا (۴) کیا تو نے اُس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم کے رب کی ہستی کے بارے میں اسلئے بحث کی کہ اُس رب نے اُس کو بادشاہی دی تھی ابراہیم نے کہا کہ میرا رب

اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ ؕ (۳/۲۶۰)

وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ خدا سورج کو مشرق سے چڑھالاتا ہے تو مغرب سے چڑھالا۔ یہ جواب سن کر وہ کافر بادشاہ حیران رہ گیا۔

(۵) فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ قَرْیَتِکُمْ اِنَّھُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَھَّرُوْنَ (ک/۷)

(۵) لوط کی قوم کا جواب یہی تھا کہ ان کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو کہ یہ لوگ پاکباز بنتے ہیں۔ (نوٹ) اس آیہ کریمہ سے منکرین کا باقتدار ہونا ظاہر ہوتا ہے)

(۶) قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا۔ (ک/۱۱)

(۶) اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم تجھ کو اور ان لوگوں کو جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دینگے اگر تم رہنا چاہتے ہو تو ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ۔

(۷) قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۙ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ (ک/۱۰۶)

(۷) فرعون کی قوم میں سے جو سردار تھے انہوں نے کہا کہ یہ موسیٰ بڑا عالم ساحر ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ تم کو ملک سے نکال دے۔ پس تمہاری کیا صلاح ہے۔

(۸) وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْھُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِھَتِکُمْ ۚۖ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ (مراد مخالفین آنحضرت) (۳/۵)

(۸) ان میں سے جو سردار تھے وہ چل پڑے اور کہا کہ چلو اپنے معبودوں کی عبادت میں لگے رہو یہ سوچی ہوئی بناوٹ ہے (اس پر کان نہ دھرو)

(۹) وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ کٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ (۳۴/۳۲)

(۹) جس بستی میں ہم نے کوئی ڈرانے والا (رسول) بھیجا اس کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا کہ جو رسالت تم لیکر آئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔ ہمارے پاس مال و دولت اور اولاد بہت ہے، اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔

چونکہ ملک کے با اثر اور مقتدر اشخاص انبیاء کے مقابلہ پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان کے فاسقانہ اور ظالمانہ تمدن میں تغیر واقع ہو اسلئے انبیاء کی تبلیغ حق میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور غریب لوگ ان ظالموں سے ڈرتے ہوئے نبیوں کا کھلے طور پر ساتھ نہیں دیتے۔ اور بہت تھوڑے لوگ جو دلیر اور نیک فطرت ہوتے ہیں ایمان لاتے ہیں۔ مگر یہ لوگ انواع و اقسام کے مظالم کا تختۂ مشق بن جاتے ہیں اور ان کی زندگی تلخ ہوجاتی ہے۔ تب خدا جو ہمیشہ راستبازوں کا حامی اور ناصر رہتا ہے اپنی نصرت کا

زبردست ہاتھ دکھاتا ہے اور ظالموں کو عذاب میں دھر پکڑتا ہے اور ان کو تباہ کر کے نیک کرداروں کو اُن کی جگہ آباد کر دیتا ہے۔ خدا کی یہ سُنّت قدیم سے چلی آتی ہے۔

(۱) حضرت نوحؑ کے مخالف سیلابی طوفان سے تباہ ہوئے۔ (۱۷/۲۰ تا ۲۹)

(۲) حضرت ہُودؑ کی قوم ہلاکت آفرین بادِ صرصر سے ہلاک ہوئی۔ (۱۱/۱۵)

(۳) حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ کی قوم زلزلہ سے ملیامیٹ ہوئی۔ (۷/۷۶ و ۸۹)

(۴) حضرت لوطؑ کی قوم پر ایسی تباہی خیز تند ہوا چلی کہ اس نے ان پر پتھروں کا مینہہ برسا کر ان کو فنا کر کے رکھ دیا۔ (۱۱/۸۴)

(۵) حضرت موسیٰؑ کی قوم طرح طرح کے عذابوں مثل قحط و رجز یعنی طاعون (منتہی الارب) وغیرہ میں مبتلا رہ کر آخر دریائے نیل میں غرق ہوئی۔ (۷/۱۲۷ تا ۱۳۲)

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین نے آپؐ کو اور آپؐ کے متبعین کو عرصہ تک مکہ میں تکالیف اور مصائب میں مبتلا رکھا۔ آخر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور وہاں بھی آرام کا سانس نہ لینے دیا اور بہت سالاؤ لشکر لے کر مدینہ پر چڑھائی کی۔ آخر خداوندِ عالم نے مظلوموں کی مدد کی اور اُنہیں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے اور جو باقی بچے وہ جلا وطن ہوئے۔ اور انہیں غریب مسلمانوں کو جن کو انہوں نے گھروں سے نکال دیا تھا ان کے گھروں میں آباد کیا۔ یہ عبرت ناک واقعہ پیشگوئیوں کے مطابق ظہور میں آیا جو اُس وقت کی گئی تھیں جبکہ قلیل التعداد اور کمزور مُسلمانوں پر کفار مظالم توڑ رہے تھے۔ (۹/۱۴ و ۵۳ و ۵۴/۴۵ و ۴۴/۹ تا ۱۳ و ۴۸/۲۰ تا ۲۲ و ۱۷/۲۸ و ۵۹/۳)

فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والے اور معاشرہ میں فساد اور بے نظمی کے ذمہ دار وہی ہوتے ہیں جو اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے گناہوں اور بدکرداریوں پر قادر ہوتے ہیں۔ غریب طبقہ کے لوگ اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کے سبب سے ان کی چیرہ دستیوں کی آماجگاہ بنتے رہتے ہیں اور ان کی مرضی کے خلاف کوئی حرکت نہیں کرتے اسلئے وہ فساد کے ذمہ دار نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ انبیاء کے ذریعہ سے مُلک اور قوم کے آسودہ حال اور با اثر طبقہ کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ بداعمالیوں کو چھوڑ دیں اور راہِ راست پر آجائیں۔ وہ بجائے اس کے کہ خدا کی آواز پر کان دھریں الٹا خدا کے فرستادوں کے مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اسلئے وہ عذاب کے مستوجب ہو جاتے ہیں اور نہ صرف خود تباہ ہوتے ہیں بلکہ ان کو بھی ساتھ لے ڈوبتے ہیں جو ان سے ڈر کر یا ان کی راہ پر چلکر انبیاء کا ساتھ نہیں دیتے اور نہ ہجرت کرتے ہیں۔

(۱) وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (۱۷/۱۷)

(۱) جب ہم کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے آسودہ حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں مگر وہ نافرمانی کرتے ہیں اور باز نہیں آتے اور فسق و فجور میں لگے رہتے ہیں تب اس بستی پر فرد جرم لگ جاتا ہے اور اس کو ہم بالکل ملیامیٹ کر دیتے ہیں۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ

وہ لوگ جن کی رُوحیں

الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ (۴/۹۹)

فرشتوں نے ایسی حالت میں قبض کیں جبکہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنیوالے تھے۔ ان سے فرشتوں نے پوچھا کہ تم کس حالت میں تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور تھے۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا خدا کی زمین اتنی وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے! ان لوگوں کی جگہ بھی جہنم میں ہی ہوگی جو بُرا ٹھکانا ہے۔

جن بُرائیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے اگلی قومیں تباہ ہوئیں؛ نہ صرف وہ سب کی سب دورِ حاضر کے لوگوں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ان کے علاوہ کئی قسم کے جرائم اور گناہوں کا دَور دَورہ ہے۔ اگرچہ ابھی تک ہندوستان اور بعض دیگر ممالک میں بُت پرستی بھی پائی جاتی ہے لیکن خدا کی ہستی کا انکار کرنے والے ہر ملک میں اِس کثرت سے پیدا ہوگئے ہیں کہ اس کی نظیر اگلے زمانوں میں نہیں ملتی۔ منکرینِ خدا اکثر تعلیم یافتہ لوگ ہیں جن کے اثر و رسوخ کی وجہ سے یہ بُرائی عام ہوگئی ہے اور خدا کے پرستار بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ بدکاری، زناکاری، چوری، راہزنی، دروغگوئی، فریب، دغا، رشوت ستانی، تغلّب، ظلم، بے انصافی، شراب خواری، سے کوئی ملک خالی نہیں ہے۔ انگلستان کے لوگ بلحاظ تعلیم و تہذیب اور دانائی اور حکمت کے سب ممالک سے پیش پیش ہیں۔

اسی ماہ نومبر ۱۹۵۳ء میں ہوس آف لارڈز میں تقریر کرتے ہوئے ۸۳ سالہ وائی کونٹ سموئل نے کہا:۔

"ہمارے بڑے بڑے شہروں میں بداخلاقی اور جُرم کے گھروندے موجود ہیں جو ہماری تہذیب پر بدنما داغ ہیں۔ نوجوانوں کی بدچلنیاں نہایت خوفناک انکشاف ہے۔ جرائم بڑھ گئے ہیں۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ جنسی بدعنوانیاں ہماری پہلی نسلوں کی نسبت بہت زیادہ ہوگئی ہیں۔ ازدواجی رشتے منقطع ہو رہے ہیں۔ میاں بیوی کی علیحدگیاں بڑھ گئی ہیں۔ ہم نہایت رنج سے دیکھتے ہیں کہ سدوم اور عمارہ کی بُرائیاں ہمارے درمیان پختہ ہوچکی ہیں۔ اگر وہ بڑھ گئیں اور عام ہوگئیں تو اس کی سزا صرف زلزلے اور آتش زنیاں ہی نہیں ہونگی بلکہ ہمیں اس سے بھی زیادہ سزا بھگتنی ہوگی۔"

جس طرح وہ تمام بُرائیاں جو اگلی قوموں میں مختلف وقتوں میں پائی گئیں جو اِس زمانہ میں نمودار ہوگئی ہیں اسی طرح وہ تمام عذاب جو اگلی قوموں پر مختلف وقتوں میں نازل ہوئے اِس زمانہ میں بھی ۱۸۹۸ء سے لیکر اب تک برابر نازل ہو رہے ہیں:۔

(۱) ۱۸۹۸ء میں ہولناک طاعون پھوٹی اور کئی سالوں تک پنجاب اور ہندوستان کے بعض مقامات میں تباہی ڈالتی رہی۔

(۲) ۱۹۰۴ء میں کانگڑہ میں تباہی خیز زلزلہ آیا۔ پھر ۱۹۰۵ء میں شمالی ہندوستان میں خوفناک زلزلہ آیا۔ ۱۹۳۴ء میں بہار میں سخت زلزلہ آیا جو قیامت کا نمونہ تھا اور جس کی وجہ سے دریاؤں کا پانی اچھل کر تباہ کن سیلاب بھی آئے۔ جنہوں نے زمین کی ہیئت ہی بدل دی۔ تھوڑا عرصہ ہوا کوئٹہ واقع بلوچستان میں قیامت خیز زلزلہ آیا جس نے بلند و بالا عمارات کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا اور بے شمار جانیں تلف

ہوئیں۔ دیگر ممالک میں بھی اس قدر زلزلے آئے اور اس قدر شدت سے آئے کہ ان کی نظیر صفحاتِ تاریخ پر نہیں ملتی۔ حال ہی میں یونان میں زلزلہ آیا جس سے قریباً ۱۰ لاکھ آدمی بے گھر ہو گئے۔ (نوائے وقت ۱۹ ۸/۵۳)

(۳) قریباً ۳۵/۳۶ سال کا عرصہ ہوا ملک پنجاب میں انفلوئنزا کی ہلاکت آفرین بیماری پھیلی جو بے نظیر تھی اور جس نے بے شمار جانوں کا نقصان کیا۔

(۴) ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۹ء میں حیدرآباد دکن میں تباہی خیز طوفان آیا۔ موسی ندی کا پانی پھوٹ نکلا اوپر سے موسلا دھار بارش ہوئی۔ دونوں پانی مل کر خونخوار سیلاب کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ مال و جان کا بہت نقصان ہوا۔ نظام دکن کو اپنے محل چھوڑ کر ایک پہاڑی پر پناہ لینی پڑی۔ ہندوستان کے دریاؤں میں غیر معمولی طور پر سیلاب آ رہے ہیں۔ جو بستیوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ پنجاب کے دریاؤں میں بھی کئی سیلاب آئے جو پہلے اس شدت سے کبھی نہیں آئے تھے۔ دو تین سال ہوئے دریائے راوی میں ہولناک طوفان آیا۔ لاہور کے مضافات زیر آب ہو گئے۔ گورنمنٹ کو ملٹری کی مدد لینی پڑی۔

بہار کے دریائے کوسی میں سیلاب آنے کی وجہ سے انتیس ہزار زمیندار بے گھر ہو گئے۔ (نوائے وقت مورخہ ۱۸ ۶/۵۳)

دریائے کوسی میں پھر سیلاب آیا جس سے دس لاکھ آدمی بے خانماں ہو گئے۔ نو سو دیہات تباہ ہو گئے اور دس کروڑ روپیہ کا مالی نقصان ہوا۔ (پاکستان ٹائمز مورخہ ۲۶ ۷/۵۳)

صوبہ سندھ میں پچاس ہزار آدمی بھاری بارش اور دریاؤں کے سیلاب کی وجہ سے بے گھر ہو گئے۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۸ ۸/۵۳)

۱۲ ۸/۵۳ کو یو۔پی (ہندوستان) میں اڑھائی سو مربع میل علاقہ زیر آب ہو چکا ہے اور قریباً ایک ہزار مکانات سیلاب کی نذر ہو چکے ہیں (نوائے وقت ۱ ۹/۵۳)

اعظم گڑھ ہندوستان میں علاوہ شہر کے تمام ضلع سیلاب کی زد میں ہے اور دس ہزار مکانات تباہ ہو چکے ہیں۔ (نوائے وقت مورخہ ۲ ۹/۵۳)

ٹوکیو (جاپان) کی ۲۸ ۹/۵۳ کی خبر ہے کہ گزشتہ چند دنوں میں خوفناک طوفان نے جاپان کے مختلف علاقوں میں جو تباہ کاریاں کی ہیں ان سے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق قریباً سات لاکھ آدمی بے خانماں ہو چکے ہیں اور پانچ سو آدمی ہلاک ہو چکے ہیں (نوائے وقت)

یہ پے در پے عذاب زبانِ حال سے پکار کر کہہ رہے ہیں کہ گویا اگلی تباہ شدہ قوموں نے معنوی طور پر اس دنیا میں دوبارہ رجوع کر کے اپنا رنگ و روپ دکھا دیا ہے۔

(۱) وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ (۲۱/۹۶)

(۱) یہ امر محال ہے کہ جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ان کے رہنے والے دوبارہ واپس آئیں۔ مگر جس وقت یاجوج و ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے بشتاب اُترنے لگیں گے۔ تو ان بستیوں کے رہنے والوں کا پھر دنیا میں رجوع ہوگا یہ سچا وعدہ قریب آپہنچا ہے۔ جس وقت یہ وعدہ پورا ہوگا منکروں کی آنکھیں اچانک کھل جائیں گی (وہ حیران رہ جائیں گے) اور کہیں گے کہ ہائے ہماری

کم بختی ہم اس معاملہ میں غافل رہے بلکہ ہم ظالم تھے۔

آیۂ کریمہ مندرجہ بالا میں جو یاجوج و ماجوج کے لفظ آئے ہیں ان کی حقیقت سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل لغوی حوالہ جات کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

(۱) الاجیج تلھب النار وصوت النار (تاج العروس) — (۱) اجیج کے معنے ہیں آگ کا شعلہ اور آگ کی آواز۔

(۲) اج فی سیرہٖ اذا اسرع۔ (تاج العروس) — (۲) جب کوئی شخص تیزی سے چلتا ہے تو کہتے ہیں اج فی سیرہ۔ گویا تیزی سے چلنے کو بھی آج کہتے ہیں۔

(۳) آ۔ والیاجوج مشتق من الاج۔ (تاج العروس) — (۳) آ۔ یاجوج اج سے نکلا ہے۔ (یاجوج اسم مبالغہ ہو جس کے معنے آگ سے زیادہ کام لینے والا یا زیادہ تیزی سے چلنے والا ہیں)

ب۔ یاجوج کسیکہ آتش برافروزد و فساد برانگیزد۔ (منتھی الارب) — ب۔ یاجوج آگ جلانے اور مفسد کو کہتے ہیں۔

(۴) ماج البحر اضطرب امواجه والناس یموجون۔ (مختار الصحاح) — (۴) جب سمندر کے پانی کی حرکت سے اس کی موجیں اٹھتی ہیں تو کہتے ہیں ماج البحر۔ اور انسان کے تیز چلنے کو بھی موج کہتے ہیں۔

(۵) وقالوا یجوز ان یکون یاجوج فاعولاً وکذلک ماجوجاً وھذا لوکان الاسمان عربیان لکان ھذا اشتقاقھما۔ (تاج العروس) — (۵) اہل لغت نے کہا کہ جائز ہے کہ یاجوج بروزن فاعول اسم مبالغہ ہو (جسکے معنے آگ سے زیادہ کام لینے والا ہیں) اور ماجوج بروزن فاعول اسم مبالغہ ہو (جس کے معنے سمندر کی موجوں سے بذریعہ جہازرانی کے زیادہ کام لینے والا ہیں) جبکہ یہ دونو اسم عربی زبان کے ہوں نہ کہ عجمی زبان کے۔

(۶) ویاجوج وماجوج مشتق من اجیج شبھوا بالنار المضطربة والمیاہ المتموجة لکثرۃ اضطرابھم۔ (مفردات راغب) — (۶) یاجوج وماجوج اجیج سے مشتق ہیں۔ بھڑکنے والی آگ اور موجیں مارنے والے پانیوں سے ان کو بوجہ ان کی کثرتِ سفر و حرکت کے تشبیہہ دی گئی ہے۔

ان حوالہ جات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یاجوج وماجوج وہ قومیں ہیں جو آگ سے بکثرت کام لیکر ریلیں، دخانی جہاز، ہوائی جہاز، طرح طرح کے انجن، موٹریں، آلاتِ حرب اور دیگر ضروری اشیاء تیار کرتی ہیں۔ اور موجیں مارنے والے سمندروں میں جن کی موجیں پہاڑ کی طرح بلند ہوتی ہیں پُرخطر جہازرانی کرتی ہیں۔ اور وہ اہلِ امریکہ اور یورپ کی قومیں ہی ہو سکتی ہیں۔ اور یہی زمانہ ہے جس میں وہ تمام قسم کی قیود سے آزاد ہو گئی ہیں اور بسبب کثرتِ زر و مال و سامانِ حرب کے اس قدر مستحکم ہو گئی ہیں کہ دنیا کی کوئی اور قوم ان کا لگا نہیں کھا سکتی۔ بلکہ سب دیگر اقوام ان کی دستنگر اور محتاج ہیں۔

وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝

تباہ شدہ قومیں اُس وقت دُنیا میں اپنا دوبارہ روپ دکھائیں گی جبکہ یاجوج وماجوج اوجِ ترقی پر ہوں گے۔ اور ہر فن میں جو دنیوی بلندی اور رفعت کا موجب ہوسکتا ہے کمال پیدا کریں گے اور پس ماندہ اور کمزور قوموں سے اپنے کمال اور ہُنر کی قیمت وصول کرکے مالا مال ہوجائینگے۔ ہر بلندی سے ہر معمولی بلندی مراد لینا بے معنی ہے بلکہ ہر بلندی سے وہ خاص بلندی مراد ہے جو اپنی شان میں نرالی اور اُس پر پہنچ کر نیچے اُترنے والوں کو ممتاز کرتی ہو اور اُن کے علاوہ دیگر اشخاص وہاں تک پہنچنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں۔ ہر بلندی سے اُن کے دَوڑنے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ہوائی جہازوں اور طیاروں کے ذریعہ سے آسمان کی بلندیوں پر پہنچ کر چھتریاں تان کر بڑی تیزی سے نیچے اُتریں گے۔

دُنیا میں سب سے بڑی اونچی چوٹی کوہ ہمالیہ کی ماؤنٹ ایورسٹ تھی اس پر بھی انگریزوں کی مہم ۲۹/۵/۵۳ کو پہنچ گئی۔ آسٹریا کی مہم نانگا پربت کی ۲۶۶۶۰ فٹ کی بلندی پر ۴/۷/۵۳ کو پہنچ گئی۔

اور بھی دُنیا کی کئی بلند چوٹیوں پر پہنچنے کی یہ لوگ انتھک کوشش کر رہے ہیں۔ بلکہ چاند پر پہنچنے کے سامان مہیا کر رہے ہیں۔

ہلاک شدہ بستیوں کے واقعی طور پر دوبارہ زندہ ہوجانے کے معنے لینا منطوقِ قرآن کے خلاف ہے۔

(۱) ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ۔ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (۲۳/۱۵)

(۱) اس کے بعد تم مرجاؤ گے۔ اور مرنے کے بعد پھر بروز قیامت اٹھائے جاؤ گے۔

(۲) فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی (۳۹/۴۳)

(۲) جن رُوحوں کو خدا موت کے وقت قبض کرتا ہے اُن کو روکے رکھتا ہے اور دوبارہ دُنیا میں نہیں بھیجتا۔ اور جن رُوحوں کو نیند کے وقت قبض کرتا ہے اُن کو ایک مقررہ میعاد کیلئے چھوڑ دیتا ہے۔

اسلئے مجازی معنے ہی لینے پڑیں گے۔ یعنی ہلاک شدہ بستیوں کے باشندوں جیسے لوگ اُس وقت نمودار ہوجائیں گے جبکہ یاجوج وماجوج اوجِ ترقی پر ہوں گے۔ اسلئے ضروری تھا کہ نبیوں کا نمائندہ بھی ایسے وقت میں خدا کی قدیم سُنّت کے مطابق ظاہر ہوتا۔ سو وہ ظاہر ہوگیا اور وہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی ہیں جنہوں نے مرضِ طاعون کی اشاعت کی خبر قبل از وقت بذریعہ اشتہار مورخہ ۶؍ فروری سنہ ۱۸۹۸ء کو دی اور لوگوں کو تائب ہونے کی تلقین کی۔ کانگڑہ کے زلزلہ کی خبر سنہ ۱۹۰۴ء میں شائع کی۔ شمالی ہندوستان کے زلزلے کی پیشگوئی جو ۴؍ اپریل سنہ ۱۹۰۵ء کو آیا فروری سنہ ۱۹۰۵ء میں کی۔ ۱۴؍ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء کو پانچ تباہی خیز زلزلوں کی پیشگوئی کی۔ اپنے اشتہار مورخہ ۲۱؍ اپریل سنہ ۱۹۰۵ء میں زلزلہ اور سیلاب کی خبر ان اشعار میں دی ؎

سونے والو جلد جاگو یہ نہ وقتِ خواب ہے
جو خبر دی وحیٔ حق نے اُس سے دل بیتاب ہے
زلزلہ سے دیکھتا ہوں میں زمیں زیر و زبر
وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے
ہے سرِ راہ پر کھڑا نیکوں کے وہ مولا کریم
نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے
کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اِس سیل سے
حیلے سب جاتے رہے اک حضرتِ تواب ہے

یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ اس زمانہ میں وہ سب عذاب آئے جو انبیاء کی منکر قوموں کی تباہی کا موجب ہوئے تھے۔ خدا کی سُنت یہی ہے کہ وہ عذاب نازل نہیں کرتا جب تک اپنے کسی فرستادہ کو بھیجکر بدکرداروں کو بدیوں سے باز آنے کی تنبیہہ نہیں کر لیتا۔

(۱) وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ (۲۶ / ۲۰۹-۲۱۰)

(۱) کوئی ایسی بستی نہیں جس کو ہم نے ہلاک کیا ہو اور اس کے پاس نصیحت کے لئے ڈرانے والے (رسول) نہ آئے ہوں۔ کیونکہ ہم ظالم نہیں ہیں۔

(۲) وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (۱۷ / ۱۶)

(۲) اور ہم دُنیا میں عذاب نازل نہیں کیا کرتے جب تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں۔

(۳) وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا اِنَّ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (۱۷ / ۸)

(۳) ہم روزِ قیامت سے پہلے ہر بستی کو یا تو ہلاک کریں گے یا سخت عذاب میں گرفتار کریں گے۔ یہ بات ہماری کتاب میں لکھی جاچکی ہے۔

خدا کے فرستادہ کی جو دینِ اسلام کی تائید کے لئے آیا اور جس نے اپنا یہ کھلا الہام شائع کیا کہ والخیر کُلّه فی القرآن (ہر قسم کی بھلائی قرآن میں موجود ہے) اور جس نے صاف اعلان کیا۔

ہست قرآں آفتابِ علم دیں
تا برندت از گماں سُوئے یقیں
ہست قرآں از خدا حبل المتیں
تا کشندت سُوئے ربّ العالمیں
ہست فرقاں روزِ روشن از خدا
تا دہندت روشنئ دیدھا

(براہین احمدیہ)

رہبرِ ما سیدِ ما مصطفےٰ است
آنکہ نہ دیدست نظیرش سروش
آنکہ خدا مثلِ رخش نافرید
آنکہ رہش مخزنِ ہر عقل و ہوش

(اشتہار ۷ ؍ مارچ ۱۸۹۴ء)

اس کی سب سے زیادہ مسلمانوں نے مخالفت کرکے اپنی ناشکری کا ثبوت دیا۔ جبکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ اسلام کا جری پہلوان تمام مذاہب کے پیرؤں کے مقابلہ پر جو اپنے علم و دانش سے اسلام کو کچل کر رکھ دینا چاہتے تھے بنیانٌ مرصوص کی طرح عمر بھر کھڑا رہا اور اُن کو دندان شکن جواب دیتا رہا اور قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو روزِ روشن کی طرح ثابت کرتا رہا۔ اور اِس امر کو مخالف اور موافق سب تسلیم کرتے ہیں ✦

عذاب آنے کا سبب!

کیوں غضب بھڑکا خدا کا مجھ سے پُوچھو غافلو!
ہو گئے ہیں اس کا موجب میرے جھٹلانے کے دن
غیر کیا جانے کہ غیرت اسکی کیا دکھلائے گی
خود بتائے گا انہیں وہ یار بتلانے کے دن

(حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

قرآن مجید کے رُو سے قومی ترقی کے گُر!

(جناب سید محمود احمد صاحب ناصر فاضل پسر حضرت سید میر محمد اسحاق صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ)

مضمون کے لئے آپ کا اصرار آمیز خط ملا۔ میں آجکل ایک امتحان کی تیاری میں مصروف ہوں اور زکام کی تکلیف سے بیمار ہوں اسلئے آپ کے تجویز کردہ عنوان پر مفصل مضمون لکھنے کے بجائے مجمل طور پر اصولی اشارات تحریر کر رہا ہوں مفصل پھر کبھی موقع ملنے پر لکھوں گا۔ انشاء اللہ

۱۔ قومی ترقی کے لئے تنظیم اور اتحاد و اتفاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور کوئی قوم اسی وقت ترقی کر سکتی ہے جب اس کے افراد وحدت اور تعاون بلکہ باہمی اخوت و شفقت اور محبت کے رابطہ میں منسلک ہوں۔ چنانچہ قرآن شریف کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ اس کی تشریح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ایک بدن کے اعضاء کے طور پر قرار دیا ہے اور فرمایا ہے لا یؤمن احدکم حتّٰی یحبّ لاخیہ ما یحبّ لنفسہ۔

۲۔ امام کی مکمل اطاعت کے بغیر قوم کا بام عروج تک پہنچنا ناممکن ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کانّ رأسہ زبیبۃ۔ (بخاری)

۳۔ امام کے ارشادات کی پوری اطاعت کے ساتھ ساتھ قومی ترقی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر قومی مسائل میں دلچسپی لے اور اس کا دماغ ان مسائل کا حل تلاش کرے، قومی سرگرمیوں سے اسے گہرا لگاؤ ہو اور وہ اپنی ذات پر بھی اسکی ذمہ داری محسوس کرے اس کے لئے قرآن شریف نے یہ ارشاد فرمایا ہے وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا کہ صحابہؓ سے اجتماعی طور پر مشورہ لینے کے علاوہ گھروں میں آنے جانیوالی خواتین سے بھی مشورہ فرمالیا کرتے تھے۔

۴۔ کسی انتہائی مقصد اور نصب العین کا وجود قومی ترقی میں اسراع کا موجب ہوتا ہے قوم کے سامنے کوئی آخری منزل ہونا چاہیئے جس کو حاصل کرنے کیلئے وہ پوری سرگرمی سے جدّ و جہد کرے۔ قرآن شریف نے مسلمانوں کیلئے دو مقصد پیش کئے ہیں۔ ایک قوم کی اجتماعی سرگرمیوں سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا قوم کے افراد کی ذاتی جدّ و جہد ہے۔ اجتماعی مقصد یہ ہے کہ اسلام کی پاک تعلیم دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلائی جائے اور انفرادی مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان اگلے جہان میں خدا تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو۔ ان دونو مقاصد کے گرد قرآن شریف اور احادیث کی ساری تعلیم گھومتی ہے۔

۵۔ کسی قوم میں تعظیم و تکریم کا معیار اسکے افراد کی عملی جدّ و جہد پر بہت گہرا اثر ڈالتا ہے جس سوسائٹی میں جو چیز بھی عزت کا باعث سمجھی جائے گی وہی افراد کی جدّ و جہد کا مقصود بنے گی۔ قرآن شریف پر عمل کرنے والی قوم کے لئے ضروری ہے کہ اس میں

برد و چلائی جائے کہ معزز وہی ہے جو نیک ہے۔ دولت اور عمدہ لباس مفید چیزیں تو ہیں مگر معیارِ عزت نہیں۔ معیارِ عزت اچھے اخلاق اور ایمان ہے۔ ذات پات اور خاندان کی بڑائی کو کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ قرآن شریف کا ارشاد ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ یارسول اللہ من اکرم الناس؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ اتقاھم۔

۶۔ اِس سلسلہ میں یہ امر بھی ضروری ہے کہ قوم کی کلیدی آسامیوں پر افراد کی تقرری ذاتی و خاندانی اور دوسرے مفاد سے بالا ہو کر محض نیکی اور مصلحت کی بناء پر ہو۔ قومی ارتقاء میں اس امر کو اہم مقام حاصل ہے۔ قرآن شریف کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امراء کی تقرری کے بارے میں اسکا خاص خیال رکھتے تھے کہ نیک، سمجھدار اور مناسب لوگوں کو عہدے دیئے جائیں۔ ایک امارت کی تقرری کی درخواست کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔
انا واللہ لا نولی ھذا العمل احداً سالہ او احداً حرص علیہ۔

۷۔ قومی ارتقاء میں امام کی شخصیت کو جو مقام حاصل ہے اس کے پیش نظر ضروری ہے کہ قوم کو امام کے ساتھ اطاعت ہی نہیں بلکہ ادب کا تعلق ہو۔ لیڈر اسی صورت میں کامیابی اور سہولت کے ساتھ قوم کو ترقی کی منازل کی طرف لیجا سکتا ہے جب قوم میں اس کا ادب و احترام پایا جاتا ہو۔ قرآن شریف کا ارشاد ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف شرف کبیرنا فلیس منا۔

۸۔ ظاہر ہے کہ قربانی کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ جس طرح بھٹی جلانے والا بے دریغ سوکھے پتے بھٹی میں جھونکتا چلا جاتا ہے اسی طرح قوم کے جوانوں کو قربانی کی بھٹی میں بے دریغ جھونکنے سے ہی قوم بامِ ارتقاء تک پہنچ سکتی ہے۔ مگر جس قوم میں یتیموں، بیواؤں اور بے کسوں کی عمدہ خبر گیری اور پرورش کا انتظام ہوگا اس قوم کے افراد نڈر ہو کر قربانی دے سکیں گے کیونکہ انہیں اپنے پسماندگان کے متعلق ایک اطمینان ہوگا۔ پس قومی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ یتامیٰ و بیوگان کی اعلیٰ درجہ کی پرورش کا انتظام کیا جائے۔ اور اس امر پر قرآن شریف میں بار بار زبردست اصرار کیا گیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو نہایت زور دار الفاظ میں اس اہم امر کی طرف توجہ دلانے کے علاوہ خود اپنا نہایت شاندار عملی نمونہ ہمارے لئے قائم فرمایا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

قرآن مجید کے مفسرین اور اُن کے مختصر حالات

(از جناب مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب پروفیسر جامعۃ المبشرین ربوہ)

قرآن مجید ایک ایسے ضابطۂ حیات پر مشتمل ہے، جس میں شریعت، اخلاق اور تمدن کے قوانین کو مکمل طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اب کسی اور ضابطۂ حیات کی ضرورت نہیں۔ دُنیا بدل جائے لیکن قرآن مجید کے اصول ہر زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ وہ ایک ایسا پاک درخت ہے جو ہر زمانے کی ضرورت اور حالات کے مطابق پھل دیتا چلا جائے گا۔ بظاہر اس کے الفاظ مختصر ہیں لیکن ان الفاظ میں مطالب کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس کا اسلوبِ بیان اس قسم کا ہے جیسے کوزہ میں دریا بند کر دیا جائے۔

چونکہ قرآن مجید کے الفاظ اپنے اندر وسیع مطالب رکھتے ہیں اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ اس کے مضامین اور حقائق سے پردہ اُٹھایا جائے اور ان بیش قیمت ہیروں، موتیوں اور جواہرات سے لوگوں کو مالا مال کیا جائے جو اس کے خزانوں میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں جوش پیدا کیا کہ وہ اس کلام پاک کی تفسیر بیان کریں۔ سو ہر زمانے میں کثرت سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جنہوں نے قرآن مجید کی تشریح کرنے کی سعادت حاصل کی۔ تیرھویں صدی کے وسط تک جس قدر تفاسیر کا علم شائقین کو ہو سکا ان کی تعداد ۱۶۱[۱] بیان کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کے متعلقہ علوم پر جو سینکڑوں کی تعداد میں کتب تحریر کی گئیں اور وہ کتب تفسیر جو قلمی تھیں اور شائع نہ ہو سکیں یا ضائع ہو گئیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ پھر ان تفاسیر میں سے بعض کئی کئی جلدوں میں لکھی گئی ہیں مثلاً تفسیر "ذات بهجة" پانچ سو جلدوں میں اور تفسیر القزوینی تین سو جلدوں میں اور کتاب الاستغناء ایک ہزار جلدوں میں اور تفسیر انوار الفجر اسّی جلدوں میں لکھی گئی۔

پھر چونکہ اس کامل کتاب میں تاقیامت دُنیا کے لئے ہادی بننا تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمادیا کہ ایسے لوگ دُنیا میں وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہیں جن کا اس ذاتِ باری سے تعلق ہو جس نے اس پاک کتاب کو نازل کیا ہے اور جو اس کے صحیح مفہوم کو جانتا ہے۔ تا یہ آسمانی لوگ چشمۂ صافی سے پانی حاصل کر کے دنیا کو سیراب کریں۔ اور جو غلطیاں کتاب پاک کی تشریح میں واقع ہوئی ہوں ان کو واضح کر دیں چنانچہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود اور مہدی معہود بنا کر بھیجا۔ اور آپ کے ذریعہ قرآن مجید کی ہادیانہ شان اور اس کے اعجاز کو ظاہر کیا اور پھر آپ کی نسل سے حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو روح القدس سے کھڑا کیا اور ان کے ذریعہ سے قرآن مجید کے صحیح مطالب سے دُنیا کو آگاہ کیا۔

[۱] تاریخ القرآن مصنفہ قاضی عبدالصمد صاحب صـ ۱۱۸

بس ہر زمانے میں اس کتاب کی شان ظاہر ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی آشکارا ہوتی رہے گی۔ ذیل میں ہم ان لوگوں کا اختصاراً ذکر کریں گے جنہوں نے اس باغ کے پھلوں اور پھولوں کو چن کر دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور ہم اللہ تعالےٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ان تمام لوگوں پر رحمت نازل کرے جنہوں نے نیک نیتی سے اپنی عمروں کو کلام پاک کی خدمت میں صرف کر دیا۔ اور ہم یہ بھی التجا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر بھی رحم فرمائے اور اپنے پاک کلام کے خادموں میں سے بنائے۔ وباللہ التوفیق۔

مفسرِ اوّل

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی پر جوں جوں قرآن مجید نازل ہوتا حضورؐ نہ صرف یہ کہ اس کے الفاظ کو لوگوں تک پہنچاتے اسے لکھواتے اور یاد کرواتے بلکہ حکم وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۝ (نحل آیت ۴۴) کے مطابق اسے مناسب تشریح اور تفصیل کے ساتھ سمجھاتے۔ اسلئے قرآن مجید کے سب سے پہلے مفسر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اور قرآن کریم کی سب سے پہلی تفسیر احادیث رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ احادیث کا تعلق آیاتِ قرآنی سے ہی ہے اسلئے احادیث کا ہر مجموعہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو ترتیب دیتے وقت یہی طریق اختیار کیا ہے کہ احادیث کے بیان کرنے سے پہلے وہ آیت لکھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی روایت کردہ احادیث آیت بیان کردہ کی تشریح ہیں۔

صحابہ کرامؓ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُس سورج سے روشنی حاصل کی جس نے ساری دُنیا کو منور کر دیا اور پھر خود اس قابل ہوئے کہ دُنیا کو منور کریں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے صحابہؓ کی شان میں فرمایا ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ چنانچہ ان ستاروں نے کتاب پاک کے نور کو خاص طور پر پھیلانے کی پُوری کوشش کی اور جو صحابہؓ اس بات میں پیش پیش تھے اُن کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

خلفاء اربعہ۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ پہلے تین خلفاء سے بہت کم روایات مروی ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تفسیر میں بہت کچھ روایات ہیں۔ آپؓ خود بھی اپنے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ سلونی عن کتاب اللہ فواللہ ما من اٰیۃٍ الا و انا اعلم أ بلیلٍ نزلت ام بنہارٍ ام فی سہلٍ ام فی جبلٍ۔ کہ اے لوگو! مجھ سے قرآن مجید کی آیات کے متعلق دریافت کرو تو میں تمہیں بتاؤں گا۔ مجھے ہر ایک آیت کے متعلق علم ہے کہ وہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو اور کہاں نازل ہوئی۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود جو خود بھی عالم قرآن تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ انّ القرآن انزل علی سبعۃ احرف ما منہا الا ولہٗ ظہر وبطن و ان علی ابن طالب عندہٗ منہ الظاہر والباطن۔ کہ قرآن مجید کی ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور حضرت علیؓ وہ شخص ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہر دو علم عطا کئے ہیں۔

خلفاء اربعہ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام میں عبداللہ بن مسعودؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ ابوموسیٰ اشعریؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ مشہور ہیں۔ اور ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمیٰؓ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود چھٹے مسلمان تھے۔ گویا

آپؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے لیکر آخری وقت تک آنحضرتؐ سے فیض حاصل کیا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! چار آدمیوں سے قرآن مجید کا علم سیکھو۔ اور ان میں عبداللہ بن مسعودؓ کا نام بھی لیا۔

حضرت عمرؓ ان کو خزینۃ العلم کہا کرتے تھے چنانچہ آپؓ نے ان کو کوفہ میں معلم اور قاضی بھی مقرر کیا تھا۔ آپؓ کے متعلق روایت آتی ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ والذی لا الٰہ غیرہ ما نزلت من اٰیۃٍ من کتاب اللہ تعالیٰ الا و انا اعلم فیمن نزلت واین نزلت ولو اعلم مکان احدٍ بکتاب اللہ منی تنالہ المطایا لاتیتہ۔ خدا کی قسم قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں اُتری مگر مجھے خوب علم ہے کہ کہاں اُتری اور کس کے بارے میں اُتری۔ اور اگر مجھ سے بڑھ کر کوئی اور کسی جگہ اس بات کو جاننے والا ہوتا تو میں اس کے پاس پہنچتا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی قرآن مجید کی تفسیر میں کثرت سے روایات ہیں۔ آپؓ ہجرت سے دو سال قبل پیدا ہوئے۔ اور گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کم سن تھے لیکن انہوں نے باوجود کم سنی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق دُعا فرمائی کہ اللّٰھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔ اللّٰھم آتہ الحکمۃ۔ اے اللہ! ان کو دین کی سمجھ عطا فرما کہ وہ اس کو صحیح طور پر سمجھیں اور صحیح طور پر بیان کریں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آپؓ کو دین کا علم بھی دیا اور آپؓ نے اسکو خوب اچھی طرح پھیلایا۔ آپؓ کو سلطان المفسرین، ترجمان القرآن اور حبر الاُمت کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپؓ کو صحابہ کرامؓ میں سے سب سے بڑے مفسر کہا جاتا ہے۔

آپؓ کے متعلق تفسیر فتح البیان میں ایک روایت آتی ہے۔ قال الاعمش عن ابی وائل استخلف علیؓ عبداللہ بن عباسٍ علی الموسم فخطب الناس فقرأ فی خطبتہٖ سورۃ البقرۃ وفی روایۃٍ سورۃ النور ففسرھا تفسیراً لو سمعتہ الروم والترک والدیلم لاسلموا۔ کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ان کو امیر حج مقرر فرمایا۔ آپؓ نے وہاں سورۃ بقرہ یا سورۃ نور کی آیات پڑھ کر ایسی تفسیر کی جو غیر مسلم اگر سُن پاتے تو ان کو قرآن مجید کی حقانیت کے اعتراف کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

تابعین

تابعین میں سے مشہور مفسرین علقمہ۔ اسود۔ مسروق۔ قیس بن ابی حازم۔ مجاہد۔ سعید بن جبیر۔ عکرمہ۔ طاؤس بن کیسان۔ عطاء بن ابی رباح ہیں۔ پہلے چار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد ہیں اور علماء کوفہ کے نام سے مشہور ہیں اور باقی پانچ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں اور علماء مکہ کے نام سے مشہور ہیں۔

عہد خلافتِ راشدہ میں حسب ذیل تفاسیر لکھی گئیں۔ تفسیر ابی۔ تفسیر عباس (ابن عباسؓ) تفسیر سعید بن جبیر۔ آخری تفسیر حسب فرمائش خلیفہ عبدالملک بن مروان لکھی گئی جو شاہی خزانہ میں رہی اور آخر عطا ابن دینار کے ہاتھ آگئی اور ان کے نام پر مشہور ہوئی۔

تفسیر ابن جریر

تابعین کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے ایسی کتب لکھیں جن میں اقوال صحابہ اور تابعین جمع کئے۔ حتیٰ کہ چوتھی صدی ہجری میں عظیم الشان تفسیر "ابن جریر" لکھی گئی جس کی گیارہ جلدیں اور تیس حصے ہیں۔ تفسیر ابن جریر کے لکھنے والے

محمدؐ بن جریر بن یزید الامام ابو جعفر الطبری بغدادی ہیں۔ ان کی پیدائش ۲۲۴ھ ہجری میں اور وفات ۳۱۰ھ ہجری میں ہوئی۔ ابن جریر نے تفسیر کے علاوہ تاریخ کی مشہور کتاب بھی تصنیف کی جس کو آجتک شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ اگر ان کی تصانیف کو دیکھا جائے تو ان کی عمر کے لحاظ سے ان کے روزانہ چودہ صفحات لکھے ہوئے بنتے ہیں۔

ابن جریر کی تفسیر میں روایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور تابعین کی آگئی ہیں۔ اسی طرح ایک حد تک لغت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ بہرحال جامع اور نہایت عمدہ تفسیر ہے۔

تفسیر کشاف

ابن جریر کے بعد جو تفاسیر لکھی گئیں ان میں سے ایک مشہور اور مستند تفسیر کشاف ہے۔ کشاف کے مصنف علامہ ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری ہیں۔ آپ ۴۶۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۵۲۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہے اور وہاں رہنے کی وجہ سے "جار اللہ" کا لقب پایا۔ نہایت معتبر عالم اور لغت عربی کے ماہر تھے۔ آپ نے کثرت سے تصانیف کی ہیں۔ جن میں سے زیادہ مشہور ادب عربی کی ہیں۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ معتزلی تھے لیکن پھر بھی ان کی کتاب نے مقبولیت عام حاصل کی۔ چنانچہ کئی مصنفین نے اس کے متعلق کتب لکھی ہیں۔ بعض نے اس کی شرح کی ہے۔ بعض نے اس پر حواشی لکھے ہیں اور بعض نے اس کا خلاصہ نکال کر پیش کیا ہے۔

تفسیر رازی

ساتویں صدی میں جو تفاسیر لکھی گئیں۔ ان میں سے مشہور حسب ذیل ہیں:۔

تفسیر رازی۔ تفسیر ابن العربی۔ تفسیر قرطبی۔ انوار التنزیل المعروف بہ تفسیر بیضاوی۔

تفسیر رازی (جس کا نام مفاتیح الغیب ہے) کے مصنف امام فخر الدین محمدؐ بن عمر الرازی ہیں۔ آپ کی وفات ۶۰۶ھ ہجری میں ہوئی۔ آپ نے سورۃ انبیاء تک تفسیر لکھی لیکن پھر وفات کا وقت آگیا۔ بعد از اں شیخ نجم الدین احمدؐ بن محمدؐ متوفی ۷۷۷ھ نے اس کو مکمل کیا۔ امام رازیؒ نے جس زمانہ میں تفسیر لکھی اس وقت اسلام پر علومِ عقلیہ کی رو سے اعتراض ہو رہے تھے۔ چونکہ آپ کو خدا نے ذہن رسا دیا تھا اور آپ بڑے بھاری مناظر تھے اسلئے آپ نے مروّجہ علوم کو مدّ نظر رکھ کر تفسیر لکھی اور اسلام پر جو اعتراض کئے جاتے تھے ان کا رد کیا۔ جس زمانہ میں یہ تفسیر تصنیف ہوئی اگر اُس زمانہ میں ایسی تفسیر نہ لکھی جاتی تو ہزاروں مسلمان اسلام کو خیرباد کہہ دیتے۔ امام رازیؒ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ آپ نے بر وقت بند باندھ دیا۔ امام صاحب بہت بڑے عالم تھے خوارزم میں معتزلہ کے ساتھ مناظرات کیا کرتے تھے۔ عربی اور فارسی زبان میں وعظ و نصیحت کرنے میں یدطولیٰ رکھتے تھے اسی وجہ سے ان کو امام المتکلمین کہا جاتا ہے۔ اس تفسیر کے علاوہ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

تفسیر ابن العربی

محی الدین محمدؐ بن علی بن احمدؐ المعروف بہ شیخ اکبر کی تصنیف ہے۔ آپ کی پیدائش ۵۶۱ھ ہجری میں ہوئی اور وفات ۶۳۸ھ ہجری میں۔ آپ کی تفسیر اپنے اندر بہت سے عجائبات رکھتی ہے اور آپ نے متعدد آیات کی تفسیر میں "مسیح موعود" کی آمد کا ذکر کیا ہے۔ تفسیر کے علاوہ ان کی تصانیف میں سے فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم مشہور ہیں۔

تفسیر القرطبی

تفسیر قرطبی امام ابوعبداللہ محمد بن عمر بن یوسف القرطبی کی تصنیف ہے۔ آپ ۵۱۰ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے۔ بہت بڑے مفسر تھے۔ آپ کی کتاب پندرہ جلدوں میں ہے۔ آپ نے اس میں فقہی امور کو بیان کرنے میں زیادہ توجہ کی ہے۔ متعدد تفاسیر میں اس کتاب کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

تفسیر بیضاوی

تفسیر بیضاوی امام ناصر الدین ابوالخیر عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی الشیرازی البیضاوی کی تصنیف ہے۔ آپ شیراز کے قاضی تھے۔ آخر میں ترک منصب کر کے شیخ محمد بن تختان کی خدمت میں رہے اور انہی کے ایماء سے تفسیر لکھی۔ امام بیضاوی نے اپنی تفسیر کے لئے تفسیر کشاف کو بطور بنیاد کے استعمال کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی کتاب کو بہت قبولیت عطا کی اور یہ کتاب دنیا میں کثرت سے پڑھی جاتی ہے۔ اس کتاب پر اکتیس ۳۱ تعلیقات اور بائیس حواشی لکھے گئے ہیں۔ بعض علماء نے ان کی تفسیر کی تلخیص بھی کی ہے۔

تفسیر بحر محیط

یہ تفسیر شیخ اثیر الدین ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی کی تصنیف ہے جو ۷۴۵ سنہ ہجری میں فوت ہوئے۔ یہ تفسیر دس ۱۰ جلدوں میں ہے۔ انہوں نے اپنی اس تفسیر کو دو جلدوں میں مختصر کر کے بھی لکھا ہے اور اس کا نام النہر الماد من البحر رکھا۔

ان کی تفسیر نہایت عمدہ ہے۔ پہلے لغت کی تشریح کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد آیت کی تشریح کرتے ہیں۔ یہ غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے سُوَر کی ترتیب کو بیان کیا ہے۔

ابن کثیر

یہ کتاب امام ابوالفداء عماد الدین اسمٰعیل بن عمر بن کثیر القرشی کی تصنیف ہے۔ آپ شافعی المذہب تھے اور آپ نے دمشق میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں سے مشہور ابن عساکر اور حافظ ابن تیمیہ ہیں۔ ۷۰۰ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۷۷۴ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی کتاب دس جلدوں میں ہے اور ابن جریر کے بعد یہ دوسری ایسی کتاب ہے جس میں آیات قرآنیہ کی تشریح میں احادیث اور آثار کو بالالتزام بیان کیا گیا ہے اور ان پر حسب ضرورت جرح بھی کی گئی ہے۔

تفسیر جلالین

یہ کتاب شیخ جلال الدین محمد ابن احمد محلّی متوفی ۸۶۴ سنہ ہجری کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب ابھی سورۃ الاسراء تک لکھی گئی تھی کہ مصنف کا انتقال ہو گیا۔ بعد ازاں اس کی تکمیل امام جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ سنہ ہجری کرنے کی۔ یہ تفسیر مختصر ہے۔ چنانچہ اس کے حروف سورہ مزمل تک قرآن مجید کے حروف کے برابر ہیں۔ بوجہ مختصر اور علمی ہونے کے یہ تفسیر بہت مقبول ہوئی ہے اور درس میں پڑھائی جاتی ہے۔ بغیر دماغ کو تشویش میں ڈالے آسان طرز سے آیت کا مفہوم بیان کر دیتے ہیں۔ اس کتاب کے بہت سے حواشی اور شروح لکھی گئی ہیں اور اس کا نام جلالین اسلئے رکھا گیا کہ دو ایسے شخصوں نے اس کو لکھا جن کے نام میں لفظ جلال آتا ہے۔

الدر المنثور

در منثور امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ سنہ ہجری کی تصنیف ہے۔ سیوط علاقہ مصر میں ایک جگہ ہے اور اس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے سیوطی کہلاتے ہیں۔ علامہ سیوطی بہت بڑے عالم اور کثیر تصانیف کے مصنف تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی پانچسو تصانیف ہیں۔ جن میں سے ۸۹ کتب صرف فن حدیث پر ہیں۔ ان کی کتابوں میں سے اتقان فی علوم القرآن نہایت ہی مشہور کتاب ہے۔ جس میں

اسی علوم القرآن پر بحث کی گئی ہے۔ درمنثور میں بھی ابن جریر اور ابن کثیر کی طرح احادیث اور روایات کو زیادہ مدنظر رکھا گیا ہے۔

فتح القدیر یہ کتاب امام محمد بن علی بن محمد شوکانی یمنی کی تصنیف ہے جو ۱۱۷۲ سنہ ہجری میں شوکان میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ آپ نے تفسیر قرطبی، بیضاوی اور کشاف کو ملحوظ رکھا ہے۔ قرطبی کے اکثر حوالجات دیئے جاتے ہیں۔ اسی کتاب کو نواب صدیق حسن خان صاحب آف بھوپال نے ۱۳۰۲ سنہ ہجری میں فتح البیان کے نام سے موسوم کر کے شائع کیا۔

روح المعانی یہ کتاب چودھویں صدی ہجری کی مشہور تصنیف ہے۔ اسکے مصنف علامہ محمود آلوسی بغدادی ہیں جو ۱۳۰۲ سنہ ہجری میں فوت ہوئے۔ یہ کتاب ۹ جلدوں میں اور تیس ۳۰ حصص میں ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں پہلی تفاسیر کو مدنظر رکھا ہے۔ لغت روایات اور مطالب میں سے ہر ایک کو بیان کیا ہے کئی ایک مقامات پر امام رازیؒ پر جرح کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب ایک خواب کی بناء پر لکھی جس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب کے شروع میں کیا ہے۔ چونکہ یہ تفسیر آخر میں لکھی گئی ہے اسلئے نہایت عمدہ معلومات پر مشتمل ہے۔

تفسیر المنار یہ کتاب الشیخ محمد رشید رضا المصری کی تالیف ہے جس میں آپ نے اپنے استاد الشیخ مفتی محمد عبدہ کے دروس کو مدنظر رکھا ہے۔ مفتی محمد عبدہ السید جمال الدین افغانی کو بھی ملے ہیں جو حنفی مدرسہ خیال سے تعلق رکھتے تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ تفسیر المنار مکمل نہیں بلکہ سورہ یوسف کی آیت توفنی مسلما تک ہے۔

تفسیر الجواہر مصنفہ علامہ طنطاوی مصری۔ یہ تفسیر بیس ۲۰ جلدوں میں ہے۔ نہایت بسیط ہے اور انہوں نے کوشش کی ہے کہ ہر مضمون کو کھول کر بیان کریں۔

خزینۃ العرفان جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ تیرھویں صدی کے وسط تک جو تفاسیر لکھی گئیں ان کی تعداد ۱۱۶۱ بتائی جاتی ہے۔ میں نے ان تفاسیر میں سے صرف چودہ کو گنا ہے۔ موجودہ زمانہ کی تفاسیر کے علاوہ جو پہلے زمانہ میں تفاسیر لکھی گئیں وہ سب ایسے وقت میں لکھی گئیں جبکہ ابھی علم جغرافیہ اور سائنس نے ترقی نہ کی تھی۔ اسی طرح سے بائیبل اور انجیل کے نسخے اتنی کثرت سے نہ ملتے تھے جتنے کہ اب۔ اسی طرح سے اقوام کے متعلق انکشافات نہ ہوئے تھے۔ اسلئے گو مفسرین نے احتیاط کی لیکن بہت کچھ امور ایسے لکھے گئے جو اس زمانہ میں قابل قبول نہیں ہو سکتے بلکہ قابل اعتراض ہیں۔ سو اس زمانہ میں اس بات کی ضرورت تھی کہ تفسیر موجودہ زمانے کے حالات اور علوم کو مدنظر رکھ کر لکھی جائے اور پرانے مفسرین نے جہاں جہاں غلطیاں کی ہیں ان کی اصلاح کی جائے نیز اب یورپ کی طرف سے قرآن مجید پر جو اعتراضات ہوئے ہیں ان کا جواب دیا جائے اور بتایا جائے کہ قرآن مجید ہی کامل کتاب ہے اور اسی کے بتائے ہوئے اصولوں کو مان کر دنیا میں جنت اور آخرت میں نجات مل سکتی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسیح موعود بنا کر بھیجا تا اسلام کی فوقیت کو ثابت کیا جائے اور اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کی تردید ہو۔ اور مسلمانوں میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کی اصلاح ہو۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں یہ سب کام ہوئے اور گو آپ نے کوئی مستقل تفسیر نہیں لکھی لیکن آپ نے اپنی

کتب میں تفسیر کے اصول بیان فرمائے اور جو اعتراضات قرآن مجید پر غیر ادیان کی طرف سے کئے جاتے تھے اُنکے جواب دیئے۔ اور قرآن مجید کی حقانیت کو ثابت کیا۔ اور مفسرین نے جو غلطیاں تفسیر میں کھائی تھیں اُن میں سے اکثر کو واضح کیا۔

آپ کی کتب میں بیان فرمودہ تفسیر کو بعد میں جمع کیا گیا ہے جو خزینۃ العرفان کے نام سے مشہور ہے۔

نوٹ درس القرآن

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسے دست و بازو عطا فرمائے جو قرآن مجید کے عاشق تھے اور قرآن مجید کو سمجھنے والے تھے۔ چنانچہ ان بازوؤں میں سے حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جو بعد میں جماعت احمدیہ کے پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ حضرت خلیفہ اول رضؓ نے ساری عمر قرآن مجید کی خدمت میں لگا دی اور قرآن پاک کے صحیح مطالب بیان فرماتے رہے۔ گو آپؓ نے کوئی تفسیر مستقل طور پر نہیں لکھی لیکن آپؓ کے درسوں کو جمع کیا گیا ہے اور ان نوٹوں سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

تفسیر کبیر

پھر حضرت خلیفہ اول رضؓ کے بعد اللہ تعالیٰ نے روح القدس کی مدد سے حضرت مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو کھڑا کیا۔ اور حسب بشارات آپ کو علم قرآن عطا کیا گیا تا "قرآن مجید کی شان" لوگوں پر ظاہر ہو۔ چنانچہ آپ نے جو تفسیر قرآن مجید کی لکھی اور جس کی پانچ اجزاء شائع ہو چکی ہیں۔ گو ابھی یہ تفسیر مکمل نہیں لیکن شائع شدہ اجزاء اِس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید خود سکھایا ہے اور آپ کو علوم اسلام علوم عربی اور زبان کا فلسفہ ماں کی گود میں دودھ کے ساتھ پلائے گئے ہیں۔

تفسیر کبیر کی خصوصیات

آپ نے جو تفسیر قرآن مجید کی لکھی ہے اس کا نام تفسیر کبیر ہے۔ یہ تفسیر اپنے اندر بہت سی خوبیاں رکھتی ہے جس کی وجہ سے ضروری ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ذیل میں اُن خوبیوں میں سے چند ایک کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ آج سے پہلے اور اب بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی ترتیب نہیں لیکن اس کے خلاف تفسیر کبیر میں ہر آیت کا دوسری آیت سے اور ہر سورۃ کا دوسری سورۃ سے تعلق واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کے متعلق یہ کہنا کہ اس میں ترتیب نہیں صحیح بات نہیں ہے۔

۲۔ قرآن مجید پر مستشرقین یورپ نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ان کے اعتراضات انکی جہالت کی وجہ سے تھے۔

۳۔ قرآن مجید کی موجودہ زمانہ کے متعلق پیشگوئیوں پر سیر کُن بحث کی گئی ہے۔

۴۔ یہ بتایا گیا ہے کہ موجودہ سائنس کی ترقی اور تحقیقات جدیدہ سے قرآن مجید کی کسی آیت پر اعتراض نہیں پڑتا بلکہ یہ سب چیزیں قرآن مجید کی تائید کرتی ہیں۔

۵۔ انبیاء علیہم السلام اور مختلف اقوام کے صحیح حالات اور ان کی طرف غلط طور پر منسوب شدہ امور کی تردید۔

۶۔ قرآن مجید کی تمام مشکل آیات کی ایسی تشریح جن کو عقل قبول کرتی ہے۔

۷۔ مفسرین نے اپنی تفاسیر میں جہاں جہاں ٹھوکریں کھائی ہیں اُن کا بیان اور آیات قرآنی کے صحیح مطلب کا ذکر۔

۸۔ قرآن مجید کی ایسی تفسیر جس سے اس کی حقانیت ثابت

قرآن

جناب عبدالمنان صاحب ناہید از راولپنڈی

سپاہ اور امیرِ سپاہ پر حاکم
گدائے راہ، شہِ کجکلاہ پر حاکم

علاجِ درد و غمِ دو جہاں بیاں تیرے
ہر ایک شاہرہِ زیست پر نشاں تیرے

یہ خشک فلسفہ دانی ہوائے بو لہبی
بجھا سکی نہ چراغِ محمدؐ عربی

نگاہ ہو تو مضامیں ہیں دلنشیں تیرے
جوان و پیر، زن و مرد خوشہ چیں تیرے

ترے علوم کے چشمے اُبل رہے ہیں ابھی
فضاؤں میں ترے نغمے مچل رہے ہیں ابھی

جہاں جہاں دلِ آگاہ کام کیا کرتا ہے
سکوتِ شام و سحر بھی کلام کرتا ہے

تجھے ملے تو بڑھے منزلِ وفا کے لئے
وہ قافلے کہ بھٹکتے رہے خدا کے لئے

عروجِ عاشقِ صادق دکھا دیا تو نے
جب اُسکو مہدیٔ دوراں بنا دیا تو نے

فروغِ جلوہ گہِ شش جہات ہے تجھ سے
مری حیات مری کائنات ہے تجھ سے

قرآن مجید اور علوم جدیدہ

از قلم جناب چوہدری محمد عبداللہ صاحب ڈائریکٹر فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ربوہ

سرچشمۂ علم حقیقی یعنی ذاتِ باری تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے انسان کی روحانی ضروریات کے لئے ہدایت عطا کرنے کا انتظام فرمایا ہے۔ اپنے برگزیدہ بندوں پر وہ اپنا کلام نازل کرتا ہے اور انہیں بنی نوع انسان کی ہدایت و اصلاح پر مامور کرتا ہے۔ یہ ہادیانِ خلائق انسان کو وادی بھٹکاؤ کے فسادات سے نکال کر خالقِ کائنات کے آستانہ پر لے آتے ہیں اور اس طرح دنیا میں فساد کی بجائے امن غلبہ پاتا ہے اور انسان کی پیدائش کے مقصد کے حصول یعنی روحانی ترقی کا سامان پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا سب سے مصفّٰی نمونہ قرآن مجید ہے جسکی ہدایات کا اطلاق اب رہتی دنیا تک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام لازماً ابدی صداقت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو قوّتِ فکر بھی عطا کی ہے اور انسان جب سے معرضِ وجود میں آیا ہے اسے اس ودیعت سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملتا رہا ہے۔ انسان میں کھوج کا مادہ اُسے اسرارِ قدرت کے معلوم کرنے پر آمادہ کرتا رہا ہے۔ چنانچہ ایک طرف انسان نے قدرت کے پیدا کئے ہوئے سامانوں سے اپنی ضروریات کو پورا کرنا شروع اور دوسری طرف ایجادات اور فلسفہ کی بنیاد رکھی۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ توہمات میں گرفتار بھی ہوئے اور "جادو" کا ڈھونگ بھی رچایا تاہم پُرانی انسانی تہذیبوں مثلاً بابل، مصر، ہندوستان، چین اور یونان کی تاریخوں سے ان کی علمی ترقی کے آثار ملتے ہیں اور ان میں سے بعض علوم نے

ازمنۂ وسطیٰ تک یورپ پر گہرا اثر قائم رکھا۔ مسلمانوں نے بھی ان علوم سے استفادہ کیا اور ان کو ترقی دی حتیٰ کہ گذشتہ تین صدیوں کے اندر یورپ میں ایک علمی انقلاب کی بنیاد رکھی گئی اور نہایت سرعت سے وہ علوم معرضِ وجود میں آئے جو آجکل علوم جدیدہ کہلانے کے مستحق ہیں۔

علوم جدیدہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انکی بنیاد صحیح مشاہدات پر رکھی گئی ہے۔ دُنیا بھر کے ماہرین علوم ان مشاہدات کے نتائج پر کھنے کے لئے تیار رہتے ہیں عملی لحاظ سے ان علوم کے شاندار نتائج بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے ظہور میں آئے ہیں۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کی حیرت انگیز ایجادات معرضِ وجود میں آئیں۔ ان علوم نے ایک نیا فلسفہ بھی پیدا کیا ہے اور اس فلسفہ کا ٹکراؤ بعض وجوہ سے مذہب کے ساتھ ہوا ہے۔ اس ٹکراؤ میں کئی ایک امور اثر انداز ہوئے۔ اس فلسفہ کے اوّل مخاطب اہلِ یورپ تھے کیونکہ یہ علوم اُسی جگہ پروان چڑھے تھے اور مخاطبین میں اکثریت کا مذہب عیسائیت تھا۔ عیسائیت کی اُس وقت اپنی حالت یہ تھی کہ اس پر پادریوں کا پُوری طرح تسلط تھا۔ گو بعض علاقوں میں "اصلاحی تحریکیں" بھی جاری ہو گئی تھیں۔ عیسائیت اس سے بہت پہلے سرچشمۂ روحانیت یعنی اللہ تعالیٰ کے مصفّٰی کلام سے محروم ہو کر حقیقی روحانی اقدار کھو چکی تھی۔ پس عیسائیت نے اس فلسفہ کے مقابل تعصب کے اظہار سے کام لیا گو بعد میں مجبور ہو کر اس کو اپنا موقف بدلنا پڑا تاہم جو نقصان

اس کے نتیجہ میں لازم تھا وہ ہو کر رہا اور علوم جدیدہ کی تاسیس مذہب کی مخالفت پر ہوئی۔

مذہب کی مخالفت کی رو جو ان علوم کے ذریعہ پیدا ہوئی تھی معقولیت کے نعرہ کے ذریعہ مضبوط ہوتی گئی۔ اس صورتِ حالات کو یورپ کے صنعتی انقلاب نے ہوا دی۔ صنعتی کارخانوں کے مزدوروں کی پست اقتصادی حالت نے دہریہ طبقہ کو دعوتِ عمل دی اور کمیونزم کے بانی مارکس اور لینگلز بھی میدان میں اُتر آئے انہوں نے خلافِ مذہب فلسفہ کو سیاست کا سہارا دیدیا۔ مذہب اور جدید فلسفہ کی اس جنگ میں اسلام کو عملی طور پر میدان میں آنے کا موقع بہت بعد میں ملا کیونکہ مسلمانانِ عالم خود اس وقت زبوں حالی کا شکار ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور حضورؑ نے قرآن مجید کے علم کلام کو دُنیا کے سامنے پیش کیا اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے تازہ نشانات بھی اس کی تائید میں پیش فرمائے۔

نئے فلسفہ کو حقیقت میں مذہب سے پرخاش کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ حقیقی روحانی اقدار کا حامل مذہب اپنی بنیاد اللہ تعالیٰ کے کلام یعنی اس کے قول پر رکھتا ہے اور دنیا فلسفہ جسے سائنس کا فلسفہ بھی کہا جاتا ہے قانونِ قدرت یعنی اللہ تعالےٰ کے فعل پر مدار رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول اور اس کا فعل لازماً تطابق رکھتا ہے۔ بعض دُور اندیش ماہرینِ سائنس نے بھی اس کا احساس کیا ہے اور اپنے دامن کو مذہب پر حملے کرنے سے بچایا ہے تاہم جیسا کہ اُوپر لکھا گیا ہے سائنس کے مذہب پر حملہ کی بڑی وجہ عیسائیت کا ابتدائی نامعقول ردِ عمل ہے چنانچہ ۱۶۰۰ء میں ایک فلسفی گیارڈو نو برونو کو عیسائی چرچ نے زندہ آگ میں جلا دیا۔ اسی طرح ہزارہا انسانوں کو محض اختلافِ عقیدہ پر "جادوگری" کا الزام دے کر زندہ جلا دیا گیا[1] - مگر یہ سب کچھ تعصب اور اندھی تقلید کا نتیجہ ہے جو عیسائیت کا اُن دنوں خاصہ تھا۔ مذہب صحیح تو قوانینِ قدرت کے مطالعہ کی مخالفت نہیں کر سکتا اور اختلافِ عقیدہ بھی ہو تو قرآن مجید لا اکراہ فی الدین کی تعلیم دیتا ہے۔ یعنی دین میں جبر کی گنجائش نہیں۔

قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کی یہ ایک زبردست دلیل ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو دیئے ہوئے تحقیق و تدقیق کے مادہ کے نشو ونما کی تائید کی ہے بلکہ قرآن مجید نے مطالعہ قدرت کی بار بار تلقین کی ہے۔ روحانی ترقی کا تقاضا بھی یہ ہونا چاہیئے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ اور ابلغ نظامِ عالم کے مطالعہ سے اپنے ایمان کے لئے بصیرت کی بنیاد قائم کرے۔ قرآن مجید میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اسی لئے یہ آیت آئی ہے کہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی کہ اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کو اور حضورؐ کی اُمت کو بصیرت پر مبنی ایمان عطا فرمایا ہے۔ پس قرآن مجید کا مسلک مطالعۂ قدرت کے معاملہ میں عیسائیت کے تاریخی مسلک سے بالکل جُدا ہے۔ قرآن مجید مطالعۂ قدرت کو مومن کی روحانی ترقی کا ایک ذریعہ قرار دیتا ہے کیونکہ اسی ذریعہ سے انسان کی بصیرت کا سامان پیدا ہوتا ہے۔ پھر قرآن مجید یہ چیلنج بھی کرتا ہے کہ:-

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ
تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ
تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ
الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ
الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ

(الملک)

اس ارشادِ باری کی تائید موجودہ سائنس کی مستند

[1] بحوالہ اے ہسٹری آف سائنس مصنفہ سر ولیم ڈیمپر صفحہ ۱۲۴ و صفحہ ۱۵۷

کمتب سے ہوتی ہے اور لطف یہ ہے کہ آیت کا آخری حصّہ خصوصیت سے آجکل کی سائنٹفک تھیوری کے اس حصّہ پر صادق آتا ہے جو مادہ کی بنیادی اینٹوں یعنی ایٹم کے اندرونی ذرّات کا مطالعہ کرنے سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ انشاء اللہ آگے چل کر تفصیل سے بیان ہوگا۔

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے ارشادات نمونۃً درج کئے جائیں جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مطالعہ قدرت کی تلقین فرمائی ہے اور اسے مومنین کا ایک خاصہ قرار دیا ہے اور اسے بصیرت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۭ (یونس ع) قُلْ سِيْرُوْا فِي
الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ
ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؀
(العنکبوت ع) اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ
النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ
الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ
قُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ
فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ؀
(آل عمران ع) اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى
الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ؀ وَاِلَى
السَّمَاۗءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ؀ وَاِلَى
الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ؀ وَاِلَى
الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ؀ فَذَكِّرْ ۣ
اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ (الغاشیہ)

قرآن مجید کے مندرجہ بالا ارشادات سے واضح ہے کہ قرآن مجید پر تو یہ اعتراض ہرگز وارد نہیں ہو سکتا کہ وہ مطالعۂ قدرت یا علمی ترقی کے خلاف ہے بلکہ معاملہ اس اعتراض کے برعکس ہے کیونکہ قرآن مجید ہی وہ الہامی کتاب ہے جس نے مطالعۂ قدرت کو ضروری قرار دیا ہے دوسری کتب اس معاملہ میں ساکت و صامت ہیں۔ قرآن مجید نے جابجا مظاہر قدرت کا ذکر فرمایا ہے اور قوانینِ قدرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور کارخانۂ قدرت کی باریک در باریک حکمتوں کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدہ کے لئے بیشمار چیزیں زمین پر مہیا کی ہیں۔ پھر ہواؤں کے ذریعہ بارش کا انتظام کیا ہے، زمین میں سے روئیدگی پیدا کی ہے اور انسان کو فصلیں اُگانے کی توفیق دی ہے' دھاتوں کا استعمال سکھایا ہے' انسان کو لباس حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے اور لامتناہی ترقیات کا میدان اس کے لئے کھلا چھوڑا ہے۔ اس کے لئے سمندر اور ہوا کو مسخر کیا ہے۔ ہوا فضاء کے لئے عام لفظ بھی ہے اور فضاء میں برقی مقناطیسی لہروں پر سوار ہو کر ہماری آواز کا دُور دراز علاقوں میں پہنچنا اس کے مسخر ہونے کی ہی دلیل ہے۔ اسی طرح اور متعدد قسم کی لہریں انسان کی خدمت کیلئے دریافت ہوتی ہیں مثلاً ایکس ریز، بنفشی لہریں، ماورائے احمر لہریں، بالا بنفشہ لہریں، روشنی اور گرمی کی لہریں وغیرہ۔ غرضیکہ قرآن مجید کے اس اسلوبِ بیان سے صاف واضح ہے کہ یہ کلام حقیقۃً صانعِ قدرت کا اپنا کلام ہے اور یہ بڑا ظلم ہوگا کہ مظاہر قدرت کے نام پر اللہ تعالیٰ کے کلام پر کوئی اعتراض وارد کرنے کی کوشش کی جائے۔

بعض لوگ مذہب پر اعتراض کرتے ہیں کہ مذہب DOGMATIC ہوتا ہے۔ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ مذہب جا و بیجا طور پر تحکم سے کام لیتا ہے۔ ان لوگوں

کو غور کرنا چاہیئے کہ جہاں تک انسان کے مقصد پیدائش کے حصول کا سوال ہے سرچشمۂ روحانیت کی ہدایات اگر Authoritative یعنی مستند اور مستحکم نہ ہوں تو ہدایت کا فائدہ ہی کیا ہے۔ البتہ اگر یہ مفہوم لیا جائے کہ مذہب عقل کے استعمال کے خلاف ہے تو یہ اعتراض خلاف واقعہ ہے۔ قرآن مجید نے بار بار تکرار کی ہے کہ لوگو! تدبر سے کام لو، عقل سے کام لو، فکر سے کام لو، غور کرو، سمجھو، بصیرت حاصل کرو۔ پس قرآن مجید نے روحانی امور کے بارے میں تفصیلی ہدایات دینے کے باوجود مزید علم کے حصول کی انسان کو رغبت دلائی ہے۔ دراصل سائنس کا کام مشاہدہ کرکے قوانین قدرت معلوم کرنا ہے ویسے ان قوانین پر بحث کرکے فلسفہ پیش کرنا حقیقۃً ان کے دائرہ عمل سے خارج ہے۔ اور ایسے فلسفہ کے پیش کرنے میں ان کو وہ استناد حاصل نہیں ہو سکتا جو انہیں مشاہدات کے نتائج پیش کرنے میں حاصل ہو سکتا ہے بلکہ دیکھا جائے تو خود سائنٹفک فلسفہ پیش کرنے والے DOGMATIC کے خطاب کی زد میں آتے ہیں۔ اگر وہ اس فلسفہ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے لگیں اور اسے اس کے صحیح مقام پر نہ رکھیں تو اس کے عدم قبول کی ذمہ داری خود ان پر ہے۔

مشاہدہ کی کیفیت بھی ایک دلچسپ بحث ہے۔ انسانی حواس محدود دائرہ کے اندر کام کرتے ہیں۔ ایک حد کے بعد انسان مشاہدات کے لئے آلات سے مدد لیتا ہے مگر خود آلات بھی اپنی صحت کے لئے حد بندی رکھتے ہیں اور مشاہدہ کی صحت پر آلے کی صحت اثر انداز ہوتی ہے پس مشاہدہ کے نتائج من کل الوجوہ قطعی حیثیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے طبعی مشاہدات میں احتمال (Probability) کے عمل کا دخل بھی آیا ہے۔ اور اصول ریاضی کے رنگ میں بھی بعض دفعہ نہایت نتائج

نکالنے سے آگے تحقیق کا قدم اٹھانا محال قرار دیا گیا ہے مثلاً کوانٹم میکانیات کے ماہرین جو ایٹم کے اندر ملے ذرات یعنی الیکٹران وغیرہ کی نقل و حرکت سے بحث کرتے ہیں۔ ایک مقام پر آکر الیکٹران کے جسیمہ ہونے اور لہر ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے اور اس پر ہائزنبرگ (HEISENBERG) کے نظریہ عدم یقین (PRINCIPLE OF UNCERTAINTY) کی بنیاد ہے۔ وہی جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ گویا اقدام کہ الیکٹران کی اندرونی حقیقت میں جھانکا جائے خلق الرحمٰن میں تفاوت دیکھنے کے مترادف تو نہیں تاہم انسان مادہ کے رازہائے سربستہ کو کھولنے میں اپنی حد بندی کے احساس کی شدت آج سے پہلے اتنا محسوس نہیں کرتا تھا۔ اور الیکٹران کو ایک پہلو سے لہر قرار دینے سے بڑھ کر کوئی یقینی امر معلوم کرنے سے قاصر ہے۔

قرآن مجید اور علوم حاضرہ کے درمیان اگر کوئی اختلاف نظر آئے تو اس کی وجہ ایک تو یہ ہو سکتی ہے کہ اختلاف دیکھنے والے شخص کو قرآن مجید کا مطلب سمجھنے میں غلطی لگی ہے یا پھر علوم حاضرہ کا اصول صحیح شکل میں پیش نہیں کیا جا رہا۔ یہ بھی ایک وجہ اس اختلاف کی ہو سکتی ہے کہ خود سائنس کا اصل ابھی ارتقاء کے تمام منازل طے نہ کر سکا ہو کیونکہ سائنٹفک اصول اور نظریات بھی ارتقاء کے ماتحت تکمیل پا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر نیوٹن کا نظریہ میکانیات جو آج بھی ریاضی اور انجینئرنگ کے مسائل میں بلا روک ٹوک استعمال ہو رہا ہے دراصل آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کا ایک خاص پہلو ثابت ہوا ہے۔ نیوٹن کا نظریہ بہت پہلے کا ہے اسلئے آئن سٹائن کا نظریہ نیوٹن کے نظریہ کی ارتقائی صورت ہے۔ اس طرح سائنس کی تھیوریاں روز بروز اصلاح پذیر ہوتی رہتی ہیں۔

سائنس کے نظریات کی تبدیلی کی ایک مثال ہمارے لئے

بہت دلچسپ ہے۔ یہ امر اکثر لوگ جانتے ہیں کہ نیوٹن کے زمانہ سے "بقائے مادہ" کا نظریہ شروع ہوا۔ بعد میں جُول (Joule) کے تجارب نے "بقائے توانائی" کا نظریہ بھی پیدا کر دیا۔ آئین سٹائین نے نظریۂ اضافیت کے نتیجہ میں ثابت کیا ہے کہ مادہ اور توانائی درحقیقت ایک ہی شے ہیں۔ اسلئے مادہ فنا ہو کر توانائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ توانائی کا بھی جسم اور وزن ہوتا ہے۔ گو کائنات میں توانائی کی ناکارگی (ENTROPY) بڑھتی جاتی ہے یعنی توانائی کی مجموعی مفید شکل کم ہو رہی ہے۔ پس اس نظریہ کے ماتحت بقائے "مادہ اور توانائی" کا اکٹھا اصول قائم ہو گیا ہے۔

حال ہی میں "پاکستان جرنل آف سائنس" کے اپریل سنہ ۶۲ء کے ایشوع میں مکرم پروفیسر عبد السلام صاحب کا ایک مضمون "COSMOLOGICAL THEORY" یعنی "نظریۂ کونیات" شائع ہوا ہے۔ اس نظریہ میں کائنات کی ابتداء، بناوٹ اور وسعت کی بحث ہوئی ہے۔ اس مضمون میں کائنات کے پھیلاؤ اور ماہرینِ فلکیات کے کائناتی ماڈلوں کا ذکر ہے۔ مختصر یہ کہ متعدد مسلسل مشاہدات کے نتیجہ میں یہ مفروضہ قائم کیا گیا ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے کیونکہ کائنات کے جتنے سحاب (NEBULAE) معلوم ہیں وہ ایک دوسرے سے دُور ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ اس مفروضہ کی بناء پر کیمبرج کے ماہرینِ کونیات نے تازہ ترین ماڈل کائنات کا تجویز کیا ہے۔ ان سائنسدانوں کے نام بانڈی، گولڈ اور ہائل ہیں۔

سب سے دلچسپ امر ان کے نظریہ میں یہ ہے کہ چونکہ کائنات کے مسلسل پھیلاؤ کے باوجود کائنات کی اوسط کثافت میں فرق نہیں آرہا اسلئے ضروری ہے کہ مادہ نیست سے ہست ہو رہا ہے۔ اب یہ نظریہ ایک طرف تو اصول بقائے "مادہ اور توانائی" کی ہمہ گیری کو لے ڈوبا ہے۔ اور دوسری طرف قرآن مجید کے بیان کردہ اصل کی زبردست تائید ہے۔ قرآن مجید ہندو مذہب وغیرہ کے نظریہ کے خلاف رُوح اور مادہ کو حادث مانتا ہے۔ روح کو اسلام مادہ کی ایک ارتقائی شکل اللہ تعالیٰ کی خاص تقدیر کے ماتحت قرار دیتا ہے۔ پس اصل سوال مادہ کا ہے پس جب یہ نیست سے ہست ہو رہا ہے تو یہ حادث ہے۔ قرآن مجید کے ارشادات مادہ کے حدوث کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہیں فرماتا ہے:۔

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (رعد ع۲)

یعنی اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے، ایسا خالق کہ وہ واحد بھی ہے اور قہار بھی۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کی ہستی قائم بالذات ہو اور ماسوی اللہ کو ابتداءً نیست سے ہست کیا ہوا قرار دیا جائے۔ اور اس کی قہاریت کا تقاضا ہے کہ اس کا قبضہ تصرف ہر شے پر کامل و مکمل ہو۔ پس ماسوی اللہ قائم بالذات نہیں ہو سکتے یقیناً وہ حادث ہیں اور ایک وقت نیست سے ہست ہوئے ہیں۔

پھر قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص ع۹)

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے فانی ہے۔ پس ماسوی اللہ قائم بالذات یا قدیم مطلق نہیں۔ پس وہ حادث ہیں فاقرؤوا ان شئتم قول اللہ تعالیٰ "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا" (الدھر ع۱)

بقائے "مادہ اور توانائی" "بانڈی، گولڈ اور ہائل کے نظریات سے کلی طور پر رد نہیں ہوتا۔ کیونکہ دُنیا کے عام حالات میں یہ اصول بڑی صحت کے ساتھ مشاہدہ میں آیا ہے

اور اس پر علوم کیمیا، طبیعات، ریاضی اور انجینئرنگ کا دار و مدار ہے۔ نئے نظریہ کے ماتحت جو مادہ معرض وجود میں آرہا ہے وہ نہایت قلیل مقدار میں ہے اور ایک استثنائی قانون کا رنگ رکھتا ہے۔ عام اصول روزمرہ کی زندگی میں بقائے "مادہ اور توانائی" کا ہی استعمال ہوگا۔ دراصل یہ امر بھی قرآن مجید کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا

(الطلاق ع۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا ہے اور اسے قوانینِ قدرت کے ماتحت رکھا ہے۔ دراصل یہ امر مسئلہ تقدیر کا ایک حصہ ہے۔ قوانینِ قدرت کے اجراء کا نام تقدیر ہے۔ تقدیر میں تقدیر عام و خاص طبعی اور تقدیر عام و خاص شرعی شامل ہے۔ اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ مگر یہ امر قابل ذکر ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ تقدیر کے ہر پہلو پر ایمان لانا انسانی ترقیات کے لئے ضروری ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص تقدیر عام و خاص طبعی پر یقین نہیں رکھتا وہ دُنیا کی کسی چیز سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ مثلاً جو شخص زراعت کے متعلق قوانینِ قدرت سے لاپرواہی کریگا وہ ہرگز اچھا زمیندار نہیں بن سکتا۔ یہی حال تقدیر شرعی کا ہے۔ قوانینِ شریعت و روحانیت کا لحاظ نہ رکھنے سے انسان کی روحانیت تباہ ہوگی۔ پس تقدیر عام طبعی کے ماتحت ہم بقائے "مادہ اور توانائی" کے اصل کو رکھ سکتے ہیں جو اپنے دائرہ کے اندر کام کرتا ہے اور حدوث مادہ کے اصل کو تقدیر خاص طبعی کے ماتحت لائیں گے جو اپنے دائرہ کے اندر کام کرتا ہے۔ اور یہ دونوں اصل اللہ تعالےٰ کے کلام کی صداقت پر شاہد ہیں اور مومن کے لئے ازدیادِ بصیرت کا باعث ہیں *

نورِ فرقاں

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے اک چشمۂ اصفیٰ نکلا

یا الٰہی! تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

سب جہاں چھان چکے ساری دُکانیں دیکھیں
مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیّرِ بیضا نکلا

زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دُنیا میں
جن کا اس نور کے ہوتے بھی دلِ اعمیٰ نکلا

جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں
جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پتلا نکلا

(منقول از براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ ۱۸۸۲ء)

العرب بالأمس واليوم

بقلم الاستاذ الفاضل محمد صدّيق امرتسرى المبشّر الاسلامى بافريقية

تغيّرت الدّيار اليعربيّه بأفذاذ الشعوب الاجنبيّه

بنى عدنان تغلبكم يهود وتنهبُ منكم الارض الزكيّه

ويَقسمُ بينهم "ترومان" وطنا وورثتم عن جُدودِكم الأبيّه

ايرضى الله عنكم ان رضيتم بهذ الذل والحِيَل الدّنيّه

وهل من بعد هٰذا الضيم ضيم لأشبالِ الاسود الهاشميّه

سلوا التاريخ عمّا قد فعلتم لنشر الدّين فى كلّ البريّه

وماضيكم سلوا غرناطه عنه سلوا بغداد ثمّ القادسيّه

سلوا سُمر العوالى والمواضى سلوها عن فتوحاتٍ قويّه

مشيتم فى مناكب كلّ برّ وبحرٍ كالضراغمة الأبيّه

سبقتم كلّ قومٍ فى وفا العهودِ وفى الندىٰ والاريحيّه

وجاهدتم لِدين الله حتّى أضأتم كلّ بُلدان البريّه

فأورثكم مشارقها تِباعاً كذلكم مغاربها عطيّه

وكنتم خيرَ من ركب المطايا وكنتم اشرف الاممِ العليّه

وكنتم قدوةً فى كلِّ خيرٍ واعلام البطولةِ والحميّه

وكنتم اولياء الله حقاً وكان الكافرون لكم رعيّه

وكنتم حاملى علَم الهدىٰ والث ثقافة والحضارة فى البريّه

وكنتم تشربون الماء صفواً ويشرب غيركم كدراً رديّه

وكنتم بينكم رحماء لاكن اشداء على الاممِ العتيّه

فمالكم اخيراً قد غدوتم لأسرائيل عبداناً رعيّه

خضعتم لليهود وللنصارىٰ وسلّمتم لهم أرضاً زكيّه

وكم منكم زعيما باع وطناً ودينا بالدّنانير الدّنيّه

أطاعوا الغرب وانقادوا اليه وباعوا الدّين بالدّنيا الدّنيّه

أباحوا المنكرات وقد أضاعوا صلوتهم لشهوات رديّه

فما هو غير سوط عذاب ربٍّ ... عزيز قاهر ربّ البريّه
فلا يرجى الصلاح بدون ندم ... على ما فات مع ترك الخطيّه
فلا يعفوا اللهُ القدس عنكم ... ولا يشفع لكم خير البريّه
فلبّوا دعوة المهدى سلماً ... وهبّوا واغلبوا كلّ البريّه
ومجد العرب بالاسلام دوما ... وبالقرآن انفسهم نقيّه
فيا رباه! أنصر آل طٰه ... وعرّفهم مزايا الاحمديّه
ويا ليت الزمان يعود يوماً ... فيرجع مجد اممٍ يعربيّه
سمعنا داعياً فى الهند نادى الـ ... ـأنام الى الحياة السرمديّه
فآمنّا وجدّدنا عهوداً ... وجدّدنا شريعتنا الزكيّه
وبايعنا امام المسلمين ... أتى يدعوا الورىٰ للاحمديّه
وهل هو غير احمد يا صديقى ... مجدد عصرنا حامى الشريعه
خليفة سيّد الثقلين طرّاً ... رسول السّلم من ربّ البريّه
أمامٌ ارجع الايمان فينا ... وكان معلّقاً عند الثريّا
فهل انتم تجيبونى لماذا ... نسيتم عن محمّدٍ الوصيّه
بان القائم المهدى يظهر ... لنصر المسلمين بلا مريّه
ويجمعهم على القرآن كُلّاً ... ويأتيهم بنور الاحمديّه
يعلّمهم كتاب الله ثمّ ... يزكّيهم بآياتٍ زكيّه
خلا عيسى ابن مريم منذ عهدٍ ... وفى كشمير جاءته المنيّه
فما هو عائش فى اى ارضٍ ... ولا هو فى السمٰوٰت العليّه
وأمر نزوله فى الشام كذبٌ ... وبهتانٌ على خير البريّه
كتاب الله يشهد انّ عيسى ... توفّى فى القرون الأوّليّه
فطوبىٰ للمطيع لمثل عيسى الـ ... ـذى قد جاء بالدرر البهيّه
إله الكون كُن عوناً وغوثاً ... لنا فى كلّ كربٍ أو رزيّه

وصلِّ علىٰ رسول الله طٰه
وأحمد بالغدوة والعشيّه

قرآن کریم اور انسانی خوراک

(از جناب میر اللہ بخش صاحب تسنیم)

انسانی خوراک کا مسئلہ ہمیشہ سے حکمائے عالم کے افکار و آراء کی جولان گاہ رہا ہے اور اب تک کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہو سکا جسے اس امر کے متعلق متفقہ فیصلہ قرار دیا جا سکے۔ ایک فریق کے خیال میں انسان کی طبعی خوراک سبزیوں تک ہی محدود ہے لیکن دوسرے فریق کے خیال میں گوشت بھی انسان کی طبعی خوراک کا ایک ضروری حصہ ہے۔ بہرحال ہزارہا سال کی بحث و تمحیص کے بعد نتیجہ کے متعلق ہنوز روزِ اوّل ہی کا معاملہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے بے شمار میلان و عواطف کی بنا پر ایک ایسا بے پایاں عالم ہے کہ محدود انسانی عقلیں اس کے ہر پہلو پر بیک وقت نظر ڈالنے سے قاصر ہیں۔ اسلئے خوراک کی تعیین کرتے وقت بھی صرف اسی پہلو کا خیال رکھا جاتا ہے جو پیشِ نظر ہوسکتا ہے دوسرے پہلو کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ کسی ایسے آدمی کا معرضِ وجود میں آنا ناممکن ہے، جو انسانی فطرت کے تمام پہلوؤں کو مدِ نظر رکھ سکے اسلئے یہ بھی ناممکن ہے کہ انسانوں میں سے کوئی انسان یا بعض انسان خوراک کے متعلق کسی یقینی اور صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔ اب تک جو کوششیں اس سلسلہ میں ہوئی ہیں یا آئندہ ہوں گی ان کی حیثیت تاریکی میں تیر چلانے سے زیادہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماہرینِ علم غذا بھی ناکام ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ:-

"کیمیائی تجزیہ صحیح غذا کے دریافت کرنے میں اسی نسبت سے کامیاب ہوسکتا ہے جس نسبت سے خدا کی ہستی کو دریافت کرنے کے لئے عقلی دلائل۔ اسلئے (غذا کے متعلق فیصلہ) ہمیشہ گمراہ کن اور ناقابلِ اعتبار رہے گا۔ قدرت ہی اس پیچیدہ مشینری کی ضروریات کو مکمل طور پر سمجھ سکتی ہے اور اس کے قیام کیلئے موزون غذا منتخب کر سکتی ہے۔" (ڈاکٹر سوم دت مصنف علاج بالاغذیہ بحوالہ مشیر الاطباء لاہور مارچ ۱۹۳۹ء)

گویا جس طرح تنہا عقل خدا کے وجود کے متعلق یقینی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکتی جب تک اس کی رہنمائی کیلئے وحی و الہام کی روشنی نہ ہو۔ اسی طرح انسانی خوراک کی تعیین کے میدان میں بھی عقل کی جولانیاں محض بیسود ہیں کیونکہ بغیر وحی و الہام کی عناں گیری کے اس کا منزلِ مقصود پر پہنچنا ناممکن ہے۔

اسلام نے بحیثیت ایک کامل مذہب ہونے کے جہاں روحانی امور کے بارے میں انسان کیلئے ایک مکمل لائحہ عمل پیش کیا ہے وہاں اس نے اسکی جسمانی حالت کو اعتدال پر رکھنے والے امور سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا بلکہ اس سلسلہ میں ایسے یقینی اصول پیش کئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنی جسمانی حالت کو حدِ اعتدال پر قائم رکھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلس مرکزیہ انصار اللہ کا ماہانہ ترجمان

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

قرآنی حقائق بیان کرنیوالا خالص مذہبی علمی اور تبلیغی رسالہ

الفرقان

جلد ۳ — نمبر ۲-۳ — فروری مارچ ۱۹۵۳ء

سالانہ چندہ
پانچ روپے

قیمت فی پرچہ
آٹھ آنے

ایڈیٹر
ابو العطاء جالندھری

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ!

ھو الناصر

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا پیغام

برادران! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ الفضل کو ایک سال کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ احمدیت کے باغ کو جو ایک ہی نہر لگتی تھی اس کا پانی روک دیا گیا ہے۔ پس دعائیں کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ اس میں سب طاقت ہے۔ ہم مختلف اخباروں میں یا خطوں کے ذریعہ سے آپ تک سلسلہ کے حالات پہنچانے کی کوشش کرتے رہیں گے اور انشاء اللہ آپ کو اندھیرے میں نہیں رہنے دینگے۔ آپ بھی دعا کرتے رہیں میں بھی دعا کرتا ہوں۔ انشاء اللہ فتح ہماری ہے۔ کیا آپ نے گذشتہ چالیس سال میں کبھی دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے چھوڑ دیا؟ تو کیا اب وہ مجھے چھوڑ دیگا؟ ساری دنیا مجھے چھوڑ دے مگر وہ انشاء اللہ مجھے کبھی نہیں چھوڑیگا سمجھ لو کہ وہ میری مدد کے لئے دوڑا آرہا ہے۔ وہ میرے پاس ہے۔ وہ مجھ میں ہے۔ خطرات ہیں اور بہت ہیں مگر اس کی مدد سے سب دور ہو جائینگے۔ تم اپنے نفسوں کو سنبھالو اور نیکی اختیار کرو۔ سلسلہ کے کام خدا خود سنبھالیگا۔

خاکسار

مرزا محمود احمد ۵۳/۳/۲

خوشخبری

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء سے سورہ مریم کے ابتداء سے درس القرآن المجید دینا شروع فرمایا ہے۔ حضور کی اجازت کے ماتحت اس درس القرآن کے مختصر نوٹ ماہ بماہ رسالہ الفرقان میں شائع ہوا کرینگے انشاء اللہ۔ اس طرح مرکز سے باہر کے دوستوں کے لئے بھی حقائق و معارف قرآنی سے ایک حد تک بہرہ اندوز ہونے کا موقع میسر آجائے گا۔ پہلی قسط زیر نظر شمارہ میں شائع ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ احباب اس موقع سے پورے طور پر استفادہ کرنے کے لئے الفرقان کا سالانہ چندہ پانچ روپے پیشگی بھیج کر اپنا نام خریداروں میں درج کرا لیں گے۔

خادم

ابوالعطاء جالندھری ۵۳/۳/۵

ما کتابت مکمل ہو چکی تھی مگر حالات کی مجبوری ہے۔ ع کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

اللہ تعالیٰ کا مومنوں سے خطاب!

قرآن مجید کی ایک آیت اور اس کا مطلب

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ (سورہ انفال ع ۲۶)

ترجمہ:- اے مومنو! وہ وقت یاد رکھو اور اسے ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھو جب تم تھوڑے تھے۔ ملک میں تم کو نہایت کمزور سمجھا جاتا تھا اور تم ہر گھڑی ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اُچک نہ لیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت کے ساتھ تمہاری تائید فرمائی اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا تا تم اسکے احسانوں کا شکر بجا لاؤ۔

مطلب:- اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو انکی مکی زندگی کی حالت یاد دلائی ہے۔ مسلمانوں کی اس حالت کا نقشہ تین لفظوں میں کھینچ دیا ہے۔ انتم قلیل - تمہاری تعداد تھوڑی تھی۔ مستضعفون فی الارض - زمین والے تم کو کمزور ترین وجود تصور کرتے تھے۔ تخافون ان یتخطفکم الناس۔ تم ہر لمحہ یہ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ دشمن ہمیں ملیا میٹ کر دیں گے اور مقاطعہ وغیرہ سے ہم پر عرصۂ حیات تنگ کر دینگے۔ پھر فرمایا کہ حالات تو یہی تھے مگر چونکہ تم ہمارے دین کے علمبردار تھے اور تم اہل حق کے لئے بطور پاکیزہ پنیری کے تھے اسلئے ہم نے تمہارے خطرات کو دور کیا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ تھوڑے ہیں ان کو کون بچا سکتا ہے؟ فاٰوٰکم مگر اللہ تعالیٰ نے خود تمہاری حفاظت کی اور تمہیں پناہ دی۔ پھر تم کمزور تھے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ حوادث کے ان تھپیڑوں میں تم قائم رہ سکو گے مگر ایدکم بنصرہٖ خود اللہ تعالیٰ نے تمہیں طاقت بخشی اور اسکی نصرت نے تمہاری دستگیری فرمائی۔ پھر تم چاروں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے تھے، یوں معلوم ہوتا تھا کہ مخالفت کا ریلا تمہیں پرِ کاہ کی طرح بہا کر لے جائیگا اور اس شدید مخالفت میں تمہارے پاؤں جم نہ سکیں گے، تمہاری زندگی کا کوئی سامان نہ ہو سکیگا مگر رزقکم من الطیبٰت اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان کر دیئے کہ تمہیں طیب اور باعزت رزق عطا فرمایا۔ نہ صرف یہ کہ خطرات دھوئیں کی طرح اُڑ گئے بلکہ تمہیں ہر قسم کا رزق طیب عطا فرمایا گیا پس اب اے مسلمانو! تم پر شکر واجب ہے۔ اس آیت میں تین حالتیں مسلمانوں کی بیان ہوئی ہیں اور اسکے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے تین فضل بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ابتداء سے یہی سُنت ہے کہ وہ اپنے ماموروں کی جماعتوں کو ابتدائی کمزوری اور تنگی سے نکال کر آخر ترقی دیتا ہے۔ مومنوں کا فرض ہے کہ پریشان کرنیوالے حالات میں بھی ثبات و استقلال سے حق پر قائم رہیں اور آسمانی نصرت کا انتظار کریں اور اس کیلئے دُعائیں کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنی جماعت کو فرمایا ؎

دن بہت ہیں سخت اور خوف و خطر در پیش ہے
پر یہی ہیں دوستو! اس یار کے پانے کے دن

اَللّٰهُمَّ آوِنَا وَأَيِّدْنَا بِنَصْرِكَ وَارْزُقْنَا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔ اَللّٰهُمَّ آمِين۔

ابو العطاء ۶/۳/۵۳

مفید کتابیں، رسالے اور ٹریکٹ!

(۱) مناظرہ مہت پور شیعہ صاحبان کے ساتھ ذیل کے چار مضامین پر تحریری مناظرہ ہوا تھا۔ (۱) صداقتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (۲) ختمِ نبوت کی حقیقت (۳) تعزیہ (۴) متعہ۔ فرقہ اثنا عشریہ کی طرف سے اس مناظرہ میں جناب مرزا یوسف حسین صاحب مشہور شیعہ مناظر مقرر تھے اور جماعتِ احمدیہ کی طرف سے مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مناظر مقرر تھے۔ قریباً پونے دو سو صفحے کا یہ رسالہ فریقین کے مشترکہ خرچ سے شائع ہوا تھا۔ اب اسکی چند مجلد کاپیاں یہاں میسر آئی ہیں۔ شائقین اصحاب فی نسخہ قیمت مع محصولڈاک کیلئے سوا روپیہ بھیجکر طلب فرمائیں۔

(۲) کلمۃ الیقین فی تفسیر خاتم النبیین یہ سولہ صفحات کا ٹریکٹ خاتم النبیین کی تفسیر میں ایک جامع و رافع مگر مختصر مضمون پر مشتمل ہے۔ تعلیمیافتہ غیر احمدی اصحاب میں اسکی بکثرت اشاعت ہونی چاہیئے۔ فی نسخہ ایک آنہ اور فی سینکڑہ پانچ روپے۔

(۳) حضرت مسیح ناصری کی زندگی کے بارے میں جدید انکشاف۔ بڑے حجم کے چار صفحات پر عمدہ کاغذ پر انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے حوالہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی تین تصویریں مفصل مضمون کے ساتھ شائع کی گئی ہیں۔ یہ تصویریں حضرت مسیح کی جوانی، ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کی ہیں۔ ان تصاویر سے عیسائیت کا یہ عقیدہ سراسر باطل ٹھہرتا ہے کہ حضرت مسیح ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر جا بیٹھے تھے۔ یہ مضمون انگریزی، اردو اور عربی میں اکٹھا شائع کیا گیا ہے۔ فی نسخہ ایک آنہ اور فی سینکڑہ پانچ روپے۔

نوٹ:۔ دونو ٹریکٹوں کے ایک ایک نسخہ کیلئے مع محصولڈاک تین آنے کے ٹکٹ بھیجیں۔

(۴) الفرقان کے تین خاص نمبر۔ (۱) **خاتم النبیین نمبر**۔ دسمبر ۱۹۵۲ء میں مسئلہ ختم نبوت پر قرآن مجید کی روشنی میں الفرقان کا خاتم النبیین نمبر شائع ہوا ہے۔ قابلِ دید مضامین کا مجموعہ ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ ہے۔ (۲) **خلافت نمبر** مسئلہ خلافت کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث پر مشتمل نمبر ہے۔ شیعہ صاحبان کی مسلمہ کتب کے حوالہ جات سے خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ۔ (۳) **سالانہ علمی نمبر**۔ یہ نمبر بھی اپنی ٹھوس اور علمی معلومات کے لحاظ سے الفرقان کا ایک خاص نمبر ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ۔

نوٹ:۔ ہر سہ خاص نمبروں کے خریدار سے تین روپے کی بجائے اڑھائی روپے قیمت لی جائیگی۔

(۵) احکام القرآن مصنفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الاسدی، قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں اسلامی اخلاق و آداب پر مبسوط بحث کی گئی ہے۔ قابلِ دید ہے۔ کتابی حجم کے ساڑھے تین صد صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت ساڑھے تین روپے۔

(۶) حکمۃ الرحمن فی آیات القرآن۔ یہ کتاب حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ اس میں قرآن مجید کی آیات کے علمی، اخلاقی اور روحانی حقائق بیان ہوتے ہیں۔ عام خریداروں کے لئے قیمت تین روپے۔ رسالہ الفرقان کے خریداروں کے لئے رعایتی قیمت دو روپے مقرر ہے ——— علاوہ ازیں سلسلہ احمدیہ کی جملہ کتب بھی پتہ ذیل سے طلب فرمائیں:۔

مینیجر مکتبۂ الفرقان، احمد نگر۔ براستہ لالیاں ضلع جھنگ، پاکستان

(طابع و ناشر ابوالعطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا سے چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ضلع جھنگ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبٰرک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیرًا ۝

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

قرآنی حقائق بیان کرنیوالا انصار اللہ مرکزیہ کا واحد ترجمان،

الفرقان

جلد ۳ — نمبر ۲-۳-۴ — فروری، مارچ، اپریل ۱۹۵۳ء

سالانہ چندہ
پانچ روپے

قیمت فی پرچہ
بارہ آنے

ایڈیٹر
ابو العطاء جالندھری

اُمّتِ محمدیہؐ کا رُکن بننے کی شرط!

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر "صدق" لکھنؤ کا تازہ ترین بیان

"سچی باتیں" کے زیر عنوان مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر "صدق" لکھتے ہیں:۔

"سورۃ البرأۃ (پ۱۰) میں ذکر واجب القتل معاندین اسلام کا چلا آرہا ہے۔ اسکے معاً بعد ارشاد ہوتا ہے۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ۔ (آیت ۱۱) لیکن یہ (اپنے عقائد کفر سے) باز آجائیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو اب یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

یعنی اب اگر یہ لوگ عقائد کفر و شرک سے اپنی تبرّی کا اظہار کردیں اور مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں تو اعتبار ان کے ظاہر کا کرلیا جائے گا اور اُن کے دل میں جو کچھ بھی ہو بہر حال یہ اسلامی برادری کے جزو سمجھ لئے جائیں گے اور معاملہ ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا کیا جائے گا۔ ان کے پچھلے جرائم عہد شکنی وغیرہ پر نظر نہیں کی جائے گی۔

جصاص رازیؒ کی احکام القرآن میں ہے:۔

یدل علیٰ ان من اظہر لنا الایمان واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ فعلینا موالاتہ فی الدین علیٰ ظاہر امرہ مع وجود ان یکون اعتقادہ فی الغیب علیٰ خلافہ۔

آیت اس کی دلیل ہے کہ جو کوئی ہمارے سامنے ایمان کا اظہار کرے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے تو ہمارے اوپر واجب ہے اس کے ظاہر کی بنا پر اس سے دینی موالات کرنا باوجود اسکے کہ اسکے اصل عقیدے اس کے خلاف ہی ہوں۔

بلکہ اسی آیت سے تو اہلِ قبلہ کے قتل کی حرمت کا استنباط کیا گیا ہے۔ روح المعانی میں ہے:۔

وبہا استدل علیٰ تحریم دماء اھل القبلۃ وروی ذٰلک عن ابن عباس۔

اور اسی آیت سے اہلِ قبلہ کی حرمتِ قتل پر استدلال کیا گیا ہے اور یہ ابن عباس سے بھی منقول ہے۔

آیت اپنے مقصود میں بالکل واضح ہے۔ اس نے بالکل صاف کردیا کہ جو کوئی بھی اعمالِ ظاہری مسلمانوں کے سے بجالائے یا انکی فرضیت کا اقرار کرے اب وہ مسلمان ہی سمجھا جائیگا خواہ اسکے پچھلے جرائم کیسے ہی ہوں۔ اور اب بھی اسکے دل میں کچھ ہی ہو — اُمت کا ایک رکن بن جانے اور اسلامی برادری میں شمول کے لئے بس اسی قدر کافی ہے۔ اور جن لوگوں نے مطالبہ اِس سے زائد کا بطور لازمی جزو کے کیا ہے اُنہوں نے کام محض تعمق و تشدد سے لیا ہے"۔

(نوائے وقت لاہور۔ ۳ مئی ۱۹۵۳ء)

ضروری اطلاع غیر معمولی حالات کی وجہ سے گزشتہ ماہ محدود تعداد میں صرف چار صفحات پر الفرقان شائع ہوا تھا۔ موجودہ پرچہ فروری، مارچ اور اپریل کا پرچہ سمجھا جائے۔

مینجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۳ | جمادی الثانیہ ورجب و شعبان ۱۳۷۲ھ | الفرقان | فروری مارچ اپریل ۱۹۵۳ء | نمبر ۲-۳-۴

فہرست مضامین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۳ | جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۷۲ھ شعبان | الفرقان | فروری مارچ اپریل سنہ ۱۹۵۳ء | نمبر ۲، ۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کی قرآنی پیشگوئی!

جماعتِ احمدیہ کا بنیادی اور مرکزی عقیدہ!!

ڈاکٹر اقبال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جمالی بعثتِ ثانیہ کے قائل تھے!!!

باز در عالم بیار ایام صلح
جنگجویاں را بدہ پیغام صلح (اقبال)

(۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (سورہ جمعہ آیت ۲، ۴)

ترجمہ۔ اللہ ہی نے ان اُمّی عربوں میں اپنا عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا ہے وہ ان کو آیاتِ الٰہیہ سناتا ہے ان کا تزکیہ نفوس کرتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، یہ لوگ پیشتر ازیں واضح گمراہی میں مبتلا تھے۔ پھر یہی نبی ان صحابہؓ کے دوسرے گروہ میں جو ہنوز ان سے نہیں ملے مبعوث ہوگا۔ ان کو بھی اسی طرح تعلیم کتاب و حکمت دیگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان فضل ہے جسے چاہیگا عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتوں کا ذکر ہے۔ (۱) عرب کے اُمّی لوگوں میں ہونیوالی بعثت (۲) صحابہ کی دوسری جماعت میں آخری زمانہ میں ہونے والی بعثت۔

اللہ تعالیٰ سورۃ الفتح میں فرماتا ہے۔ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ

الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح آیت ۲۹)

ترجمہ: حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ جو لوگ ان کے ساتھی (صحابہ) ہیں وہ کافروں پر گراں ہیں۔ وہ باہم بہت رحمدل ہیں تو اُن کو اللہ تعالےٰ کے فضل اور اس کی رضا کی جستجو میں رکوع وسجود میں مشغول پائے گا۔ ان کے چہروں پر اطاعت کے آثار موجود ہیں۔ تورات میں اُن کی صفات اسی طرح مذکور ہیں۔ ہاں انجیل میں آنحضرتؐ کے صحابہ کی حالت اس کھیتی کی مانند بیان ہوئی ہے جو پہلے اپنی کونپل نکالتی ہے اور اسے تقویت دیتی ہے پھر وہ مضبوط ہو کر اپنے تنے پر قائم ہو جاتی ہے۔ یہ کھیتی کسان کے لئے خوشی کا موجب بنتی ہے۔ ان صحابہ کے وجود سے بھی اللہ تعالیٰ کفار کے غیظ وغضب کو بڑھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے آخر تک ایمان وعمل صالح بجا لانے والوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔"

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تورات اور انجیل کی پیشگوئی کے مطابق دو قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ (۱) قسم اوّل اُن صحابہ کی ہے جو جلالی دور کے باعث "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ" کے مصداق ہیں۔ (۲) قسم دوم اُن صحابہ کی ہے جو جمالی دور کی وجہ سے "كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ" کی مانند ہیں۔ ان کا آغاز نہایت کمزور حالت میں ہو گا اور وہ تدریجاً طاقت حاصل کریں گے۔

ان دو جماعتوں کا ذکر ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (الواقعہ آیت ۳۹-۴۰) میں بھی ہوا ہے۔ کہ ایک اعلیٰ جماعت پہلے لوگوں میں سے ہوگی اور دوسری اعلیٰ جماعت پیچھے آنے والوں میں سے ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:۔

"هُمَا جَمِيْعًا اُمَّتِيْ"

وہ دونوں میری اُمت ہیں (اتقان)

احادیث نبویہ میں اپنی دونوں بعثتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

(الف) مَثَلُ اُمَّتِي مثل المطر لا يدرى اوّله خير ام آخره۔ رواه الترمذي۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۸۳)

کہ میری اُمت کی مثال اُس بارش کی ہے جس کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ اس کا پہلا حصہ زیادہ مفید اور بابرکت ہے یا آخری حصہ۔

(ب) انه سيكون فى آخر هذه الامّة قوم لهم مثل اجر اوّلهم يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقاتلون اهل الفتن۔ رواه البيهقى۔

(مشکوٰۃ المصابیح صـ۵۸۴)

کہ اُمت محمدیہ کے آخری حصہ میں ایک جماعت ہوگی انہیں پہلے صحابہ کی مانند اجر ملے گا وہ امر بالمعروف کریں گے اور منکر سے منع کریں گے

اور اہلِ زمین سے مقابلہ کریں گے۔

الغرض قرآن مجید اور احادیث نبویہ پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے انوارِ محمدیہ کو جاری رکھا ہے اور خاص طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو بعثتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سورہ جمعہ کی آیات کے نزول کے موقع پر وآخرین منھم لما یلحقوا بھم کے بارے میں استفسار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان الفارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا۔ لو کان الایمان عند الثریا لنالہٗ رجل من ھٰؤلاء (بخاری کتاب التفسیر) کہ اگر ایمان آسمان پر بھی چلا گیا ہوگا تو ان فارسی الاصل لوگوں میں سے ایک مرد اسے واپس لے آئے گا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دوسری بعثت جس کا وآخرین منھم لما یلحقوا بھم سے تعلق ہے ایسے زمانہ میں ہوگی جب ایمان اُٹھ چکا ہوگا اور اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا۔

(۲)

جماعت احمدیہ اس امر کی قائل ہے کہ اب تمام نبوتیں ختم ہو چکی ہیں، سب روحانی باغ خشک ہو گئے ہیں صرف حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت باقی ہے اور آپ کے شجرۂ طیبہ کے اثمارِ طیبہ جاری ہیں۔ چنانچہ اس آخری دور میں ہمارے عقیدہ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ ہی جلوہ گر ہوئی ہے۔ اسی بنا پر احمدیت کا ظہور ہوا ہے نہ کوئی نئی نبوت ہے اور نہ ہی کسی نئے سلسلہ کا آغاز ہوا ہے۔ اب حل طلب سوال صرف یہ ہے کہ آیا قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے رو سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ مقدر تھی تا اس سے اُمتِ محمدیہ کی نشأۃِ ثانیہ ہو سکے؟ قرآن مجید کی تصریح اور احادیث کی وضاحت کا ہم سطورِ بالا میں مجمل ذکر کر چکے ہیں۔ اب ہم ذیل میں اس کے متعلق علامہ اقبال کے خیالات بیان کرتے ہیں تا وہ لوگ جو علامہ موصوف کے افکار کو قابلِ قدر سمجھتے ہیں ان پر غور کر سکیں۔

ڈاکٹر اقبال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروزی ظہور کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"مرزا غالب کے اس شعر کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے؟

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃً للعالمینے ہم بود

حال کے ہیئت دان کہتے ہیں کہ بعض سیاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق کی آبادی ممکن ہے۔ اگر ایسا ہو تو رحمۃ للعالمین کا ظہور وہاں بھی ضروری ہے۔ اس صورت میں کم از کم محمدیت کے لئے تناسخ یا بروز لازم آتا ہے۔" (مکاتیب اقبال حصہ اول ص۱۱ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی)

علامہ اقبال کے کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس پُر آشوب زمانہ میں ایک عظیم الشان مصلح کیلئے چشم براہ تھے اور انہیں اس حقیقت کا پوری طرح احساس

تھا کہ اِس ظلمت کدہ کو منور کرنے کے لئے آسمانی مہدی کا ظہور ضروری ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کے لئے سراپا تمنا تھے۔ لکھتے ہیں ؎

یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ اِلّا اللہ

(ضربِ کلیم صٰ)

اسی ابراہیم کو دوسرے شعر میں مہدی قرار دیا ہے ؎

اے وہ کہ تو مہدی کے تخیل سے ہے بیزار
نومید نہ کر آہوئے مشکیں سے ختن کو

(ضربِ کلیم صٰ۵۶)

اس زمانہ میں مسلمانوں کی حالت کا بیان علامہ اقبال کے ذیل کے اشعار سے ظاہر ہے۔

علماء کے متعلق کہا ہے ؎

شیخ در عشقِ بتاں اسلام باخت
رشتۂ تسبیح از زنار ساخت

(اسرار و رموز صٰ۹)

مولوی بیگانہ از اعجازِ عشق
ناشناس نغمہ ہائے سازِ عشق

(اسرار و رموز صٰ۷)

واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست
اعتبارِ ملتِ بیضا شکست
واعظِ ما چشم بر بتخانہ دوخت
مفتیٔ دینِ مبیں فتویٰ فروخت

چیست یاراں بعد ازیں تدبیرِ ما
رُخ سوئے میخانہ دارد پیرِ ما

(اسرار و رموز صٰ۹)

عام مسلمانوں کے متعلق لکھا ہے ؎

شور ہے ہو گئے دُنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

(بانگِ درا صٰ۲۲۶)

اقبال نے مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اس کے تقاضا کو ایک شعر میں کس خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

مسلم از سِرِّ نبی بیگانہ شد
باز ایں بیت الحرم بتخانہ شد

(اسرار و رموز صٰ۱۹۲)

(۳)

مسلمانوں کی زبوں حالت اور دُنیا کے فسادات اور ہنگاموں پر نظر کرتے ہوئے اقبال نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کیلئے دردمندانہ اپیل کی ہے۔ کہتے ہیں ؎

اے سوارِ اشہبِ دَوراں بیا
اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو
در سوادِ دیدہ ہا آباد شو

. . . .

شورشِ اقوام را خاموش کن
نغمۂ خود را بہشت گوش کن
خیز و قانونِ اخوت ساز دہ!
جامِ صہبائے محبت باز دہ!
باز در عالم بیار ایامِ صلح
جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح

(اسرار و رموز ص۱۵۸)

اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"کاش کہ مولانا نظامی کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہ صلعم پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں۔"

(مکاتیب اقبال جلد ا ص۱۶۲)

ڈاکٹر اقبال کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے بعض مغربی مصنفوں نے لکھا کہ اقبال نے اپنی نظموں میں جسمانی قوت کو منتہائے آمال قرار دیا ہے (جیسا کہ آج بھی بعض پاکستانی نوجوان خیال کرتے ہیں) اس اعتراض کی تردید میں ڈاکٹر اقبال نے ڈاکٹر نکلسن کے نام ایک مفصل مکتوب تحریر کیا۔ اس میں لکھتے ہیں:۔

"مسٹر ڈکنسن کے نزدیک میں نے اپنی نظموں میں جسمانی قوت کو منتہائے آمال قرار دیا ہے (انہوں نے مجھے ایک مکتوب لکھا ہے جس میں یہی خیال ظاہر کیا ہے) انہیں اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں روحانی قوت کا تو قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا۔ جب ایک قوم کو حق وصداقت کی حمایت میں دعوتِ پیکار دی جائے تو میرے عقیدے کی رو سے اس دعوت پر لبیک کہنا اس کا فرض ہے۔ لیکن میں ان تمام جنگوں کو مردود سمجھتا ہوں جن کا مقصد محض کشورکشائی اور ملک گیری ہو۔

مسٹر ڈکنسن نے صحیح فرمایا کہ جنگ خواہ حق وصداقت کی حمایت میں ہو۔ خواہ ملک گیری اور فتح مندی کی خاطر تباہی اور بربادی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس لئے اس کے استیصال کی سعی کرنا چاہیئے لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ معاہدے، لیگیں، پنچائتیں اور کانفرنسیں استیصالِ حرب نہیں کر سکتیں۔ اگر اس سعی میں ہمیں پیش از پیش کامیابی ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ملل مستعمر جن ملتوں کو تمدن اور تہذیب میں اپنا ہمسر نہیں سمجھتیں انہیں اپنے سہام جور و تعدی کا شکار بنانے کے لئے زیادہ پُرامن وسائل تیار کر لیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو ہمارے معاشری مسائل کی پیچیدگیاں سلجھائے۔ ہمارے تنازعات کا فیصلہ کرے اور بین الملی اخلاق کی بنیاد مستحکم واستوار کر دے۔ پروفیسر میکنزی کی

کتاب "انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" کے یہ دو آخری پیراگراف کس قدر صحیح ہیں میں انہیں یہاں لفظ بہ لفظ نقل کر دیتا ہوں۔

"کامل انسانوں کے بغیر سوسائٹی معراجِ کمال پر نہیں پہنچ سکتی۔ اور اس غرض کیلئے محض عرفان اور حقیقت آگاہی کافی نہیں۔ بلکہ ہیجان اور تحریک کی قوت بھی ضروری ہے۔ جسے یوں کہنا چاہیئے کہ یہ مقاصد حاصل کرنے کے لئے ہم نور و حرارت دونوں کے محتاج ہیں۔ غالباً عہدِ حاضرہ کے معاشرتی مسائل کا فلسفیانہ فہم و ادراک بھی وقت کی اہم ترین ضرورت نہیں۔ ہمیں معلم بھی چاہیئے اور پیغمبر بھی۔ ہمیں آج رسکن یا کارلائل یا ٹالسٹائی جیسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ضمیر کو زیادہ متشدد اور سخت گیر بنانے اور فرائض کے دائرے کو زیادہ وسیع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ غالباً ہمیں ایک مسیح کی ضرورت ہے ...... یہ قول صحیح ہے کہ عہدِ حاضرہ کے پیغمبر کو محض "بیابان کی صدا" نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ عہدِ حاضرہ کے "بیابان" آیادہ شہروں کے گلی کوچے ہیں۔ جہاں ترقی کی مسلسل و پیہم جد و جہد کا بازار گرم ہے۔ اس عہد کے پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس ہنگامہ زار میں وعظ و تبلیغ کرے۔

غالباً ہمیں پیغمبر سے بھی زیادہ عہدِ نو کے شاعر کی ضرورت ہے۔ یا ایک ایسے شخص کا وجود ہمارے لئے مفید ثابت ہوگا جو شاعری اور پیغمبری کی دوگونہ صفات سے متصف ہو۔ عہدِ ماضی کے شاعروں نے ہمیں فطرت سے محبت کرنے کی تعلیم دی ہے۔ انہوں نے ہمیں اس قدر ژرف نگاہ بنا دیا ہے کہ ہم مظاہرِ فطرت میں انوارِ ربانی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم ابھی ایک شاعر کے منتظر ہیں جو ہمیں اسی وضاحت کے ساتھ پیکرِ انسانی میں صفاتِ الٰہی کے جلوے دکھا دے۔ ہائنے نے ازراہِ تفنن اپنے آپ کو روح القدس کا سپاہی کہا تھا۔ ہمیں ایسے شخص کی ضرورت ہے جو درحقیقت روح القدس کا سپاہی ہو جو اس حقیقت پر ہماری آنکھیں کھولدے کہ ہمارے بلند ترین نصب العین روزمرہ کی زندگی میں پورے ہو رہے ہیں۔ اور اگر اس زندگی کو ترقی دینے کی سعی کی جائے تو ہمیں محض راہبانہ ریاضت اور نفس کشی ہی کا موقع نہیں ملے گا بلکہ ایسا ارفع و اعلیٰ مقصد حاصل ہو جائے گا جو تمام خیالات تمام جذبات اور تمام مسرتوں کو ترقی کے بلند مقام پر پہنچا سکتا ہے۔"

انگریزوں کو چاہیئے کہ اس نوع کے خیالات

کی روشنی میں انسان کامل کے متعلق میرے افکار کا مطالعہ کریں۔ ہمارے عہد نامے اور پنچائتیں جنگ و پیکار کو صفحۂ حیات سے محو نہیں کر سکتیں۔ کوئی بلند مرتبہ شخصیت ہی اِن مصائب کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ اور اس شعر میں مَیں نے اسی کو مخاطب کیا ہے۔

باز در عالم بیار ایامِ صلح
جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح

(مکاتیب اقبال جلد ا صفحہ ۴۶۰ تا ۴۶۳)

(۴)

اس طویل اقتباس میں ڈاکٹر اقبال نے جتنے اعتراضات کئے ہیں وہ حق پسند اہلِ فکر کے لئے خاص توجہ کے قابل ہیں۔ اقبال کہتے ہیں کہ:۔

(۱) وہ روحانی قوت کے تو قائل ہیں لیکن جسمانی قوت پر انہیں یقین نہیں۔

(۲) وہ مُلک گیری کے مقصد کے ماتحت آنے والی تمام جنگوں کو مردود سمجھتے ہیں۔

(۳) وہ ایسی رُوحانی شخصیت کے منتظر ہیں جو تمام تنازعات کا فیصلہ کرے۔

(۴) وہ پروفیسر میکنزی کے الفاظ میں ایک پیغمبر اور مسیح کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

(۵) اقبال کے نزدیک اس دور میں ایسے انسانِ کامل کی حاجت ہے جس کی بلند مرتبہ شخصیت دُنیا کو پھر امن و صلح کا پیغام دے۔

اقبال کے اِن بیانات سے مسئلہ جہاد کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے اور انسانِ کامل کے ظہور کے بارے میں بھی ان کے خیالات معلوم ہو جاتے ہیں مسئلہ جہاد کے ذکر پر اسی خط کے مندرجہ ذیل فقرات بھی گہری دلچسپی کے مستحق ہیں۔ اقبال لکھتے ہیں کہ:۔

"مجھے اِس حقیقت سے انکار نہیں کہ مسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح جنگ کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی فتوحات کی ہیں۔ مجھے اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ ان کے بعض قافلہ سالار ذاتی خواہشات کو دینِ مذہب کے لباس میں جلوہ گر کرتے رہے ہیں۔ لیکن مجھے پوری طرح یقین ہے کہ کشور کشائی اور مُلک گیری ابتداءً اسلام کے مقاصد میں داخل نہیں تھی۔ اسلام کو جہاں ستانی اور کشور کشائی میں جو کامیابی ہوئی ہے میرے نزدیک وہ اس کے مقاصد کے حق میں بے حد مضر تھی۔ اس طرح وہ اقتصادی اصول نشو و نما نہ پا سکے جن کا ذکر قرآن کریم اور احادیث نبوی میں جا بجا آیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی لیکن ساتھ ہی ان کے سیاسی نصب العین پر غیر اسلامی رنگ چڑھ گیا اور انہوں نے اس حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں کہ اسلامی اصولوں کی گہرائی کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔" (مکاتیب اقبال جلد ا صفحہ ۴۷۰-۴۷۱)

تفسیر القرآن المجید

قرآنی حقائق و معارف کا خزانہ

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے درس القرآن کے مختصر نوٹ!

قرآن مجید کے علوم و معارف کے طالبوں کو بشارت ہو کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء سے مسجد مبارک ربوہ میں قرآن مجید کے درس کا آغاز فرمایا ہے۔ یہ درس سورۃ مریم سے شروع ہوا ہے۔ الفرقان یہ سعادت حاصل کر رہا ہے کہ اس درس کے ضروری نوٹ مختصر طور پر اپنے الفاظ میں باقاعدہ شائع کرتا رہے۔ اس طرح قارئین کرام اس مبارک درس کا مفید خلاصہ ماہ بماہ بالالتزام مطالعہ کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ ——— (ایڈیٹر)

سُورۃ مریم ع

سُورۃ مریم کا زمانۂ نزول یہ سورۃ مکی زندگی کے اوائل میں نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے بعد چوتھے سال کے آخر میں یا پانچویں سال کے شروع میں نازل ہوئی ہے۔ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ہجرت حبشہ کے مہاجرین کو واپس لانے کے لئے قریش مکہ نے جو وفد نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس بھیجا تھا اُس نے نجاشی اور اس کے درباریوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف بھڑکانے کے لئے کہا تھا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ اس موقع پر ان مہاجرینؓ کے امیر حضرت جعفرؓ نے دربار میں سورۃ مریم کا پہلا حصہ پڑھ کر سُنایا جس سے حضرت مسیحؑ کے بارے میں اسلامی عقیدہ ظاہر ہوتا تھا۔ اس واقعہ سے بداہت ثابت ہے کہ یہ سورۃ ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ میرے نزدیک اس سورۃ کا زمانۂ نزول سنہ ۴ نبوت کا آخر یا سنہ ۵ نبوت کا شروع ہے

سُورۃ مریم کا مضمون اس سُورۃ میں عیسائیت کی حقیقت بیان کی گئی ہے نیز موجودہ عیسائیت کے غلط عقائد کی تردید کر کے عیسائیوں سے مقابلہ کے لئے اصولی تعلیم پیش کی گئی ہے۔ اس سورۃ کا مضمون سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ کہف کے تسلسل میں ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں یہودیوں کی دو تباہیوں کا ذکر تھا جن میں سے پہلی تباہی تو حضرت مسیحؑ سے کافی عرصہ پہلے واقع ہوئی مگر دوسری تباہی کا سلسلہ حضرت مسیحؑ سے کچھ قبل شروع ہوا اور آپؑ کی بعثت کے بعد تک ممتد رہا۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ کہف میں اصحاب الکہف کا ذکر فرمایا اور پھر عیسائیت کے مادی عروج کو تفصیلاً بیان فرمایا۔ اسی تسلسل میں اب سورۃ مریم میں بگڑی ہوئی عیسائیت کے مقابلہ کا طریق بتایا گیا ہے۔

ایک پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں زیادہ

مقابلہ مشرکین سے تھا اسلئے مکی سورتوں میں عموماً مشرکین کے خیالات کی تفصیلی تردید ہوتی رہی ہے۔ سورۂ مریم وہ پہلی مکی سورۃ ہے جس میں تفصیل سے ردِّ عیسائیت کیا گیا ہے۔ کیونکہ آخر میں یکایک اس تبدیلی سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اب بہت جلد مسلمانوں کو عیسائیوں سے تفصیلی گفتگو کرنے کے موقعے پیش آئیں گے اور ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ ایسے موقع پر کونسا طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ گویا اس سورۃ کے مضمون اور اسکے اسلوبِ بیان میں صاف طور پر پیشگوئی کر دی گئی تھی کہ مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کرنی پڑے گی اور ان کا واسطہ اب براہِ راست عیسائیوں سے پڑیگا۔ اس طرح اس سورۃ میں ہجرتِ حبشہ کی صریح خبر دی گئی تھی۔

قرآن کریم کے اس لطیف انداز کو ہمارے مفسرین نے بالعموم نہیں سمجھا لیکن یہ بات یوروپین مستشرقین کو ضرور کھٹکی ہے ایسی لئے انہوں نے ناکام کوششیں کی ہیں کہ سورۂ مریم کو ہجرت حبشہ کے بعد نازل ہونیوالی سورۃ ثابت کریں۔

کٓھٰیٰعٓصٓ کے معنے حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ کٓ سے مراد کافی ہے اور ھٰ سے مراد ھادی ہے۔ عٓ سے علیم مراد ہے اور صٓ صادق کا مختصر ہے۔ یا حرفِ ندا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے ان حروف کے معانی قدرے مختلف مروی ہیں لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ حروف صفاتِ الٰہیہ کا اختصار ہیں۔ حضرت اُمِّ ہانی رضؓ کی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اسلئے اسے

[illegible]

کٓھٰیٰعٓصٓ کا مطلب یا کو حرف ندا قرار دیکر یہ بنتا ہے

کہ اے خدا [illegible] ہے تو کافی ہے اور ہدایت دینے والا

ہے۔ یہ مضمون عقل اور بائیبل کے بیانات سے بھی ثابت ہے کیونکہ جس ذات کو انسانی ضروریات کا پورا علم ہوگا وہی ان ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوگی اور وہی کافی ہوگی۔ اور جو صادق خدا ہے وہ انسان کو مخلصی دے سکتا ہے اور اسی کے وعدہ سے نجات حاصل ہوگی۔ پس صفتِ علیم کا ظہور اسکے کافی ہونے سے ہوتا ہے اور صفتِ صادق کا پتہ اسکے ہادی ہونے سے لگتا ہے جب اللہ تعالیٰ ہی علیم کل ہونے کے باعث کافی ہے تو کسی دوسرے یا تیسرے خدا کی کیا ضرورت ہے۔ اور جب خدا ئے صادق ہمیں نجات اور مخلصی بخشنے والا ہے تو مسیحی کفارہ کا عقیدہ خود بخود باطل ہو گیا۔ اس طرح سے سورۂ مریم کے اس مقطع میں اصولی طور پر عیسائیت کے بنیادی عقائد تثلیث اور کفارہ کی تردید موجود ہے

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّاه یہ خبر ہے اور اس کا مبتداء "ھٰذَا" محذوف ہے۔

معنی یہ ہوں گے کہ یہ تیرے رب کے اپنے بندے زکریا پر رحمت کرنے کا بیان یا یاد دہانی ہے۔ ذِکْر ایسی یاد دہانی کو کہتے ہیں جس سے مخاطب کو خاص توجہ دلائی جاتی ہے۔ رَبِّكَ کا لفظ رکھ کر یہ اشارہ کیا ہے کہ وہ رحمت اب تیرے بڑھانے کیلئے پورے کمال پر آ رہی ہے۔ حضرت یحییٰؑ حضرت مسیحؑ کے لئے بطور ارہاص تھے اور حضرت مسیحؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارہاص مقرر کیا گیا تھا کیونکہ حضرت مسیحؑ کی بن باپ پیدائش میں واضح اشارہ تھا کہ اب آئندہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہیں آئیگا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے مطابق ان کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے آئیگا

عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا کہنے کی حکمت عربی زبان کے لحاظ سے ذِکْر

رَحْمَتِ رَبِّكَ زَكَرِيَّا" سے مفہوم واضح ہو جاتا تھا اسلئے سوال ہوتا ہے کہ درمیان میں عَبْدَهٗ لانے کی کیا حکمت ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے اللہ تعالیٰ رحمان اور رحیم ہے اور اسکی رحمت دو طرح ہوتی ہے۔ (۱) انسان کے عمل یا اس کی نیکی کے بغیر ہونیوالی رحمت صفتِ رحمانیت کے ماتحت ہوتی ہے (۲) انسان کی نیکی اور اسکی اہلیت کی بناء پر ہونیوالی رحمت صفتِ رحیمیت کے ماتحت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت میں عَبْدَهٗ کا لفظ رکھکر واضح فرما دیا کہ ہم نے زکریا کو اس خاص رحمت سے نوازا جو نیکو کاروں کو ملتی ہے وہ چونکہ ہمارا اطاعت گزار بندہ تھا اور ہمارے احکام کی تعمیل کرنیوالا تھا اسلئے ہم نے اس پر یہ رحمت کی۔ گویا عبدہٗ کا لفظ حضرت زکریاؑ کے استحقاقِ رحمت کے ذکر کیلئے بیان ہوا ہے

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا اس میں اُس رحمت کے ظہور کا موقع اور محرک بیان ہوا ہے۔

فرمایا کہ ہم نے زکریاؑ کو اُس وقت اِس رحمت سے نوازا جب اس نے ہمارے سامنے اپنے سربستہ راز کو کھولتے ہوئے دُعا کی۔ لفظ نِدَاء بلند آواز سے پکارنے اور محض بُلانے کیلئے آتا ہے۔ خَفِيًّا کے لفظ سے متعین ہو گیا کہ اسجگہ بلند آواز سے پکارنے کے معنے نہیں ہیں بلکہ اپنی دبی ہوئی دیرینہ آرزو کے بیان کرنے کے ہیں۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا حضرت زکریاؑ نے اسجگہ اپنی ظاہری اور جسمانی کمزوری کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بڑھاپے کی وجہ سے میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں۔ اور سر کے بال سفید ہو کر چمکنے لگ گئے ہیں۔ بال جب سفید ہونے لگتے ہیں تو پہلے ان کی سیاہی زائل ہوتی ہے۔ مگر جب بالکل سفید ہو جاتے ہیں تو ان پر اشتعل الرأس شیباً صادق آتا ہے۔

وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ لفظ دُعَا مصدر ہے اسجگہ اسکے دو معنے ہیں

(۱) میں تجھے پکار کر کبھی ناکام اور بے مراد نہیں رہا۔

(۲) چونکہ تو نے اپنے الہام و کلام سے مجھے نوازا ہے اسلئے میں اپنے مقصد میں ناکام نہیں رہ سکتا۔

وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي مجھے اپنے بعد اپنے چچازاد بھائیوں وغیرہ رشتہ داروں سے ڈر ہے یعنی وہ میری وفات کے بعد گدی قائم کر کے دین کو مسخ کر دیں گے۔ اَلْموالی کا لفظ مولیٰ کی جمع ہے جسکے کئی معنے ہوتے ہیں۔ اسجگہ چچازاد بھائی اور رشتہ دار کے ہیں۔

وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا میری بیوی بانجھ ہے

عَقْر کے لفظی معنے زخمی کرنے اور کاٹ دینے کے ہیں۔ عَاقِر اُس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جس سے بچہ پیدا نہ ہو سکے حضرت زکریاؑ نے عرض کیا کہ میری عمر ورسیدہ بیوی حق ہے گو حالات سارے ناموافق ہیں صرف تیرے فضل پر اُمید ہے۔

فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ پس اے خدا! تو اپنی جناب سے مجھے ولی عطا فرما جو میرے عقائد و خیالات اور اخلاق کا وارث ہو اور وہ آلِ یعقوب کے سلسلے کو قائم کرنیوالا ہو اور وہ تیرے ہاں بھی پسندیدہ اور مقبول ہو۔ لفظ وَلِی ولایت سے بنا ہے جس کے معنے دوست، مددگار اور ہم عقیدہ و ہمخیال کے ہوتے ہیں۔ حضرت زکریاؑ کے دل میں بچے کی خواہش

[illegible] تھی۔ انہوں نے دیا مع صفات بچے کی دعا کی۔ وہ بچہ صحیح عقائد والا ہو۔ میرے مسلک اور مشن کو قائم کرنے والا ہو۔ اور آلِ یعقوب کے روحانی سلسلہ کا وارث ہو اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہو۔

یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ﹰاسْمُهٗ یَحْیٰی | اے زکریا! ہم تجھے ایک غلام کی بشارت

دیتے ہیں اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ لفظ غلام ولادت سے لیکر کہولت (ادھیڑ عمر) تک حاوی ہے۔ اسمیں بشارت تھی کہ لڑکا ہوگا اور وہ زندہ رہیگا اور ادھیڑ عمر تک پہنچیگا۔ اسمہ یحییٰ اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ یعنی ہم نے اس کا یہ نام مقرر کر دیا ہے تو بھی اسکا یہی نام رکھنا۔ اسمیں حضرت یحییٰؑ کے زندہ رہنے اور عمر پانے والا لڑکا ہونیکی طرف اشارہ ہے۔ شہداء چونکہ ہمیشہ کیلئے زندہ ہوتے ہیں اسمہ یحییٰ میں ان کی شہادت کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔

لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا | ہم نے اس سے پیشتر اس کا ہم صفات کسی کو نہیں بنایا۔ لفظ سمیا کے ایک معنے ہم نام کے بھی ہیں۔ مفسرین نے اسجگہ ہمنام ہی ترجمہ کیا ہے۔

پادریوں کا اعتراض | مفسرین کے اس ترجمہ کو لے کر پادریوں نے اعتراض کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ محمد صاحب نے کسی سے انجیلی فقرہ "تیرے کنبے میں کسی کا یہ نام نہیں" (لوقا ۱/۶۱) سن لیا ہوگا اسلئے (نعوذ باللہ) انہوں نے غلط طور پر لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا قرآن میں درج کر دیا۔ پادری کہتے ہیں کہ یوحنا اور یوحنان نام والے پہلے بھی کئی گزر چکے ہیں (دیکھو ۲ سلاطین ۲۵/۲۳، تواریخ ۳/۱۵، عزرا ۸/۱۵)

پادریوں کے اعتراض کا جواب | پادریوں کا اعتراض سراسر غلط ہے۔ اول تو ان کے اعتراض کی بنیاد اس ترجمہ پر ہے جو مفسرین نے عام طور پر کیا ہے۔ حالانکہ عربی زبان میں سمی ہم صفات کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ اور اسجگہ میرے نزدیک یہی معنے مراد ہیں اسلئے اصل لفظ کے صحیح معنے کے لحاظ سے تو یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ دوسرے اگر مفسرین والا ترجمہ بھی مانا جائے تب بھی پادریوں کا اعتراض باطل ہے۔ اس اعتراض کا جواب قرآن مجید کے الفاظ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے لم نجعل له من قبل سمیا کہ ہم نے اس سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا۔ یہ تو نہیں فرمایا کہ کسی کے ماں باپ نے بھی اپنے بچے کا نام یحییٰ نہیں رکھا۔ ظاہر ہے کہ ماں باپ اپنے بچوں کے نام رکھا ہی کرتے ہیں انکے نام رکھنے اور خدا کے نام رکھنے میں عظیم الشان فرق ہے۔ پادریوں نے جو حوالے پیش کئے ہیں اُن میں سے کسی میں یہ ذکر نہیں کہ خدا نے کسی کا نام یحییٰ رکھا تھا۔ پس پادریوں کا اعتراض عام ترجمہ کے رو سے بھی غلط اور باطل ہے۔ اور میں تو پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ آیت کا اصل ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے یحییٰ کی صفات میں ان کا مشابہ نہیں بنایا۔ اس ترجمہ کے رو سے عیسائیوں کا اعتراض پیدا ہی نہیں ہوتا۔

حضرت یحییٰؑ کی خصوصیت | حضرت یحییٰؑ کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل تھی کہ وہ اپنے سے پہلے کے ایک موعود نبی کے نام پر آئے تھے اسکی خو بو پر ہونیکی وجہ سے ان کا نام پہلے نبی کا نام رکھا گیا تھا یہودیوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ:-

"دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے
آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس
بھیجوں گا۔" (ملاکی ۴/۵)

یہودی عقیدہ کے رو سے ایلیاہ نبی آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں اور

دوبارہ آئینگے مگر حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ:-

"ایلیاہ تو آ چکا اور انہوں نے اسکو نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اسکے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھائے گا۔" (متی ۱۷/۱۲)

حضرت مسیحؑ نے حضرت یحییٰؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ:-

"اور چاہو تو مانو ایلیاہ جو آنیوالا تھا یہی ہے جس کے کان سُننے کے ہوں وہ سُن لے۔" (متی ۱۱/۱۴-۱۵)

پس حضرت یحییٰؑ کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ ایلیاہ کے مشابہ بنکر آئے، انکی خو بو پر اور انکے نام پر آئے۔ ان سے پہلے کوئی نبی کسی سابق نبی کا شبیہ یا ہم صفات بنکر نہ آیا تھا۔ اسی خصوصیت کو آیتِ قرآنی ولم نجعل لہ من قبل سمیًا میں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت یحییٰؑ اور اناجیل

اناجیل میں حضرت یحییٰؑ کو بے مثل قرار دیا گیا ہے۔ اعلیٰ صفات کا حامل ٹھہرایا گیا ہے لکھا ہے:-

"وہ دونو (زکریاہ اور انکی بیوی) خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے۔" (لوقا ۱/۶)

حضرت زکریاؑ کو حضرت یحییٰؑ کی بشارت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

"وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پیئے گا اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس سے بھر جائیگا۔" (لوقا ۱/۱۵)

حضرت مسیحؑ کا قول ہے کہ:-

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں ہوا لیکن جو آسمان کی بادشاہت میں چھوٹا ہے وہ اس سے بڑا ہے۔" (متی ۱۱/۱۱)

اِن عبارتوں سے ظاہر ہے کہ انجیل بھی حضرت یحییٰؑ کو کئی پہلوؤں سے بے مثل مانتی ہے۔ ہم انجیل میں بیان شدہ دلیل کو غلط ٹھہرا سکتے ہیں لیکن یہ تو ثابت ہے کہ قرآن مجید کے بیان لم نجعل لہ من قبل سمیًا کی تائید اصولی رنگ میں اناجیل بھی کرتی ہیں اور حضرت یحییٰؑ کو بعض صفات میں بے مثل اور ممتاز مانتی ہیں۔

قرآن مجید اور بائیبل کے اختلافات کی حقیقت

اوّل۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ حضرت زکریاؑ کیلئے بیٹے کی دُعا کی تحریک کا فوری محرک حضرت مریمؑ کا معصومانہ بیان (ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ) ہوا ہے (آل عمران) بائیبل اس بارے میں خاموش ہے۔ ظاہر ہے کہ خاموشی تردید کی دلیل نہیں۔ بائیبل کے الفاظ "تیری دُعا سُن لی گئی" (لوقا ۱/۱۳) سے ثابت ہے کہ بشارت پانے سے قبل حضرت زکریا دُعا کرتے تھے۔ بائیبل نے یہ ذکر نہیں کیا کہ اس دُعا کی تحریک کس طرح ہوئی تھی۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر کر دیا ہے اس سے بائیبل کے بیان کا نامکمل ہونا تو ثابت ہوتا ہے مگر قرآنی بیان کی غلطی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

دوم قرآن کہتا ہے کہ بشارت اللہ تعالیٰ نے دی تھی بائیبل کہتی ہے کہ فرشتے نے دی تھی۔ یہ بھی کوئی اختلاف نہیں فرشتے خدا ہی کا کلام لاتے ہیں اپنی طرف سے کوئی بشارت نہیں دیتے۔ قرآن مجید نے خود دوسری جگہ فرمایا ہے۔ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (آل عمران) کہ فرشتوں نے حضرت زکریاؑ کو بشارت دی پس سورہ مریم کے بیان سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست حضرت زکریاؑ سے کلام فرمایا تھا، وہ کلام تو فرشتوں کے واسطے سے ہوا تھا مگر وہ کلام خدا کا تھا۔ اسلئے یہ کہنا بھی درست ہے کہ

خدا نے بشارت دی اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ فرشتوں نے بشارت دی۔ قرآن کریم کے اندازِ کلام سے لطیف طور پر یہ تشریح کر دیگئی کہ فرشتے کا کلام کرنا خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ ہاں بائبل میں پیدائش ۱۸/۱-۸ سے اِس قسم کی تعبیر کیلئے مثال مل سکتی ہے۔

پادری ویری کہتے ہیں کہ بائبل میں ایک فرشتہ کے کلام کا ذکر ہے اور قرآن کریم نے فرشتوں کے کلام کرنیکو بیان کیا ہے۔ اس کا صاف جواب ہے کہ بعض اہم کلاموں کے لئے فرشتوں کی جماعت بھیجی جاتی ہے۔ یہ بات قرآن و بائبل سے ثابت ہے۔ جب کسی جگہ وفد جاتا ہے تو اگرچہ ان میں سے ایک آدمی کلام کرتا ہے مگر کہا یہی جاتا ہے کہ وفد نے یوں کہا۔ روزمرہ ایسا ہوتا ہے۔ پس ایک فرشتے کے کلام کرنیکے باوجود فنادتہ الملٰئکۃ پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

سوم۔ انجیل میں یحیٰیؑ کو مسیح کے لئے ارہاص (پہلے ظاہر ہونیوالی علامت) ٹھہرایا گیا ہے قرآن میں ایسا ذکر نہیں ہے۔
ہم کہتے ہیں کہ سارا واقعہ اور تمام باتیں ایک ہی جگہ ذکر کرنی ضروری نہیں ہوتیں۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰیؑ کو مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللهِ کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

چہارم۔ قرآن مجید کے رو سے حضرت زکریاؑ کو تین دن تک خاموش رہنے اور ذکر الٰہی کرنیکا نشان دیا گیا۔ انجیل کی رُو سے بطور سزا زکریاؑ کی زبان بند کی گئی اور قریباً دس ماہ بعد یحیٰیؑ کے ختنہ کے روز ان کی زبان کھلی۔ (لوقا ۱/۶۴)

الجواب۔ بیشک یہ اختلاف تو ہے مگر عقل اور فطرت قرآنی بیان کی تائید کرتی ہے اور انجیلی بیان کی تردید کرتی ہے۔ حضرت زکریاؑ ایک نبی ہیں اللہ تعالیٰ ان پر ابراہیمی انعام نازل کرنیکا وعدہ کرتا ہے یعنی انہیں بڑھاپے میں بیٹے کی بشارت دیتا ہے جو بقول مسیح سب نبیوں کا موعود ہے (متی ۱۱/۱۴) اب حضرت زکریاؑ حیرت اور تعجب سے کہتے ہیں کہ بیٹا کیسے ہوگا؟ کیا اس کہنے پر ان پر عذاب نازل ہوجانا چاہیئے؟ پیدائش ۱۸/۱۲ میں آتا ہے کہ سارہؓ زوجہ ابراہیمؑ نے بھی ایسا کہا تھا مگر ان پر کوئی عذاب نازل نہ ہوا تھا سوال یہ ہے کہ زکریاؑ کو کیوں سزا دیگئی اور سارہؓ کو کیوں نہ دی گئی؟ حضرت زکریاؑ نے بیٹے کی بشارت پر حیرت و استعجاب کا اظہار تو کیا تھا لیکن انکار نہیں کیا تھا اور سزا حیرت و استعجاب پر نہیں دی جایا کرتی۔ انجیل کے لفظ "اے زکریا! خوف نہ کر کیونکہ تیری دُعا سُن لی گئی" (لوقا ۱/۱۳) سے ثابت ہے کہ وہ خدا کو بیٹا دینے پر قادر مان کر ہی دُعا کیا کرتے تھے اسلئے وہ بیٹے کی بشارت پر استعجاب تو کرسکتے ہیں مگر انکار اور تردید نہیں کرسکتے اور منکر و متردد نہیں ہوسکتے۔ اِس صورت میں سزا کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ غور سے دیکھا جائے تو انجیل سے بھی قرآنی بیان کی تصدیق ہوتی ہے پس از روئے عقل اور دلیل قرآن مجید کا بیان ہی درست ہے بائبل تو ہر موقع پر انبیاء پر الزام لگانے کے لئے تیار رہتی ہے مگر قرآن مجید ان کی بریت کرتا ہے۔

پنجم۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یوحنا مسیح کے غلام تھے کیونکہ مسیح جب رحم مادر میں ہی تھے تو حضرت مریم کے سامنے آنے سے یوحنا کی والدہ روح القدس سے بھر گئی تھیں اور بچہ خوشی کے مارے اُچھل پڑا تھا۔ (لوقا ۱/۴۱-۴۴) لیکن قرآن مجید سورۂ آل عمران میں حضرت یحیٰیؑ کو سَيِّدًا وَّحَصُورًا قرار دیتا ہے اور سورۂ مریم میں اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ

صَبِیًّا فرماتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بائیبل کا یہ بیان محض زیبِ داستان ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ یوں تو حضرت مسیح کا مقام بلند ہے مگر حضرت یحییٰؑ کو ان کا غلام ٹھہرانا درست نہیں اور خود انجیل اس کی تردید کرتی ہے۔ متی ۱۳-۱۵/۳ میں ذکر ہے کہ مسیح نے یحییٰؑ سے بپتسمہ لیا اور ان کے شاگرد بنے۔ انجیل نویسوں نے اس واقعہ پر پردہ ڈالنے کے لئے کہا ہے کہ یہ بپتسمہ لینا صرف سابق نبیوں کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے کیلئے تھا۔ مگر یہ کہنا غیر معقول جواب ہے۔ اگر یوحنا مسیح کو بپتسمہ دینے کے قابل نہ تھے تو کیا نبی غلط پیشگوئیاں کرتے رہے تھے؟

ششم۔ قرآن مجید نے حضرت مریمؑ کے پاس کھانوں کا ذکر کیا ہے بائبل میں ذکر نہیں۔

درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں۔ قرآن مجید نے اسمیں لوگوں کی نیک فطرت کا ذکر کیا ہے کہ وہ خدمتِ دین کرنیوالوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا کرتے ہیں ایسا ہی حُسنِ عقیدت سے لوگ حضرت مریمؑ کے لئے تحفے پیش کرتے تھے۔ نہ اس میں کوئی ہتک ہے اور نہ ہی یہ غیر معمولی بات ہے۔ یہودیوں کی روایات سے بھی ان کے ہاں ایسے رواج کا پتہ چلتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ یہ استعجاب اور حیرت کا اظہار ہے انکار نہیں ہے۔

وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ۝ میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ گیا ہوں۔ امام راغب کہتے ہیں کہ عتیا بڑھاپے کی اُس حالت کو کہتے ہیں جس کی اصلاح نہ ہو سکے۔

قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو فرشتے کے توسط سے زکریا کو پہنچا۔ توجہ دلانے کیلئے قال ربک کے اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے۔

وَقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا ۝ میں نے تجھے خلق کیا حالانکہ تُو کچھ نہ تھا۔ میرے نزدیک اس پیدائش سے حضرت زکریا کی روحانی پیدائش مراد ہے مطلب یہ ہے کہ آپ بھی پہلے بے حیثیت تھے اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ اسمیں لم نجعل له من قبل سمیا میں غیر معمولی بیٹے کی پیدائش کی بشارت پر استعجاب کا ازالہ فرمایا ہے۔ گویا اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ کا جواب دیا ہے کہ ایسی غیر معمولی صفات والا لڑکا کیسے ہوگا؟ ورنہ ظاہری پیدائش تو ہر شخص کی عدم سے ہوتی ہے حضرت زکریا کی کیا خصوصیت ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً ط آیۃ کے معنے نشان کے بھی ہوتے ہیں اور حکم کے بھی حضرت زکریا نے عرض کی کہ مجھے کوئی ایسا حکم دیجئے جسکی میں تعمیل کروں اور میرا دل خوش ہو اور وہ نشان ہو کہ میں نے اس نعمتِ عظمیٰ کا شکریہ ادا کر دیا ہے۔

اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۝ فرمایا نشان اور حکم یہ ہے کہ آپ تین دن تک لوگوں سے کوئی بات نہ کریں حالانکہ آپ تندرست اور بے عیب ہیں۔ سَوِیًّا۔ تندرست۔

اس جگہ محض کلام کی نفی نہیں اور نہ ہی زبان بند ہونیکا ذکر ہے بلکہ لوگوں سے عمداً کلام نہ کرنیکا حکم ہے تاکہ اس عرصہ میں زکریا خالص ذکرِ الٰہی میں مشغول رہیں۔ جیساکہ فرمایا وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ (آل عمران) یہ ایک قسم کا خاموشی کا روزہ تھا۔ الناس کا لفظ لاکر بتادیا کہ وہ کلام کرسکتے تھے مگر لوگوں سے باتیں کرنا اس وقت منع تھا۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰی اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ زکریا اپنے محراب سے قوم کے پاس آئے اور ان کو آہستہ سے کہا کہ دن رات تسبیح و تحمید میں مشغول رہو۔

المحراب کے معنے (۱) چوبارہ (۲) گھر کا اچھا حصہ (۳) مسجد کا وہ حصہ جہاں امام کھڑا ہوتا ہے (۴) وہ تنہائی کا مقام جہاں بادشاہ یا قومی لیڈر مسائل پر علیحدہ بیٹھ کر غور کرتے ہیں۔ (۵) قلعہ (۶) شیر کی کچھار۔

اوحی الیہم کے معنے لغت کے رُو سے اشارہ کرنے کے علاوہ ایسے رنگ میں کلام کرنے کے بھی ہوتے ہیں جسے دوسرے نہ سُنیں۔ یہاں یہی معنے مراد ہیں۔ اس کی تائید آل عمران کی آیت ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا سے بھی ہوتی ہے۔ رمز کے معنے عربی زبان میں بھوؤں سے اشارہ کرنے کے بھی ہیں اور ہونٹوں سے اشارہ کرنے یعنی آہستہ بات کرنے کے بھی ہیں۔ امام الثعالبی کے نزدیک رمز ہونٹوں سے اشارہ کیلئے مخصوص ہے۔ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا سے مراد صبح و شام یعنی دن رات ہے۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ اس جگہ کتاب سے مراد تورات ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تورات ابھی تک منسوخ نہ ہوئی تھی یحییٰ کو اس پر عمل کرنے کا حکم ملتا ہے۔ حضرت مسیح نے حضرت یحییٰ سے بپتسمہ لیا تھا اسلئے وہ بھی تورات کے تابع قرار پائے۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ ہم نے جوانی کے ایام میں یحییٰ کو حکم دیا۔ اس پر اپنا کلام نازل کیا۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ پے در پے دو نبی ایسے گزرے ہیں یعنی یحییٰ اور مسیح جنہیں عالمِ جوانی کے آغاز میں ہی خدا نے اپنے کلام سے نوازا۔ لوگوں نے بھی حضرت مسیح کے بارے میں کہا تھا۔ كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ حنان کے معنے: رحمت، رزق، برکت، دل کی نرمی، ہیبت، وقار کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے یحییٰ کو یہ تمام باتیں عطا کیں۔ پھر اسے زکوٰۃ یعنی کامل پاکیزگی بخشی اور وہ متقی یعنی صاحبِ تقویٰ تھا۔

اسجگہ اگر یہ سوال ہو کہ جب زکوٰۃ کا لفظ آگیا تھا تو تقیا لانیکی کیا ضرورت تھی؟ تو یاد رکھنا چاہیئے کہ عربی کے ہر لفظ میں خصوصیت ہوتی ہے۔ تقویٰ بیرونی بدیوں سے بچنے کے لئے آتا ہے اور زکوٰۃ اندرونی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے۔ گویا زکوٰۃ میں یہ بتایا کہ حضرت یحییٰ اندرونی خرابیوں سے محفوظ تھے اور وکان تقیا کہہ کر یہ بتایا کہ وہ بیرونی خرابیوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ گویا باطناً اور ظاہراً ہر طرح پاک تھے۔

وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وہ اپنے ماں باپ سے نہایت اچھا سلوک کرتے تھے۔ زیادتی اور جبر کرنے والے نافرمان نہ تھے۔

برّ کے معنے بات کا پکا اور سچا کے ہوتے ہیں۔ جب برّ والدہٗ کہیں تو اسکے معنے ہوں گے احسن الطاعۃ الیہ ورفق بہ وتحری محابّہ وتوقی مکارہہ کہ اس نے اپنے باپ کی پوری طرح اطاعت کی۔ اس سے نرمی اور رفق کا سلوک کیا۔ اسکے پسندیدہ کاموں کو سرانجام دیا اور اسکے ناپسندیدہ کاموں سے بچتا رہا۔

جبّار کا لفظ اضداد میں سے ہے اسجگہ اسکے معنے ہیں کہ وہ کسی کا حق نہ مارتے تھے۔ (باقی صفحہ ۲۹ پر)

قرآن مجید کی وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوحانی مشاہدات کا ایک نمونہ!

(از قلم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ ربوہ)

(۲)

سورۂ کہف میں وارد شدہ انگورستان کی مثال اور اُس کی وضاحت

سورۂ کہف کے پانچویں رکوع میں انگوروں کے دو باغوں کی مثال بیان کرتے ہوئے تمثیلاً یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عیسائی قوم کی حکومت تین زمانوں میں منقسم ہے۔ ایک اسلام سے پہلے کا زمانہ، دوسرا اسلامی حکومت کے زمانہ کے بعد کا عرصہ جس میں ان کی حیثیت ایک کھیتی کی سی ہوگی اور تیسرا زمانہ مسلمانوں کی حکومت کے زوال پر جبکہ یہ قوم ان کو پامال کر کے بہت بڑی حکومت قائم کر لے گی۔ یہ امر کہ کیا انگورستان کی مثال سے مراد دُنیا کا مال و دولت اور جاہ و حشمت ہی ہے۔ سورۂ کہف کے اس رکوع میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے[۱]۔ جب فرمایا کہ انگورستان کا مالک اس میں داخل ہو کر فخر سے اپنے ساتھی سے کہے گا۔ اَنَا اَکْثَرُ مِنْکَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ۝ یعنی دولت میں مَیں تجھ سے زیادہ دولتمند اور جتھہ میں تجھ سے زیادہ عزت مند ہوں۔

دولتمندی اور جاہ و حشمت بیان کرنے کے لئے انگورستان کی یہ مثال عیسائی قوم کے ہی محاورہ میں دی گئی ہے جیسا کہ متی باب ۱۲ میں حضرت مسیح علیہ السلام انگوروں کے تاکستان کی مثال دے کر یہودیوں کو سمجھاتے ہیں کہ چونکہ تم نے [illegible] اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اسکی حفاظت نہیں کی بلکہ بد دیانتی اور شرارت سے خدا کے انبیاء سے پیش آتے رہے ہو اس لئے جب تاکستان کا مالک آئے گا تو وہ تمہیں ہلاک کر دے گا اور پھر اپنا تاکستان اوروں کو دے دیگا۔

غرض سورۂ کہف کے پانچویں رکوع میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ عیسائی قوم کو اپنی حکومت پر بڑا گھمنڈ پیدا ہوگا، یہاں تک کہ وہ سمجھے گی کہ اس کی حکومت کو کبھی زوال نہیں اور یہ کہ اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی ان کی حالت بہتر ہوگی لیکن ان کی ایسی حکومتیں جو خدا تعالیٰ کے نام تک کو عار سمجھتی ہیں اور صلیب و مُردہ پرستی جن کا طرۂ امتیاز ہے آسمانی آگ سے ہمیشہ کے لئے بالکل تباہ و برباد کر دی جائیں گی۔

سورۂ مریم میں عیسائیوں کی دولتمندی کا ذکر

سورۂ مریم کے پانچویں رکوع میں بھی عیسائی حکومتوں کی اس خام خیالی کا کہ وہ بہت دولتمند ہیں جواب دے کر اُن کی آخری اور کامل تباہی کی پیشگوئی کی گئی ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ۝ (آیت ۷۸) کیا تُو نے اسے نہیں دیکھا جس نے ہمارے نشانات کا انکار کیا اور کہا کہ مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی۔ یہ الفاظ مفہوماً سورۂ کہف کی آیت وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ

۱؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔

خَبِيْرًا . بِنْهَا مُنْقَلَبًا کے ہی ہم معنی ہیں۔
سورہ کہف کی آخری آیات میں عیسائی قوموں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتَرَكْنَا يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًاہ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًاہ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًاہ یعنی جس دن وعدہ کا دن آئے گا تو اس روز ہم انہیں ایک دوسرے کے خلاف جوش سے حملہ آور ہوتے ہوئے چھوڑ دیں گے اور بگل بجایا جائے گا۔ تب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے۔ اور ہم اس دن جہنم کو ان کافروں کے سامنے کھلے طور پر لے آئیں گے۔ وہ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردہ میں ہیں اور وہ سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

سورہ مریم میں بأس شدید اور اسکے انجام کا ذکر۔ سورہ کہف کی ان آیات میں عیسائی اقوام کی جس باہمی آویزش اور جنگ و قتال کا ذکر کیا گیا ہے سورہ مریم کے آخر میں اسے بایں الفاظ دہرایا گیا ہے۔ فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّاہ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّاہ یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سرکش لوگوں (یعنی اللہ تعالیٰ کا بیٹا پکارنے والوں) کو کافروں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ انہیں جنگ کیلئے اکسائیں۔ سو ان کے خلاف جلدی مت کر ہم ان کے لئے بہت بڑی تیاری کر چکے ہیں۔

مذکورہ بالا موازنہ سے بھی ظاہر ہے کہ دونوں سورتیں ایک ہی موضوع انذار اور بشارت کے متعلق آپس میں ہم معنی و ہم مفہوم ہیں اور ان سورتوں میں الفاظ "عَرَضْنَا"، "تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً"، "تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ"، "هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ" جو وارد ہوئے ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی حکومتوں کے انجام کے متعلق علاوہ اس وحی جلی کے جو ان دونوں سورتوں کے ذریعہ سے ہوئی آنے والے واقعات کے متعلق آپ کو مکاشفہ بھی ہوا۔ اور آپ کو دکھایا گیا تھا کہ بأس شدید اور بشارت سے متعلقہ پیشگوئیاں کس کس صورت و شکل میں ظاہر ہوں گی۔

ایک شبہ کا ازالہ پیشتر اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدات کا ذکر کیا جائے اس شبہ کا ازالہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سورہ کہف اور سورہ مریم کی پیشگوئیوں کا تعلق اُن جنگوں سے ہے جو قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے پوری ہو چکی ہیں۔ یعنی اُن جنگوں میں جو رومی اور دیگر عیسائی حکومتوں کے ساتھ لڑی گئیں اور جن میں مسلمان اُن پر غالب آئے اور اُن کی حکومتوں کو مغلوب کیا گیا۔ یہ خیال درست نہیں کہ سورہ کہف میں مذکور بأس شدید اور بشارت کا تعلق گذرے ہوئے واقعات تک ہی محدود ہے۔ اوّل اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ کہف کی ان آیات کو دجال کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے جس کا ظہور آخری زمانہ میں ہونے والا تھا۔ اور دوم اسلئے یہ خیال درست نہیں کہ سورہ کہف کے آخر میں اس بات کا صراحت سے ذکر کیا گیا ہے کہ جن پیشگوئیوں

کا ذکر سورۂ کہف میں وارد ہوا ہے ان کا سلسلہ گذشتہ زمانہ کے ساتھ ہی ختم ہونے والا نہیں بلکہ وہ ایک لمبے زمانہ پر ممتد ہے یہاں تک کہ اگر اس کی تفصیلات قلمبند کی جائیں تو ایک سمندر کیا اس سے دُگنی روشنائی بھی ختم ہو جائیگی پیشتر اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ باتیں ختم ہوں۔ فرماتا ہے قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ[1] رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ یعنی انہیں کہدے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو سمندر میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم اتنی ہی اور روشنائی اُن کے لکھنے کے لئے لے آئیں۔ اِس آیت سے ظاہر ہے کہ جن پیشگوئیوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ کہف کی تجلی ہوئی ہے وہ ایک لمبا سلسلہ ہے اور اس کے سینکڑوں ملتے ہیں جیسا کہ ابھی اجمالاً ان پیشگوئیوں کی وسعت کا ذکر کیا جائے گا۔

سورۂ کہف اور سورۂ مریم میں وارد شدہ پیشگوئی کا تعلق

علاوہ ازیں مذکورہ بالا خیال اسلئے بھی نادرست ہے کہ سورۂ کہف اور سورۂ مریم میں عیسائی حکومتوں کی جس تباہی کا ذکر کیا گیا ہے وہ کامل تباہی ہے۔ جس کے متعلق کھلے الفاظ میں ان دونوں سورتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ظالم حکومتیں صفحۂ ہستی سے نابود کر دی جائیں گی یہانتک کہ ان کی آہٹ تک بھی سُنائی نہ دیگی۔ اسلئے ان سورتوں کے متعلق یہ کہنا کہ ان میں وارد شدہ پیشگوئیاں قرونِ اُولیٰ میں پوری ہو چکی ہیں واقعاتِ مشہودہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے ہاتھوں عیسائی اقوام کی حکومتوں کی تباہی نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے عیسائی اقوام کے ساتھ نیک سلوک کیا۔ انہیں دُنیا کی آسائشوں اور اسبابِ تمتع سے متمتع ہونے کی پوری پوری آزادی دی۔ جس سے فائدہ[2] اُٹھاتے ہوئے وہ سنبھلیں اور انہوں نے دُنیا میں پھر ترقی کی۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے سارے جہان پر چھا گئیں اور آج سارے جہان کے لئے بلائے بے درماں بنی ہوئی ہیں۔ نیز سورۂ کہف اور سورۂ مریم میں عیسائی حکومتوں کی جس تباہی کا ذکر کیا گیا ہے وہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہونیوالی تباہی نہیں بلکہ اُن کی اپنی ہی باہمی جنگوں والی تباہی ہے جیسا کہ آیت وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ سے ظاہر ہے۔ ایسا ہی سورۂ مریم کی آیت اِنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى

---

[1] کلمات سے مراد یہاں وہ پیشگوئیاں ہیں جو سورۂ کہف میں مذکور ہیں۔ لفظ کلمۃ اور کلمات کا استعمال بمعنی پیشگوئی قرآن مجید میں بکثرت ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران آیت ۳۹ و ۴۵۔ النساء آیت ۱۷۰۔ سورۂ انعام آیت ۳۴ و ۱۱۵۔ اعراف آیت ۱۳۶۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۹۔ سورۂ زمر آیت ۱۹ و ۷۱۔ الصافات آیت ۱۷۱۔

[2] انصاف پسند عیسائی مستشرقین نے اس بات کا [illegible] اقرار کیا ہے کہ ۶۰۰ سال بلکہ بعض لحاظ سے تو اٹھارھویں [illegible] تک بھی یورپ کی قومیں اسلامی تہذیب و تمدن سے مستفید ہوتی رہی ہیں۔ دین میں، علمِ اخلاق و آداب میں، سیاست میں، صنعت و حرفت میں، علم طبیعات و علم کیمیا میں، علم ریاضی و فلسفہ میں، علم تاریخ و جغرافیہ اور علم طب و جراحی میں یہاں تک کہ [illegible]

الکفرین تؤزّھم ازّا کا بھی یہی مفہوم ہے کہ شیطان یعنی سرغنے کفر و ضلال ایک دوسرے کو جنگ کے لئے اُکسائیں گے۔

غرض سورۂ کہف اور سورۂ مریم کی پیشگوئیاں آئندہ آنے والے دُور دراز زمانہ سے متعلق ہیں۔ ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جن کانوں نے خدائے علام الغیوب کی یہ عظیم الشان آواز سُنی وہ یہ گوشت پوست والے کان نہ تھے۔ اور آپ کی جس آنکھ کو یہ دُور دراز آنے والے واقعات دکھائے گئے وہ پُتلی والی آنکھ نہ تھی بلکہ رُوحانی آنکھ اور کان تھے۔ اور جس عالم اور ماحول میں آئندہ زمانہ کے متعلق مذکورہ بالا عظیم الشان اطلاعات دی گئیں وہ انسان کا یہ مادی عالم نہیں جو محدود ہے بلکہ عالم الملکوت کا ایک وسیع ترین ماحول ہے۔

فتنۂ دجّال کی تعیین کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات

سورۂ مریم اور سورۂ کہف کا موضوع معین کرنے کے بعد اب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال لیتا ہوں جن میں آپ نے ذاتی رُؤیت کی بنا پر دجّال کی صورت و شکل، اس کے اوصاف اور اس کے کام بیان فرمائے۔ اور اس کے بعد اختصار کے ساتھ آپ کے مشاہدات کا وحی الٰہی کی ان تجلیات کے ساتھ مقابلہ کروں گا جن کا ذکر ان دونوں سورتوں میں وارد ہوا ہے اور انشاء اللہ دکھاؤں گا کہ یہ تجلیات، وحی اور مشاہدات آپس میں مفہوم و مطابقت کے اعتبار سے ایک ہی قسم کے فتنہ اور بأس شدید سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ سورۂ کہف کا تعلق فتنۂ دجّال سے ہے۔ اس بارے میں حضورؐ کے الفاظ یہ ہیں:۔

فمن ادرکہ منکم فلیقرأ علیہ
فواتح سورۃ الکہف فانہا جوارکم
من فتنتہ (مشکوٰۃ کتاب الفتن ذکر الدجال)

یعنی تم میں سے جو شخص دجّال کو پائے اسے چاہیے کہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیات اس کے سامنے پڑھے۔ کیونکہ یہ تمہارے لئے اس کے فتنہ سے پناہ دینے والی ہیں۔

ایک دوسری روایت میں سورۂ کہف کی آخری آیات پڑھنے کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے۔ بلکہ احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ ساری سورت ہی جمعہ کو پڑھی جائے تاکہ دجّال کے فتنہ سے پڑھنے والا محفوظ رہے۔ چنانچہ مسلمانوں کا

بقیہ حاشیہ ص

غرض کوئی شعبۂ علم و فن نہیں جس میں عیسائی دنیا نے مسلمانوں سے صدیوں استفادہ نہ کیا ہو۔

گوسٹاولی بون، سدیو، دوزی (Dozy) اور اینگلمین (Engelmann) کی تصانیف اس تعلق میں ملاحظہ ہوں۔ مؤخر الذکر دو مصنفوں نے یورپ کی زبانوں کے متعلق ڈکشنریاں بھی تیار کی ہیں اور بتایا ہے کہ سپین، جرمنی، فرانس اور انگلستان وغیرہ عیسائی ممالک کی زبانوں میں کثرت سے الفاظ عربی ہیں اور قواعد نحو و صرف پر عربی قواعد کا اثر غالب ہے۔ یہ مضمون الگ تفصیل چاہتا ہے۔

لغت میں اَزّ کے معنی اُکسانا اور دوسرے پر تیز کرنا ہے۔

عام طور پر اس پر عمل درآمد رہا ہے۔ یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ سورۂ کہف میں عیسائیوں کا ذکر ہے اور دجال نام شخص یا قوم کا اس میں کہیں بھی ذکر نہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ سے کیسے اخذ فرمایا کہ اس کا تعلق دجال سے ہے۔ یہ سوال اہم ہے اور اس کا معقول جواب سوائے اس کے کوئی نہیں کہ ان آیات کے نزول کے وقت آپ پر یہ تجلی بھی ہوئی تھی کہ جو فتنہ قدیم الایام سے دجال کے نام سے مشہور ہے اس کا ماخذ و منبع عیسائیت ہے جس کے شدید خطرہ سے ہر نبی نے اپنی اُمت کو ڈرایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی اُمت کو اس کے فتنہ سے آگاہ فرمایا اور اس سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی۔ چنانچہ عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام سے مخاطب ہوئے اور ان سے فرمایا۔ مَا بَعَثَ اللّٰہُ مِنْ نَّبِیٍّ اِلَّا اَنْذَرَ اُمَّتَہٗ۔ اَنْذَرَ نُوْحٌ اُمَّتَہٗ وَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ بَعْدِہٖ یعنی ہر نبی نے جسے اللہ تعالےٰ نے بھیجا اپنی اُمت کو دجال کے فتنہ سے ڈرایا ہے۔ نوحؑ نے بھی اپنی اُمت کو ڈرایا اور اسی طرح ان کے بعد اَور نبیوں نے بھی۔ اور ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ وَ اِنِّیْ اُنْذِرُکُمْ کَمَا اَنْذَرَ بِہٖ نُوْحٌ قَوْمَہٗ۔ اور میں بھی تمہیں اس کے خطرہ سے آگاہ کرتا ہوں جس طرح نوحؑ نے اپنی قوم کو آگاہ کیا (حجج الکرامہ صـ۴۲۰)

یہ روایتیں مستند ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی انہیں نقل کیا ہے اور دیگر محدثین نے بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنۂ دجال کے تعلق میں سورۂ کہف خصوصاً اس کی ابتدائی و آخری آیات کی طرف توجہ دلانا بتاتا ہے کہ آپ کے نزدیک عیسائی اقوام میں سے ہی دجال کا ظہور مقدر ہے۔ دجال کا ذکر سابقہ انبیاء کے صحیفوں میں بار بار آیا ہے اور ان میں جو اوصاف اس کے بیان کئے گئے ہیں خود عیسائیوں کے بعض بڑے بڑے علماء اور شارحین کے نزدیک عیسائی گرجوں کے متولیوں پر صادق آتے ہیں۔ اس بارے میں سب سے بڑی مشہور پیشگوئی دانیال نبی کی ہے۔ اس پیشگوئی کی تشریح کرتے ہوئے عیسائی علماء اور شارحین رومن کیتھولک اور پاپائے روم کو دجال کا مصداق بتلاتے ہیں۔[1]

[1] دانیال علیہ السلام کی مشارٌ الیہ پیشگوئی بھی نمونہ ہے۔ ان مشاہدات کا جو عالمِ ملکوت کا پتہ دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو دانیال باب ۷) جس مشاہدہ کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے وہ ان کو چار حیوانوں کی شکل میں دکھلایا گیا اور عالمِ رؤیا میں ہی اس کی تعبیر بھی ان کو بتلائی گئی۔ ان حیوانوں سے مراد چار بڑی سلطنتیں ہیں جو دُنیا میں قائم ہوں گی۔ عیسائیوں کو تسلیم ہے کہ چوتھی سلطنت رومانیوں کی تھی۔ اور یہ کہ چوتھے حیوان کے سر پر جو دس سینگ دکھلائے گئے وہ اس سلطنت کی دس شاخیں تھیں جن میں یہ چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں تقسیم ہوئی۔ اور دانیال علیہ السلام نے جو یہ دیکھا کہ ان کے دس سینگوں کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا سینگ نمودار ہوا ہے جس میں آنکھیں ہیں اور ایک مُنہ جو بڑے گھمنڈ کی باتیں بولنے لگا۔ اس کا چہرہ اس کے ساتھیوں کی نسبت زیادہ رُعب ناک ہے اور اُس نے مقدسوں سے جنگ شروع کر دی اور حق تعالیٰ کی مخالفت میں باتیں کرنے لگا۔ اور اُس نے چاہا کہ وقتوں اور شریعتوں کو بدل دے۔ (باقی صـ۴۲ پر)

اسلامی روایات میں بھی دجال اور اسکے جساسہ کے متعلق یہ ذکر آتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک گرجا میں پایا گیا جہاں وہ زنجیروں سے مقیّد تھا۔ یہ مشاہدہ تمیم داری کا ہے جو عیسائیوں میں سے

بقیہ حاشیہ

اس نے حق تعالیٰ کے مقدسوں سے ان کی سلطنت چھین لی۔ یہاں تک کہ ایک مدّت اور مدّتیں اور آدھی مدّت گذر ہیں اور خدائے قدوس کا تخت لگایا گیا جو آگ کے شعلہ کی مانند تھا۔ عدالت ہو رہی تھی اور کتابیں کھلی تھیں اور پھر اس کا بدن شعلہ زن آگ میں ڈالا گیا اور اس حیوان کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا گیا (دانیال باب ۷)

عیسائی علماء یہ تسلیم کرتے ہیں کہ رومانی حکومت کی دس شاخوں کے بیچوں بیچ سے نکلنے والا یہ سینگ جس کا اوپر وصف بیان ہوا ہے دجال ہے۔ اور یہ کہ اس کے ظاہر ہونے اور طاقت و غلبہ پانے کی میعاد دانیال علیہ السلام کی پیشگوئی اور ان کی تعبیر کے مطابق ۱۲۶۰ سال کا عرصہ ہے جو اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب بیت المقدس کو تباہ کرنے والا (یعنی رومانی حکومت) خود تباہ ہوگا اور جب دائمی قربانی موقوف کی جائے گی۔ مشہور مؤرخ گبن کے اندازے کے مطابق بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھ سے ۶۳۷ء سنہ کے فویں مہینہ میں فتح ہوا۔ اس فتح کے ساتھ یہودیوں کی سوختنی قربانی بیت المقدس اندروئے شریعت اسلامی موقوف ہوئی۔ اس تاریخ سے اگر بارہ سو ساٹھ سال کا عرصہ شمار کیا جائے تو یہ ۱۸۹۷ء کا آخر ہوتا ہے۔ یہ وہ مدت ہے جس میں حق تعالیٰ کے مقدس بندوں یعنی مسلمانوں کی سلطنت عیسائی قوموں کے ہاتھوں تباہ ہونیوالی تھی۔ اس طرح اندروئے واقعات دانیال علیہ السلام کی پیشگوئی کا دوسرا حصہ پورا ہوا کہ دجال حق تعالیٰ کے مقدس بندوں سے ان کی سلطنت ایک مدّت (۳۶۰) اور مدّتیں (۳۶۰×۲=۷۲۰) اور آدھی مدّت (۱۸۰) یعنی ۱۲۶۰ سال کے عرصہ میں چھین لے گا۔ مدّت سے مراد ایک قمری سال یعنی ۳۶۰ دن ہیں۔ انبیاء سابقین کی پیشگوئیوں میں ایک دن سو سال کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ اس عرصہ میں دجال نے مذکورہ بالا پیشگوئی کے مطابق تمام رُوئے زمین کو لتاڑنا اور اس کے بعد شعلہ زن آگ میں اسے تباہ کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں علامہ ڈمبل بی نے صحفِ سابقہ کی پیشگوئیوں سے استدلال کرتے ہوئے دجال کو (Political beast) یعنی سیاسی درندہ قرار دیا ہے جو پالیسی سے اپنی تجارت کو فروغ دینے اور دغا اور فریب سے بہتوں کو عجیب طرح سے تباہ کرنے والا ہے بلفظ دجال کے معنی عربی میں فریب دینے والے اور ملمع ساز کے ہیں اور اس کے معنی تاجروں کا گروہ بھی ہے جو اپنا سامان تجارت جگہ بجگہ لئے پھرتا ہے۔ (دیکھیں لسان العرب زیر لفظ دجال)

دانیال علیہ السلام کی مذکورہ بالا پیشگوئی کے پورا ہونیکی میعاد کا اندازہ متعدد مسیحی علمائے ہیئت و فلکیات نے لگایا ہے۔ ان میں سے سب سے صحیح اندازہ مشہور فلکی علامہ ڈمبل بی کا ہے جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ (دیکھیں انکی کتاب The Appointed time کے صفحات ۲۶ - ۲۵۵ - ۲۶۴) اس کتاب کے صفحہ ۲۰۹ پر وہ لکھتے ہیں کہ بعض عیسائی فرقوں کے نزدیک دانیال علیہ السلام کی پیشگوئی میں مذکورہ اوصاف دجال روم کیتھولک پر صادق آتے ہیں۔ اس تعلق میں انہوں نے پوپ کا حوالہ ہوتے کئی الفاظ

مسلمان ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے گرجا سے نکلنے والے دجال اور جساسہ کا ذکر سن کر صحابہ کرام کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں بھی تم سے دجال کے متعلق یہی ذکر کیا کرتا تھا۔ صحابہ کرام رض کو اس انداز سے سخت غم ہوا۔ فاطمہ بن قیس بھی ان عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے یہ ذکر سنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں۔ لَقَدْ خَلَعْتَ قُلُوْبَنَا۔ اے رسول خدا آپ نے تو ہمارے دلوں کو ہلا دیا ہے۔ تمیم داری کی روایت کے الفاظ (يَتَفَرَّزُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ) قابل توجہ ہیں۔

(یعنی وہ زمین و آسمان کے درمیان اڑتا ہوا پھرتا ہے)

جہاں تک ان الفاظ سے سمجھا جا سکتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ مشاہدہ خواب کا ہے۔ اور روایت کے یہ الفاظ بھی کہ گرجا کا راہب اُن سے کہتا ہے یوشك ان يؤذن لی (یعنی عنقریب مجھے باہر نکلنے کی اجازت دی جائیگی) اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب العلامات)

دجال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ مشاہدات

دجال کا حلیہ اور اوصاف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشاہدہ کی بنا پر بیان فرماتے ہیں وہ ذیل میں نمبروار درج کئے جاتے ہیں۔ یہ حلیہ اور وصف اُسی تمثیلی زبان میں ہیں جو عالمِ غیب اور عالمِ ملکوت سے مخصوص ہیں جن کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا جا چکا ہے یعنی تصویروں اور شکلوں میں جو اپنے مشابہ اور مماثل معانی اور اوصاف پر اسی طرح دلالت کرتی ہیں جس طرح حروفِ تہجی اور اُن کی باہمی مختلف ترکیبیں ذہنی تصورات اور معانی پر۔ جس طرح حروف و الفاظ میں وسیع سے وسیع تصورات پنہاں ہوتے ہیں اسی طرح

بقیہ حاشیہ ۲۲

کا ذکر بھی کیا ہے جو سات کلیساؤں، یعنی گرجوں کو لکھے گئے ہیں۔ علامہ مذکور ان کا حوالہ دیتے ہوئے خود بھی دبی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ان خطوط میں جن باتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ بے شک گرجوں میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن آخر وہ کہتے ہیں کہ یہ ہماری طرح مسیح کی ابنیت اور الوہیت کے معتقد ہیں۔ اسلئے انکے نزدیک یہ دجال کے مظہر نہیں ہو سکتے۔ خصوصاً اسلئے بھی کہ انکو توبہ اور نادم ہونے کا موقع دیا گیا ہے۔ اس تعلق میں انہوں نے مکاشفات کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں دجال کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ (جنہیں پڑھکر عیسائیوں کے دجال کا مظہر ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا) اس ضمن میں پولوس کا تھسلنیکیوں کے نام دوسرا خط بھی ملاحظہ ہو جس میں دجال کو بے دین کا لقب بھی دیا گیا ہے جو خدا کے مقدس میں بیٹھ کر اپنے آپ کو خدا ظاہر کرتا ہے جسے یسوع اپنے مُنہ کی پھونک سے ہلاک اور اپنی آمد کی تجلّی سے نیست و نابود کرے گا۔ نیز اس دجال کی آمد شیطان کی تاثیر کے موافق ہر طرح کی جھوٹی قدرت اور نشانوں اور عجیب کاموں کے ساتھ اور ہلاک ہونے والوں کے لئے ناراستی کے ہر طرح کے دھوکہ کے ساتھ ہوگی۔ (از ۳ تا ۱۲) اس تعلق میں ملاحظہ ہو مکاشفہ باب ۱۳ جس میں لکھا ہے کہ اژدہا (شیطان) نے اس حیوان کو اختیار دیدیا اور وہ بڑے بول بولنے کیلئے اور کفر بکنے کے لئے اسے ایک مُنہ دیا گیا اور اُس نے خدا کی نسبت کفر بکنے کے لئے منہ کھولا۔ اور یہ اختیار دیا گیا کہ مقدسوں سے لڑے اور ان پر غالب آئے اور اسے بیالیس مہینے تک کام کرنیکا اختیار دیا گیا یعنی ۱۲۶۰ سال۔ یہ وہی میعاد ہے جو دانیال کی پیشگوئی میں مذکور ہے +

عالم غیب میں جو شکلیں متمثل ہوتی ہیں وہ بھی نہایت وسیع تصورات اور معیّن معانی کی حامل ہوتی ہیں۔ یہ شکلیں اور صورتیں بھی گویا ایک مستقل زبان ہے جس کی اصطلاحات کو عالم ملکوت کے نظاروں کے سمجھنے میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دجال کی پیشانی پر ک۔ ف۔ ر لکھا ہوا ہے (یَقْرَأُہٗ کُلُّ مُؤْمِنٍ کَاتِبٍ وَغَیْرِ کَاتِبٍ) جسے ہر مومن پڑھ سکتا ہے۔ خواہ وہ لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ یعنی غیر مومن کفر کے ان حروف کو جو اگرچہ بہت ہی نمایاں ہوں گے نہیں سمجھ سکیگا۔ پیشانی پر (ک۔ ف۔ ر) نوشتے سے مراد یہ ہے کہ اس کا کفر ایسا نمایاں اور واضح ہوگا کہ عالم اور جاہل دونوں سے وہ چھپا نہیں رہیگا بشرطیکہ مومن ہو۔

(۲) آپ نے اسے (اَعْوَرَ الْعَیْنِ الْیُمْنٰی) داہنی آنکھ سے کانا دیکھا۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ وہ دین سے کلّیۃً محروم ہوگا۔ آپ نے اس کی یہ آنکھ بیٹھی ہوئی دیکھی۔ اور اس سے یہ مراد ہے کہ اس کی روحانی بصیرت بالکل مسخ ہوگی۔ ابوداؤد کی روایت میں الفاظ (مَطْمُوْسَ الْعَیْنِ الْیُمْنٰی) یعنی داہنی آنکھ بے نور ہوگی۔ دائیں سے مراد دین اور راستی ہے جیسا کہ بائیں سے مراد دُنیا اور بے دینی ہے۔

(۳) آپ نے دجال کی بائیں آنکھ انگور کے دانہ کی طرح پھولی ہوئی اور باہر نکلی ہوئی دیکھی۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔ کَاَنَّھَا عِنَبَۃٌ طَافِیَۃٌ۔ سعید بن خدریؓ کی روایت میں جو ایک مستند راوی ہیں یہ الفاظ ہیں۔ (عَیْنَ الْیُسْرٰی کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ) کہ اس کی بائیں آنکھ ایسی ہے جیسا کہ چمکتا ہوا ستارہ۔ اس تمثیلی وصف کے یہ معنے ہیں کہ وہ امورِ دُنیا میں بہت ہی دانا ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بائیں آنکھ خوبصورت ہوگی مگر وہ بھی عیب دار ہوگی۔ (حجج الکرامہ صلہ)

(۴) آپ نے اُسے سفید گدھے پر سوار دیکھا جسکے کانوں کے درمیان ۷۰ گز کا فاصلہ ہے۔ ستر کا لفظ قدیم عربوں کے محاورہ میں زیادہ پر دلالت کرنے کے لئے بولا جاتا تھا یعنی اس کے دو کانوں کے درمیان بہت فاصلہ ہوگا۔

(۵) آپ نے فرمایا کہ وہ گدھا اتنی تیزی سے چلیگا کہ سورج بھی پیچھے چھوڑ دیگا۔ اتنا تیز کہ ابھی مشرق میں ہوگا کہ ایک جھپک میں مغرب میں جا پہنچیگا جس سے مراد یہ ہے کہ وہ بہت جلدی سفر طے کریگا۔ سابقہ علماء نے اس سے سرعت رفتار ہی مراد لی ہے۔ (دیکھیں حجج الکرامہ ۳۰۲)

(باقی آئندہ)

تحقیق اُمّ الالسنہ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونیکا قطعی ثبوت

(۸)

فارمولا رفع تکبیر

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ - لائلپور)

گذشتہ قسط میں یہ دکھایا گیا تھا کہ حرفِ عین شروع کلمے سے گرا ہوا ہے اور اسے واپس لانے سے عربی ماخذ دستیاب ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ چھ حروف (ع - ا - ﮦ - ح - و - ی) گرتے ہیں اور اسی لئے انکا اصطلاحی نام حروفِ تکبیر یا حروفِ علت جدیدہ رکھا گیا تھا۔ اِن چھ حروف کے گرنے کے لحاظ سے الفاظ کی اٹھارہ قسمیں بن جاتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ باقی سترہ قسمیں الگ الگ دکھائی جائیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ الفاظ کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے اور (ف) کلمے (ع) کلمے یا (ل) کلمے سے جو حرفِ تکبیر گرا ہے اُسے بحال کر دیا جائے۔ ناظرین خود اِس بات کا اندازہ لگالیں گے کہ کونسا حرفِ تکبیر کس جگہ سے گرا ہے۔ اصولِ رفعِ تکبیر کی اِس طریق پر انشاء اللہ پوری وضاحت ہو جائے گی۔

(امثلہ ذیل میں چند الفاظ مضاعف بھی ہیں)

جو الفاظ اس قسط میں دیئے گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ واول گرانے کے بعد صرف دو کانسونینٹ باقی رہ جاتے ہیں اور تیسرا حرف، حرفِ تکبیر ان میں شامل ہو کر عربی کی بے نظیر خصوصیت یعنی مصدر ثلاثی کو قائم اور بحال کر دیتا ہے اور صرف چھ حروف مذکورہ بالا سے باہر ہم نہیں گئے۔ بالفاظِ دیگر اصول کی پوری پیروی امثلہ ذیل میں کی گئی ہے۔ اِس اصول کی تشریح کے لئے گذشتہ قسط کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

شروع میں ہم نے کہا تھا کہ جو حروف گرے ہوئے ہیں وہ اصول کے ماتحت اس طرح لوٹ کر آئیں گے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کا ٹکڑا۔ اب اِس دعوے کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

اس موقع پر ایک لطیفہ قابل ذکر ہے۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ جہاں تلوار اور قلم کے دھنی تھے بذلہ سنجی میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ ان کی پیشی کے ایک نو لازم منشی نے سہواً لفظ "نوع" کی بجائے "نو" لکھ دیا جب یہ تحریر بادشاہ نے ملاحظہ کی تو اس پر فی البدیہہ حسب ذیل نکتہ لکھ دیا۔

"منشیِ نو لفظِ نوع را بطرزِ نو نوشت
"عین" خطا کرد۔ ہفتاد روپیہ جرمانہ"

عین خطا کردہ۔ فاعین لکھنا بھول گیا اور تیز فاش غلطی کی اسلئے عین کی قیمت کے لحاظ سے ستر روپیہ جرمانہ۔ اصولِ درفع تکسیر میں "عین خطا کرد" ہی نہیں بلکہ ع۔ ا۔ ہ۔ ح۔ و۔ ی۔ ان چند حروف کے خطا کرنے کا سوال ہوتا ہے اور ان کو بحال کرنے سے مکسر لفظ سالم ہو جاتا ہے۔ اب امثلہ ذیل پر غور اور تامل کی ضرورت ہے۔

سلک سوئم
تکسیر صغیر!

(۱)

(۱) Assail۔ روٹ کے معنی کودنا حملہ کرنا ہیں۔
SL = صَال۔ کودنا حملہ کرنا۔

(۲) چھال = CHL = صَال۔ کودنا
چ۔ ص کا بدل ہے۔ اچھلنا۔ اچھالنا۔ اسی پر مبنی ہیں۔ چھلانگ، اسی کا مزید علیہ ہے۔

(۳) Con-Sole = SL۔ سَلّی۔ تسلی دینا۔

(۴) Coun-Sel = SL صُلح۔ درست ہونا۔ ٹھیک ہونا۔ اَصلح۔ درست کرنا۔ اردو میں بھی صلاح مشورہ کہتے ہیں۔ لیکن انگریزی والوں نے اس کا روٹ صَالَ۔ کودنا ہی دیدیا ہے۔ جو فاش غلط ہے۔

(۵) Soil = SL۔ سَہْل۔ میدان (صُلب۔ خشک زمین) (سَال۔ وادی)۔ (صَلْحلہ۔ بیابان) مختلف اقسام زمین ہیں۔

(۶) Soil[2] مٹی = SL۔ سَہْل۔ مٹی جو پانی بہا کر لائے۔

(۷) Soil[3] گوبر = SL۔ سَلْح۔ گوبر

(۸) Sill پتھر = SL۔ صُلع۔ پتھر

(۹) recon-cile = CL۔ صُلح۔ موافقت

(۱۰) Sally۔ اچانک حملہ کرنا۔
SL۔ صَوْل۔ اچانک حملہ آور ہونا

(۱۱) Psalm کا روٹ psallo بمعنی جھنکارنا ہے
P غیر ملفوظی ہے۔ SL۔ صَلّ۔ جھنکارنا۔

(۱۲) Salary۔ تنخواہ۔ ary لاحقہ ہے۔
SL = صِلہ۔ بدلہ۔ اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا۔

(۱۳) Slay = SL = ثَلّ۔ ہلاک کر دینا۔

(۱۴) Isolate۔ علیحدہ ہونا۔ ate مصدری لاحقہ ہے۔ SL = زالَ۔ علیحدہ ہونا۔

(۱۵) Solanum۔ سایہ۔ SL۔ ظِلّ۔ سایہ

(۱۶) Shallow = SL۔ ضَحْل۔ تھوڑے پانی والا ہونا (تالاب) ضَحْل۔ پتلا پانی

(۱۷) Shoal۔ کنارہ۔ SL۔ ساحل۔ کنارہ

(۱۸) Sole۔ اکیلا۔ SL = KL۔ قَلّ۔ اکیلا

(۱۹) upsilon یونانی لفظ ہے بمعنی ننگا۔ روٹ psilo

مسلمان ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے گرجا سے نکلنے والے دجال اور جساسہ کا ذکر سُن کر صحابہؓ کرام کو جمع کیا اور فرمایا کہ مَیں بھی تم سے دجال کے متعلق یہی ذکر کیا کرتا تھا۔ صحابہ کرامؓ کو اس انذار سے سخت غم ہوا۔ فاطمہ بن قیس بھی ان عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے یہ ذکر سُنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں۔ لَقَدْ خَلَعْتَ قُلُوبَنَا۔ اے رسولِ خدا آپ نے تو ہمارے دلوں کو ہلا دیا ہے۔ تمیم داری کی روایت کے الفاظ (يَتَفَرَّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ) قابلِ توجہ ہیں۔ جہاں تک ان الفاظ سے سمجھا جا سکتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ مشاہدہ خواب کا ہے۔ اور روایت کے یہ الفاظ بھی کہ گرجا کا راہب اُن سے کہتا ہے یوشک ان یؤذن لی (یعنی عنقریب مجھے باہر نکلنے کی اجازت دی جائیگی) اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الدجال)

دجال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ مشاہدات

دجال کے حلیہ اور اوصاف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشاہدہ کی بناء پر بیان فرمائے ہیں وہ ذیل میں نمبروار درج کئے جاتے ہیں۔ یہ حلیہ اور وصف اسی تمثیلی زبان میں ہیں جو عالمِ غیب اور عالَمِ ملکوت سے مخصوص ہیں جن کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا جا چکا ہے یعنی تصویروں اور شکلوں میں جو اپنے مشابہ اور مماثل معانی اور اوصاف پر اسی طرح دلالت کرتی ہیں جس طرح حروفِ تہجی اور اُن کی باہمی مختلف ترکیبیں ذہنی تصوّرات اور معانی پر۔ جس طرح حروف و الفاظ میں وسیع سے وسیع تصوّرات پنہاں ہوتے ہیں اسی طرح

بقیہ حاشیہ ص ۲۲

کا ذکر بھی کیا ہے جو سات کلیساؤں' یعنی گرجوں کو لکھے گئے ہیں۔ علامہ مذکور ان کا حوالہ دیتے ہوئے خود بھی دبی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ان خطوط میں جن باتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ بے شک گرجوں میں پائی جاتی ہیں لیکن آخر وہ کہتے ہیں کہ یہ ہماری طرح مسیح کی ابنیت اور الوہیت کے معتقد ہیں۔ اسلئے انکے نزدیک یہ دجال کے مظہر نہیں ہو سکتے۔ خصوصاً اسلئے بھی کہ انکو توبہ اور نادم ہونے کا موقع دیا گیا ہے۔ اس تعلق میں انہوں نے مکاشفات کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں دجال کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ (جنہیں پڑھ کر عیسائیوں کے دجال کا مظہر ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا) اس ضمن میں پولوس کا تھیسلنیکیوں کے نام دوسرا خط بھی ملاحظہ ہو جس میں دجال کو بے دینی کا لقب بھی دیا گیا ہے جو خدا کے مقدس میں بیٹھ کر اپنے آپ کو خدا ظاہر کرتا ہے۔ جسے یسوع اپنے مُنہ کی پھونک سے ہلاک اور اپنی آمد کی تجلّی سے نیست و نابود کرے گا۔ نیز اس دجال کی آمد شیطان کی تاثیر کے موافق ہر طرح کی جھوٹی قدرت اور نشانوں اور عجیب کاموں کے ساتھ اور ہلاک ہونے والوں کے لئے ناراستی کے ہر طرح کے دھوکہ کے ساتھ ہوگی۔ (از ۳ تا ۱۲) اس تعلق میں ملاحظہ ہو مکاشفہ باب ۱۳ جس میں لکھا ہے کہ اژدہا (شیطان) نے اس حیوان کو اختیار دیدیا اور وہ بڑے بول بولنے کی اور کفر بکنے کے لئے اسے ایک مُنہ دیا گیا اور اُس نے خدا کی نسبت کفر بکنے کے لئے مُنہ کھولا ۔ اور یہ اختیار دیا گیا کہ مقدسوں سے لڑے اور ان پر غالب آئے اور اسے بیالیس مہینے تک کام کرنیکا اختیار دیا گیا یعنی ۱۲۶۰ سال۔ یہ وہی میعاد ہے جو دانیال کی پیشگوئی میں مذکور ہے +

عالم غیب میں جو شکلیں متمثل ہوتی ہیں وہ بھی نہایت وسیع تصورات اور معیّن معانی کی حامل ہوتی ہیں۔ یہ شکلیں اور صورتیں بھی گویا ایک مستقل زبان ہے جس کی اصطلاحات کو عالم ملکوت کے نظاروں کے سمجھنے میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دجال کی پیشانی پر ک۔ ف۔ ر لکھا ہوا ہے (یَقْرَأُہٗ کُلُّ مُؤْمِنٍ کَاتِبٍ وَغَیْرِ کَاتِبٍ) جسے ہر مومن پڑھ سکتا ہے۔ خواہ وہ لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ یعنی غیر مومن کفر کے ان حروف کو جو اگرچہ بہت ہی نمایاں ہوں گے نہیں سمجھ سکیگا۔ پیشانی پر (ک۔ ف۔ ر) نوشتے سے مراد یہ ہے کہ اس کا کفر ایسا نمایاں اور واضح ہوگا کہ عالم اور جاہل دونوں سے وہ چھپا نہیں رہیگا بشرطیکہ مومن ہو۔

(۲) آپ نے اسے (اَعْوَرَ الْعَیْنِ الْیُمْنٰی) داہنی آنکھ سے کانا دیکھا۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ وہ دین سے کلّیۃً محروم ہوگا۔ آپ نے اس کی یہ آنکھ بیٹھی ہوئی دیکھی۔ اور اس سے یہ مراد ہے کہ اس کی روحانی بصیرت بالکل مسخ ہوگی۔ ابوداؤد کی روایت میں الفاظ (مَطْمُوْسَ الْعَیْنِ الْیُمْنٰی) یعنی داہنی آنکھ بے نور ہوگی۔ دائیں سے مراد دین اور راستی ہے جیسا کہ بائیں سے مراد دنیا اور بے دینی ہے۔

(۳) آپ نے دجال کی بائیں آنکھ انگور کے دانہ کی طرح پھولی ہوئی اور باہر نکلی ہوئی دیکھی۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔ کَاَنَّھَا عِنَبَۃٌ طَافِیَۃٌ۔ سعید بن خدری رض کی روایت میں جو ایک مستند راوی ہیں یہ الفاظ ہیں۔ (عَیْنَ الْیُسْرٰی کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ) کہ اس کی بائیں آنکھ ایسی ہے جیسا کہ چمکتا ہوا ستارہ۔ اس تمثیلی وصف کے یہ معنے ہیں کہ وہ امورِ دنیا میں بہت ہی دانا ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بائیں آنکھ خوبصورت ہوگی مگر وہ بھی عیب دار ہوگی۔ (حجج الکرامہ ص ۴۰۲)

(۴) آپ نے اُسے سفید گدھے پر سوار دیکھا جسکے کانوں کے درمیان ۷۰ گز کا فاصلہ ہے۔ ستر کا لفظ قدیم عربوں کے محاورہ میں زیادہ پر دلالت کرنے کے لئے بولا جاتا تھا یعنی اس کے دو کانوں کے درمیان بہت فاصلہ ہوگا۔

(۵) آپ نے فرمایا کہ وہ گدھا اتنی تیزی سے چلیگا کہ سورج کو بھی پیچھے چھوڑ دیگا۔ اتنا تیز کہ ابھی مشرق میں ہوگا کہ ایک جھپک میں مغرب میں جا پہنچے گا جس سے مراد یہ ہے کہ وہ بہت جلدی سفر طے کریگا۔ سابقہ علماء نے اس سے سرعت رفتار ہی مراد لی ہے۔ (دیکھیں حجج الکرامہ ص ۴۰۳)

(باقی آئندہ)

تحقیق اُمّ الالسنہ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونیکا قطعی ثبوت

(۸)

فارمولا رفعِ تکبیر

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ - لائلپور)

گذشتہ قسط میں یہ دکھایا گیا تھا کہ حرفِ عین شروع کلمے سے گرا ہوا ہے اور اسے واپس لانے سے عربی مأخذ دستیاب ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ چھ حروف (ع - ا - ھ - ح - و - ی) گرتے ہیں اور اسی لئے انکا اصطلاحی نام حروفِ تکبیر یا حروفِ علت جدیدہ رکھا گیا تھا۔ ان چھ حروف کے گرنے کے لحاظ سے الفاظ کی اٹھارہ قسمیں بن جاتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ باقی سترہ قسمیں الگ الگ دکھائی جائیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ الفاظ کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے اور (ف) کلمے (ع) کلمے یا (ل) کلمے سے جو حرفِ تکبیر گرا ہے اُسے بحال کر دیا جائے۔ ناظرین خود اِس بات کا اندازہ لگا لیں گے کہ کونسا حرفِ تکبیر کس جگہ سے گرا ہے۔ اصولِ رفعِ تکبیر کی اِس طریق پر انشاء اللہ پوری وضاحت ہو جائے گی۔

(امثلہ ذیل میں چند الفاظ مضاعف بھی ہیں)

جو الفاظ اس قسط میں دیئے گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ واول گرانے کے بعد صرف دو کانسونینٹ باقی رہ جاتے ہیں اور تیسرا حرف، حرفِ تکبیر ان میں شامل ہو کر عربی کی بے نظیر خصوصیت یعنی مصدرِ ثلاثی کو قائم اور بحال کر دیتا ہے اور صرف چھ حروف مذکورہ بالا سے باہر ہم نہیں گئے۔ بالفاظِ دیگر اصول کی پوری پیروی امثلۂ ذیل میں کی گئی ہے۔ اِس اصول کی تشریح کے لئے گذشتہ قسط کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

شروع میں ہم نے کہا تھا کہ جو حروف گرے ہوئے ہیں وہ اصول کے ماتحت اس طرح لوٹ کر آئیں گے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کا ٹکڑا۔ اب اِس دعوے کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

اِس موقع پر ایک لطیفہ قابلِ ذکر ہے ۔ حضرت
اورنگ زیب عالمگیر جہاں تلوار اور قلم کے دھنی تھے بذلہ سنجی
میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے ۔ ان کی پیشی کے ایک نو لازم
منشی نے سہواً لفظ "نوع" کی بجائے "نو" لکھدیا جب
یہ تحریر بادشاہ نے ملاحظہ کی تو اس پر فی البدیہہ حسب ذیل
نکتہ لکھ دیا ۔

"منشیِ نو لفظِ نوع را بطرزِ نو نوشت
"عین" خطا کرد ۔ ہفتاد روپیہ جرمانہ"

عین خطا کر دیئے ۔ ف عین لکھنا بھول گیا اور تیز فاش
غلطی کی اسلئے عین کی قیمت کے لحاظ سے ستر روپیہ جرمانہ ۔
اصولِ درفع تکسیر میں "عین خطا کرد" ہی نہیں بلکہ ع ۔ ا
۔ ح ۔ و ۔ ی ۔ ان چھ حروف کے خطا کرنے کا سوال ہوتا
ہے اور ان کو بحال کرنے سے مکسّر لفظ سالم ہو جاتا ہے ۔
اب امثلۂ ذیل پر غور اور تامل کی ضرورت ہے ۔

سلک سوئم

تکسیر صغیر !

(۱)

(۱) ssault-As ۔ روٹ کے معنی کودنا حملہ کرنا ہیں ۔
SL = صال ۔ کودنا حملہ کرنا ۔
(۲) چھال = CHL = صال ۔ کودنا
چ ۔ ص کا بدل ہے ۔ اچھلنا ۔ اچھالنا ۔ اسی پر مبنی
ہیں ۔ چھلانگ ، اسی کا مزید علیہ ہے ۔
(۳) Con-Sole = SL ۔ سلّی ۔ تسلی دینا ۔
(۴) Coun-Sel = SL ۔ صلح ۔ درست ہونا ۔
ٹھیک ہونا ۔ اصلح ۔ درست کرنا ۔ اردو میں بھی
صلاح مشورہ کہتے ہیں ۔ لیکن انگریزی والوں نے
اس کا روٹ صال ۔ کودنا ہی دیدیا ہے ۔ جو فاش
غلط ہے ۔
(۵) Soil = SL ۔ سَہل ۔ میدان (صَلّہ ۔ خشک زمین)
(سَال ۔ وادی) ۔ (صَلحلہ ۔ بیابان) مختلف
اقسام زمین ہیں ۔
(۶) Soil² مٹی = SL ۔ سَہل ۔ مٹی جو پانی بہا کر لائے ۔
(۷) Soil³ گوبر = SL ۔ سَلح ۔ گوبر
(۸) Sill پتھر = SL ۔ صُلع ۔ پتھر
(۹) recon-cile = CL ۔ صُلح ۔ موافقت
(۱۰) Sally ۔ اچانک حملہ کرنا ۔
SL ۔ صَوْل ۔ اچانک حملہ آور ہونا
(۱۱) P-Salm کا روٹ psallo بمعنی جھنکارنا ہے
P غیر ملفوظی ہے ۔ SL ۔ صَلّ ۔ جھنکارنا ۔
(۱۲) Salary ۔ تنخواہ ۔ ary لاحقہ ہے ۔
SL = صِلہ ۔ بدلہ ۔ اس کا روٹ انگریزی والوں کو
نہیں ملا ۔
(۱۳) Slay = SL = قتل ۔ ہلاک کر دینا ۔
(۱۴) Isolate ۔ علیحدہ ہونا ۔ ate مصدری لاحقہ
ہے ۔ SL = زال ۔ علیحدہ ہونا ۔
(۱۵) Solanum ۔ سایہ ۔ SL ۔ ظِلّ ۔ سایہ
(۱۶) Shallow = SL ۔ ضَحل ۔ تھوڑے پانی والا
ہونا (تالاب) ضَحل ۔ پتلا پانی
(۱۷) Shoal ۔ کنارہ ۔ SL ۔ ساحل ۔ کنارہ
(۱۸) Sole ۔ اکیلا ۔ KL = SL ۔ قَلّ ۔ اکیلا
(۱۹) upsilon یونانی لفظ ہے بمعنی ننگا ۔ روٹ psilo

ہے - P غیر ملفوظی ہے - پس SL = شَلَح ننگا کرنا۔

(۲۰) Silly - بے وقوف = SL - ثَالَ - بے وقوف ہونا یا (عثول - بے وقوف) اب یہاں ایک لطیفہ ہے اِس لفظ کا رُوٹ انگریزی والوں نے جو دیا ہے اسکے معنی میں یہ تکلف کیا ہے کہ ابتداءً اس کے معنی نیک یا بابرکت تھے - ظاہر ہے کہ نیک تو "صالح" ہوا اور بابرکت صَلّی - برکت دینا - انگریزی حروف تہجی ثَالَ صالح - صَلّی کو ادا نہیں کر سکتی اسی لئے یہ دُور کی کوڑی ان لغت نویسوں کو لانی پڑی کہ رُوٹ نکل آئے - گو بے وقوف کو نیک یا بابرکت پر مبنی کرنا پڑے - یہ فاش اور مُضحک غلطی ہے - اور یہاں سے ظاہر ہے کہ لُغت میں جب ذاتی رائے کا دخل ہو تو سوال از آسماں جواب از ریسماں کا سماں پیدا ہو جاتا ہے - کوئی ان بیوقوفوں کو کہے کہ Silly بے وقوف ہی ہوتا ہے نہ کہ نیک یا بابرکت - عربی لغت نکالکر دیکھو ؎

کہ بُرد بہ نزدِ شاہاں زِ منِ گدا پیامے
کہ بکُوئے مے فروشاں دو ہزار جم بجامے

(۲۱) Solis - لاطینی لفظ ہے بمعنی سُورج - گرمی اور شام - اب ظاہر ہے کہ سورج اور گرمی تو قریب بمعنی ہم - ہیں لیکن شام کا مفہوم اندھیرے کا آغاز ہے نہ کہ سُورج یا گرمی - اِس کا حل یوں ہے

SL = شجبیل - بتی - سُورج پر اطلاق -

SL = صلا - آگ -

SL = صِلاءٌ - (سورج کی) گرمی -

SL = اصیل شام -

اب جب پھیلیگا تو یہ چاروں لفظ Solis ہو جائینگے اور خلط ہو کر معنی شام اور گرمی ہو جائیں گے Solis لاطینی لفظ سسرو خطیب روما کا استعمال کردہ بھی ہے گویا کم از کم دو ہزار سال سے لاطینی میں داخل ہے -

فتدبّر! -

(۲۲) Sly - مکّار - SL - صَلّی - دھوکا دینا (ہندی چھل)

(۲۳) Skelld = SL = KL - غول یا خَلّہ - سوراخ

یہاں S بدل ہے K کا -

چند امور قابلِ غور ہیں -

ف ۱ - مندرجہ بالا الفاظ میں S بدل ہے - ث - س - ص - ض - ز - ش - ظ کا - کسی عجمی زبان میں یہ تمام الگ الگ مخارج نہیں ہیں اسلئے محال ہے کہ کوئی اور زبان ان ۲۳ الفاظ کو حل کر سکے - اگر کوئی مدعی ہو تو ؎

ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمیں گو

ف ۲ - واول گرانے کے بعد SL جب رہا تو تکمیل لفظ کی (ع - ا - ہ - ح - و - ی) سے ہی کی گئی ہے یہ امر خاص کر قابلِ غور ہے اور عربی کی خصوصیت یعنی مصدر ثلاثی ان حروف سے بحال ہو گئی ہے -

ف ۳ - Silly - Solo - [illegible] کے رُوٹ کے بارے میں انگریزی محققوں کی بے چارگی اور بے مائگی واضح ہے -

(۲)

---

(۱) Sun = SN = سَنا - روشنی - سُورج پر اطلاق صفتِ تیرگی کے

(۲) Shine = SN - سَنا - روشنی

(۳) Son = SN - صِنو - بیٹا

(۴) Senile - بوڑھا SN - سَنِہ - بوڑھا ہونا

(۵) Sine - مُڑنا SN - ثَنی - موڑ

(۶) Sine - بغیر SN - ثُنیہ - استثناء

—(۳)—

(۱) Bear - پیدا کرنا BR - بَرَأ - پیدا کرنا

(۲) Bore - سوراخ کرنا BR - اَبَرَ - سوئی چبھونا یعنی سوراخ کرنا۔

(۳) بُریدن - چیرنا BR - بَحَرَ - چیرنا۔

(۴) بار - واڑ - Bar = VR - وَعَر - روکنا - ہٹانا

(۵) Brow - ابرو = BR - عَبَر - کنارہ

(۶) Bury - چھپانا = BR = VR - وَرّی - چھپانا -

وقال اللہ تعالیٰ "کیف یُواری سوءۃ اخیہ"

BR = بار - کھودنا - چھپانا

قَبَرَ - دفن کرنا - چھپانا

یہ دونوں بھی رُوٹ ہو سکتے ہیں مگر Bury کے محلِ استعمال کے لحاظ سے وَرّی بہتر رُوٹ ہے۔

—(۴)—

(۱) Cap - چوٹی - CP - قُفّ - چوٹی

(۲) Cap - سر - CP - قب - سر

(۳) Cope - کوٹ - CP - قبا - کوٹ

(۴) Cope - مقابلہ کرنا CP - کِفاح - مقابلہ

(۵) Copious - کثیر - CP - کَفی - کافی ہونا

(۶) [illegible] - نقل کرنا - CP - قَفا - پیروی کرنا

نوٹ:- انگریزی والوں نے ۵ اور ۶ کا رُوٹ ایک ہی دیدیا ہے - یعنی کفی - حالانکہ Copy کا روٹ قفا چاہیئے - حروفِ تہجی کی اس قسم کی غلطیاں آئندہ ایک مستقل عنوان کے ماتحت آئیں گی - انشاء اللہ -

—(۵)—

(۱) Rogue - شریر - RG - دَعِی - شریر ہونا

(۲) Rag - RG - رُقعہ - کپڑے کا ٹکڑا

(۳) Rage - RG - رَغی - ناراض کرنا۔

—(۶)—

(۱) Foal - بچھیرا - FL - فِلو - بچھیرا

(۲) Fail - دھوکا دینا - FL - فَلَح - دھوکا دینا

(۳) Fool = FL = BL = بَلِہَ - بے وقوف ہونا

(۴) Fly - چست - FL - فَحل - چست آدمی

—(۷)—

(۱) Fare - چلنا - FR - فَری - چلنا

(۲) رفتن - FR = RF - " "

گویا فری فارسی میں مقلوب ہو گیا ہے۔

(۳) furious = FR - فَور - جوش

فیور - سریع الغضب

(۴) fair - خوبصورت - FR - فراھۃ - خوبصورتی

fairy - FR - فُرہ - خوبصورت (لڑکا لڑکی)

(۵) پری = FR - فُرہ - خوبصورت لڑکی

(۶) fore = FR = VR - وَرِیَ - آگ نکالنا -

قولہ "نارا التی تورون" - امام راغب فرماتے ہیں "واصلہ ان یخرج النار من ورا المقدح"

یعنی وَرِیَ سے آگ نکالنے کا مفہوم اسلئے لیا گیا ہے کہ جو چیز پہلے پتھر میں چھپی ہوئی تھی پتھر کے رگڑنے سے وہ ظاہر ہو گئی۔ گویا رُوٹ وَرِیَ میں آگ کی طبعی وجہ تسمیہ اور حکمت مرکوز ہے۔

—(۸)—

(۱) Shore ۔ کنارہ ۔ SH-R ۔ شَحر ۔ کنارہ ساحل
شَحر ۔ کنارہ

(۲) Sear ۔ جھلسنا ۔ SR ۔ سَحر ۔ جھلسنا
پنجابی میں سڑنا جھلسنے کو کہتے ہیں۔
دوسرا لفظ اردو سڑنا بمعنی گل سڑ جانا = SR = صَرِیَ
دیر تک ٹھہرنے سے متغیر ہونا۔

(۳) Sire ۔ آقا ۔ SR = سَرَا ۔ سردار ہونا۔

(۴) Share ۔ حصہ ۔ رُوٹ کے معنی کاٹنا ہیں۔
SHR ۔ شَرَحَ ۔ کاٹ کر جدا کرنا

(۵) Shear ۔ کاٹنا ۔ SHR ۔ شَرَحَ ۔ کاٹنا

(۶) Sere / Series } جوڑنا ۔ SR ۔ صَرَّ ۔ باندھنا

(۷) Serum (Sero) بہنا ۔ SR ۔ سَیَرَ ۔ جاری کرنا۔

(۸) Sore ۔ دردمند ۔ SR ۔ ذَرَحَ ۔ زخمی کرنا

(۹) Sour ۔ تُرش ۔ SR ۔ حَزَرَ ۔ تُرش ہونا

(۱۰) سیڑھی ۔ SR ۔ سَارَ ۔ چڑھنا

(۱۱) Sorrow ۔ TR = SR ۔ تَرِحَ = غمگین ہونا۔
S کا تبادلہ T میں ایک عام بات ہے۔

(۱۲) Shire ۔ ضلع ۔
SHR ۔ شہر

—(۹)—

(۱) Shape ۔ SHP ۔ شبہ ۔ شکل

(۲) Ship ۔ SHP ۔ سابحہ ۔ جہاز

(۳) Septic ۔ SP ۔ شأف ۔ زخم کی خرابی

(۴) Shave ۔ SV = SF = سَحَفَ (سر) مونڈنا

(۵) Sob ۔ SB = KB = خَبَعَ ۔ سانس بند ہونے سے رونے سے رُکنا (بچہ)

(۶) Sip = SP ۔ سَفَّ ۔ پینا

(۷) Soup ، SP ، صبّہ ، شوربا

—(۱۰)—

دوڑنے کے لئے مختلف زبانوں میں مختلف الفاظ ہیں۔ ذیل میں کئی زبانوں کے الفاظ درج ہیں جو دوڑنے کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں۔ اور اصولِ رفیع تغییر کو ہی ان پر عائد کیا گیا ہے۔ یہ نہایت غور طلب الفاظ ہیں۔ (چند الفاظ ان میں سالم اور مضاعف بھی ہیں)

انگریزی

(۱) Heat = HT = حَتَّا ۔ دوڑنا

(۲) Run = RN = NR ۔ نَارَ ۔ دوڑنا

(۳) Flee = FL = فَلَّ ۔ دوڑنا

(۴) Race = RC = عَرق ۔ دوڑنا

لاطینی

(۵) Cape ۔ CP = cs ۔ کَفَا ۔ بھاگ جانا

نوٹ:۔ آکسفورڈ ڈکشنری والے نے اِس کا رُوٹ Capa بمعنی کوٹ دیا ہے جو کہ CP = قبا ۔ کوٹ ہے۔ گویا کیپ کا روٹ نہیں ملا تو قبا ہی اس کا روٹ

دیدیا ہے:-

گندہ بروزہ اگرچہ گندہ است گدا اگرچہ بندہ ہست

اِس قسم کے سینکڑوں مضحک رُوٹ ان محققین کی تحقیق کی قلعی کھولتے ہیں۔ مُضحکات کا باب آئندہ آئے گا۔

(۶) Curro = CR = کرا - تیز دَوڑنا

(۷) dromos = DRM = دَرَم - چھوٹے قدموں سے دَوڑنا۔

(۸) meb = M = مَاعَ - دَوڑنا

---

(۹) Dash - (اِس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں مِلا)

شَدَّ - SHD = DSH - تیز دَوڑنا

(۱۰) Flush - (اِس کا رُوٹ بھی نہیں ملا)

وَلَس - VLS = FLS - تیز چلنا

(۱۱) Leap کا رُوٹ hleapan ہے بمعنی

دَوڑنا = HLP = هَلَبَ - دَوڑنا

فارسی

(۱۲) دویدن = دو = عدوا - دَوڑ

(۱۳) رمیدن = RM = رَمَحَ - سرپٹ دَوڑنا

(۱۴) تگیدن = TG = اَعنق - تیز چلانا (گھوڑا)

تگیدن خصوصیت سے گھوڑے کے دَوڑنے پر مستعمل ہے - حتیٰ کہ تگاور گھوڑے کو کہتے ہیں۔

اُردو یا ہندی

(۱۵) بھاگنا = ب ق = اَبَقَ - بھاگنا

(۱۶) دَوڑنا = در = دَرَّ - دَوڑنا

پنجابی

(۱۷) نسّنا = NS = نَاصَ - دَوڑنا

(۱۸) نٹھنا = NT = نَطَّ - دَوڑنا

(۱۹) بھجنا = BJ = FJ = اَفَاج - دَوڑنا

(۲۰) شُوٹ = SHT = شَوط - دَوڑ

سنسکرت

(۲۱) دھاوا = دو = عدوا - دَوڑ

گویا دویدن اور دھاوا ایک ہی رُوٹ سے ہیں۔

(۲۲) پَلاّ - PL = فَلّ - دَوڑنا

ف ۱- مختلف زبانوں کے یہ الفاظ ہیں اور ہم نے ان کو حل کرنے میں اصول رفع لین یا اصول رفع تکبیر ہی عائد کیا ہے جب دو کانسونینٹ وا ول گر اگر باقی رہے تو حروفِ تکبیر (ع - ا - ہ - ح - و - ی) نے ہی اس کمی کو پُورا کیا۔

ف ۲- عربی زبان میں ابھی دو سَو کے قریب اور الفاظ ہیں جو مختلف قسم کی دَوڑ کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں پس اگر کسی زبان میں کوئی اور الفاظ دَوڑنے کیلئے ہوں تو ہم تا امکان ان کا عربی ماخذ اصولی لحاظ سے نکال سکینگے۔ اِلاّ ماشاء اللہ۔ ہم نے بعض الفاظ دَوڑنے کے مفہوم کو ادا کرنیوالے بعض زبانوں کے یہاں درج نہیں کئے کیونکہ وہ دیگر فارمولوں سے آئندہ حل ہوں گے۔

ف ۳- اب یہ علمی بحث ہے - جہالت اور تعصب یہاں دم نہیں مار سکتے - کیا کوئی زبان ہے جو ان بائیس الفاظ کو اصولی طور پر حل کر سکے یا اس قدر کثیر مترادفات دَوڑنے کے مفہوم کے لئے پیش کر سکے - اسمٰعیل الرحمٰن مس

کی عبارت ذیل پر نظر ڈالیں:-

ف۳" وکانت دار العربیة آنق من حدیقة زهر، وخمیلة شجر ماری اهلها حر الهوی، ولاحوق الجوی، ذات عقیان وعقار، وغرب ونضار، وحدائق وانهار، وزهر وثمار، وعبید واحرار، وجرد مربوطة، وحبرة مغبوطة، وعمارات مرتفعة، ومجالس منعقدة مزیّنة، ثم انتشرت عقود الزحام من الفساد، واخذوا ما راج من الزاد، واحتمل کلّ بحسب الاستعداد، ورکبوا متن مطایا التفرقة والتضاد، وبدّلوا الصور بتبرك السداد۔

یعنی عربی کا گھر پھولوں کے باغ اور سبز درختوں کی جھاڑی سے زیادہ خوشنما تھا اور اُسکے اہل نے کسی خواہش کی گرمی اور کسی بھوک کی آگ نہیں دیکھی تھی اور یہ کہ صاحب زر اور مال اور چاندی اور خالص سونے کا مالک تھا اس میں باغ تھے اور اس میں نہریں تھیں اور پھل تھے اور غلام تھے اور آزاد تھے اور عمدہ عمدہ گھوڑے اس کے طویلہ میں تھے اور قابلِ رشک، حشمت اور دولت تھی۔ اور اونچی عمارتیں اور خوب سجی ہوئی مجلسیں تھیں۔ پھر وہ تمام مجلسیں فساد کی وجہ سے اُٹھ گئیں۔ پس انہوں نے سفر کیا اور جو کچھ توشہ ملا وہ ہمراہ لے لیا۔ اور ہر ایک نے اپنی حسب استعداد توشہ اُٹھالیا اور تفرقہ اور اختلاف کی سواریوں پر سوار ہو گئے۔ اور بوجہ ترکِ سداد اپنی صورتوں کو بدل ڈالا"۔

مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ جب بنی نوع انسان متفرق اور پراگندہ ہوئے تو انہوں نے حسبِ استعداد عربی کے خوانِ یغما سے زادِ راہ لیا اور اُسی کے بہارستانِ لغات سے الفاظ کی خوشہ چینی کی۔ چنانچہ مندرجہ بالا بائیس[۲۲] الفاظ جو "وڈ" کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں اسی خوشہ چینی کا ثبوت ہیں۔ پس کثیر الفاظ تو زبانوں میں ایسے ہیں جو الگ الگ ہیں۔ ہاں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو کئی زبانوں میں مشترک ہیں۔ لیکن دونوں قسم کے الفاظ کا آخری ماخذ اور منبع عربی ہی ہے۔ خواہ وہ مختلف زبانوں کے مختلف الفاظ ہوں خواہ بعض زبانوں میں مشترک الفاظ ہوں۔

" وکلّما یردّ لفظ الی منتهی مقام الردّ، ویفتش اصله بالجهد والکدّ، فتری انه عربیّة ممسوخة، کانها شاة مسلوخة، وتری کل مضغة من ابداء عربی مبین۔

"اور جب کوئی ایک لفظ اس کی اصل تلاش
کرتے کرتے محنت اور کوشش کے ساتھ
انتہائی درجہ تک پہنچایا جاوے۔ پس تو
دیکھے گا کہ وہ عربی مسخ شدہ ہے۔ گویا کہ
وہ ایک بکری ہے جس کی کھال اتار لی گئی ہو
اور تو ہر ایک اُس کے ٹکڑے کو عربی کے
ٹکڑوں میں سے پائے گا"

(منن الرحمٰن ۱۳)

ف۵۔ اصول رفع تکبیر کے لئے مختلف جوڑے حروف صحیحہ کے لے کر مزید وضاحت ہوسکتی ہے لیکن مندرجہ بالا مثالیں میرے نزدیک کافی ہیں۔ یاد رہے کہ لاطینی روٹ بہت چھوٹے اور بالعموم دو حرفی ہوتے ہیں اور اُن کا حل عموماً اصول رفعِ تکبیر کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ نیز بامعنی سابقے لاحقے بھی اسی طرح حل ہوتے ہیں۔

ف۶۔ گزر چکا ہے کہ بنیادی فارمولے صرف دو ہی ہیں۔ یعنی رفع لین اور رفع تکبیر۔ باقی شاخ در شاخ جو اصول آئندہ آئیں گے وہ بالآخر انہی دو اصول کے مظاہر ہوں گے۔

تکسیر کبیر!

جب واول گرا کر صرف ایک کانسونینٹ باقی رہے تو پھر حروفِ تکبیر میں سے کوئی دو زائد کرنے سے عربی ماخذ بہ نہج مصدر ثلاثی دستیاب ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ہر کانسونینٹ پر یہ اصول منطبق ہوسکتا ہے۔ یہاں

صرف حرف D کی مثالیں دی جاتی ہیں:۔

(۱) Die - مرنا = D = ضَاع - ہلاک ہونا۔
(D = ض)

(۲) Do - کرنا = D = عَدّ - تیار کرنا

(۳) Idea - خیال = D = عَدّ - خیال کرنا

(۴) odd - عجیب = D = وحدہ - عجوبہ

(۵) odd - طاق = D = اَحَد - ایک

(۶) dud - گھسنا = D = دَاہ - گھسنا

(۷) Aid - مدد کرنا = D = اَیَّد - مدد کرنا

(۸) ate / ead } کھانا = D = عَضّ - دانتوں سے کاٹنا۔

یہاں D بدل ہے ض کا۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔
تلك مائۃٌ وامثالھا کثیرۃ جداً

بقیہ صفحہ ۱۷

ایک اور مکتوب میں ڈاکٹر اقبال نے صراحت سے لکھا ہے کہ:-

"جوع الارض کی تسکین کے لئے
جنگ کرنا دین اسلام میں حرام ہے۔
علیٰ ہذا القیاس دین کی اشاعت کیلئے
تلوار اٹھانا بھی حرام ہے"
(مکاتیب جلد ۱ صفحہ ۳۰۴)

مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اقبال در اصل احمدیہ نقطۂ نگاہ سے اتنا متاثر ہے کہ وہ اپنے بعض مخالفانہ عقائد کے باوجود اس نقطۂ نگاہ کو دبا نہیں سکتا۔ مسئلۂ جہاد کی مندرجہ بالا تشریح میں اقبال نے احمدیت کے پیش کردہ خیال کو لفظاً لفظاً اپنایا ہے اور کامل روحانی انسان بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کے عقیدہ میں بھی انہوں نے احمدیت کے نقطۂ نگاہ کو درست تسلیم کیا ہے۔ وہ عمر بھر یہ تمنا کرتے رہے کہ اے کاش! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اس ملک ہند میں تشریف لائیں اور اپنی روحانی بلند مرتبہ شخصیت کے ذریعہ مسلمانوں پر دینِ حق کو بے نقاب کریں اور غیر مسلموں پر اسلام کے فضائل کو اپنی قوتِ قدسیہ سے ثابت کریں۔ آپ اپنے روحانی پیغام کے ذریعہ دنیا کو صلح اور آشتی کی طرف دعوت دیں اور اخلاقی بنیادوں پر دنیا کے امن کو استوار کریں۔

اِن حالات میں یہ کہنا غلط ہے کہ ڈاکٹر اقبال نے اپنی عمر کے آخری چند سالوں میں سلسلہ احمدیہ کی مخالفت محض دینی عقائد کی بنا پر کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا یہ شاعر اس مرحلہ پر سیاسیات کی رو میں بہہ گیا اور اسے قیادت اور اقتدار کے چند دنوں نے جادۂ استقامت سے منحرف کر دیا تھا ورنہ ساری عمر تو اقبال احمدیت کے نظریات کی اشاعت کرتا رہا۔ جماعت احمدیہ کو ٹھیٹھ اسلامی جماعت کہتا رہا۔ بہرحال میں اس مضمون کے ذریعہ اقبال کے چاہنے والوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ سنجیدگی سے احمدیت کے نقطۂ نگاہ کو سمجھیں اور غور و فکر کے بعد آزادانہ رائے قائم کریں +

اطلاعات

(۱) بعض ہنگامی حالات کے باعث فروری مارچ ۱۹۵۳ء کا رسالہ اکٹھا اور چھوٹے حجم پر شائع کیا جا رہا ہے۔ الفرقان کی اشاعت کیلئے ہر ماہ کی بیس تاریخ مقرر ہے۔

(۲) اس دفعہ عربی زبان کے اسباق اور استفسارات کے جواب مجبوراً شامل اشاعت نہیں ہو سکے۔ انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں درج ہوں گے۔

(۳) تمام خریدار اصحاب سے درخواست ہے کہ جن کے ذمہ بقایا ہے، نیز جنہوں نے ابھی تک اس سال کا چندہ ارسال نہیں فرمایا وہ براہ مہربانی بہت جلد اپنے ذمہ کی رقوم ارسال فرما دیں۔

ہندوستان کے خریدار اپنا چندہ امانت الفرقان دفتر صاحب قادیان میں جمع کروا کر مطلع فرمائیں۔

(مینیجر)

خدا تعالیٰ کی ازلی و ابدی سُنّت!

(نتیجۂ فکر مکرم راجہ نذیر احمد صاحب ظفر فاضل)

خدا کی ہے یہی سُنّت ازل سے تا ابد جاری
گنہ کا گرم جب بھی دہر میں بازار ہوتا ہے

جہاں میں بھیج دیتا ہے وہ تب کوئی بشر ایسا
حقیقت میں جو خلق اللہ کا غمخوار ہوتا ہے

مٹاتا ہے وہ سب طور و طریقے اہلِ باطل کے
جہاں میں اک نئی تعمیر کا معمار ہوتا ہے

لرز جاتے ہیں جس کی ضرب سے ایوان باطل کے
زمیں پر سر بسجدہ ہر در و دیوار ہوتا ہے

یقیں پرور کلام اس کا مٹاتا ہے گماں سارے
تزلزل میں جہاں کا عالمِ افکار ہوتا ہے

مگر دُنیا کے بیٹے سب ہی دشمن اسکے ہو جاتے
بہت ہی مختصر سا حلقۂ انصار ہوتا ہے

گروہ اک حق پرستوں کا ادھر دیتا ہے ساتھ اسکا
اُدھر سارا زمانہ برسرِ پیکار ہوتا ہے

اگرچہ ان کی منزل جنت الفردوس ہوتی ہے
مگر رستہ زمانے کا بہت پُر خار ہوتا ہے

بہت ظلم و ستم ان پر کیے جاتے ہیں دُنیا میں
ہر اک سفّاک و ظالم درپئے آزار ہوتا ہے
ہزاروں بے گناہوں کا جہاں میں خون ہوتا ہے
کہ جن کے خون پر خود آسماں خونبار ہوتا ہے
متاعِ زندگی تک لُوٹ لیتے ہیں جہاں والے
مگر ایماں میں محکم ہر اک دیندار ہوتا ہے
یہاں تک نصرتِ حق آسماں سے خود اُترتی ہے
خدا کی قدرتوں کا کچھ عجب اظہار ہوتا ہے
دھرے رہ جاتے ہیں ہتھیار سارے اہلِ باطل کے
ہر اک منصوبہ اُن کا اُس گھڑی بیکار ہوتا ہے
"خدا کے نیک بندے دوسروں پر ہوتے ہیں غالب"
عدوِ حق زمانے میں ذلیل و خوار ہوتا ہے
یہی سُنّت خدا کی پھر سے پُوری ہونیوالی ہے
وہی کچھ آج بھی ہوگا کہ جو ہر بار ہوتا ہے
مسیحِ پاکؑ کے دشمن رہیں گے خائب و خاسر
عدوِ حق کا حربہ آخرش بیکار ہوتا ہے
وہ مومن جس کا ایمانِ براہیمی میں حصّہ ہے
اگر چاہے تو دوزخ بھی گل و گلزار ہوتا ہے
ظفر جب سرکشوں کی سرکشی بڑھتی ہے دُنیا میں
تو پھر اُن کے مٹانے کو خدا تیار ہوتا ہے

المقتبسات!

(۱) "حکومت پاکستان کا اعلامیہ"

حکومت پاکستان نے ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو جو سرکاری اعلان شائع کیا، اخبار زمیندار نے اس کا اُردو ترجمہ عنوانِ بالا کے ماتحت بطور افتتاحیہ شائع کیا جو درج ذیل ہے:-

"ملک کے بعض حصوں میں جماعت احمدیہ کے متعلق جو فرقہ وارانہ تحریک جاری ہے اس کے ارتقاء کی نمایاں خصوصیات سے عوام بے خبر نہیں ہیں۔ اس تحریک کے علمبرداروں نے اب حکومت کو تحکمانہ چیلنج دیا ہے کہ اگر اُن کے مطالبات کو تسلیم نہ کیا گیا تو وہ ڈائرکٹ ایکشن کریں گے۔ اس تحریک کا آغاز احرار نے کیا تھا اور اگرچہ بعد میں اس کی تائید بعض دوسرے عناصر نے بھی کی لیکن اسے چلانے والے اب بھی احرار ہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے احرار مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کے شدید ترین اور پیہم مخالف تھے اور انہوں نے ان جماعتوں سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا تھا جو حصولِ پاکستان کے لئے کوشاں تھیں۔ بلکہ بہت سے احرار لیڈر کانگرس میں شامل ہو کر یا ایسی جماعتوں سے مل کر کام کرتے رہے جو تحریک آزادی کی دشمن تھیں۔ احرار نے اپنی تخریب پسندانہ سرگرمیوں کو قیام پاکستان کے بعد بھی ترک نہیں کیا بلکہ اس بات کا حتمی ثبوت موجود ہے کہ احرار نے اب تک پاکستان کو تسلیم ہی نہیں کیا اور وہ ملک کے دشمنوں سے مل کر نہ صرف مسلمانوں میں افتراق و نفاق پھیلا رہے ہیں بلکہ پاکستان کے استحکام پر عوام کے اعتماد کو بھی متزلزل کرنے کے در پے ہیں۔ احرار کی موجودہ ایجی ٹیشن کا مقصد بھی ایک مذہبی تحریک کے پردے میں ملتِ اسلامیہ کی وحدت و سالمیت کو پارہ پارہ کرنے اور پاکستان کے مفاد کو نقصان پہنچانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اب تک یہ ایجی ٹیشن عام جلسوں میں اشتعال انگیز تقریروں اور بعض اخبارات میں تحریروں کے ذریعے سے جاری رہی جس کے نتیجہ میں بعض مقامات پر امن شکنی اور لاقانونی کے واقعات بھی رونما ہوئے لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کے علمبرداروں نے پورے ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے کا تہیہ کر لیا ہے تاکہ حکومت اور عوام کو اپنے تحکمانہ مطالبات کے سامنے جھکنے پر مجبور کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اعلان کیا ہے کہ اگر ہمارے مطالبات منظور نہ کیے گئے تو وہ براہِ راست قدم اُٹھائیں گے۔ دُنیا کی کوئی حکومت اپنے آپ کو ڈائرکٹ ایکشن سے مرعوب ہونے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ لہٰذا حکومت نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ امن و امان کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے تمام تر ذرائع استعمال کرے گی۔ حکومت تمام متعلقہ عناصر کو متنبہ کر دینا چاہتی ہے کہ اگر اس تحریک کے علمبرداروں

کے الٹیمیٹم کے نتیجہ میں امن عامہ میں کوئی خلل واقع ہوا تو قانون یقیناً حرکت میں آئیگا اور جو لوگ قانون شکنی کے مرتکب ہونگے انکو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا۔ بایں ہمہ حکومت کو اُمید ہے کہ اس تحریک کے علمبردار ہوشمندی سے کام لیں گے اور وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرینگے جس سے امن عامہ میں خلل پڑتا ہو یا ان تخریب پسند عناصر کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو جو عوام کے اعتماد کو ایک ایسے وقت میں متزلزل کرنے کے درپے ہیں جب پاکستان کو بعض اہم ترین اندرونی اور بیرونی مسائل کا سامنا ہے۔ حکومت عوام کے ہر طبقہ سے اپیل کرتی ہے کہ وہ کسی غیر آئینی حرکت کو برداشت نہ کرے اور اس بات کا خیال رکھے کہ کوئی ایسی سرگرمی نہ دکھائی جائے جس سے پاکستان کی وحدت اور سالمیت کے خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو"

(زمیندار لاہور یکم مارچ ۱۹۵۳ء ص ۳)

(۲) مولوی اختر علی خان کی تحریک ختم نبوت سے علیحدگی

روزنامہ تسنیم لاہور لکھتا ہے:۔

"معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ کل رات کو ڈھائی بجے جس وقت پولیس مولانا اختر علی خاں کو ختم نبوت کے ایجی ٹیشن کے سلسلہ میں گرفتار کرنے کے لئے ان کے مکان پر پہنچی تو انہوں نے حکومت کو ایک تحریر لکھ کر دی جس میں تحریک ختم نبوت سے علیحدگی کا اظہار کیا ہے۔

انہی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا اختر علی خاں نے جو تحریر دی ہے اسمیں کہا ہے کہ وہ ڈائریکٹ ایکشن کے خلاف ہیں اور گورنر جنرل، وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ کی کوٹھیوں پر پکٹنگ کرنے کے بھی خلاف ہیں نیز جلسے جلوس، نعرے وغیرہ کو بھی وہ پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں۔ اور اب ختم نبوت کی تحریک جس مرحلہ اور جس صورت تک پہنچ گئی ہے وہ اس سے بھی متفق نہیں ہیں اور اب ان کا اس تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے"

(تسنیم لاہور ۲ مارچ ۱۹۵۳ء)

(۳) حکومت کے اعلامیہ پر اہم ترین اخبارات کے تبصرے

(الف) روزنامہ "ڈان" کراچی لکھتا ہے:۔

"پریس نوٹ کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ حکومت نے اپنی ذمہ داریوں کو پہلی مرتبہ محسوس کیا ہے۔

حکومت نے مختلف مواقع پر مضبوط قدم اٹھانے کی بجائے جس کمزوری اور تذبذب کا مظاہرہ کیا ہے اور رجعت پسند عناصر کو خوش کرنے کی جو پالیسی اختیار کی اور ہر مشکل مسئلے پر ٹال مٹول اور گریز کا جو طریقہ اختیار کیا اسے دیکھ کر لوگ حیرت زدہ تھے کہ آیا حکومت نام کی کوئی چیز اس ملک میں موجود بھی ہے یا نہیں؟ پریس نوٹ کا یہ مضبوط اور سخت لہجہ اور مذہب کے نام پر شروع ہونے والی غلط اور تخریب پسند تحریک کو کچلنے کیلئے حکومت نے آخر کار جو سخت قدم اٹھایا ہے اس سے لوگوں کا یقین پھر سے بحال ہو جائیگا اور اُن کے حب وطن کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت صرف اسی خاص مسئلے میں نہیں بلکہ اس قسم کے تمام معاملات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اسی مضبوطی اور عزم سے کام لیگی۔ (ڈان بحوالہ تسنیم ۲ مارچ ۱۹۵۳ء)

(ب) "روزنامہ آفاق" لاہور لکھتا ہے:-

"راست اقدام نے انتہائی طور پر افسوسناک صورت حال پیدا کر دی ہے جس کا مقصد عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ نہیں بلکہ محض بوبر اقتدار طبقہ سے غلط طور پر اپنی بات منوانا ہے جس کا اپنی جگہ عقیدہ ختم نبوت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ملکی سیاسیات میں اس مقدس عقیدہ کی آڑ میں دانستہ انتشار پیدا کرنا ہے۔

یہ درست اور بجا ہے کہ کسی اسلامی ملک میں کسی غلط عقیدے کو کوئی سہارا نہیں ملنا چاہیئے لیکن یہ بھی اتنا درست ہے کہ کبھی کسی اسلامی سلطنت میں کسی غلط عقیدہ کی بناء پر کسی سیاسی حق سے محروم کرانے کیلئے ختم نبوت کے عقیدے کی آڑ نہیں لی گئی۔" (آفاق ۳ مارچ ۱۹۵۳ء)

(ج) بنگالی روزنامہ "آزاد" ڈھاکہ (بنگال) کی رائے:-

"ڈھاکہ ۲ مارچ۔ مقامی بنگالی روزنامہ "آزاد" نے قادیانیوں کے خلاف تحریک کے سلسلہ میں گیارہ ممتاز علماء کی گرفتاری پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات پر مسرت ظاہر کی ہے کہ حکومت نے صورت حال کا سختی سے مقابلہ کرنے کیلئے ٹھوس قدم اٹھایا ہے۔ اخبار نے رائے ظاہر کی ہے کہ یہ قدم بہت پہلے اٹھایا جانا چاہیئے تھا۔ ہمیں تعجب ہے کہ اتنی دیر کیوں کی گئی۔

دو کالم کے ایک ایڈیٹوریل میں "آزاد" نے لکھا ہے کہ حکومت کو اس قسم کے اقدام میں ملک کی مکمل حمایت حاصل ہوگی۔ عوام یقینی طور پر مذہب کے پردہ میں تخریبی سرگرمیوں کو برداشت نہیں کریں گے۔" (اپ)

(نوائے وقت ۵ مارچ ۱۹۵۳ء)

(۵) "غیر ذمہ دار لوگوں کی اشتعال انگیزی"

اس عنوان سے روزنامہ تسنیم لکھتا ہے:-

"آج دہلی دروازے کے ایک جلسہ عام میں "راست اقدام" کی تحریک کے ایک کارکن نے عوام کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مکان اور "تسنیم" کے دفتر پر پکٹنگ کرنے کی ترغیب دی اور اس تحریک کے کارکنوں نے ایسا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریک اب ایسے غیر ذمہ دار لوگوں کے ہاتھ میں آگئی ہے جنکو معاملات سے کوئی واقفیت نہیں ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ کونسل آف ایکشن کو ٹوٹنے سے پہلے اس تحریک کے ذمہ دار لیڈروں کے مشورے سے جماعت اسلامی اپنے ذمے ایک کام لے چکی ہے اور وہ اسکو کرتی رہیگی جو لوگ بغیر جانے بوجھے الٹی سیدھی پالیسیاں بنا رہے ہیں وہ مشترک مقصد کو فائدے کے بجائے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ آج مسجد وزیر خاں میں تقریر کرتے ہوئے مولانا اختر علی خاں نے بھی جماعت اسلامی پر حملے کئے۔ مولانا کو اپنی پوزیشن کی جو صفائی دینی تھی وہ ضرور دیتے مگر ان لوگوں کو خواہ مخواہ نشانۂ ملامت بنانا کونسی عقلمندی ہے جو مشترک مقصد کیلئے کام کر رہے ہیں۔"

(تسنیم ۳ مارچ ۱۹۵۳ء)

(۶) چھ شیعہ لیڈروں کا اعلان

اخبار نوائے وقت لاہور لکھتا ہے:-

"لاہور ۳ مارچ۔ لاہور کے چھ شیعہ لیڈروں نے احرار کنونشن کی طرف سے جاری کردہ قادیانیوں کے خلاف تحریک سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔ ان شیعہ لیڈروں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا ہے۔ بیان پر مولانا شبیر حسین بخاری سیکرٹری تحفظ حقوق شیعہ، مولانا عبدالغفور (جامعہ امامیہ) مولانا محمد حسین، مولانا محمد باقر، سید عابد حسین اور صغر علی کے دستخط ثبت ہیں۔ (اپ پ)"

(نوائے وقت ۵ مارچ ۱۹۵۳ء)

بقیہ صفحہ ۱۶۵

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰؑ کی یہ صفات ذکر کرکے عیسائیوں پر اتمامِ حجت کا طریق بتایا ہے۔ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ صفات کا تو بوجہ عداوت انکار کرتے تھے حضرت یحییٰؑ کی صفات تو اُن کی مسلمہ کتاب انجیل سے ثابت ہیں اُن کا انکار نہیں کر سکتے۔ پس ایسی ہی صفات کی وجہ سے اگر وہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا قرار دیں گے تو انہیں حضرت یحییٰؑ کو بھی خدا قرار دینا پڑیگا۔ گویا صفاتِ یحییٰؑ کے ذکر میں عیسائیوں کے اِس دعویٰ کی تردید ہے کہ حضرت مسیحؑ غیر معمولی صفات رکھتے تھے اور وہ ان میں یگانہ تھے۔ گویا مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ عیسائیوں کا مقابلہ اُن کے مسلّمات کی رُو سے کرو۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ اس پر پیدائش کے دن بھی سلامتی ہوگی اور اس دن بھی جب وہ مریگا اور پھر جب وہ اٹھایا جائیگا۔

اِسجگہ سَلَامٌ سے رُوحانی سلامتی مراد ہے ورنہ جسمانی سلامتی کا تعلق يَوْمَ يَمُوْتُ سے نہیں ہو سکتا۔ اِس سے یہی مراد ہے کہ وہ ہر زمانہ میں روحانی امراض سے محفوظ رہیگا۔

اِس آیت میں بھی حضرت مسیحؑ کے امتیاز وَسَلٰمٌ عَلَیَّ یَومَ وُلِدتُّ وَیَومَ اَمُوتُ وَیَومَ اُبعَثُ حَیًّا میں حضرت یحییٰؑ کو پورا شریک کیا گیا ہے۔

نعت سیّد الانبیا حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم

(از قصیدہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام)

عجب نوریست در جانِ محمدؐ — عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم — کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ
خدا خود سوزد آں کرمِ دنی را — کہ باشد از عدوانِ محمدؐ
اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت — بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش — محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ
سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ — دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ
بکارِ دیں نترسم از جہانے — کہ دارم رنگِ ایمانِ محمدؐ
بسے سہل است از دنیا بریدن — بیادِ حسن و احسانِ محمدؐ
فدا شد در رہش ہر ذرۂ من — کہ دیدم حسنِ پنہانِ محمدؐ

دگر استاد را نامے ندانم
کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

ضروری اعلان

رسالہ الفرقان اب مجلس مرکزیہ انصار اللہ کا آرگن قرار پا گیا ہے۔ اسکے ادارت کے فرائض بدستور میرے سپرد ہیں۔ اس انتظام سے یہ فائدہ ہوگا کہ اب یہ شخصی چیز کی بجائے جماعتی آرگن بن گیا ہے اور بہر صورت ہر قسم کے حالات میں اسکی پائیداری اور باقاعدگی کی ضمانت ہوگی۔ انشاء اللہ

میں نے یہ رسالہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر ستمبر ۱۹۵۱ء میں جاری کیا تھا احباب نے میرے ساتھ پورا تعاون فرمایا۔ مجلس مرکزیہ انصار اللہ چاہتی تھی کہ اسکے دینی مقاصد کی تکمیل کیلئے اس کا اپنا آرگن ہو۔ میں نے اسمیں خوشی محسوس کی کہ مجلس رسالہ الفرقان کو اپنا لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔ فالحمد للہ

یہ رسالہ قرآنی علوم کی اشاعت کے پیش نظر شائع کیا گیا ہے اس کا یہ نصب العین ہمیشہ مدنظر رہیگا۔ ہاں اس رسالہ میں مخالفین احمدیت کے اعتراضات کے جواب بھی دیئے جائینگے۔ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ اس رسالہ کو علمی اور تبلیغی لائنوں پر ایک معیاری رسالہ بنایا جائے جس کیلئے میں اہل قلم احباب سے خاص طور پر درخواست کرتا ہوں۔ احباب کو رسالہ کی خریداری کی طرف بھی خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ رسالہ کی علمی اور تبلیغی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ تمام مجالس انصار اللہ سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں اپنے آرگن الفرقان کی اشاعت کیلئے خاص اہتمام فرمادیں۔

خاکسار

ابوالعطاء جالندھری

ایڈیٹر الفرقان و قائد تبلیغ مرکزیہ انصار اللہ

مکہ معظمہ میں جناب گورنر جنرل پاکستان کی تقریر!

مسلمانوں کے زوال و انحطاط کی ذمہ داری خود ان پر ہے!!

۲۰ جمادی الآخرۃ ۱۳۷۲ھ مطابق ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو پاکستان کے گورنر جنرل جناب ملک غلام محمد صاحب نے مکہ معظمہ میں ایک تقریر فرمائی۔ مکہ مکرمہ کے مشہور اخبار "اُم القریٰ" نے اس تقریر کو شائع کیا ہے۔ ہم "ام القریٰ" سے لے کر نقل کرتے ہیں۔ افادۂ عام کے لیے ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ (ایڈیٹر)

"ليس بوسعي ان اعبر تماما عن شعوري العميق بالامتنان على هذا الاستقبال الحار الذي لقيته في كل مكان اثناء زيارتي القصيرة للارض المقدسة.

وانني ممتن جداً لصاحب الجلالة الملك ابن سعود الذي هو اخ كبير لي والذي ترك كرمه وحبه في قلبي ذكرى خالدة، وأنا واثق بأن زيارتي سوف تدشن عهداً من الصلة الوثيقة والاتحاد بين الباكستان والبلاد العربية السعودية.

لقد وجدت الباكستان من اجل هدف واحد هو خدمة قضية الاسلام ومسلمي العالم، ولم تقم هذه الدولة الفتية على اساس تعشق القوة كما أنه لم يكن الدافع لوجودها أية رغبة لاستعمال قوتها أو نفوذها لما فيه ايذاء مصالح الانسانية الكبيرة والسلام.

ولم توجد هذه الدولة أيضاً بقصد للتآمر لتشكيل كتل جديدة؛ واتمنى أن أكرر بأن جوهر الباكستان هو اداء الخدمة اللانفعية للعالم الأسلامي.

وانه لمما يبهج ان نلاحظ موجة الحرية الجديدة في العالم الإسلامي، فإن عدداً من الدول الإسلامية الجديدة قد برزت الى الوجود أو أنها حصلت على الاستقلال خلال السنوات القليلة الاخيرة منها الباكستان، وأندونيسيا، وليبيا؛ في حين ان مبدأ تقرير المصير والحرية آخذ في الانتشار بين المسلمين في افريقيا وغيرها - وان الاخذ بيد هذه الشعوب لنيل حريتها كما كانت تعمل باكستان لا يمكن اعتباره من قبل أصحاب التفكير السليم بأنه رغبة في السعي وراء القوة، ولن يكون ذلك الا خدمة في سبيل قضية الاسلام.

ان على اهالي هذه المدينة المقدسة

أن يتأملوا بتعمق أسباب نهوض وانحدار الأمم الاسلامية فان نور العقيدة والهداية المضوء الذى أضىء فى نفس هذه المدينة والذى سرعان ما أنار الزوايا الحالكة المظلمة فى العالم قد اصبح خافتا وانا آسف لأن أقول ان ذلك قد وقع بسبب اخفاق شعوبنا وزعمائنا وقادتنا، وان مسئولية الانهيار الحالى للاسلام تقع على عاتق المسلمين انفسهم؛ ودعونى اوضح لكم ما أعنى، لقد قام الاسلام على الحق والتسامح وخدمة الانسانية .وكان التوحيد هو محوره الاساسى والحث على السعى فى سبيل الله . وقد فاضت هذه المثل عن قوى جلبت ازدهار التفكير والمؤسسات الانسانية . وقد ذهبوا الى ابعد من الرغبة فى القوى السياسية بأن ساعدوا على توسيع نطاق سمعة الاسلام فى سبيل مجد الله الخالد. وهكذا اندمج المسلمون قدما متأثرين بهذه المثل واصبحوا مثلا للعالم اجمع؛ فكانوا حملة مشاعل الفنون والعلوم والمعرفة وكانوا هم الذين ساعدوا على قيام اسس النهضة فى اوروبا فى الوقت الذى كانت فيه ترتع فى دياجير الظلمة.

وهناك مدنيات عديدة اليوم مدينة للاسلام و لمثاليته . وقد ابتعد المسلمون فيما بعد عن مثل الحياة و الأخلاق وفضلوا على ذلك حياة البذخ والنساء والقوة و الانحلال .وفقدوا بذلك الدافع لهدف الحياة الصحيح، وفرقوا فى جو الدسائس و الحقد والشره، وتدهور المسلمون بسبب هذه الشرور وبسبب انهماكهم وراء التفاصيل والاحقاد سواء كان الدينى منها او السياسى .و قد اهمل كثيرون منا روح الاسلام وفضلوا الانشغال بسفاسف المذاهب؛ فقد نسيت مبادى الاسلام الاساسية فى الاتحاد وحرصه على الاعمال والخدمة اللانفعية والتسامح. وهذا هو ما أعنيه حين اقول: ان مسئولية انحدار المسلمين حالياً تقع على المسلمين انفسهم . انني اهيب بكم ان تفكروا بهذه الاشياء حين تدخلون بيت الله فعليكم بدل السعى وراء القوة الدنيوية أن تسعوا وراء قوة الاسلام التى هى فى اساسها القوة و الدافع لخدمة شعوب الله فعلينا نحن المسلمين اليوم أن نغير نظراتنا العامة بالكلية -دعونا نتبع مرة اخرى تعاليم القرآن والنبى الكريم، اذ ان هذا هو الاسلام فى أسمى معانيه، وان نشرب روح التسامح نحو الاديان الاخرى هو احد تعاليم النبى الكريم التى يظهر أنهم قد نسوها وانساقوا بدل ذلك وراء التهريج من دون التفهم والادراك الصحيح، وهم بذلك يعتبرون فى عرف الدين اما انهم يبحثون

عن القوة أو تنقصهم استنارة الفكر ليكونوا صالحين لقيادة الشعوب - هنالك اشخاص صالحون، غير ان الصالحين قلة غمرتهم الموجة المنطلقة عن المهرجين بان الاسلام كتاب مفتوح؛ ومن الحق الطبيعي لكل مسلم أن يدرس الاسلام وان يحس بنفسه وبقلبه الوازع الحقيقي - ومرة اخرى فان القرآن يفرض علينا فى ميدان العلم أن نطلب العلم لو كان علينا ان نذهب فى طلبه بعيداً حتى الصين (اطلبوا العلم ولو كان بالصين) وقد جعل طلب العلم واجبا على كل مسلم ومسلمة (وطلب العلم فريضة على كل المسلمين و المسلمات) ولو كان علينا ان نبحث فى دخائل قلوبنا لوجدنا أننا نحن حملة مشاعل العلم قد أهملنا اهمالاً كلياً علوم الدين و علوم الدنيا - ان أوربا تقيم علومها على أساس ما قدمه المسلمون بينما نحن نجر اذيالنا فى ظلمات الجهل - وقد اعطانا الله جميع الموارد لكننا نفتقر الى معرفة العلوم لاستخدامها لمصلحة المسلمين والانسانية -

ارجو أن تعذرونى اذا تكلمت بصراحة فانني أشعر انه من الضرورى أن اتكلم بصراحة وبجرأة حتى تستثار امتنا لوعى جديد يلقى بمسئولية كبيرة علينا جميعاً لخير الاسلام والشعب الاسلامى -

آمل أن تغذوا الدافع الكبير للعمل فى سبيل الله والعقيدة العميقة والبصيرة - على كل مسلم أن يستهدف دراسة علوم الدين و جميع العلوم الطبيعية؛ اذ ان الله قد منحنا الموارد لذلك. دعونا نستفيد منها حيث اننا فقراء لدرجة تستوجب استقدام أناس من الخارج للعمل فيها - هل فكرتم بسبب لذلك؟ ان عليكم أن تستحوذوا على معرفة تامة بالعلوم الحديثة لنتمكن من افادة شعبنا افادة تامة من موارد الثروة المادية التى وهبنا الله اياها ونستفيد من هذه الموارد لخدمة الاسلام -

ان مصيبتنا هى التحدث بالتفاسير و ايجاد عدم التسامح وعن الطوائف - دعونا نوجد شعبا يعمل بقوة من الله ينعش التقاليد العظيمة، وعظمته خدمة الاسلام، ولننتهز الفرصة كاملة فنهتبل ما سخر الله الرحيم من علوم لفائدة الانسان -

لقد دعوتنى بخطابك خليفة القائد الاعظم - وانى اعتبر نفسى خائناً اذا لم أقل هذه الكلمة وهى انه ليس بيننا الآن فى الپاكستان من يمتلك قوة الالهام والنشاط للعمل لا للقول فقط و قوة التبصر العميق كالتى كان يملكها قائدنا رحمه الله فلعل الله برحمته يهدى شعب

الباكستان ليعيش متوخيا هذه المثل العليا. وأنا من جهتي أتوخى خدمة شعبي وانني شاكر لله عزوجل أن أوجد في هذا الدافع للخدمة.

ان ما رأيته في البلاد العربية السعودية قد ملأ قلبي سرورا، وجعلني كلي أمل بأن هذه البلاد ستنتعش وتتقدم بقيادة وارشاد صاحب الجلالة الملك عبد العزيز بن سعود القدير. ان العمل هو أساس النجاح والمسلمون لا يجب أن يعيشوا عقليا وماديا بعزلة ويقتنعون فقد وهب الله هذه البلاد المقدسة هبات روحية ومادية عديدة فدعونا ننتج الاولى ونتشد لمعرفة والعمل للاستفادة من الثانية لمنفعة الشعب فبالوداعة والتسامح وللعمل المتعب والتفكير المتزن والخلق القويم نستطيع الاعتماد على الثقة التامة بالله ان يقود خطواتنا الى الخير.

وكلمتى الوداعية الى اولئك الذين اسعدهم الحظ بالاستيطان فى هذه المدينة المقدسة هى انهم كلما صلوا فى الكعبة المشرفة فليدعوا بتقديم المسلمين فى كل صقع وأدعوا الله الرحيم ان يهب المسلمين الحب والتسامح والرغبة فى العمل والشغف بالبحث عن المعرفة بالدين والآداب والعلوم فى خدمة اخوانهم المسلمين وخدمة الانسانية وهذه دعواتى الدائمة وستظل كذلك.

والآن أستأذن منكم وغدا ان شاء الله سأذهب الى المدينة وادعو عند قبر الرسول الاعظم بالنهضة الخلقية والروحية للمسلمين فى كل صقع"

ترجمہ:- میں اس شاندار اور گرمجوشی سے لبریز استقبال کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں جو مجھے اس مقدس سرزمین پر ہر جگہ حاصل ہوا ہے۔ میں اپنے برادر بزرگ شاہ ابن سعود کا بہت ممنون ہوں جنکے حسنِ سلوک اور محبت کا دائمی نقش میرے دل پر رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ میرا یہ سفر پاکستان اور بلادِ عربیہ سعودیہ میں اتحاد اور مستحکم تعلق کے لیے مضبوط آغاز قرار پائے گا۔

پاکستان کا قیام صرف خدمتِ اسلام اور مسلمانانِ عالم کی بہبودی کیلئے ہوا ہے۔ اس مضبوط اور نئی سلطنت کا مقصد محض طاقت کا حصول یا ایسی کوئی خواہش نہیں جسکے مدِنظر انسانیت کبریٰ کے مفاد کو کسی نوع کا نقصان پہنچتا ہو۔ یہ سلطنت نہ کسی بنا کر کسی سازش کی خاطر معرضِ وجود میں نہیں آئی۔ میں بصد صاف کہدینا چاہتا ہوں کہ پاکستان صرف عالمِ اسلامی کی بے لوث خدمت کیلئے منصۂ شہود پر آیا ہے۔ یہ امر موجبِ مسرت ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں عالمِ اسلامی میں آزادی اور حریت کی لہر چل پڑی ہے اور کچھ نئی اسلامی سلطنتیں استقلال اور آزادی حاصل کر چکی ہیں جیسے کہ پاکستان اور انڈونیشیا اور لیبیا ہیں اور دوسری طرف افریقہ وغیرہ کے مسلمانوں میں آزادی کی تحریک

ضرورت پر ہے۔ پاکستان کا ان آزادی پسند مسلمان اقوام کی امداد کرنا محض عالمِ انسانی اور مسلمانوں کی خدمت کے جذبہ کے ماتحت ہے کوئی صحیح الدماغ انسان اسے طاقت حاصل کرنے کی خاطر قرار نہیں دے سکتا۔

اِس مقدس شہر (مکہ معظمہ) کے باشندوں کا فرض ہے کہ اُمّتِ اسلامیہ کی ترقی اور ان کے تنزل کے اسباب پر غور کریں کیونکہ عقیدہ اور روشنِ ہدایت کا وہ نور جو اس بستی میں چمکا اور جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کے تاریک کناروں تک کو روشن کر دیا اب ماند پڑ گیا ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے شدید افسوس ہوتا ہے کہ اس کا موجب مسلمان جماعتوں، انکے علماء اور لیڈروں کی ناکامی ہے اور اسلام کے موجودہ انحطاط کی ساری ذمہ داری خود مسلمانوں کے کندھوں پر ہے مجھے صفائی سے کہنے دیجئے کہ اسلام حقانیت اور رواداری اور خدمتِ انسانی کا مذہب ہے۔ اس کا مرکزی نقطہ عقیدۂ توحید اور اللہ کی راہ میں بنی نوع کی خدمت کی ترغیب ہے۔ ان عمدہ تعلیمات کے نتیجہ میں انسانی فکر اور انسانی قوتوں نے شاندار ترقی کی تھی۔ اولین مسلمانوں نے اسلام کے صحیح نظریات سے متاثر ہو کر محض اللہ تعالیٰ کی بزرگی پر نگاہ رکھتے ہوئے اسلام کی نیک شہرت کو وسیع ترین حلقہ میں پھیلایا وہ سیاسی شاطروں کے مطمحِ نظر اور تصور سے بہت بالا تھے۔ وہ سارے جہان کیلئے علوم فنون اور معرفت کی روشنی کے علمبردار تھے۔ جب یورپ ابھی جہالت کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہا تھا اُسوقت اولین مسلمان دنیا بھر میں علمی اور روحانی ترقی کی بنیادوں کو استوار کرنے میں مصروف تھے۔ وہ سب دنیا کیلئے نمونہ تھے چنانچہ آج بھی دنیا کی مختلف تہذیبیں اسلام کی اعلیٰ تہذیب و تمدن کی مرہونِ منت ہیں۔ افسوس کہ بعد ازاں مسلمان اسلامی زندگی کی اعلیٰ تعلیمات اور اخلاق سے دور ہو گئے اور انہوں نے تعیش، عورتوں اور طاقت کے حصول کو ترجیح دیدی۔ اور اس طرح حقیقی زندگی کے جذبہ سے محروم ہو گئے۔ پھر فرقہ بندی، سازشوں، لالچ اور کینہ کا شکار ہو کر مذہبی اور سیاسی طور پر ذلت کے گڑھے میں گر گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم میں سے بہت نے اسلام کی حقیقی رُوح کو نظر انداز کر دیا اور سطحی اور فروعی بے معنی باتوں میں مشغول ہو گئے۔ اتحادِ باہمی کے متعلق اسلام کے بنیادی اصول بھلا دیئے گئے۔ اعمالِ صالحہ، بے لوث خدمت اور رواداری کو نظر انداز کر دیا گیا۔ مَیں جب کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے موجودہ تنزل کی ذمہ داری اُن پر ہے تو اس سے میری یہی مراد ہے یعنی یہ کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت پھینک دیا ہے۔ اے باشندگانِ حرمِ مقدس! میری آپ سے درخواست ہے کہ جب آپ بیت اللہ میں داخل ہوں تو ان امور پر تدبر کریں۔ آپ دنیوی قوت کی بجائے اسلام کی روحانی قوت حاصل کرنے کی کوشش کریں جس کی اساس مخلوقِ خدا کی خدمت کا سچا جذبہ اور عزم ہے۔ ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے نقطۂ نگاہ کو کلیۃً تبدیل کر لیں۔ ہمیں پھر قرآن مجید کے احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی پیروی کرنی چاہیئے کیونکہ اسلام کا اصل پاکیزہ مفہوم یہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے تسامح اور رواداری کا سلوک کیا جائے۔ اسوقت نظر آ رہا ہے کہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو بھُول کر جوش اور ہنگامہ آرائی کی پیروی کر رہے ہیں جس سے سمجھا جاتا ہے کہ یا تو وہ دُنیا کے رہنما بننے کے لئے مادی طاقت کے طلبگار ہیں اور یا پھر وہ روشن ضمیری سے محروم ہیں۔

یہ درست ہے کہ مسلمانوں میں نیک اور اعلیٰ قابلیتوں کے مالک لوگ موجود ہیں مگر وہ تعداد میں تھوڑے ہیں شور و شغب کرنیوالوں کے طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سچ یہی ہے کہ اسلام ایک کھُلی کتاب ہے اور ہر شخص کو اسکے پڑھنے کا اور اس سے سبق حاصل کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کا

سیکھنا ہم سب پر فرض قرار دیا ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ اور اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ۔ آنحضرتؐ کے واضح ارشادات ہیں۔ لیکن اگر ہم دل میں سوچیں تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ اب ہم نے دینی اور دنیوی علوم سے انتہائی بے پروائی اختیار کر رکھی ہے۔ ہم آج جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں اور یورپ اولین مسلمانوں کی بنیادوں پر اپنے علوم کی عمارت قائم کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر قسم کے خزانے بخشے ہیں لیکن انکو مسلمانوں اور انسانیت کے فائدہ میں لگانے کیلئے ہمیں علوم سیکھنے کی ضرورت ہے۔

آپ مجھے اس صاف گوئی کے لئے معاف فرمائیں کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اسوقت صاف گوئی اور جرأت سے بات کرنیکی ضرورت ہے تاکہ مسلمانوں میں پھر نئی بیداری پیدا ہو اور وہ اس بڑی ذمہ داری کو ادا کریں جو اسلام اور عالم اسلامی کیلئے ان پر عائد ہوتی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے اذہان اور عقیدہ و بصیرت کے مطابق عمل کرنیکی قوتوں کی آبیاری کرینگے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ تمام دینی اور دنیوی علوم کا حصول اپنا نصب العین قرار دے۔ خدا نے ہمیں مواد اور خزانے بخشے ہیں لیکن ان سے فائدہ اٹھانے کیلئے ہم بیرونی ملکوں سے ماہر منگوانے کے محتاج ہیں کیا آپ نے کبھی اسکے سبب پر بھی غور کیا ہے؟ یقیناً ہمارا فرض ہے کہ ہم تمام نئے علوم میں مہارتِ تامہ حاصل کریں تا اللہ کی بخشی ہوئی طبعی ثروت کے خزانوں سے اپنی قوم کو مستفید کر سکیں اور ان خزانوں کو اسلام کی خدمت میں لگا سکیں۔

ہماری مصیبت کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم تفسیری گفتگوؤں، عدم رواداری اور فرقہ بندی میں اُلجھے رہتے ہیں ہمارے اندر ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو خدائی تائید سے اسلامی تعلیمات کو پھر قائم کرے اور اسکا مقصد خدمتِ اسلام ہو۔ ہمیں اس فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور اس سے پورا فائدہ اُٹھا کر ان علوم کو سیکھنا چاہیئے جو خدا نے انسان کے فائدہ کے لئے ایجاد فرمائے ہیں۔

آپ حضرات نے مجھے قائد اعظم کا جانشین کے خطاب سے سرفراز کیا ہے لیکن میں اخفاءِ حقیقت کا مجرم ہونگا اگر یہ نہ کہوں کہ آج پاکستان میں اس قوتِ ایجاد و تدبر اور قوتِ نشاط و عمل کا مالک کوئی شخص موجود نہیں جیسے قائد اعظم مرحوم تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستانیوں کو ان نیک صفات کی پیروی کی توفیق بخشے۔ میں اپنی طرف سے مقدور بھر اپنی قوم کی خدمت کرتا ہوں اور اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے میرے اندر یہ جذبۂ خدمت پیدا فرمایا ہے۔

بلادِ عربیہ سعودیہ کی اس نمایاں ترقی نے مجھے مسرت سے بھر دیا ہے مجھے پوری اُمید ہے کہ یہ ملک شاہِ معظم عبد العزیز بن سعود کی زیر قیادت جلد تر ترقی کر جائیگا عمل ہر کامیابی کا راز ہے مسلمان عقلی اور مادی عزلت میں زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے سرزمین عرب کو روحانی نعمتوں اور مادی عطیات سے سرفراز فرمایا ہے ہمیں روحانی شریعت کے احکام کی تعمیل کرنی چاہیئے اور مادی مواہب سے استفادہ کیلئے علم اور عمل کو شعار راہ بنانا چاہیئے۔ ہم رواداری، انکساری، عمل پیہم، دماغی توازن اور عمدہ اخلاق کی بناء پر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر سکتے ہیں کہ وہ ہمیں خیر و برکت کی طرف گامزن ہونے کی توفیق بخشے۔

جن لوگوں کو خوش قسمتی سے اس مقدس شہر میں بسنے کی سعادت حاصل ہے ان سے میری آخری درخواست یہ ہے کہ وہ جب بھی بیت اللہ میں نماز پڑھیں تو ہر ملک کے مسلمانوں کی ترقی کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنی محبت بخشے اور انہیں رواداری، رغبتِ عمل، علمی شوق اور مسلمانوں اور عام مخلوق کی خدمت کی ہر رنگ میں توفیق بخشے۔ میں ہمیشہ سے یہ دعائیں کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔

اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ کل مدینہ منورہ جا کر پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر تمام مسلمانوں کی ترقی و بہبودی کیلئے دعا کروں گا

"جماعت احمدیہ نے قیام پاکستان کیلئے قائد اعظم مرحوم کی ہر ممکن امداد کی تھی!"

موجودہ تحریک محض ایک سیاسی تحریک ہے!!

قاہرہ کے ہفت روزہ رسالہ "المصوّر" کا دلچسپ بیان!!!

گذشتہ دنوں مصری صحافت کے نامور ایڈیٹر پاکستان میں صحافتی دورہ پر آئے تھے مشہور ترین ہفت روزہ "المصوّر" قاہرہ کی شہرۂ آفاق مضمون نگار السیدۃ امینۃ السعید نے اپنے ایک مضمون میں جماعت احمدیہ کے خلاف سیاسی تحریک کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کئے ہیں۔ اس عربی مضمون کا اہم حصہ حسب گنجائش مع ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ——— (ایڈیٹر)

"عندما وصلنا الى "راولپنڈی" بعد رحلة شاقة استغرقت تسع ساعات، وجدناها عامرة بالجماهير التى نمى اليها خبر وصول البعثة الصحفية المصرية فتجمع الناس عند القطار، ليسمعوا رأيهم فى "القاديانية" او "المذهب الاحمدى" كما يسمى هنا.

وقد بدأ العصيان سافرا عندما ذهبت الى كراتشى بعثة من خمسة رجال ليطلبوا الى السلطة الحاكمة عزل الاحمديين جميعا و على رأسهم السيد ظفر الله خان - من الوظائف الحكومية واعتبار أهل هذه الطائفة اقلية كالمسيحيين والهندوس والبارس بحجة انهم لا يمتون الى الاسلام بصلة من الصلات، ما داموا قد أنكروا أن محمداً خاتم الانبياء! وقد امهلت البعثة الحكومة اياما حددتها فلما انقضت المهلة ولم يجب طلبهم، اعلنوا العصيان المدنى فى انحاء البلاد كلها، فقامت المظاهرات واغلقت الحوانيت، وتعطلت وسائل المواصلات

..ولكن الحكومة الباكستانية وقفت لاصحاب الفتنة بالمرصاد فقبضت على رؤوسهم المحركة كلها، فخمدت نيران الثورة مؤقتا..

والحقيقة ان هذه الحركة التى قامت فى وجودنا بالعاصمة الباكستانية وصحبتنا فى طوافنا بمختلف المناطق، قد أثارت فى نفسى دهشة عظيمة، وذلك لان المذهب "القاديانى" او "الاحمدى" بدأ منذ مائة عام تقريبا، وعاش معتنقوه منذ ذلك العهد الى الآن فى حرية وسلام، وكان شأنهم فى ذلك شأن المذاهب الاخرى الموجودة هنا كالسنية و الشيعية والاسماعيلية والوهابية والبهائية فلماذا تثور النفوس عليهم الآن؟! وما هو السر الحقيقى فى المطالبة بطردهم من الوظائف واعتبارهم أقلية غير اسلامية؟

وقد قمت بتحريات كثيرة فى هذا الموضوع وتحدثت الى رجال من مختلف الاحزاب السياسية

والاجتماعية، فتبين لى أن الحركة القائمة حركة سياسية بحتة، وان المحركين لها ليسوا من أصدقاء الباكستان، وهدفهم الحقيقى أبعد بكثير مما يبدو فى الظاهر، والحكومة تعرف هذه الحقيقة كل المعرفة، ولا تخفى عليها دسائس الأيدى التى تعمل فى الظلام، ولذلك لم تتوان عن أخذ المسئولين عن الفتنة بالشدة.

وقد تحدثت فى ذلك الى سياسى كبير عرف بنزاهة رأيه وبعده عن الغايات، فقال بعد أن طلب عدم ذكر اسمه: "قد يدهشك أن تقوم الحركة ضد هيئة اسلامية لا يزيد عددها عن ثلاثة ارباع مليون، وان تخص بالثورة كلها، فى حين أن فى الباكستان ملايين من السنيين والشيعيين والاسماعيليين و الوهابيين، ولكل منهم آراء تختلف مع آراء الآخرين..

ولكى أفسر لك الموقف بوضوح، يجب ان اعود بتاريخ القاديانيين الى الوراء سنوات، يوم قام القائد الاعظم محمد على جناح بالدعوة الى انشاء دولة الباكستان.. فيومئذ وقف الاحمديون معه قلبا وقالبا، وايدوه بكل مايملكون من اسباب الجهاد، وكانوا له عونا حتى تحققت الفكرة، و اثمرت ثمرتها المرجوة. وفى خلال هذه الفترة كان فى شبه القارة الهندية فريق اسلامى آخر هو "جماعة الاحرار" لم يكن التقسيم من رأيهم، فعارضوا بشدة وحاربوه فى دعوته.. فلما تم التقسيم رغم أنوفهم، ألقوا سلاحهم وانضموا الينا، وانتقل معظمهم الى الباكستان، وان كان زعيمهم ما زال الى اليوم فى الهند.. ومنذ انشاء الباكستان الى اليوم والعداء السياسى مستحكم بين "الاحرار" و"الاحمديين" الذين هم المحركون الحقيقيون للفتنة الحاضرة".

قلت: "ولماذا لم يلجأ الاحرار الى محاربة غرمائهم قبل الآن؟ ولماذا اختاروا هذا الوقت بالذات لافراغ احقادهم الدفينة بنشر الفتن علناً؟"

قال: "ان الاجابة على هذا السؤال تتطلب التدرج مع الامور، فان قيام دولة الباكستان فجأة، وفى الظروف التى دعت اليها، وحرصنا البالغ على ان يبدأ الوطن الجديد بداية قوية حسنة، جعلنا نعتمد فى الوظائف الكبيرة على خبرة الاكفاء من المفكرين والمتعلمين ولأن "الاحمديين" مثقفون جدا، فقد تولوا مناصب كثيرة هامة لم ينجح "الاحرار" فى الحصول عليها، لجهلهم من ناحية، ولماضيهم فى محاربة الدولة من ناحية اخرى".

ترجمہ:۔ جب ہم نو گھنٹے کی لمبی مسافت کے بعد راولپنڈی پہنچے تو چونکہ وہاں پر مصری صحافی وفد کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی

اسلئے لوگ بڑی کثرت کے ساتھ گاڑی پر پہنچ گئے تاکہ قادیانیت یا احمدی مذہب کے بارے میں ہمیں اپنی رائے سے مطلع کریں۔ ملک میں لاقانونیت کا آغاز اس طرح ہوا کہ پہلے پانچ آدمیوں کی ایک کمیٹی کراچی گئی جس نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام احمدیوں کو جن میں چودھری ظفراللہ خان بھی شامل ہیں تمام حکومتی عہدوں سے علیحدہ کر دیا جائے نیز انہیں عیسائیوں، ہندوؤں اور پارسیوں کی طرح ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ احمدیوں کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منکر ہیں۔ اس کمیٹی نے حکومت کو چند دن کی مہلت دی۔ جب حکومتِ پاکستان نے یہ مطالبات منظور نہ کئے اور مُدت مقررہ گذر گئی تو ملک کے تمام اطراف میں سول نافرمانی کا اعلان کر دیا گیا۔ مظاہرے ہوئے۔ دکانیں بند کی گئیں اور وسائل آمد و رفت میں تعطل پیدا ہو گیا۔ چونکہ حکومت پاکستان فتنہ پرور اصحاب کی حرکات سے پوری طرح آگاہ تھی اسلئے اُس نے اِس فتنہ کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا اور اس طرح وقتی طور پر بغاوت کی آگ فرو ہو گئی۔

یہ واقعہ ہے کہ جب ہم دارالسلطنت پاکستان (کراچی) میں تھے تو اس تحریک کا آغاز ہوا اور ملک کے مختلف اطراف میں ہمارے ساتھ ساتھ یہ تحریک بھی چکر لگاتی رہی۔ اس تحریک پر مجھے بہت حیرت تھی کیونکہ قادیانی مذہب یا احمدیہ جماعت تو قریباً سو سال سے قائم ہے اور آج تک اِس عقیدہ کے لوگ آزادی اور سلامتی سے بستے رہے ہیں اور ان کی حیثیت مسلمانوں کے دوسرے فرقوں سُنی، شیعہ اور وہابی وغیرہم کی طرح ہے۔ مجھے حیرت تھی کہ خاص طور پر ان لوں میں احمدیوں کے خلاف طبائع میں کیوں اشتعال پیدا ہو گیا ہے نیز یہ کہ انہیں عہدوں سے معزول کئے جانے اور اقلیتِ غیر مسلمہ قرار دینے کے مطالبہ کا حقیقی راز کیا ہے؟ اِس سلسلہ میں مَیں نے بہت جستجو کی اور بہت سے سیاسی اور اجتماعی جماعتوں کے لیڈروں سے بات چیت کی۔ آخرکار مجھ پر واضح ہو گیا کہ موجودہ ایجی ٹیشن خالص سیاسی تحریک ہے اور اس ایجی ٹیشن کے محرک دراصل پاکستان کے دوست نہیں ہیں اور ان کا حقیقی مقصد اس سے بہت مختلف ہے جیسا کہ ظاہر میں نظر آتا ہے اور حکومت کو اس کا پُورا پُورا علم ہے۔ وہ بخوبی جانتی ہے کہ اندھیرے میں کونسے ہاتھ یہ تاریں ہلا رہے ہیں اسلئے حکومت نے اِس فتنہ کے ذمہ داروں پر سختی سے گرفت کرنے میں ذرا غفلت نہیں برتی۔

اِس بارے میں مَیں نے پاکستان کے ایک بہت بڑے سیاستدان سے گفتگو کی جو اپنی آزادانہ رائے اور ذاتی اغراض سے بالا ہونے میں معروف ہے اُس نے یہ کہتے ہوئے کہ میرا نام ظاہر نہ کیا جائے مجھے بتایا کہ "بیشک تم ایک ایسی چھوٹی سی مسلم جماعت (جس کی تعداد سات آٹھ لاکھ سے زیادہ نہیں) کے خلاف اِس تحریک کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئی خصوصاً اسلئے کہ جب پاکستان میں کروڑوں سُنی، شیعہ، آغاخانی اور وہابی موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے مختلف آراء رکھتا ہے تو یہ شور و شر اور ہنگامہ صرف احمدیوں کے خلاف ہی کیوں ہے؟ اسلئے مَیں اِس جگہ معاملہ کی پوری وضاحت کے لئے بتاتا ہوں کہ اس کے لئے قادیانیوں کی ان گزشتہ

چند سالوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے جب قائدِ اعظم محمد علی جناح نے پاکستان بنانے کی تحریک شروع فرمائی تھی۔ اس وقت جماعت احمدیہ جان و دل سے قائدِ اعظم مرحوم کے دوش بدوش کھڑی ہوئی اور اس جہاد میں اس نے قائد اعظم کی پوری پوری تائید کی اور وہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے تک ہر طرح ان کی مددگار رہی اس زمانہ میں برِ عظیم ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک جماعت "احرار" کے نام سے موجود تھی جو لوگ تقسیم ہند یعنی پاکستان بننے کے مخالف تھے۔ انہوں نے مسٹر جناح کا مقابلہ کیا اور ان کی دعوت کی پورے زور سے مخالفت کی۔ لیکن جب ان کی مرضی کے خلاف پاکستان بن گیا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ اگرچہ احرار کا لیڈر اب تک بھارت میں ہے تاہم ان کی اکثریت پاکستان میں آگئی۔ پاکستان بننے کے دن سے لیکر آج تک جماعت احمدیہ اور احراریوں میں شدید دشمنی ہے جو موجودہ فتنہ کے حقیقی محرک ہیں۔

(مضمون نگار کہتی ہیں کہ) میں نے دریافت کیا کہ اگر یہ بات ہے تو احرار نے اپنے مخالفوں سے اس سے پہلے کیوں معاملہ نہیں نپٹایا؟ اور خاص طور پر اس وقت اپنے دیرینہ بغض و کینہ کے نکالنے کے لئے سول نافرمانی کو کیوں ذریعہ بنایا؟ (اس لیڈر نے جواب دیا کہ) اس سوال کے جواب کے لئے بعض اور امور کا سلسلہ وار بیان کرنا ضروری ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان کا قیام غیر متوقع طور پر ہوا ہے۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ ہم اپنی پوری کوشش سے اپنے وطن جدید کی ابتدا مضبوط حالات سے کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہم نے ذمہ دارانہ عہدے دینے میں سمجھدار اور تعلیمیافتہ لوگوں کی قابلیت پر دارومدار رکھا اور چونکہ احمدی بہت زیادہ تعلیمیافتہ اور مہذب تھے اسلئے ان کو بہت سے ذمہ داری کے منصب سپرد کئے گئے اور احراریوں کو ان عہدوں کے حاصل کرنے میں ناکامی حاصل ہوئی۔ ایک تو اس لئے کہ وہ تعلیمیافتہ نہ تھے اور دوسرے اس لئے کہ وہ ماضی میں پاکستان بننے کی مخالفت کرتے رہے تھے۔"

المصور۔ قاہرہ
۱۰ر اپریل ۱۹۵۳ء

احباب سے ضروری درخواست جن دوستوں کے ذمہ الفرقان کا چندہ واجب الادا ہے انہیں چاہیئے کہ وہ اس کا چندہ بہت جلد ادا فرما دیں نیز الفرقان کی توسیع اشاعت کے لئے کوشش فرما دیں۔ الفرقان کے زیادہ مفید بنانے کے لئے ہر تجویز پر پورا غور کیا جائے گا، آپ بھی اپنی تجاویز سے مطلع فرما دیں۔

(مینیجر)

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا سے چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ضلع جھنگ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ لیکون للعلمین نذیرا

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے!

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے!

قرآنی حقائق بیان کرنیوالا خالص مذہبی، علمی اور تبلیغی رسالہ

الفرقان

جلد ۳ — نمبر ۱ — جنوری ۱۹۵۳ء

سالانہ چندہ — ایڈیٹر:

پانچ روپے — قیمت فی پرچہ آٹھ آنے — ابو العطاء جالندھری

سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين

(بقلم السيد رضوان عبد الله الطالب بالجامعة الاحمدية)

العظماء كثيرون، عظيم تظهر عظمته فى العلوم العربية وعظيم تعظمه الشجاعة، وآخر ترفعه الحكمة، وغيره يذيع صيته التاليف والادب، كل هؤلاء عظماء فى اعيننا. فنقول ما اعظم هذا الرجل انه ألّف كتاباً فى الطب. وما اقوى ذاك لقد صارع شخصين بمفرده وصرعهما.

وهكذا نأخذ فى عدّ العظماء وسبب عظمتهم وهم كثيرون لا يحصى لهم عدد.

ووصف الله تعالى رسوله الكريم صلوات الله عليه وسلّم فى كتابه العزيز قائلاً وهو احكم القائلين "ماكان محمّدٌ ابا احدٍ من رجالكم ولٰكن رسول الله وخاتمَ النبيّين" وهذا الوصف جامع لتلك الصفات الّتى ذكرناها لأولٰئك العظماء. وتلك الاوصاف باجمعها توجد فى الانبياء بدرجة قصوى. فبكونه صلّى الله عليه وسلّم "خاتم النبيّين" وافضلهم يلزم ان يكون قد فاقهم فى جميع تلك الصفات. فيمكن ان نقول انّه صلّى الله عليه وسلّم افضل الرسل لانّه خاتم النبيّين. وانه اشجع الشجعان لانه خاتم النبيّين واحكم الحكماء لكونه خاتم النبيّين وعلى هذا القياس فانظر كيف جمعت فى لفظ خاتم النبيّين صفات العظماء والاقوياء وجميع المحاسن الّتى يجب ان تكون فى حسن الاخلاق. وكيف لا يكون هو افضلهم وهو الّذى ارسل الى الناس كافّة وهو الّذى جُعِلت له الارض مسجداً يسجُد فيها فى كلّ بقعة من بقاع العالم، كلّ مؤمن. وهو الّذى أُعطى القرآن المجيد الذى هو معجزة الدهر والذى أُنزلَ ليستظلّ بظلّه جميع اهل المِلَل فى العالم. لقد اثبت لنا التاريخ كيف كان صلّى الله عليه وسلّم خاتم النبيّين فى كلّ اعماله وافعاله الّتى لا يمكن ان نحصيها فى هذا المقام. ومن اراد التفصيل فعليه بالقرآن فانّ احسن وصفه صلى الله عليه وسلّم فى القرآن. والظاهر كظهور الشمس ان القرآن هو المعجزة الخالدة الّتى ظهرت على يده صلى الله عليه وسلّم وهو نورٌ به يضئ الطريق لتابعيه ويهديهم الى سبيل الرشاد.

تمّت عليه صفات كلّ مزيّة

خُتِمت به نعماء كلّ زمان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۳ | ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ | الفرقان | جنوری ۱۹۵۳ء | شمارہ نمبر ۱

فہرست مضامین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۳ | الفرقان - جنوری ۱۹۵۳ء | شمارہ نمبر ۱

قرآنی صداقتوں میں سے ایک عظیم الشان صداقت

یاجوج وماجوج [۱]

(یعنی)

اشتراکیت اور استعماریت کی دو خطرناک تحریکیں

قرآن مجید کی آخری زمانہ کے متعلق پیشگوئیوں میں سے ایک اہم پیشگوئی یاجوج وماجوج کے بارہ میں ہے۔ یاجوج اور ماجوج دونو لفظ اپنے مادہ کے لحاظ سے اَجیج سے ماخوذ ہیں۔ اجیج کے معنے آگ کے شعلہ کے ہیں۔ یاجوج اور ماجوج اپنے ماخذ کے لحاظ سے آگ سے کام لینے والی دو قومیں ہیں۔ انکے شر اور فساد کی وجہ سے ان کی ہلاکت بھی تباہ کن آگ کے ذریعہ سے ہونیوالی ہے اور ان کا انجام بھی جہنم کی آگ ہے۔

قرآن مجید نے سورۃ الکہف اور سورۃ الانبیاء میں یاجوج وماجوج کا ذکر فرمایا ہے۔ ذوالقرنین موعود کے سلسلہ میں فرمایا: قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا ۝ (آیت ۹۴) کہ لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج وماجوج نے زمین میں فساد برپا کر رکھا ہے کیا ہم آپ کیلئے کچھ رقم یا ٹیکس جمع کریں تاکہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان دیوار حائل کر دیں۔"

پھر اسی سورۃ میں یاجوج وماجوج کے متعلق فرمایا:-
وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضًا ۝

کہ وہ آخری زمانہ میں کثرت سے پھیل جائینگے اور ان کے ذریعہ سے شر بہت بڑھ جائیگا۔ تب اللہ تعالیٰ اپنے فرستادہ کے ذریعہ اقوام عالم کو جمع کرنے کے لئے اعلان فرمائیگا، اور یہ کافر اسوقت جہنم میں داخل ہوں گے۔

سورۃ الانبیاء میں یاجوج وماجوج کے ذکر پر فرمایا:-
حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝ (آیت ۹۶-۹۷)

کہ یاجوج وماجوج کھل جائینگے اور وہ ہر بلندی پر کودتے پھرینگے یعنی ہر جگہ غالب آجائینگے تب اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ظاہر ہوگا اور اسوقت کافروں کی نظریں کھلی کی کھلی رہ جائینگی اور

[۱] "کاش! یاجوج ماجوج پر آپ کوئی مضمون لکھتے یہ امر تحقیق کا محتاج ہے"
مکتوب علامہ اقبال بنام سید سلیمان ندوی (مکاتیب اقبال جلد ۱ صفحہ ۱۹۰)

وہ کہیں گے کہ افسوس ہم تو اس سے غافل رہے بلکہ ہم سراسر ظالم تھے۔

قرآن مجید کے اِن بیانات سے ظاہر ہے کہ:۔

(۱) یاجوج وماجوج دو مفسد گروہ ہیں (۲) آخری زمانہ میں انکی کثرت ہوگی (۳) قومیں اُن کے فساد سے تنگ آجائینگی۔ (۴) یاجوج وماجوج کو آخری زمانہ میں اقتدار وشوکت حاصل ہوگی اور ان کی سلطنت زمین پر پھیل جائے گی۔ (۵) ذوالقرنین یا موعود حق یاجوج وماجوج کے فتنہ کے استیصال کیلئے برپا ہوگا۔ (۶) اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کو تباہ کردیگا اور انکا انجام جہنم ہوگا۔

قرآن مجید نے یاجوج وماجوج¹ کی صفات اور ان کے فتنہ کا ذکر فرمایا ہے مگر اس نے انکی نمایاں شناخت کی وجہ سے انکے علاقے اور ان کے نام ذکر نہیں فرمائے۔ احادیث نبویہ میں بھی یاجوج وماجوج کے فتنہ کا ذکر پایا جاتا ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کی آمد کے سلسلہ میں فرمایا:۔

اوحی اللہ الی عیسیٰ انی قد اخرجت عباداً لی لایدان لاحد بقتالھم فحرّز عبادی الی الطور ویبعث اللہ یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۷۳-۴۷۴ مطبوعہ دہلی)

کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود کو وحی کے ذریعہ سے مطلع کریگا کہ مَیں نے ایسے انسان پیدا کئے ہیں جن کے ساتھ جنگ کرنیکی کسی کو طاقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کو کھڑا کریگا اور وہ ہر بلندی پر غالب آتے جائیں گے۔"

احادیث میں یاجوج وماجوج کے خروج کو اشراط الساعۃ میں شمار کیا گیا ہے۔ امام ملا علی القاریؒ نے حدیث نبوی الآیات بعد المائتین کی شرح میں لکھا ہے کہ اسکے رُو سے بارھویں صدی ہجری کے بعد یاجوج وماجوج کا خروج ہونا چاہیئے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ یافث بن نوح کے سات بیٹوں کے نام یہ تھے۔ (۱) جمر (۲) ماجوج (۳) مادی (۴) یونان۔ (۵) توبل (۶) مسک (۷) تیراس۔ (پیدائش ۱۰/۲) گویا یافث بن نوح کے ایک بیٹے کا نام ماجوج ہے۔ علامہ علی القاریؒ نے بھی لکھا ہے "یاجوج وماجوج ھما قبیلتان من ولد یافث بن نوح علیہ السلام" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) علامہ ابن خلدونؒ نے یاجوج و ماجوج پر طویل بحث کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔

"وجعلوا اھل الشمال کلھم او اکثرھم من ولد یافث" کہ اہلِ انساب کے نزدیک شمالی علاقوں کے سب یا اکثر لوگ یافث کی اولاد ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۷ مطبوعہ مصر)

بائیبل میں یاجوج وماجوج کے متعلق مندرجہ ذیل اہم بیانات ملتے ہیں:

(الف) "اے آدم زاد! جوج کے برخلاف نبوت کر اور بول کہ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ مَیں تیرا مخالف ہوں۔ اے جوج ایروس اور مسک اور توبال کے سردار مَیں تجھے پلٹ دوں گا۔" (حزقیل ۳۹/۱-۲)

(ب) "اور مَیں ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں بے پروائی سے سکونت کرتے ہیں ایک آگ بھیجونگا اور وہ جانینگے کہ مَیں خداوند ہوں۔" (حزقیل ۳۹/۶)

۱؎ امام راغب اصفہانی اپنی لغت کی کتاب میں لکھتے ہیں: "ویاجوج وماجوج منہ شبھوا بالنار المضطرمۃ والمیاہ المتموجۃ لکثرۃ اضطرابھم" کہ یاجوج وماجوج کا اشتقاق اجیج النار سے ہے انہیں شعلہ زن آگ اور موجیں مارنے والے سمندروں سے مشابہت دیگئی کیونکہ یہ قومیں کثرت سے حرکت کرینگی۔ (المفردات فی غرائب القرآن)

(ج) "اور جب ہزار برس (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد[1]) پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائیگا اور ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کیلئے جمع کرنے کیلئے نکلیگا۔ ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائینگی اور مقدسوں کی لشکرگاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لینگی اور آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائیگی۔" (مکاشفہ یوحنا $\frac{20}{9-7}$)

ان تینوں اقتباسات سے ظاہر ہے کہ:۔

(۱) یاجوج و ماجوج روس اور جزیروں میں بسنے والے انگریز ہیں۔

(۲) انکے خلاف نبوت کیجائیگی اور ان کی تباہی کا اعلان ہوگا۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہزار سال بعد ان کا گمراہ کن خروج شروع ہوگا۔

(۴) یہ زمین پر پھیل جائینگی اور مقدسوں کے لشکرگاہ اور عزیز شہر یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی۔

(۵) یاجوج و ماجوج کی تباہی آسمانی آگ کے ذریعہ سے ہوگی۔

بائیبل، قرآن مجید، احادیث نبویہ اور تاریخی حوالجات سے واضح ہو جاتا ہے کہ آخری زمانہ کا سب سے بڑا فتنہ یاجوج و ماجوج کا فتنہ ہے۔ یاجوج و ماجوج کا آخری زمانہ کا عروج ہی اس فتنہ کا سب سے بڑا سبب ہے۔ یاجوج و ماجوج کی تعیین بھی مندرجہ بالا حوالجات سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ یہ روس[2] اور انگریز ہیں جو اس آخری زمانہ میں آگ کے زور سے دنیا پر حکومت کر رہے ہیں اور قوموں میں فتنہ کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ قرآن مجید، بائیبل اور احادیث نبویہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یاجوج و ماجوج کے اس عروج کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرستادہ مبعوث ہوگا اُسے اِن قوموں کے فتنہ کے بارے میں وحی سے اطلاع دیجائیگی۔ اگرچہ وہ مامور خداوندی تلوار اور طاقت سے ان قوموں کا مقابلہ نہ کریگا لیکن آسمانی آگ ان قوموں کو آخرکار تباہ کر دیگی۔ قرآن مجید میں اس مامور کو ذوالقرنین (دو طاقتوں والا) قرار دیا گیا ہے، بائیبل میں اُسے آدمزاد کہا گیا ہے احادیث میں اسے عیسیٰ اور مسیح ٹھہرایا گیا ہے۔ اس باب میں ذیل کی دو[2] حدیثیں خاص توجہ کے قابل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

(۱) "یقولون (یاجوج وماجوج) قھرنا من فی الارض وظھرنا علی من فی السماء فیدعو علیھم عیسی بن مریم فیقول اللھم لاطاقۃ لنا بھم ولا ید فاکفناھم بما شئت۔"

(الدر المنثور جلد ۴ صفحہ ۲۵۲)

ترجمہ:۔ یاجوج و ماجوج اعلان کرینگے کہ ہم زمین و آسمان پر غالب آگئے ہیں اور ہم نے سب کو مقہور کر لیا ہے تب مسیح موعود ان کے خلاف بددعا کریگا اور کہیگا اے اللہ! ہم میں تو ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں تو ہی اپنے ہاتھ سے ہمیں ان کے شر سے بچا۔"

(۲) "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثنی اللہ لیلۃ اُسری بی الی یاجوج وماجوج فدعوتھم الی دین اللہ وعبادتہ فابوا ان یجیبونی فھم فی النار مع من عصی من ولد آدم وولد ابلیس۔"

[1] ملاحظہ ہو مکاشفہ $\frac{19}{16-11}$ و $\frac{20}{3-1}$ [2] روس سے مراد روسی تحریک اشتراکیت ہے اور انگریز سے مراد استعماریت اور سرمایہ داری کی تحریک ہے۔

ترجمہ:- رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسراء کی رات اللہ تعالیٰ نے مجھے یاجوج وماجوج کی طرف مبعوث فرمایا۔ میں نے ان کو اللہ کے دین اور اس کی عبادت کی طرف بلایا مگر انہوں نے میری بات کو قبول نہ کیا وہ بھی ذریتِ آدم و ابلیس میں سے دیگر نافرمانوں کے ہمراہ جہنم میں جائیں گے۔ (الدر المنثور جلد ۴ صفحہ ۲۵ مطبوعہ مصر)

ان احادیث سے ثابت ہے کہ یاجوج وماجوج کی تباہی مسیح موعودؑ کی بددعاؤں سے ہوگی۔ موخر الذکر حدیث نبویؐ سے بہت سے اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ سب سے اہم یہ ہے کہ یاجوج وماجوج کو دعوتِ توحید کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہونیوالے ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ ثابت ہوا کہ یاجوج وماجوج کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ ہونیوالی ہے۔ گویا مسیح موعود، آدم زاد اور ذوالقرنین یہ تمام مختلف صفاتی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کے ہیں۔

یاجوج وماجوج کا خروج ہو چکا ہے۔ انہیں ساری دنیا پر تسلط بھی حاصل ہو چکا۔ اسوقت ساری دنیا روس کی تحریکِ اشتراکیت اور برطانیہ کی تحریک سرمایہ داری کے جنگل میں آ چکی ہے۔ بلکہ اب تو حدیث نبویؐ کے مطابق نمک کے پگھلنے کی طرح ان کا زوال بھی شروع ہو چکا ہے۔ خود علامہ اقبال بھی کہہ چکے ہیں ؎

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ ینسلون!

(بانگِ درا صفحہ ۳۳۴)

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان اس ذوالقرنین کو پہچانیں جسے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلیت میں مسیح موعود بنا کر بھیجا تا کہ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا کے مطابق اسلام کے اکنافِ عالم میں پھیل جانیکا دور جلد مکمل ہو۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو یہ بصیرت بھی عطا فرمائے آمین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سورۃ الکہف کی آیات کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

"پھر فرمایا کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں جو مسیح موعود ہے ہر ایک قوم اپنے مذہب کی حمایت میں اُٹھیگی اور جس طرح ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے ایک دوسرے پر حملہ کریں گے۔ اتنے میں آسمان پر قرنا پھونکی جائیگی یعنے آسمان کا خدا مسیح موعود کو مبعوث فرما کر ایک تیسری قوم پیدا کر دیگا اور انکی مدد کیلئے بڑے بڑے نشان دکھلائے گا یہانتک کہ تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب پر یعنی اسلام پر جمع کر دیگا۔ اور وہ مسیح کی آواز سنیں گے اور اسکی طرف دوڑیں گے تب ایک ہی چوپان اور ایک ہی گلہ ہوگا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۰۹)

مقالاتِ اقبال کی حقیقت

احمدیت کے خلاف علامہ اقبال کے مقالات کی حقیقت پر پہلی قسط دسمبر ۱۹۵۲ء کے الفرقان میں شائع ہو چکی ہے۔ انشاء اللہ فروری ۱۹۵۳ء کے رسالہ میں ان مقالات پر مفصل بحث شائع ہوگی۔ ان مضامین کو خاص طور پر علامہ اقبال کے مداحوں تک پہنچانا ضروری ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت!

توریثِ انبیاء کے متعلق جماعتِ احمدیہ کا مسلک!!

ایک شیعہ دوست رفیع حیدر صاحب ملتان سے لکھتے ہیں:۔

"میں چند سوالات آپ سے پوچھنے کی جرأت کر رہا ہوں اگر جواب مل جائے تو زہے نصیب؟

"مذہبی انسائیکلو پیڈیا کے صفحہ ۲۷۶ پر مصنف نے باغِ فدک پر بحث کی ہے اور حضرت ابوبکرؓ کو الزام سے بری کرنے کی کوشش کی ہے اور ثبوت مندرجہ ذیل حدیث سے دیا جاتا ہے۔

"رسول ورثہ نہیں چھوڑتے اور ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا"

لیکن اسی کتاب میں صفحہ ۸۱، ۱۰۸۰ پر جب مذہب اکثریت نے آپ کے مسیح موعود پر وارث بنانے اور ورثہ دینے پر اعتراض کیا تو مصنف نے ثابت کیا کہ "رسول ورثہ چھوڑتے ہیں اور وارث بناتے ہیں" اور ثبوت میں قرآن کی آیتیں پیش کرتے ہیں۔

اب اگر دونوں عبارتوں پر نظر ڈالیں تو ایک نتیجہ نکلتا ہے۔

۱۔ باغِ فدک کے معاملے میں صرف حدیث کا سہارا لیکر ابوبکر کو بری کیا گیا۔

۲۔ دوسری عبارت میں قرآن کا سہارا لیکر مرزا صاحب کا فعل جائز قرار دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے! کہ قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ ٹھیک ہے یا حدیث جو کچھ کہتی ہے وہ؟ حدیث کو جانچنے کا صرف ایک آلہ بتایا گیا ہے وہ ہے قرآن شریف۔ جو حدیث قرآن سے ملتی ہے وہ درست باقی غلط۔ اور یہاں حدیث اور قرآن ایک دوسرے کے حریف ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت کو پڑھ کر مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجئے۔

(۱) محمد صلعم سے پہلے (اور مصنف کے عقیدے کے مطابق) اور بعد میں تمام رسولوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ ورثہ چھوڑیں اور وارث بنائیں مگر حضورؐ نے ایسا کیوں نہ کیا؟

۲۔ جو فعل تمام نبی انجام دیتے چلے آئے (آپ کے عقیدے کے مطابق) بعد میں بھی دیتے رہیں گے اسکو رسولؐ نے کیوں ترک کیا۔۔۔ ایسے فعل کو ترک کرنے کیلئے کیا خدا نے کوئی حکم دیا تھا؟ اگر دیا تھا تو وہ کہاں ہے؟

۳۔ کیا یہ حدیث صرف ابوبکر اور عائشہ نے سنی تھی یا اور بھی کوئی راوی ہے؟

۴۔ کیا دخترِ رسول اس حدیث سے ناواقف تھیں جو غلط دعویٰ کر بیٹھیں؟

۵۔ ایک فریق دخترِ رسول اور دوسرا ابوبکر خلیفۂ وقت! غلطی پر کون تھا؟

۶۔ اگر ابوبکر نے ٹھیک کیا تو پھر آپ کے مسیح موعود کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے لہذا جو حکم محمد صلعم کیلئے تھا وہ آنجناب کیلئے کیوں نہیں؟

۷۔ جب رسول کیلئے حدیث کا سہارا لیا تو پھر آپ قرآن کی طرف کیوں رجوع کرتے ہیں اور اگر آپ نے قرآن کا سہارا لیا تو پھر ان کیلئے حدیث کیوں؟

۸۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز ایک نبی کیلئے جائز اور دوسرے کیلئے نہیں؟

۹۔ عمر بن عبد العزیز اور مامون نے باغِ فدک اولاد فاطمہ کو کیوں واپس کیا؟

۱۰۔ آپ کے مسیح موعود غلطی پر ہیں یا ابوبکر؟

۱۱۔ صرف ایک شخص کے کہنے سے کہ میں نے یہ حدیث رسول سے سنی ہے دخترِ رسول کو اسکے ترکہ سے محروم کر دینا حاکم وقت کی غلطی نہیں؟

مجھے امید ہے آپ مندرجہ بالا سوالات کا قرآن اور مستند تواریخ سے جواب دینے کی کوشش کرینگے صرف عقیدے کو سامنے رکھ کر نہیں۔ میں ایک طالب علم ہوں مذہب اور سچائی کی ہر مسلمان کو جستجو کرنی چاہیئے"

الجواب:۔ باغِ فدک کا جھگڑا تیرہ ۱۳۰۰ سو سال سے شیعہ اور

سُنی صاحبان میں متنازع فیہ ہے اس کا حل صرف جماعت احمدیہ کے مسلک سے ہو سکتا ہے اسلئے مکرم جناب رفیع حیدر صاحب کے سوالات پر نمبروار کچھ لکھنے سے پہلے اصولی طور پر اس مسلک کی تشریح ضروری ہے۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ قرآن مجید نے آیت میراث میں جو احکام دیئے ہیں وہ عام ہیں کسی سے مختص نہیں ان سے کوئی شخص نبی ہو یا غیر نبی مستثنےٰ نہیں۔ اور یوں بھی نبی کا بیٹا یا بیٹی ہونا کوئی جرم نہیں کہ اسکی وجہ سے کسی کو محروم الارث قرار دیا جائے بلکہ یہ تو بجائے خود ایک فضیلت ہے اور اعمال صالحہ بجا لانے والی ذریت اور رشتہ داروں کے لئے نُورٌ علیٰ نُور کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہاں اسلام نے روحانی ورثہ میں ظاہری نسب پر دارومدار نہیں رکھا چنانچہ تفسیر صافی میں لکھا ہے :-

"ان النبوۃ لیست بالنسب والمال وانّما ھی بفضائل نفسانیۃ یخص اللّٰہ بھا من یشاء من عبادہ"

کہ نبوت نسب اور مال کی وجہ سے نہیں بلکہ روحانی کمالات کی وجہ سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس سے مخصوص کرتا ہے"۔ (زیر لفظ اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ)

پس اگر کوئی شخص یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے کچھ نہیں مل سکتا کیونکہ وہ نبی کی صاحبزادی ہیں تو یقیناً ایسا گمان غلط اور نصِ قرآنی کو منسوخ کرنیوالا ہوگا اور عقل بھی ایسے گمان کی تردید کرتی ہے۔

اگر یہ سوال ہو کہ اندریں صورت اس اشکال کا کیا حل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باغ فدک حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مطالبہ کے باوجود ان کو کیوں نہ دیا؟

سو اس کے جواب کے لئے سب سے پہلے قرآن مجید پر غور کریں۔ فریقین کے نزدیک باغ فدک فیٔ میں سے ہے جس کا حکم یہ ہے :-

ما افاء اللّٰہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللّٰہ و للرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین و ابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا واتقوا اللّٰہ انّ اللّٰہ شدید العقاب ۝ (الآیات)

(الحشر آیت ۷-۸-۹)

ان آیات میں اس فیٔ کے حقدار اللہ[1]، رسول[2]، رشتہ داروں[3]، یتامیٰ[4]، مساکین[5]، مسافروں[6]، فقراء مہاجرین[7] اور فقراء انصار[8] وغیرہم کو قرار دیا گیا ہے۔ ان آیات پر غور کرنے سے ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ ایسے اموال اور باغات وقف کی حیثیت رکھتے ہیں جسکی آمد سے ان مذکورہ افراد کو حسبِ ضرورت امداد ملتی رہیگی۔

ہمارے نزدیک نبی اور اسکے خلفاء ایسے جماعتی اوقاف کے نگرانِ اعلیٰ ہوتے ہیں مگر یہ اوقاف ان کی ذاتی جائداد نہیں ہوتے۔ دنیا میں ہر عہدہ دار کے قبضہ میں کچھ جماعتی اور قومی جائداد ہوتی ہے اور کچھ اسکی ذاتی جائداد ہوتی ہے ذاتی جائداد پر اسکے مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں اور قومی جائداد کا وہ نگران اور منتظم ہوتا ہے مالک نہیں ہوتا۔ نبی کی بھی یہ دو حیثیتیں ہوتی ہیں ہر فوت ہونیوالے انسان کی ذاتی جائداد میں سے اسکے مقررہ ورثاء کو حصہ ملیگا اور قومی جائداد اسکے جانشین کی نگرانی میں منتقل ہو جائیگی ہر نبی اور ہر مومن کا یہی حال ہے جو اموال اسکے قبضہ میں بطور نگران اور امین کے ہونگے وہ اسکی وفات پر اسکے جانشین کے قبضہ میں چلے جائینگے۔ نبی کے بعد خلیفہ ان اموال کا نگران و امین ہوگا پہلے خلیفہ کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور تیسرے کے بعد چوتھا خلیفہ ان اموال کا نگران و امین ہوگا۔ وہ قومی اموال نہ نبی کے وارثوں

ؔ ہم اس جگہ تاریخی روایت کی تدقیق سے قطع نظر کر کے عام روایت کو تسلیم کر رہے ہیں +

میں مالکانہ قبضہ کے طور پر تقسیم ہوں گے اور نہ ہی کسی خلیفہ کے وارث ان کے مالک قرار پائیں گے وہ بدستور قومی جائداد رہیں گے خلفاء ان کی مناسب طریق پر نگرانی کرتے رہیں گے اور ان کی آمد کو حسب منطوق آیت قرآنی حقداروں میں تقسیم کرتے رہیں گے۔

اِس تشریح کی روشنی میں یہ بات نہایت واضح ہے کہ جب باغ فدک کو قومی وقف کی حیثیت حاصل تھی تو اسے نبی کے وارثوں میں تقسیم نہ کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی کسی خلیفہ کے وارث اس پر حقِ ملکیت حاصل کرنیکا مطالبہ کر سکتے تھے اسے وقف قومی کی حیثیت میں رکھنا ضروری تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور باقی تمام خلفاء راشدینؓ حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اس جائداد کو اسی حیثیت میں رکھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جائداد میں سے کچھ باقی نہ تھا۔ آپؐ سب مال راہِ خدا میں خرچ کر دیتے تھے جو قومی اموال آپؐ کے ہاتھ میں نظر آتے تھے وہ قوم کی امانت تھے اس لئے ان میں ورثہ کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ما ترکناہ صدقۃ اسی پر دلالت کرتا ہے۔ ہاں جن نبیوں کی ذاتی جائداد ہوتی ہے اُن کے ترکہ میں سے اُن کے وارثوں کو شرعی قانون کے مطابق حصہ ملتا ہے اور ملتا رہیگا۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی ذاتی جائداد میں شرعی قانون کے مطابق وراثت جاری ہوئی اور جو قومی جائداد آپؑ کی نگرانی میں تھی اس میں وراثت جاری نہیں ہوئی بلکہ وہ آپؑ کے خلفاء کی نگرانی میں منتقل ہوگئی۔

اِس مسلک سے سوالاتِ بالا کا اصولی اور مکمل حل ہو جاتا ہے۔ نمبروار مختصر جواب حسب ذیل ہے:-

(۱) ورثہ ذاتی جائداد میں ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت ذاتی جائداد نہ تھی۔

(۲) جواب اُوپر آ چکا ہے۔

(۳) یہ حدیث اور صحابہؓ کو بھی معلوم تھی۔ جہاں یہ حدیث مذکور ہے وہاں ہی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ۔ حضرت عباسؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ کو بھی یہ معلوم اور مسلّم تھی۔ (بخاری کتاب النفقات)

(۴) ممکن ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ حدیث معلوم نہ ہو۔

(۵) اِس تقابل کا سوال ہی نہیں صرف فرمانِ الٰہی اور فرمانِ نبویؐ کی تنفیذ کا سوال ہے۔

(۶) جواب پوری وضاحت سے اُوپر آ چکا ہے۔

(۷) ہم تو قرآن اور حدیث دونوں کو مانتے ہیں۔

(۸) اِس جگہ یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

(۹) اِس کا ثبوت آپ کے ذمہ ہے!

(۱۰) دونو مقدس صحت پر ہیں۔ دونوں کا ایک ہی مسلک ہے۔

(۱۱) یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دخترِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے حق سے محروم کیا جاتا تو کیا اُمت اس پر صبر کر سکتی تھی؟ کیا حضرت شیرِ خدا علی کرم اللہ وجہہ اس کو خاموشی سے برداشت کر لیتے؟ ہرگز نہیں +

تردیدِ بہائیت

"شاہدِ موعود" حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع اور امتی ہے

آیت وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ کے متعلق بہائی رسالہ کے اعتراضات کے جواب

بہائیت اور احمدیت کے درمیان فرق سمجھنے کے لئے فیصلہ کن بیان!

الفرقان (جولائی ۵۲ء) میں آیت قرآنی اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتَابُ مُوْسٰۤی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً (ھود: ۱۷) کی تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ اس تفسیر میں اہلِ بہاء کے غلط استدلال کی تردید بھی کی گئی ہے۔ بہائیوں کا خیال ہے کہ جملہ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ میں جس موعود شاہد کا ذکر ہے وہ علی محمد باب ہے جنہوں نے بزعمِ خویش اپنی تصنیف "البیان" کے ذریعہ قرآن مجید کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا ہے۔ ہمارے نزدیک باب کو شاھدٌ منہ کا مصداق قرار دینا سراسر غلط ہے۔ ہم نے بہائی تفسیر بالرائے کی تردید میں جو بیان شائع کیا تھا اس پر بہائی رسالہ "البشارت" کراچی (دسمبر ۵۲ء) نے کچھ اعتراضات کئے ہیں

آیت کا مفہوم آیت کا مفہوم اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے نہایت واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ہود ع ۲ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صادق وراستباز ہونے پر چند دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ آیت زیرِ نظر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر تین قسم کے دلائل مذکور ہوئے ہیں۔ اوّل زمانہ ماضی کا بیّنہ جس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیان کردہ پیشگوئیاں ہیں جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود سے پوری ہوئیں۔ اس شہادت کا ذکر آیت کے الفاظ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتَابُ مُوْسٰۤی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً میں موجود ہے۔ دوم زمانہ حاضر کا بیّنہ۔ اس سے مراد وہ معجزات اور آیات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت ظاہر ہو رہے تھے اور منکرین پر اُن سے ہر روز حجت تمام ہو رہی تھی۔ اس شہادت کا ذکر آیت کے پہلے حصہ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ میں ہے۔ سوم زمانہ مستقبل کا بیّنہ۔ اس سے آئندہ زمانہ میں صداقتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دینے والا وہ عظیم الشان شاہد مراد ہے جو بامرِ الٰہی مامور ہونے والا تھا۔ اس کا ذکر آیت کریمہ کے الفاظ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ میں آیا ہے۔

آیت کا لفظی ترجمہ یوں ہو گا کہ "کیا وہ شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) جو اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر قائم ہے اور جس کے بعد اس کی طرف سے عظیم الشان شاہد بھی آئے، اور جس کے پہلے موسیٰ کی کتاب (اس کی سچائی کی طرف) بطور رہنما اور رحمت ہو" کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا

ہے جسے یہ باتیں حاصل نہ ہوں؟

اب ہم ذیل میں بہائی اعتراضات کا جواب عرض کرتے ہیں :-

پہلا اعتراض اور اس کا جواب بہائی لوگ "افمن" کا ترجمہ "کیا وہ لوگ" کرتے ہیں۔ اور اس سے مراد اپنی غرض کے ماتحت "آنحضرتؐ اور صحابہ" لیتے ہیں (بشارت جولائی ۱۹۵۲ء) ہم نے لکھا تھا کہ :-

"آیت میں لفظ مَنْ عام ہے لیکن اسجگہ اس سے شخصِ واحد مراد ہے۔ اسلئے تمام ضمائر بصیغۂ واحد مذکور ہیں۔ اس شخصِ واحد کی تعیین ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود سے مختص ہے۔"

اس واضح با[ت کی] تردید کے لئے بہائی اعتراض ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ :-

"آپ خود مانتے اور کہتے ہیں کہ آیت میں مَنْ عام ہے اسلئے مَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مومنین مراد ہیں کیونکہ پیغمبر اور اس کے متبعین دونو خدائی بیّنہ پر قائم ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں تصریح فرمائی ہے قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف ۱۲)"

الجواب۔ سورۂ یوسف کی آیت آپ نے غلط لکھی ہے۔ اصل آیت یوں ہے۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ "اے رسول! فرما دیجئے کہ یہ میرا طریقہ ہے میں اللہ کی طرف علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتا ہوں۔ نیز میرے پیرو بھی"۔ آیت قرآنی قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ (الانعام : ۵۷) صاف طور پر تعیین کر رہی ہے کہ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ سے مراد حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بے شک لفظ مَنْ اپنی لغوی وضع کے لحاظ سے عام ہے مومن، کافر نیز نبی اور غیر نبی سب کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن آیت زیرِ نظر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ کے ترجمہ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرنا بہائی ایڈیٹر کیلئے مشکل نظر آتا ہے حالانکہ اسی مضمون میں وہ لکھ چکے ہیں :- "سورہ ہود رکوع ۲ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کے بعد بھی ایک عظیم الشان شاہد منجانب اللہ آئے گا۔" (صلا) نیز لکھا ہے "آیت اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شریعت رسول ہیں۔" (ص۱۵) پس ثابت ہوا کہ آیت میں اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ سے مراد صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آیت کا موضوع حضورؐ کی صداقت کو مبرہن کرتا ہی ہے۔

اہلِ علم کے ذوقِ سلیم پر گراں نہ ہو تو اب جناب علمی کے یہ دو فقرے بلا تبصرہ پڑھ لیں کہ (۱) "مَنْ جو عام ہے اس کے بعد ضمیرِ واحد کا آنا اسے فردِ واحد کے لئے خاص نہیں کرتا۔" (۲) "یہ کہنا کہ آیت اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ میں ضمائر فردِ واحد پر دلالت کر رہی

ہیں بالکل بے بنیاد ہے۔"

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

شَاهِدٌ مِّنْهُ کی ضمیر کے سلسلہ میں لکھا ہے:-

(الف) "مِنْهُ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے اور اس کے لئے کوئی وجہ مانع نہیں اور منہ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع کرنے کے لئے کوئی قطعی دلیل یہاں موجود نہیں اور اگر منہ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع کی جائے تو بھی ہمارے مقصد کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہاں مَنْ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین ہیں۔"

(ب) "لفظ منہ سے یہ نکالنا کہ آنحضرت کی پیروی اس کا مشن ہوگا وہ آپ کا اُمتی ہوگا بے بنیاد خیال ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔"

(ج) "منہ کے یہ معنے کرنا کہ وہ آنحضرتؐ سے فیض یاب ہوگا آپؐ کا پیرو اور اُمتی ہوگا' محض بے بنیاد ہیں۔"

الجواب - بہائی ایڈیٹر صاحب کو اول تو شاهدٌ منہ کی ضمیر کا مرجع مَنْ تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ ہے مگر انہیں اس کے خلاف کوئی اعتراض نہیں۔ نیز اس کے مخالف انہیں کوئی سند نہیں ملی۔ اسلئے پھر اس پر راضی ہو گئے ہیں کہ چلو منہ کی ضمیر کا مرجع مَنْ ہی سہی مگر اس سے ثابت کیا ہے۔ اگر آپ اس "منہ" کی مدد سے آنے والے شاہد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی یا متبع ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں تو یہ "بے بنیاد" اور "محض بے بنیاد" ہے۔ گویا اگر ہم "منہ" سے اتباع اور پیروی کے استنباط کی سند عرض کر دیں تو بہائیوں کو ہمارے استدلال کے ماننے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ لیجئے ہم اس کی سند اُن کے اپنے مضمون سے اور ان کے اپنے الفاظ میں پیش کر دیتے ہیں۔ لکھا ہے:-

"آیت فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهُ مِنِّيْ (ابراہیم ۶) میں مَنْ سے ایک فرد مراد نہیں بلکہ سب متبعین مراد ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کہتے ہیں کہ جو لوگ میری پیروی کرتے ہیں وہ مجھ میں سے ہیں۔" (صلا)

فرمائیے! اگر "مِنِّیْ" کا اطلاق "پیروی کرنیوالوں" اور "متبعین" کے لئے ہے تو "منہ" کے کیوں یہ معنے نہ ہوں گے کہ وہ موعود شاہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا ہوگا اور آپؐ کا متبع ہوگا؟ جناب من! اگر "منہ" سے یہ مفہوم نہ نکلتا تو آپ کو منہ کا مرجع مَنْ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی قرار دینے میں کیوں تردد ہوتا اور پھر آپ بلاوجہ "اَفَمَنْ" کی تعیین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "تمام مومنین" کو شامل کرنے کی غلط کوشش کیوں کرتے؟ یہ سب کچھ تو اسلئے ہے کہ آپ کا دل بھی مانتا ہے کہ اس طرح "منہ" سے اس موعود شاہد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

درحقیقت یہی تو وہ نقطہ ہے جہاں احمدیت اور بہائیت میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ احمدیت آنے والے موعود کو اسلام کا خادم، قرآن مجید کا متبع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا قرار دیتی ہے اور

بہائیت کے نزدیک وہ موعود نئے دین کا موجد، قرآن مجید کو منسوخ ٹھہرانے والا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے علیحدہ ہو کر آنے والا ہے۔ اس سے احمدیت اور بہائیت کا اپنا اپنا نصب العین واضح طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ وَهُنَا مُفْتَرَقُ الطُّرُقِ۔

بے شک آنے والا شاہد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی وہ اس کی طرف سے مامور ہے اس کی شہادت خود ساختہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے امر سے ہے۔ یہ انبیاء اور مامورین کا مقام ہے مگر یہ بھی درست ہے کہ اس کا اس بلند مرتبہ کو پانا اسی لئے ہے کہ وہ حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا ہے۔ پس منہ کا مرجع مَنْ قرار پانے سے ایک مزید مفہوم واضح ہو جاتا ہے جس کی تائید دوسری آیت وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۔ (النساء ع) سے بھی ہوتی ہے۔

تیسرا اعتراض اور اس کا جواب

ہم نے لکھا تھا کہ:-

"آیت کا حصہ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ زمانہ مستقبل کی دلیل پر مشتمل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس شاہد کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر تبھی دلیل بن سکتا ہے جبکہ وہ شاہد حضورؐ کا پیروکار ہو اور آپؐ کی شریعت پر چلانے کے لئے آئے۔ آیت کا لفظ منہ بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور یتلوہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے چاند کے بارے میں فرمایا ہے وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا۔ اس آیت میں چاند کو سورج کے پیچھے آنے والا قرار دیا گیا ہے۔ یعنی چاند سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ یہی لفظ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ میں استعمال ہوا ہے جس سے واضح ہے کہ آنے والا شاہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں چاند کی حیثیت رکھتا ہے اور حضورؐ اس کے مقابلہ میں سورج ہیں۔ آیتِ قرآنی وسراجاً منیراً بھی اس تفسیر کی مؤید ہے۔" (الفرقان جولائی ۱۹۵۲ء ص)

اس واضح بیان کے جواب میں بہائی رسالہ لکھتا ہے کہ:-

"شاہد ہونے کے لئے اُمتی پیروکار اور سابقہ شریعت پر چلانے کے لئے آنا ضروری نہیں۔ ہر مستقل صاحب شریعت اپنے سے قبل کے رسول کی شہادت دیتا رہا ہے کسی اُمتی کی شہادت کے مقابل صاحب شریعت مستقل رسول کی شہادت بہت وزنی اور شاندار ہے اور چونکہ آیت اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ شریعت رسول ہیں اور مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى میں بھی تورات مستقل شریعت اور حضرت موسیٰ صاحبِ شریعت رسول ہیں پس درمیان میں

جس آنے والے شاہد کا ذکر ہے وہ بھی عظیم الشان مقامِ شارعیت کا مالک ہونا چاہیئے چنانچہ الحمد للہ آنے والے شاہدِ موعود حضرت سید علی محمد باب صاحبِ شریعت پیغمبر ہیں" (بشارات دسمبر ۱۹۵۲ء ص ۱۵)

نصِ قرآنی کے الفاظ کے مقابلہ میں بہائیوں کا اس غلط قیاس کو پیش کرنا درخورِ اعتناء نہیں۔ یہ تو سوال ہی نہیں کہ مستقل صاحبِ شریعت رسول پہلے رسولوں کی شہادت دیتے رہے ہیں یا نہیں؟ اور یہ بھی سوال نہیں کہ کس کی شہادت زیادہ وزنی ہوتی ہے اُمتی رسول کی یا صاحبِ شریعت مستقل رسول کی؟ اس جگہ سوال تو صرف یہ ہے کہ آیتِ قرآنی وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ میں جس شاہد کی پیشگوئی ہے آیا وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع اور پیرو کار شاہد ہے یا آپ کی شریعت کو منسوخ کرنے والا بزعمِ خویش خود صاحبِ شریعت مستقل مُدعی؟ بتائیے! بہائی ایڈیٹر صاحب نے اس سوال کا از رُوئے قرآن مجید کیا جواب دیا ہے؟ ہمارے اور بہائیوں کے درمیان یہی امر تو متنازعہ فیہ ہے کہ قرآن شریف دائمی ہے یا وقتی۔ بہائی ایڈیٹر صاحب قیاسی ہوشیاری سے اس بارے میں اپنے دعویٰ کو ہی دلیل گردان رہے ہیں حالانکہ یہ مصادرہ علی المطلوب ہے۔ جب قرآنی شریعت دائمی اور غیر منسوخ ہے تو باب کا مدعیٔ شریعت ہونا اس کے کاذب ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے بے بنیاد اور غلط دعویٰ کو ہمارے خلاف بطورِ دلیل استعمال کرنا کس قدر بے انصافی ہے۔

آیت کریمہ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً پر غور کرنے سے بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلیل قرار دیا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ پیشگوئیوں کے مطابق مستقل صاحب شریعت ہونے میں مثیلِ موسٰے تھے۔ اسلئے مِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً کہہ کر موسوی شریعت کی شہادت کو پیش فرمایا۔ لیکن آنے والے شاہد موعود کی شہادت چونکہ مستقل صاحبِ شریعت کی شہادت نہیں اسلئے اسے "ومن بعدہ کتاب شاھدٍ اماماً ورحمۃً" کے الفاظ میں ادا نہیں کیا بلکہ چونکہ شاہد موعود کی یہ شہادت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے **فیضان** کا پرتو ہے جس سے زیادہ وزنی شہادت ممکن نہیں اسلئے اسے پہلے حصہ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ کے الفاظ میں ذکر فرما دیا۔ ان الفاظ کا مقام اور ان کا مفہوم صریح دلالت کر رہا ہے کہ یہ **موعود شاہد** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا **متبع** ہے مستقل صاحبِ شریعت نہیں ہے۔ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور سچائی پر دلالت کے بیان میں ہے نہ کہ آنحضرت کی شریعت کے نسخ کے ذکر کے لئے۔ اگر آنے والے شاہد کا مستقل صاحبِ شریعت ہونا مقدر ہوتا تو ترتیب زمانی کو ملحوظ رکھا جاتا اور اس حصہ کو پیچھے رکھ کر ایک مستقل حیثیت دی جاتی۔ پس الفاظ کا مقام

بتلا رہا ہے کہ یہ مستقل صاحبِ شریعت شاہد کی خبر نہیں ہے۔

پھر الفاظ تو بابیت اور بہائیت کے زعمِ باطل کی بالبداہت تغلیط کر رہے ہیں۔ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ اس جگہ شاہد کے لئے یَأْتِی (آئے گا) کا لفظ نہیں لایا گیا بلکہ یَتْلُوْهُ کا لفظ رکھا گیا ہے۔ قابلِ غور ہے کہ کلامِ الٰہی میں اس لفظ کے اختیار کرنے کی کیا حکمت ہے؟

یتلوہ کے معنے ہیں کہ وہ موعود شاہد "من کان علیٰ بیّنۃ" (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیرو کار اور متبع ہوگا۔ عربی زبان میں "تلاہ" کے معنے "تَبِعَہ" ہیں۔ (المنجد) علامہ مجدالدین صاحب القاموس المحیط لکھتے ہیں: "تَلَوْتُہ، کدعوتہ ورمیتہ تلواً کسمو تَبِعْتُہ" کہ تلاہ کے معنے متّبع ہونے کے ہیں (جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۶) لغت عربی کے محقّق امام راغب الاصفہانی اپنی مشہور لغت میں لکھتے ہیں:۔

"تلی: تَبِعَہ متابعۃً لیس بینہم مالیس منہا وذلک یکون تارۃ بالجسم وتارۃ بالاقتداء فی الحکم ومصدرہ تلوّ وتِلْو وتارۃ بالقراءۃ او تدبر المعنی ومصدرہ تلاوۃ۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا اراد بہ ھٰھنا الاتباع علیٰ سبیل الاقتداء والمرتبۃ وذلک انہ یقال ان القمر ھو یقتبس النور من الشمس وھو لھا بمنزلۃ الخلیفۃ وقیل علیٰ ھٰذا نبہ قولہ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا۔ و الضیاء اعلیٰ مرتبۃ من النور اذ کان کل ضیاءٍ نوراً ولیس کل نورٍ ضیاءً۔ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ای یقتدی بہ ویعمل بموجب قولہ" (المفردات صفحہ ۷۵ زیر لفظ تلی)

ترجمہ:۔ تلا کے معنے کامل متابعت کے ہوتے ہیں۔ یہ کبھی جسمانی ہوتی ہے اور کبھی حکم میں اقتداء اور پیروی کے لحاظ سے۔ اس صورت میں اس کا مصدر تُلُوٌّ اور تِلْوٌ آتا ہے۔ کبھی یہ متابعت پڑھنے اور معنے پر تدبر کرنے کا مفہوم رکھتی ہے۔ اس صورت میں اس کا مصدر تِلَاوَةٌ ہوتا ہے۔ آیت قرآنی وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا میں تلا کا لفظ اقتداء اور مرتبہ کی پیروی کے لحاظ سے ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ چاند سورج سے نور لیتا ہے اور چاند سورج کے لئے بمنزلہ خلیفہ کے ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آیت قرآنی جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا میں بھی اسی بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ضیاء بلحاظ روشنی کے نور سے اعلیٰ مرتبہ پر ہے کیونکہ ہر ضیاء پر نور کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن ہر نور کو ضیاء نہیں کہہ سکتے۔ آیت قرآنی وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ میں یتلو کے معنے

یہ ہیں کہ وہ شاہد اپنے مشہود کی اقتداء اور پیروی کرے گا اور اس کے قول کے مطابق عمل پیرا ہوگا۔"

عربی زبان کے اِن لغوی حوالہ جات سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ موعود شاہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتدی اور پیروکار ہے اور وہ آپ کا اُمتی ہے۔ یہ مفہوم یَتْلُوْهُ سے بھی عیاں ہے اور منہ کی ضمیر کا مرجع مَنْ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دینے سے بھی یہی مفہوم متعین ہوتا ہے۔ پس بے شک وَ یَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ والا شاہد مامور من اللہ ہے مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی، آپ کا مقتدی اور پیروکار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام آفتابِ حقیقت کا ہے اور یہ موعود شاہد ان سے اقتباسِ نور کی وجہ سے ماہتاب ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ باب کو جو بقول بہائیاں "مقام شارعیت کا مالک" بننے کے مدعی تھے، آیت وَ یَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ کا مصداق قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ ان کے مقامِ شارعیت کے ادعاء کی وجہ سے ان کا کاذب اور مفتری ہونا بالبداہت ثابت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بہائی لوگ ناواقف عوام مسلمانوں کو قرآن مجید کا نام لے کر وسوسہ میں مبتلا کرتے ہیں اور اس کی غلط سلط تفسیر کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں ورنہ اگر حقیقت پسندی اور خدا ترسی سے کام لیا جائے تو اس ایک آیت وَ یَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ سے ہی بابیت اور بہائیت کا باطل ہونا بالکل عیاں ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

"عربی زبان کے متعلق آسان اسباق" بقیہ صفحہ ۲۴

یَکْذِبُوْنَ	کَذَبَ	یَشْعُرُوْنَ
وہ جھوٹ بولتے ہیں	اُس نے جھوٹ بولا	وہ شعور رکھتے ہیں

نوٹ ۱:۔ یہ چالیس فعل آپ کے سامنے ہیں ان کو اور انکے معنوں کو یاد کرلیں۔

نوٹ ۲:۔ فعل کے کرنے والے کو فاعل کہتے ہیں اور فعل کا اثر جس پر واقع ہوتا ہے اُسے مفعول بہٖ کہتے ہیں۔ نَزَلَ زَیْدٌ (زید اُترا) مکمل جملہ ہے اس کے لئے کسی مفعول بہٖ کی ضرورت نہیں۔ اَنْزَلَ زَیْدٌ (زید نے اُتارا) ناقص ہے جب تک اسکے ساتھ مفعول بہٖ کا یعنی اُس چیز کا جو اُتاری گئی ہے ذکر نہ ہو۔ پُورا جملہ یُوں ہوگا۔ اَنْزَلَ زَیْدٌ کِتَابًا (زید نے کتاب اتاری)

چوتھا سبق

جملہ ہائے فعلیہ

یُنْفِقُ زَیْدٌ مَالَهٗ	اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ	نَعْبُدُ اللّٰهَ
زید اپنا مال خرچ کرتا ہے	اللہ نے اُس پر انعام کیا	ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں
هَلْ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ	رَزَقَنِیَ اللّٰهُ غُلَامًا	اَنْفَقَ بَکْرٌ مَالَهٗ
کیا تُو نے اُس پر انعام کیا؟	مجھ کو اللہ نے بیٹا دیا	بکر نے اپنا مال خرچ کر دیا
نَزَلَ الْقُرْاٰنُ	هَدَانِیْ رَبِّیْ	یَهْدِیْنَا رَبُّنَا
قرآن نازل ہوا	میرے رب نے مجھے ہدایت دی	ہم کو ہمارا رب ہدایت دیگا

اَنْزَلَ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کیا +

نوٹ ۱:۔ ان میں سے ہر ایک جملہ فعلیہ کہلاتا ہے جس میں پہلی جزء فعل ہے۔ ترکیب کے وقت فعل کے بعد فاعل آتا ہے اور اگر فعل ایسا ہو کہ مفعول بہٖ کا تقاضا کرتا ہو تو بالعموم مفعول بہٖ فاعل کے بعد ذکر ہوتا ہے۔ آپ خود اس ترتیب سے جملے بنا سکتے ہیں۔ نوٹ ۲:۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ ... فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے +

باب الاستفسارات

سوالات اور اُن کے جواب!

(۱) "کیا حدیث مجدد" شیعہ صاحبان کی مسلمہ احادیث میں بھی مروی ہے؟" (شریف احمد امینی حیدر آباد دکن)

الجواب: شیعہ صاحبان کی مسلمہ کتاب اصول کافی میں یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالفاظ: اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا مروی ہے۔ (اصول کافی صفحہ ۶۹۴ خاتمۃ الطبع)

(۲) "سورہ احزاب کی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا کی تشریح فرمائیں مَس سے کیا مراد ہے؟" (غلام احمد سوداگر وزیر آباد)

الجواب: اس آیت میں اس صورت کا ذکر ہے جب کہ خاوند خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دیدے۔ ایسی صورت میں عورت نکاح ثانی کے لئے عدت گزارنے کی مکلف نہیں۔ مَس سے مراد خلوتِ صحیحہ یعنی خاوند و بیوی کے تعلقات ہیں۔

(۳) ایک دوست قرآن پاک پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "جب کلام اللہ کا مکمل ہونے کا دعویٰ ہے اور کسی جگہ قرآن پاک میں لکھا ہے کہ ہم مشرک مردوں کو مشرکہ عورتیں دیتے ہیں اور مومن مردوں کو مومنہ عورتیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ فرعون باوجود مشرک ہونے کے مومن بیوی حضرت آسیہ رکھتا تھا اور حضرت لوطؑ باوجود مومن ہونیکے ان کی بیوی مشرک اور مرتد تھی؟" (حبیب الرحمٰن صوبیدار)

الجواب: - قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ "ہم مشرک مردوں کو مشرکہ عورتیں دیتے ہیں اور مومن مردوں کو مومنہ عورتیں" قرآن مجید نے مسلمانوں کیلئے بطور قانون یہ فرمایا ہے کہ مومن عورت کسی مشرک کے نکاح میں نہ دی جائے۔ ہاں اُس نے مومن مرد کیلئے غیر مسلم اہل کتاب عیسائی یہودی وغیرہ عورتوں سے نکاح جائز رکھا ہے۔ حضرت لوطؑ کی بیوی نے ان کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی اسلئے اس کا انجام ہلاکت ہوا۔ حضرت آسیہ کا مقام ولایت کا ہے وہ فرعون کے ظالمانہ افعال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتی تھیں۔ یہ دو مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ بعض دفعہ نبی سے جسمانی تعلق رکھنے والے اپنی بداعتقادی اور بدعملی سے تباہ ہو سکتے ہیں اور بعض دفعہ بُرے آدمیوں کے ساتھیوں کو نیک اعمال کی وجہ سے اعلیٰ درجات مل سکتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ غالباً اس دوست کو سورۂ نور کے ان الفاظ سے شبہ پیدا ہوا ہے "الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت و الطیبٰت للطیبین والطیبون للطیبٰت اولٓئک مبرءون مما یقولون لھم مغفرۃ ورزق کریم" اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ "بُرے لوگوں کیلئے بُری باتیں یا بُرے صفات ہوتے ہیں اور بُری باتیں بُرے لوگوں کیلئے ہوتی ہیں۔ پاک لوگوں کے بارے میں پاکیزہ باتیں ہی سزاوار ہیں اور پاک باتیں پاک لوگوں کیلئے ہوتی ہیں۔ یہ پاکباز لوگ ان الزامات سے بری ہیں جو دوسرے لوگ ان پر لگاتے ہیں ان کیلئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔" یہ آیت گندے الزاموں سے بریت کیلئے ایک اصولی مسئلہ پر مشتمل ہے۔ ہاں اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ قلبی اور دلی تعلق نیک اعمال انسانوں کا ہی باہم ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا دو نو رشتے اٹل جوڑ تھے اسی لئے قائم نہ رہ سکے +

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی فلسطین سے ہجرت

انجیل یوحنا کا ایک اقتباس اور اُسکا صحیح ترجمہ!

(جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائلپور)

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی مادری زبان اُس وقت کے یہودیوں کی زبان کی طرح آرامی تھی۔ سب سے پہلے اسی زبان میں اناجیل اربعہ مرتب کی گئیں۔ بعد میں جب یونانی زبان میں ان کا ترجمہ ہوا تو بعض امور اختلافِ زبان اور ترجمہ کی غلطی کے باعث مشتبہ ہو گئے اور عقائد کے ذکر میں بعض باتوں کی کمی بیشی کر دی گئی۔

پروفیسر چارلس کٹلر ٹوری نے جو کہ السنہ سامیہ کے بہت بڑے ماہر ہیں اناجیل اربعہ کا ترجمہ آرامی زبان کو مدنظر رکھ کر کیا ہے۔ آپ اپنی کتاب The Four Gospel میں ثابت کرتے ہیں کہ چاروں اناجیل شروع میں آرامی زبان میں لکھی گئیں، بعد میں ان کا ترجمہ یونانی میں ہوا۔ یونانی مترجمین نے جہاں جہاں غلطیاں کی ہیں اُن کی نشاندہی آپ نے بڑی خوبی سے کی ہے۔ آپکے ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ الحاقی آیات جو کہ مستند نسخوں میں پائی نہیں جاتیں آپ نے حذف کر دی ہیں۔ مثلاً مرقس کی آخری بارہ آیات جن میں حضرت مسیح ناصریؑ کے آسمان پر جانے اور خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھنے کا ذکر ہے، آپکے ترجمہ میں پائی نہیں جاتیں۔ اور اسی طرح لوقا کے آخری حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے اور آپؑ کو سجدہ کرنے کا ذکر حذف کر دیا گیا ہے۔ یوحنا آٹھ باب کی پہلی بارہ آیات الحاقی ہونے کے باعث آپ نے درج نہیں کیں۔ اسی طرح بعض آیات کے متعلق آپ نے حاشیہ میں نوٹ دیدیا ہے کہ یہ الحاقی بیان ہے۔ وہ آیات جو کہ عہد حاضر کے سکالرز کے نزدیک متن میں بعد شامل کی گئیں بریکٹ [ ] میں دیدی گئی ہیں۔

یوحنا بارہ باب میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی فلسطین سے ہجرت کا ذکر ہے۔ لیکن چونکہ یونانی متن آرامی زبان کے کثیر المعنی الفاظ کا متحمل نہیں ہو سکا اسلئے اصل مطلب اور معنے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ پروفیسر ٹوری نے اس موقعہ پر آرامی زبان کے اصل الفاظ کو مدنظر رکھ کر جو حاشیہ دیا ہے وہ قابلِ توجہ ہے۔ ہم پہلے رائج الوقت ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں۔ حضرت مسیح ناصریؑ فرماتے ہیں:-

"اور میں اگر زمین سے اُوپر اُٹھایا جاؤں گا تو

لہ پروفیسر ٹوری لکھتے ہیں:-

"اس میں کسی کو کلام نہیں کہ مسیح اور اس کے شاگرد آرامی بولتے اور آرامی لکھتے تھے مسیح کے کلمات، مواعظ اور اسکے کارہائے زندگی آرامی زبان میں ضبطِ تحریر میں لائے گئے اور اسی زبان میں انہوں نے اشاعت پائی۔" (ملاحظہ ہو دیباچہ)

سب کو اپنے پاس کھینچوں گا۔

لوگوں نے اس کو جواب دیا کہ ہم نے شریعت کی یہ بات سُنی ہے کہ مسیح ابد تک رہے گا۔ پھر تو کیونکر کہتا ہے کہ ضرور ہے کہ ابن آدم اُوپر اُٹھایا جائے۔" (یوحنا ۱۲ آیت ۳۲ تا ۳۴)

پروفیسر ٹوری ان آیات پر کتاب کے آخر میں جو نوٹ دیتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آرامی زبان کے کثیر المعنی الفاظ کے لحاظ سے یوحنا کا یہ اقتباس ایک خاص الخاص اقتباس ہے جس کا حل آرامی زبان میں ہی ممکن ہے۔ (ملاحظہ ہو نوٹ یوحنا ۱۲/۳۱ تا ۳۴ ص ۲۲۵)

ان آیات کے نیچے آپ ایک حاشیہ دیتے ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہے:۔

"The Aramaik word which means "to be lifted up" has more commonly the meaning "to go away." Similary, "from the earth" was understood as "from the land" (of Palestine).

P. 214

"آرامی لفظ جس کے معنے اُوپر اُٹھائے جانے کے ہیں اکثر اوقات یہ لفظ ایک جگہ سے دوسری جگہ پر جانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح زمین سے (اُوپر اُٹھائے جانے) کا محاورہ (فلسطین کی) زمین سے دوسری جگہ جانے کیلئے مستعمل تھا۔"

ان معنوں کے پیش نظر پروفیسر ٹوری نے اپنے ترجمہ انجیل یوحنا میں "ضرور ہے کہ ابن آدم اُوپر اُٹھایا جائے" کی بجائے یہ ترجمہ دیا ہے:۔

"That the son of man must go away"

یعنی ابن آدم ضرور یہاں سے جانیوالا ہے۔ (۱۲/۳۴)

اب ہم ترجمہ میں اس ترمیم کے بعد یوحنا بارہ باب کا وہ مکمل حوالہ درج ذیل کرتے ہیں جس میں حضرت مسیح ناصری نے اپنی ہجرت کا ذکر کیا ہے۔ واقعہ صلیب سے پہلے جب آپ یروشلم میں آئے تو آپ نے فرمایا:۔

"یسوع نے جواب میں اُس سے کہا۔ وہ وقت آگیا کہ ابن آدم جلال پائے۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک گیہوں کا دانہ زمین میں گر کر مر نہیں جاتا اکیلا رہتا ہے لیکن جب مر جاتا ہے تو بہت سا پھل لاتا ہے جو اپنی جان کو عزیز رکھتا ہے وہ اُسے کھو دیتا ہے۔ اور جو دُنیا میں اپنی جان سے عداوت رکھتا ہے وہ اُسے ہمیشہ کی زندگی کے لئے محفوظ رکھیگا ....

...... اب میری جان گھبراتی ہے۔ پس میں کیا کہوں؟ اے باپ! مجھے اس گھڑی سے بچا۔ نہیں بلکہ یہ کچھ اور معاملہ ہے۔ جس کے باعث میں

اس گھڑی تک پہنچا ہوں۔[1]

اے باپ! اپنے نام کو جلال دے۔ پس آسمان سے آواز آئی کہ میں نے اس کو جلال دیا ہے اور پھر بھی دونگا۔ جو لوگ کھڑے سُن رہے تھے اُنہوں نے کہا کہ بادل گرجا! اوروں نے کہا کہ فرشتہ اس سے ہمکلام ہوا۔ یسوع نے جواب میں کہا کہ یہ آواز میرے لئے نہیں، بلکہ تمہارے لئے آئی ہے۔ اب دُنیا کی عدالت ہوتی ہے۔ اب دُنیا کا سردار نکال دیا جائیگا۔ اور مَیں اگر زمین سے اُونچے اُٹھایا جاؤنگا (یعنی ارضِ فلسطین سے باہر جاؤں گا) تو سب کو اپنے پاس کھینچوں گا۔

(اُس نے اِس بات سے اشارہ کیا کہ وہ کس قسم کی موت پانے کو تھا)

لوگوں نے اس کو جواب دیا کہ ہم نے شریعت کی یہ بات سُنی ہے کہ مسیح ابد تک (یروشلم میں۔ ناقل) رہے گا۔ پھر تُو کیونکر کہتا ہے کہ ابن آدم ضرور ہی (یہاں سے) جانے والا ہے۔ یہ ابن آدم کون ہے؟ پس یسوع نے اُن سے کہا اور تھوڑی دیر تک نور تمہارے درمیان ہے۔" (یوحنا ۱۲ ۲۳ تا ۳۵)

ان آیات پر غور کریں، مندرجہ ذیل باتیں بالکل واضح ہیں:۔

اوّل:۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صلیبی موت سے بچنے کے متعلق اُن کی دُعاؤں کے جواب میں بتایا کہ تُو ضائع نہیں ہوگا ہاں تجھ پر ایک قسم کی موت ضرور وارد ہوگی۔ ہمارے جلال اور محبت کی خاطر اِس صدمہ کو تجھے برداشت کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس حادثہ کے بعد تیری کامیابیوں اور کامرانیوں کا دَور آنے والا ہے۔ چنانچہ آپ دانہ گندم کی تمثیل دیتے اور بتاتے ہیں کہ جس طرح دانہ موت قبول کرنے کے بعد پھل لاتا ہے اسی طرح جو لوگ راہِ خدا میں اپنی جان عزیز نہیں رکھتے بلکہ اس سے عداوت رکھتے ہیں وہی لوگ اثمارِ رُوحانی سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

آپ کی دُعاؤں کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آتی ہے کہ یہ ابتلا (تجھے اور تیرے مشن کو برباد کرنے کے لئے نہیں بلکہ) میرے نام کو جلال دینے کا باعث ہوگا۔ پہلے تو آپ دُعائیں کرتے ہیں کہ اس پیالہ کو مجھ سے ٹال دے اب بھی جان گھبراتی ہے لیکن آپ مطمئن ہیں کہ اِس ابتلا کے پس منظر میں کچھ اَور معاملہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"پس مَیں کیا کہوں۔ اے باپ!

---

[1] اِس فقرہ کا ترجمہ عام طور پر مختلف کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ جیمس مافٹ کے ترجمۂ عہد جدید سے لیا گیا ہے۔ انگریزی میں اصل الفاظ درج ذیل ہیں:۔

"Nay, it is something else that has brought me to this hour."

مجھے اس گھڑی سے بچا لیکن نہیں
یہ کچھ اور معاملہ ہے جس کے باعث
اس گھڑی تک پہنچا ہوں۔"

دوئم :- آپ کی مادری زبان آرامی تھی آپ خطرناک حالات کے پیش نظر ایک ۔ ذو معنیین لفظ استعمال کرتے ہیں اور صاف اشارہ کرتے ہیں کہ جس موت سے تم مجھے مارنا چاہتے ہو وہ موت مجھ پر وارد نہیں ہوگی ۔ مَیں بچا لیا جاؤں گا اور زمین فلسطین سے اُٹھا لیا جاؤں گا ۔ یعنی ارضِ مقدس سے ہجرت کر جاؤں گا ۔ ہجرت کے ذکر میں گویا آپ نے صاف اشارہ کر دیا کہ صلیبی موت نہیں بلکہ طبعی موت آپ کے لئے مقدر تھی۔

سوئم :- فرمایا ۔ زمین فلسطین سے اُٹھائے جانے کے بعد مَیں لوگوں کو اپنی طرف کھینچوں گا ۔ یہ محاورہ دوسری جگہ آپ نے لوگوں کے ایمان لانے کے معنوں میں استعمال کیا ہے ۔ (یوحنا ۶/۴۴)
مراد یہ ہے کہ میری ہجرت کے بعد لوگ مجھ پر ایمان لائیں گے ۔ چنانچہ آپ ایک اور موقع پر اپنی ہجرت کے ذکر میں فرماتے ہیں :-

"میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس
بھیڑ خانے کی نہیں ۔ مجھے اُن کا بھی
لانا ضرور ہے ۔ اور وہ میری آواز
سُنیں گی ۔ پھر ایک ہی گلہ ہوگا اور
ایک ہی چرواہا ہوگا" (یوحنا ۱۰/۱۶)

گویا اس ہجرت کے بعد بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل کا آپ پر ایمان لانا مقدر تھا۔

چہارم :- کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ خداوند ابد تک یروشلم میں حکومت کرے گا ۔ (زبور ۹/۴ ، یسعیاہ ۹/۷ ، حزقی ایل ۳۷/۲۵ ، دانی ایل ۲/۴۴)
یہود حضرت مسیح ناصریؑ کا اشارہ بھانپ کر سوال کرتے ہیں کہ مسیح کے لئے یروشلم میں ابد تک ٹھہرنا ضروری تھا ۔ لیکن تُو کون ہے جو کہتا ہے کہ ابن آدم یہاں سے جانے والا ہے ؟ آپ فرماتے ہیں :-

"نور اور تھوڑے دنوں تمہارے
درمیان ہے ۔"

اس طرزِ بیان سے ظاہر ہے کہ آپ حالات کی نزاکت کے پیش نظر پوری وضاحت نہ کرنا چاہتے تھے اسلئے اشارات پر اکتفا کرتے رہے ۔ ان اشارات سے یہود بلکہ بعض دفعہ آپ کے شاگرد بھی جھنجلاتے تھے ہجرت ہی کے ذکر میں آپ شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں :-

"مَیں نے یہ باتیں تم سے تمثیلوں میں کہیں
وہ وقت آتا ہے کہ پھر تم سے تمثیلوں میں نہ
کہوں گا ۔" (یوحنا ۱۶/۲۵)

یعنی اس ابتلا کے بعد تم پر اصل حقیقت کھول دی جائیگی کہ مَیں کیسے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بچ گیا اور کہاں جانے والا ہوں ۔ آپ کے ایک اسی قسم کے بیان پر یہود بھی شش و پنج میں پڑ گئے ۔ لکھا ہے :-

"یسوع نے کہا مَیں اور تھوڑے
دنوں تک تمہارے پاس ہوں ۔ پھر اپنے

بھیجنے والے کے پاس جاتا ہوں۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت اختیار کر جاؤں گا۔ ناقل) تم مجھے ڈھونڈو گے مگر نہ پاؤ گے اور جہاں میں ہونگا تم نہیں آسکتے۔ یہودیوں نے آپس میں کہا کہ یہ کہاں جائے گا کہ ہم اسے نہ پائیں گے۔ کیا اُن (یہود ناقل) کے پاس جائے گا جو غیر قوموں میں پراگندہ ہیں۔ اور غیر قوموں کو تعلیم دیگا؟ یہ کیا بات ہے جو اس نے کہی کہ تم مجھے ڈھونڈو گے مگر نہ پاؤ گے۔ اور جہاں میں ہوں گا تم نہیں آسکتے۔" (یوحنا ۷/ ۳۲ تا ۳۶ کیتھولک بائیبل)

یہ بیان بالکل واضح ہے۔ ظاہر ہے "خدا کے پاس جانے" کے محاورہ اور "جہاں میں ہوں گا وہاں تم نہیں آسکتے" کے بیان سے یہود نے یہی سمجھا کہ آپ ارضِ مقدس کو چھوڑ رہے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے پروگرام کو وہ بھانپ گئے تھے۔ کیونکہ آپ نے کئی دفعہ یہ کہا کہ "میں کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے آیا ہوں۔ میں اُن کے پاس جاؤں گا۔ وہ میری آواز سنیں گی"۔ یہاں تک کہ سردار کاہن کائفا نے بھی جو کہ دل سے آپ کا قاتل تھا یہ اشارہ کیا کہ مسیح پر موت وارد ہوگی لیکن ساتھ ہی وہ خدا کے پراگندہ فرزندوں کو جمع کر کے ایک کر دیگا۔ (یوحنا ۱۱/۵۲)

یہاں بھی یہود یہی کہتے ہیں کہ تو اُن علاقوں میں جانے والا ہے جہاں یہود منتشر ہیں۔ لیکن چونکہ مسیح کے الفاظ ذرا مبہم تھے وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ان آیات کی شرح میں پیکس تفسیر بائبل میں لکھا ہے:۔

"Perhaps He is thinking of a journey to the Diaspora, where teaching like His might find a more Sympathetic audience, not simply among jews but among the Greeks themselves. (See Note on John 7.25-36)

اس عبارت اور سیاقِ عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"قوم یہود کے سردار مسیح کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں مسیح اس خطرے سے باخبر ہے۔ وہ اپنے دوستوں سے کہتا ہے کہ وہ اُن کے ساتھ زیادہ دیر تک نہ رہے گا۔ وہ اُسے ملنا چاہینگے لیکن نہ پاسکیں گے ..... شاید مسیح اُن علاقوں میں جانے کے لئے سوچ رہا تھا جہاں یہود جلاوطنی کے بعد بس گئے تھے۔ جہاں کہ اس کی تعلیمات کو بہت ہمدردی سے سننے والے نہ صرف یہودیوں میں سے بلکہ یونانیوں میں سے بھی موجود تھے۔

یہود مسیح کے اس بیان پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔"

مختصر یہ کہ انجیل یوحنا کے ان بیانات میں خدا تعالیٰ کی راہ میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر ہے۔ یہ سب

انجیلی بیانات صادق و مصدوق سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمودہ کی تصدیق کرتے ہیں :-

اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ ان یا عیسیٰ انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتوذی۔

(کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴)

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ آپ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں مبادا آپ پہچانے جائیں اور (دوبارہ) ایذا دیئے جائیں"

انجیل میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں۔ اگر نہ ہوتے تو میں تم سے کہہ دیتا۔ کیونکہ میں جاتا ہوں کہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں" (یوحنا ۱۴/۲)

ایک مکتوب

ذیل میں مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر کا مکتوب درج کیا جاتا ہے۔ احباب کرام آخری تجویز کے بارے میں اپنے مشورہ سے مستفید فرمائیں (مدیر)

"محترم المقام جناب مولانا مولوی ابوالعطاء صاحب فاضل ایڈیٹر رسالہ الفرقان !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

الفرقان کے متعدد نمبر نظر سے گذر چکے ہیں۔ یہ رسالہ جس رنگ میں علمی خدمت سر انجام دے رہا ہے وہ اپنی جگہ لائق تحسین ہے جس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر فی زمانا بعض ایسے امور کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے جو جماعت احمدیہ کے تعلیمی و تبلیغی نظام میں ممد ہونے کے ساتھ ساتھ غیر از جماعت لوگوں کو بھی صحیح اور اصل اسلام سے روشناس کرانے والے ہوں۔

جماعت احمدیہ کے خلاف اسوقت دو رسالے خاص طور پر مصروف پیکار ہیں۔ ان میں سے ایک تو "طلوع اسلام" کراچی ہے اور دوسرا "ترجمان القرآن" لاہور ہے۔ ان رسائل کے قلمکار جماعت احمدیہ کے بعض عقائد کو نہایت غلط رنگ میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح یہ رسائل قارئین کے دلوں میں جماعت کے خلاف نفرت کا بیج بونے میں مصروف عمل ہیں۔ نیز اسلام کی جو تصویر ان رسائل میں پیش کیجا رہی ہے وہ اُس اصل اسلام سے کہیں مختلف ہے جو حضرت سید وُلدِ آدم فخر الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی ہے اسلئے ان رسائل پر کڑی تنقید جہاں اسلام کی بہت بڑی خدمت ہو گی وہاں جماعت کے لئے بھی از حد مفید ہو گی۔

رسالہ الفرقان جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے قرآن مجید کی خدمت کیلئے ہی جاری کیا گیا ہے۔ گو قرآن مجید کی مختلف آیات کی تشریح اور بعض مشکل آیات کا حل دیا جاتا ہے مگر جیسا کہ اس عظیم و کامل کتاب کا حق ہے اور زمانہ کا تقاضا ہے وہ رنگ تا حال اس رسالہ میں پیدا نہیں ہوا۔ میری مراد یہ ہے کہ سارا قرآن مجید بسم اللہ کی باء سے والناس کے س تک با ترجمہ مع حل لغات و بالتشریح مختصر بار بار پیش کرتے رہنے کی ضرورت ہے تاکہ جہاں جماعت کے لوگ خود فائدہ اٹھا سکیں وہاں دوسروں کو بھی قرآن مجید صحیح طور پر سمجھنے کیلئے یہ رسالہ پیش کر سکیں ۔۔۔۔ مجھے امید ہے کہ آنمکرم اپنے رسالہ کے بیشتر صفحات ان ہر دو امور کیلئے مخصوص فرما کر رسالہ کی افادیت کو عام کر کے عند اللہ ماجور و عند الناس ممنون ہونگے۔ والسلام۔ عبدالرحمٰن مبشر عفی عنہ سیکرٹری جماعت احمدیہ ... (گورنر)

تعليم اللغة العربية

عربی زبان کے متعلق آسان اسباق

قبل ازیں الفرقان میں "دروس فی اللغة العربية" کے زیر عنوان بیس سبق شائع کئے جا چکے ہیں۔ ہمارے مبتدی اصحاب نے ان اسباق کو ذرا مشکل محسوس کیا ہے اسلئے اب نئے طرز پر زیادہ آسان طریق سے "آسان اسباق" کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔ ان اسباق کے لئے قرآن مجید کو سامنے رکھا گیا ہے تاکہ "یک پنتھ دو کاج" والی مثل صادق آئے ——— (ایڈیٹر)

پہلا سبق

ضروری نوٹ یاد رکھئے کہ جس طرح کسی چیز کے بنانے کیلئے دو باتیں ضروری ہیں (۱) صانع کے پاس وہ مواد موجود ہو جس سے کوئی چیز بنانی مطلوب ہے (۲) صانع کو اس ترکیب کا علم ہو جس سے وہ چیز بنتی ہے۔ مثلاً بڑھئی اگر میز بنانا چاہتا ہے تو اوّل تو اس کے پاس لکڑی ہونی چاہیئے جس سے وہ میز بنا سکے دوم اُسے وہ طریق معلوم ہونا چاہیئے جس سے میز بنایا جاتا ہے۔ اِن دو باتوں کے بغیر کوئی بڑھئی میز بنانے کی خواہش کے باوجود میز نہیں بنا سکتا اسی طرح کسی زبان کو سیکھنے اور اپنانے کیلئے بھی یہی دو باتیں ضروری ہیں۔ اوّل سیکھنے والے کے پاس اس زبان کے الفاظ کا مناسب ذخیرہ ہونا چاہیئے۔ دوم اسے ان الفاظ کو مرکب کرنے اور انہیں استعمال کرنے کا طریق معلوم ہونا چاہیئے جب کوئی شخص کسی زبان کے الفاظ کا کافی ذخیرہ حاصل کر لیتا ہے اور اسے ان کی ترکیب کا علم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اس زبان کو سیکھنے والا قرار پاتا ہے۔

ذخیرۂ الفاظ

اَللّٰهُ	رَبٌّ	عَالَمٌ	يَوْمٌ	صِرَاطٌ	مُسْتَقِيْمٌ
اللہ	پالنے والا	جہان	دن	راستہ	سیدھا
اَلدِّيْنُ	ذٰلِكَ	كِتَابٌ	رَيْبٌ	هُدًى	صَلٰوةٌ
بدلہ	وہ	کتاب	شک	ہدایت	نماز
مُفْلِحٌ	قُلُوْبٌ	اَبْصَارٌ	عَظِيْمٌ	مُؤْمِنٌ	كَافِرٌ
کامیاب	دل	آنکھیں	بڑا	ماننے والا	انکار کرنیوالا
مَرَضٌ	اَلِيْمٌ	اَلْاَرْضُ	اَلسَّمَآءُ	مُصْلِحٌ	
بیماری	دردناک	زمین	آسمان	اصلاح کرنیوالا	
مُفْسِدٌ	رَجُلٌ	اَلنَّاسُ	سَفِيْهٌ	اَنَا	اَنْتَ
فساد پیدا کرنیوالا	مرد	لوگ	بے وقوف	میں	تو
نَحْنُ	هُوَ	نَارٌ	نُوْرٌ	ظُلْمَةٌ	رَعْدٌ
ہم	وہ	آگ	روشنی	اندھیرا	کڑک
بَرْقٌ	اِصْبَعٌ	اَصَابِعُ	صَيِّبٌ		
بجلی یا بجلی کی چمک	انگلی	انگلیاں	بارش		
قَدِيْرٌ +					
قدرت رکھنے والا +					

دوسرا سبق

مندرجہ ذیل فقروں کی ترکیب پر غور فرمائیں:-

اَللّٰهُ رَبٌّ	ذٰلِكَ كِتَابٌ	هُوَ عَظِيْمٌ	اَنْتَ سَفِيْهٌ
اللہ پالنے والا ہے	وہ کتاب ہے	وہ بڑا ہے	تو بیوقوف ہے

أَنَا قَدِيرٌ	أَنَا مُؤْمِنٌ	هُوَ كَافِرٌ
میں قدرت رکھنے والا ہوں	میں ماننے والا ہوں	وہ انکار کرنے والا ہے
زَيْدٌ مُصْلِحٌ	بَكْرٌ مُفْسِدٌ	أَنْتَ مُفْلِحٌ
زید اصلاح کرنیوالا ہے	بکر فساد پیدا کرنیوالا ہے	تو کامیاب ہے

نوٹ ۱۔ یہ دس جملے ہیں اور ہر جملہ دو دو اسموں سے ملکر بنا ہوا ہے۔ ہر جملہ اپنے مضمون کے لحاظ سے پورا ہے اسلئے ہر ایک جملہ تامّہ کہلاتا ہے۔ چونکہ ان میں سے ہر ایک کی پہلی جزء اسم ہے اسلئے ان میں سے ہر ایک جملہ جملۂ اسمیہ کہلائے گا۔ جملہ اسمیہ دو جزؤں سے مرکب ہوتا ہے (۱) مبتداء (۲) خبر مندرجہ بالا فقرات میں ہر پہلی جزء یا ہر پہلا اسم مبتداء ہے اور دوسرا اسم اس کی خبر ہے۔

نوٹ ۲۔ آپ پوچھیں گے کہ اَللّٰہُ کے معنے اللہ۔ اور رَبٌّ کے معنے "پالنے والا" ہیں مگر ان دونو اسموں کو جوڑنے والا (رابطہ) لفظ "ہے" کہاں سے آگیا؟ - اس کا جواب یہ ہے کہ یہ "ہے" اس ترکیب سے پیدا ہوا ہے جو عربی زبان میں "اَللّٰہُ رَبٌّ" کہنے میں اختیار کی گئی ہے۔ غیر عربی زبانوں میں اس رابطہ کے لئے مستقل حرف یا لفظ مقرر ہیں مگر عربی زبان میں ترکیب اور اعراب سے رابطہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ پس "وہ کتاب ہے" کا ترجمہ ذٰلِكَ كِتَابٌ اور "تو کامیاب ہے" کا ترجمہ أَنْتَ مُفْلِحٌ ہوگا۔ "ہے" کے لئے کسی مستقل حرف یا لفظ کی ضرورت نہیں۔

قاعدہ اولیٰ۔ اوپر کے جملوں سے آپ یہ قاعدہ بنائیں گے کہ جملہ اسمیہ میں عام حالات میں مبتداء اور خبر پر رفع (یعنی پیش) ہوگا۔ گویا مبتداء بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔

تیسرا سبق

ذخیرۂ الفاظ

عَبَدَ	نَعْبُدُ	اِسْتَعَانَ
اُس نے عبادت کی	ہم عبادت کرتے ہیں	اُس نے مدد مانگی
نَسْتَعِيْنُ	هَدَىٰ	يَهْدِيْ
ہم مدد مانگتے ہیں	اُس نے راہ دکھایا	وہ راہ دکھاتا ہے
اِهْدِ	أَنْعَمَ	أَنْعَمْتَ
تو راہ دکھا	اُس نے انعام کیا	تو نے انعام کیا
آمَنَ	يُؤْمِنُوْنَ	أَقَامَ
وہ ایمان لایا	وہ ایمان لاتے ہیں	اُس نے قائم کیا
يُقِيْمُوْنَ	أَنْفَقَ	يُنْفِقُ
وہ قائم کرتے ہیں	اُس نے خرچ کیا	وہ خرچ کرتا ہے
رَزَقَ / رَزَقْتُ	رَزَقْنَا	نَزَلَ
اُس نے دیا / میں نے دیا	ہم نے دیا	وہ اُترا
أَنْزَلَ / أُنْزِلَ	أَيْقَنَ	يُوْقِنُ
اُس نے اُتارا / وہ اُتارا گیا	اُس نے یقین کیا	وہ یقین کرتا ہے
يُوْقِنُوْنَ	كَفَرَ	كَفَرُوْا
وہ یقین کرتے ہیں	اُس نے انکار کیا	انہوں نے انکار کیا
أَنْذَرَ	أَنْذَرْتَ	يُنْذِرُ
اُس نے ڈرایا	تو نے ڈرایا	وہ ڈراتا ہے
تُنْذِرُ	خَتَمَ	قَالَ / يَقُوْلُ
تو ڈراتا ہے	اُس نے مہر لگائی	اُس نے کہا / وہ کہتا ہے
خَادَعَ	يُخَادِعُ	شَعَرَ
اُس نے دھوکہ دیا	وہ دھوکہ دیتا ہے	اُسے شعور حاصل ہوا

(باقی دیکھیں صفحہ ۱۵)

تحقیق اُمّ الالسنہ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونے کا قطعی ثبوت

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور)

(۷)

اصول سوئم
فارمولا رفع تکسیر
(یعنی آفت رسیدہ الفاظ کا حل)

گذشتہ قسط میں اصول رفع تصریف اور اصول رفع لین پر بحث کی گئی تھی اور ثانی الذکر اصول کے ثبوت میں ایک سو مثالیں دی گئی تھیں۔ گو یہ مثالیں کثیر تعداد میں دی جا سکتی ہیں لیکن قلتِ گنجائش اور قلتِ وقت کے خیال سے سردست ان مثالوں میں اضافہ کی ضرورت نہیں۔ اور یہ تیسرا اصول جس کا نام اصول رفع تکسیر ہے بیان کیا جاتا ہے۔ اصول رفع لین کے ماتحت ایسے الفاظ دیئے گئے تھے جو صحیح و سالم تھے جن میں کوئی قابلِ ذکر تغیر نہیں ہوا بمصداق "ومنها ما بقیت علی وردها الاصلیة" (منن الرحمٰن صفحہ ۹۱)

اس فقرے سے یہ بھی ظاہر ہے کہ کثیر الفاظ ایسے ہیں جو اپنی اصلی صورتوں پر باقی نہیں رہے اور پردیس کی آب و ہوا اور لہجے کی تبدیلی اور گرامر کے تصرفات نے ان کی صورت کو بگاڑ دیا۔ چنانچہ اس امر کی مزید تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ ذیل سے ہوتی ہے:۔

"ویبست ساقها و سقطت اثمارها و ذهبت نضرتها و اخضرارها و تری وجهها کالمجذومین۔"

یعنی ان کے تنے خشک ہوگئے اور ان کے پھل گر گئے اور ان کی تازگی و سرسبزی جاتی رہی۔ اور تو دیکھتا ہے کہ ان کا چہرہ جذامیوں کی طرح ہوگیا (منن الرحمٰن صفحہ ۲۹)

"ومنها ما غیرها حر السقام حتّٰی بلغ الی الاخترام وصارت کالجنائز بعد ما کانت من اهل الجبوائز فظهرت بوجه مسنون

بعد ما کانت کدرٍّ مکنون - و ذھب حسنھا و بھاءُھا - وغاب نودھا وضیاءُھا - وترائت کشیخ مسلوب الطاقۃ بعد ما کانت کغیدٍ ملیح الرشاقۃ اوکضلیع لذیذ السیاقۃ "

یعنی بعض الفاظ ایسے ہیں جن کو بیماری نے متغیّر کر دیا - یہاں تک کہ بیخکنی تک نوبت پہنچادی - اور جنازوں کی طرح ہوگئے بعد اس کے کہ وہ صاحبِ جود و کرم تھے - اور لمبے سے مُنہ نکل آئے بعد اس کے جو موتی کی طرح تھے - اور ان کی خوبصورتی وخوبی سب جاتی رہی اور تمام نور گُم ہوگیا اور وہ اس بوڑھے کی طرح ہوگئے جس کی سب طاقت جاتی رہی حالانکہ وہ قبل ازیں نازک اندام اور خوش قامت عورتوں کی طرح تھے - یا اس گھوڑے کی طرح تھے جو سبک رفتار ہو - (منن الرحمن صہ ۹۳)

مندرجہ بالا تینوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ ایک قسم الفاظ کی ایسی ہے جو (ا) اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہے - (ب) جن کے اعضاء میں سے کچھ عضو جھڑ گئے - جس کو حضورؑ نے ثمر کے گرنے یا مجذوم کے عضو جھڑنے سے تشبیہ دی ہے - (ج) یا یہ کہ صحت مند ہونے کی بجائے بعض الفاظ امراض و اسقام کا نشانہ بن گئے جس کی وجہ ان کا حُسن اور رونق اور خوبصورتی جاتی رہی -

اصولِ دفعِ تکسیر کے ماتحت عاجز کے مدّنظر یہی امر ہے کہ وہ عوارض و اسقام معلوم کئے جائیں جن کی وجہ سے الفاظ کی شکل بگڑی - اور وہ آفت رسیدہ بنے تاکہ

لُنجے، لُولے، لنگڑے، گنجے، اندھے اور کانے الفاظ تحقیق کے معمل میں علاج پذیر ہو جائیں اور ان کے اعضائے بُریدہ واپس لائے جائیں اور وہ صحتیاب ہو کر صحیح اور سالم اور روشن اور تاباں اپنا عربی چہرہ دکھانے لگیں۔ لیکن یہ امر قدرے تمہید طلب ہے - ع

بہرِ یک گُل منّتِ صد خار می باید کشید

حروفِ تہجّی

۱ - جاننا چاہیئے کہ مختلف علوم اور مختلف جہات کے لحاظ سے حروفِ تہجّی کی تقسیم کئی طرح پر کی جاتی ہے - مثلاً فنِّ قرأت و تجوید کے لحاظ سے حروفِ تہجّی کی تقریباً اُنیس مشہور قسمیں ہیں (مجہورہ - مہموسہ - شدیدہ - رخوہ وغیرہ) جن کی تشریح کے لئے فنِّ قرأت و تجوید کی کتابیں دیکھنی چاہئیں۔

۲ - مختصر طور پر تقسیمِ حروف بلحاظ مخارج حسبِ ذیل ہے :-

حروفِ حلقی، حروفِ لہوی، حروفِ شفوی، حروفِ لسانیہ اور حروفِ سنّیہ - اس کے علاوہ اور کئی جہات سے بھی حروفِ تہجّی کی تقسیم کی جاتی ہے لیکن تحقیقِ اُمّ الالسنہ کے لحاظ سے حروفِ تہجّی موٹے طور پر دو گروہوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں -

حروفِ مستقل - یعنی ب - ج - د - ز - ط - ک - ل - م - ن - س - ف - ص - ق - ر - ش - ت - خ - ذ - ض - ظ - اور غ -

مقصد یہ ہے کہ یہ حروف بدلتے تو ہیں لیکن گرتے اور جھڑتے نہیں - اور اصولِ دفعِ لین کے ماتحت جو سالم الفاظ نکلیں گے وہ بالعموم انہی حروف میں سے کسی

تین حروف کے جُڑنے سے بنیں گے یہ تمام حروف حروفِ صحیحہ ہیں۔

حروفِ تکبیر یا حروفِ علّت جدیدہ یعنی[1]

ع۔ ا۔ ح۔ ہ۔ و اور ی جن کا مجموعہ (عاہ حوی) اور جن کی عددی قیمت پوری ایک سو بنتی ہے۔ ان میں ا۔ و۔ ی تو حروفِ علّت ہیں جن کا ساقط ہونا ایک مسلّمہ امر ہے اور ع کا شمار عجمی لہجوں کے لحاظ سے الف میں ہی ہے۔ بیش بر آں ح یا ہ کو عجمی لہجے الف کی طرح ہی ادا کرتے ہیں کیونکہ H کو ذرا سُبک کیا جائے تو وہ الف ہی کی طرح ادا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات ظاہر ہے کہ یہ چھ حروف ایسے ہیں کہ ان پر آفت آئے گی اور یہ گر جائیں گے۔

اوّل۔ جب لہجہ ذرا بھی سُکڑے گا تو ان چھ حروف کی خیر نہیں ہوگی۔ اور یہ حروفِ علّت کی طرح گر جائیں گے ثانیًا۔ جب کوئی سابقہ یا لاحقہ کسی لفظ کے ساتھ وصل ہوگا تو بھی یہ حروف ساقط ہو جائیں گے۔ ثالثًا۔ جب دو لفظ ترکیب پا کر ایک مرکب لفظ بنے گا تو بھی یہ چھ حروف قائم نہ رہیں گے۔ گویا یہ چھ حروف ایسے سُبک اور نازک ہیں جیسے چھوئی موئی کا پودا، جو ذرا ہاتھ لگانے سے جھک جاتا ہے۔ اسی طرح یہ چھ حروف لہجے کے تغیرات کا شکار ہوتے ہیں۔

مثلاً عرب کہتا ہے شعر (بال) لیکن لاطینی الا کہتا ہے Cer بمعنی بال۔ ظاہر ہے ع کی شکل ے یعنی واول کی ہو گئی۔

عرب کہتا ہے طَرَحَ (پھینکا) انگریز کہتا ہے Throw حائے حُطّی کی شکل ت کی ہو گئی۔

عرب کہتا ہے عَہد۔ قسم (العہد: الیمین) لیکن پُرانی انگریزی میں یہ لفظ Eed ہے اور موجودہ انگریزی میں اس کے بجا oath بمعنی قسم ہے۔ ظاہر ہے کہ ع اور ہائے ہوز نے Ee کی شکل اختیار کر لی۔

اِن مثالوں سے یہ بات بیّن اور ظاہر ہے کہ واول (A. E. I. O. U.) اعراب کا بدل تو تھے ہی لیکن واول بدل ہیں حروفِ تکبیر (ع۔ ا۔ ح۔ ہ۔ و۔ ی) کا بھی۔ پس جب ہم کسی عجمی لفظ سے حروفِ علّت یا واول گراتے ہیں تو حروفِ تکبیر بھی ساتھ ہی ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں اور یہ وہ اعضائے بُریدہ ہیں جن کو واپس لانا ضروری ہے۔ اور واپس لانے کے لئے ایک نہایت قوی قرینہ موجود ہے کہ واول گرا نے کے بعد جب دو کانسوننٹ Consonent باقی رہیں تو یہ ثبوت ہے اِس امر کا کہ حروفِ تکبیر میں سے ایک حرف گر گیا ہے اور اسے قائم کرنا ضروری ہے۔ اِس لحاظ سے حروفِ تکبیر اعضاد بُریدہ الفاظ کا صحیح علاج اور ان کے سقم کو صحت میں بدلنے والا افادہ مولا ہے۔ یعنی یہ چھ حروف، الفاظ کے امراض و عوارض کا علاج ہیں۔ اور یہ حروف جن کلمے یا کلام سے گرے ہوں گے۔ اور اپنے اصلی مقام پر ان کو پیوست کیا جائے گا۔ تب الفاظ کا لنجاپن یا لنگڑاپن دُور ہو جائے گا اور عربی زبان کی بے نظیر خصوصیت کہ اس میں مصدر کبھی دو حرفی نہیں ہوتا وہ بار، قائم ہو جائیگی۔ آئندہ مثالوں میں یہ امور انشاء اللہ زیادہ واضح ہو جائیں گے۔

[1] ع، ہ اور ح کو بعد میں مذکورہ تشریح کے مطابق حروفِ علّت جدیدہ میں شامل کیا گیا ہے۔ ولکل ان یصطلح ـــــ الفرقان

رومن حروفِ تہجی

عربی طرزِ کتابت میں اعراب کا محل اصلی حروف سے الگ اوپر اُوپر یا نیچے ہوتا ہے۔ مثلاً فَعَلَ کا ایک ہی تلفظ ہے آنکھ جس طرح اس لفظ پر پڑتی ہے زبان اس کے مطابق تلفظ کو ادا کرتی ہے۔ اسی لفظ کو رومن حروف تہجی میں لکھا جائے تو Faala بنے گا۔ گویا اعراب حرف کے اندر چلے گئے اور اس کا تلفظ فا - علا یا فا - لا یا فیلے اور کئی طرح پر ہوسکتا ہے اور زبان تلفظ ادا کرنے میں آنکھ کا ساتھ نہیں دیتی۔ اِس نقص کو دُور کرنے کے لئے واولز پر نقطے یا دیگر علامات لگائی جاتی ہیں تاکہ تلفظ کو ادا کیا جاسکے۔ اور نقطے یا علامات دراصل اعراب کو خارج میں لکھنے کی ناکام کوشش ہے جیسا کہ لُغت نویس واولوں پر کچھ علامات لگاتے ہیں تاکہ تلفظ صحیح قائم ہوسکے۔

علاوہ ازیں دوہرے واول یعنی diphthong مثلاً ee - au - ei وغیرہ جو تعداد میں سَو کے قریب بن جاتے ہیں یہ بھی رومن حروفِ تہجی کے نقص پر دال ہیں۔ اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ رومن حروفِ تہجی جس پر یورپ کی زبانوں کے حروفِ تہجی مبنی ہیں تلفظ کے ادا کرنے میں نہایت ناقص ہیں۔ چنانچہ حوالۂ ذیل اِس پر شاہد ہے:۔

"Phoenetic representation of Vowels is for more difficult because of their number and because of the extreme poverty of the Roman alphabet in this direction. The English orthographical representation of these is perfect chaos and is very remote from the original Roman system to which most continental languages still approximate" (Nelson's Encyclopeedia Vol 9 P 409)

گویا انگریزی وغیرہ کے حروفِ تہجی اور طرزِ کتابت کی بنیاد رومن حروفِ تہجی پر ہے جو بنائے فاسد علی الفاسد کا حکم رکھتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عربی الفاظ کے تلفظ کو دوسری زبانوں کی تہجی اور طرزِ کتابت پُورے طور پر ادا کرنے سے قاصر ہے۔ مثلاً قَفَّ - قاف - وقف - قفا اور کَفَّ کفا - کاف - کفی اور کفو اور خَفَّ - خفی - خاف اور غفی وغیرہ کو دوسری زبانوں کی حروفِ تہجی یا طرزِ کتابت ادا کرنے سے بالعموم قاصر ہوگی اور یہ امور بھی اپنے اصل یعنی عربی زبان سے عجمی زبانوں کی مغائرت کے اسباب میں سے ہیں۔

اِن مشکلات کا حل اصول رفعِ تکسیر سے ہوتا ہے۔

رفعِ تکسیر کی تشریح

رفعِ تکسیر سے مراد یہ ہے کہ گرے ہوئے حروف جو تعداد

میں صرف چھ ہیں یعنی ع ا ہ ح و ی) کے ذریعہ سے عجمی الفاظ کا سقم یا مرض دُور کرتا۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں :۔

(الف) تکبیرِ صغیرہ۔ یعنی جب کسی عجمی لفظ سے واول یا حروفِ علّت گر جانے کے بعد دو کانسونینٹ باقی رہیں تو ان چھ حروف میں سے ایک یا دو زائد کر کے عربی لفظ کو اصل حالت پر قائم کرنا یعنی ساقط شدہ ایک یا دو حروف کو واپس لانا۔ مثلاً

Leech = میں کانسونینٹ کا ابدال = ل ق = عَلَق (جونک) مع وجہ تسمیہ۔ کیونکہ عَلَق کے معنے چمٹنا ہے جو جونک کا وصف ہے۔ جس وجہ تسمیہ سے انگریزی لفظ عاری ہے۔ Leech میں ف کلمے سے عین گرا ہوا ہے۔

(ب) تکبیرِ کبیرہ۔ جب واول گر جانے کے بعد صرف ایک کانسونینٹ باقی رہے تو حروفِ تکبیر (یعنی ع ا ہ ح و ی) میں سے کم از کم دو حروف گرے ہوئے ہوں گے جن کو از سرِ نو اس کانسونینٹ کے ساتھ پیوست کیا جائے گا۔ مثلاً اُوپر Oath کا روٹ Ead ہے اور واول گرانے کے بعد صرف d باقی رہی اور ع اور ہ زائدہ سے لفظ حاصل ہو جائیگا

(ج) تکبیرِ ہالک۔ جب واول یا حروفِ تہجی گرانے کے بعد کوئی کانسونینٹ بھی باقی نہ رہے تو یہ قرینہ ہے کہ اصل لفظ حروفِ تکبیر میں سے تین حروف کا بنا ہوا ہے اور ہمیں عجمی لفظ کی آواز کو مدنظر رکھتے ہوئے تین حروفِ تکبیر کے ذریعہ اس لفظ کو قائم کرنا پڑیگا۔ مثلاً Yea بمعنی ہاں برابر ہے اِیْ کے جس کے معنے "ہاں" ہیں۔ مفصل تشریح آئندہ آئے گی اور یہ امور مثالوں سے واضح ہو جائینگے۔

جہاں تک حروفِ تکبیر کا ف کلمے سے حذف ہونے کا سوال ہے یہ ایک مسلّمہ اصول ہے جسے Aphesis کہتے ہیں۔ اور یہ اصول انگریزی وغیرہ میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ حروفِ تکبیر کے لحاظ سے مثلاً الف فاء کلمے سے بھی گر سکتا ہے۔ اور عین کلمے سے بھی اور لام کلمے سے بھی۔ لہٰذا یہ تین قسمیں ہوئیں۔ اسی طرح باقی حروفِ تکبیر میں سے ہر ایک کی تین قسمیں ہوں گی اور کل ۱۸ قسمیں اعضاء بُریدہ الفاظ کی بلحاظ تکبیرِ صغیر بن جائیں گی ہر ایک کی سَو سَو مثالیں بھی دی جائیں تو ۱۸۰۰ مثالیں بن جائینگی اور اتنی مثالیں دکھانا کچھ مشکل نہیں مگر اِس جگہ اسکی پابندی جگہ کی قلت کی وجہ سے مشکل ہے۔

مضمون طویل ہو گیا مگر اس کے سوا چارہ نہ تھا بعض اور اُمور وضاحت طلب ہیں جو انشاء اللہ آئندہ بیان ہونگے۔ عاجز کی تحقیق میں یہ دو اصول یعنی اصولِ رفعِ لین اور اصولِ رفعِ تکبیر ام الاصول ہیں۔ باقی جو اصول آئندہ بیان ہوں گے وہ سب انہی دو اصولوں کی فرع ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ لہجے کی ساخت کے لحاظ سے یہ دونوں اصول بالکل قدرتی ہیں اور ان میں کوئی تصنع نہیں۔ اور کہنے کو یہ دونوں اصول دو لفظ اور ایک بات ہیں لیکن انکے سینکڑوں مظاہر ہیں۔ الفاظِ ذیل میں تکبیرِ صغیر کا اصول دکھایا گیا ہے اور وہ بھی Aphesis کے لحاظ سے یعنی فاء کلمے سے حروفِ تکبیر (ع۔ ا۔ و۔ ہ۔ ح۔ ع) کا گرے ہوئے ہونا دکھایا گیا ہے۔ ان مثالوں کو دیکھنے کے بعد مندرجہ بالا نظری مضمون بہتر طور پر سمجھ میں آسکے گا۔

.. ..

سلکِ دوم - مکررات !

نوٹ :- مندرجہ ذیل تمام الفاظ میں حرفِ ع فاء کلمے سے گرا ہوا ہے جسے بحال کیا گیا ہے۔

(۱) Luggage میں age لاحقہ ہے۔ روٹ ہے Lugg = ل ق = عُلقہ (سامان) جو فارسی میں مقلوب ہو کر (کالا) بمعنی سامان ہے۔

(۲) Local لاحقہ al ہے۔ روٹ ہوا Loc = ل ق = علاقہ (جگہ)

(۳) Ligature لاحقہ ture ہے۔ روٹ ہوا Liga بمعنی باندھنا = ل ق = اَعلق (باندھنا)

(۴) Lactate روٹ Lac جسکے معنے دودھ ہیں = ل ق = علاق (دودھ)

(۵) Lace¹ (چمڑے کا تسمہ) قاف نے س کی آواز دی ہے اسلئے Lace = Lc = ل ق = عِلاقہ (لٹکانے کا تسمہ)

(۶) Lukos بمعنی بھیڑیا os لاحقہ ہے۔ Luk = ل ق = عولق (بھیڑیا)

(۷) Lace² بمعنی باندھنا = ل ق = اعلق ص۔ باندھنا

ظاہر ہے کہ یہ ساتوں الفاظ مصدر عَلِق بمعنی چمٹنا' متعلق ہونا پر مبنی ہیں لیکن انگریزی یا فارسی زبان میں اس مصدر کے متعلقات مذکورہ بالا الفاظ ہیں، اصل مصدر عَلِق انگریزی یا فارسی میں ناپید ہے اور اسی وجہ سے مندرجہ بالا الفاظ کی وجہ تسمیہ دینے سے انگریزی زبان قاصر ہے یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عجمی زبانوں میں متعلقاتِ مصدر تو اکثر پائے جائیں گے مگر مصدر اپنی کیفیت کے لحاظ سے بہت کم ملیگا۔ گویا برات تو ہوگی لیکن دولہا نہیں ہوگا اور یہی وہ امر ہے جسکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:-

"والآخرون حرّفوا كلمها وبعدوا جواهرها عن معادنها واماكنها فصارت الالسنة جديدة في اعين الغافلين"

ترجمہ: دوسرے لوگوں نے کلماتِ عربی کو اسکے مواضع سے بدل ڈالا اور اسکے جواہر کو انکی معدنوں اور مکانوں سے دُور ڈال دیا لہٰذا وہ زبانیں بے خبر لوگوں کی نظر میں نئی دکھائی دیں۔ (منن الرحمٰن صفحہ ۹)

"وبيد انها اخرجت من المنازل المقررة وبعدت من الاوطان الموروثة"

ہاں اتنا ہے کہ وہ (الفاظ) اپنے منازلِ مقررہ سے نکالے گئے اور اپنے موروثی وطنوں سے دُور کئے گئے۔ (منن الرحمٰن صفحہ ۹)

"وبعضها فقدت آثار وجه التسمية"

اور بعض وجہ تسمیہ کے نشانات کو کھو بیٹھے۔

(۸) لگنا = ل گ = علق (چمٹنا، تعلق پذیر ہونا) کیونکہ لگنا اُردو زبان میں انہی معنوں میں آتا ہے۔ ہندی میں مصدر تو برآمد ہو گیا جو انگریزی اور فارسی میں نہیں ہے لیکن اسکی کیفیت اور وسعت وہ نہیں جو علق میں ہے۔

(۹) Dare = د ر = عدر (دلیری کرنا)

(۱۰) Rein = عران (نکیل)

(۱۱) Silly = ث ل = عثول (بے وقوف)

(۱۲) Taboo = ت ب = عتب (سرزنش کرنا)

(۱۳) Poor = ف ر = عُفر (مفلس ہونا)

(۱۴) Boar = ف ر = عِفر (سؤر)

(۱۵) Bully = ب ل = عبیل (موٹا یا بلاع - پیٹو)

(۱۶) Gear = ق ر = عقار (گھر کا سامان)

(۱۷) Wake = ف ق = عفق (جاگنا یا افاق - جاگنا)
awake میں ع قائم ہے۔

(۱۸) Fake = ف ق = عافق (دھوکا دینا)
فلٹ بمعنی جھوٹ بھی یہ مفہوم رکھتا ہے۔

(۱۹) Ill اور Ail = ع ل = عُلّ (بیمار ہونا)

(۲۰) Fuss = ف س = عفاس (فساد)
اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا۔

(۲۱) Far = ف ر = عُفر (بُعد)

(۲۲) Barograph = ب ر = عابر (وزن کرنا)
یا بَھرا (زیادہ بوجھ ڈالنا)

(۲۳) بار - فارسی میں بوجھ کو کہتے ہیں = ب ر = عَبَر

(۲۴) Galloon بمعنی باندھنے کی چیز یا رسی oon لاحقہ ہے۔ GL = ق ل = عِقال یا عُقلہ (رسی یا بندھن)
اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا۔

(۲۵) Gurry بمعنی قلعہ جس کا روٹ ہندی لفظ گڑھ ہے
GR = ق ر = عقر (محل، قوم کے اُترنے کی جگہ)

(۲۶) گھر = ق ر = عقر (محل)

(۲۷) Phyllo یونانی لفظ ہے بمعنی پتہ = ف ل =
ب ل = عَبل (گرے ہوئے پتے)

(۲۸) Lapis بمعنی پتھر = ل ب = علب (سخت چیز)

(۲۹) Race = ر ق = عِرق (دوڑ)

(۳۰) Rack بمعنی رگ کھینچنا = عرق = رس

(۳۱) رگ = رق = عِرق (رگ)

(۳۲) Ram بمعنی مضبوط بنانا = ر م = عرام
(مضبوط ہونا) اور عَرَم (پُشتہ)

(۳۳) Ransack روٹ Rann بمعنی گھر
= رن = عرین (گھر کا صحن)

(۳۴) Reeve بمعنی سردار = رف = عریف
(سردار، عالم)

(۳۵) Rim بمعنی بند = ر م = عرمہ (پُشتہ، بند)

(۳۶) Rife بمعنی معروف = ر ف = عُرف یا عُرفی

(۳۷) Ruction بمعنی شور = ر ك = عَرَك (شور و
غوغا) اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا۔

(۳۸) Rude بمعنی کھردرا = ر د = عَرِد (سخت موٹا)

(۳۹) Rum بمعنی پُرخطر، پُرجوش = ر م = عادم (شریر،
بدخُلق) اس کا روٹ بھی انگریزی والوں کو نہیں ملا۔

(۴۰) Ruse بمعنی چالاک = ر ص = عَرِص
(چُست و چالاک ہونا)

(۴۱) Sap بمعنی چکھنا = ذ ف = عذف (چکھنا)

(۴۲) Savour " " "

(۴۳) Shy بمعنی شرمیلا ہونا = عشا (اعراض کرنا،
ہٹ جانا)

(۴۴) Suave بمعنی میٹھا = SV = ذ ب = عَذب
(میٹھا) - (ب خفیف ہو کر وارد ہو گئی)

(۴۵) Tan (دباغت کرنا) = ط ن = عَطِن (نمک
وغیرہ میں چمڑہ سڑنا) چنانچہ عطان چمڑے کا
مصالحہ جس سے چمڑے کو صاف کیا جاتا ہے۔

(۴۶) Takhos بمعنی رفتار = ت ق = اعتق
(تیز چلانا) یا تاق (جلدی کرنا) اور تیّق
(تیز رفتار گھوڑا)

(۴۷) تگیدن = ت ق = " " "

(۴۸) تاختن = ت ک = عتک (حملہ کرنا)

(۴۹) Attack = ت ک = عتک (حملہ کرنا)

(۵۰) تافتن = موڑنا = ط ف = عطف (موڑنا)

(۵۱) بٹنا = ب ل = عبل (بٹنا)

(۵۲) Thill بمعنی دہرا = ت ل = عتلہ
(لوہے کا ڈنڈا)

(۵۳) نیزہ = ن ز ہ = عنزہ (برچھی)

(۵۴) دویدن = د و = عدوا (دوڑ)

(۵۵) Curve = ق ر ب = عقرب (مروڑنا)

(۵۶) Sparrow = SPR = صفر = عصفور
(چڑیا)

(۵۷) بیڑہ = ب ر ہ = عبارہ (گذرنے کا ذریعہ
(کشتی وغیرہ) عبر: دریا کو عبور کرنا جو کہ
عبارہ کی وجہ تسمیہ ہے۔ ع گر کر ہندی میں بیڑہ
ہوا۔ لیکن ہندی میں عبر مصدر ندارد ہے۔
اس لفظ بیڑہ کے متعلق سید سلیمان صاحب ندوی
نے لکھا ہے کہ یہ ہندی لفظ ہے جو عربی میں دخیل ہو کر
بارجہ بمعنی کشتی یا جہاز ہوا اور بیڑہ کی ہائے
ہوز عربی میں جا کر جیم میں تبدیل ہو گئی۔ یہ درست
معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خود بیڑہ
لفظ عبر سے ماخوذ ہے اور خود عربی ہی ہندی
میں گیا ہے اور وہاں جا کر وجہ تسمیہ سے معرا ہو گیا ہے۔
گویا "فقدت اسادیر وجہ التسمیۃ" (من الرحمٰن صفحہ ۹۱)
یعنی وجہ تسمیہ کھو بیٹھا۔

مندرجہ بالا تمام الفاظ میں جو مختلف زبانوں کے ہیں
Aphesis کا عمل دکھایا گیا ہے اور وہ بھی صرف
حرفِ ع کے متعلق جو فاء کلمے سے گر رہے ہیں۔ آئندہ
قسط میں انشاء اللہ باقی حروفِ تکبیر کا گرنا باقیماندہ سترہ
اقسام کے لحاظ سے دکھلایا جائے گا۔ ان مثالوں کا بغور
مطالعہ کرنے کے بعد اصول رفعِ تکبیر کے متعلق مندرجہ
صدر بیانات زیر غور لائے جائیں۔

نوٹ:- مندرجہ بالا الفاظ میں یہ امر قابلِ توجہ ہو کہ
پہلے سات الفاظ علق مصدر کے متعلقات ہیں (علق۔ جونک
چمٹتی اور تعلق پذیر ہوتی ہے۔ (عُلقہ۔ سامان) صاحبِ سامان
سے متعلق ہے (علاقہ۔ جگہ) مکین سے متعلق ہے۔ (علاق
دودھ) رشتے اور تعلق کی بناء پر۔ (علاقہ۔ تسمہ) لٹکنے سی
تعلق پذیر ہوتا ہے۔ (اعلق۔ باندھنا) کسی دوسری چیز سے
متعلق ہونا ہے۔

اب بظاہر یہ انمل اور بے جوڑ الفاظ ہیں لیکن مصدر
علق پر مبنی ہو کر اپنی قدرتی وجہ تسمیہ کے ساتھ ان سب میں
قدرِ مشترک ہے۔ یہ علمی بحث ہے اور یہاں جہالت کی
پیش نہیں جا سکتی۔ ہے کوئی زبان، سنسکرت ہو یا لاطینی
جو ان الفاظ کو نہ صرف حل کر دے بلکہ وجہ تسمیہ کے
لحاظ سے ایک ہی لڑی میں پرو دے؟ دیدہ باید۔

قرآن مجید کی وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ

(از قلم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ ربوہ)

(۱)

قرآن مجید میں آنحضرت صلعم کی روحانی رؤیت اور مشاہدہ کا کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ تکویر میں چند ایک مہتم بالشان آنے والے انقلابات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ یقیناً آپ ان باتوں کو دیکھ چکے ہیں ایسے اُفق (یعنی بلند مقام) سے جو کھلے طور پر دکھانے والا ہے۔ اسی طرح سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ ..... لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ (الآیت .....) پس اُس نے اپنے بندے کو وحی کی جو کی۔ دل نے جو دیکھا اس میں غلطی نہیں کھائی۔ کیا تم اس سے ان باتوں کے متعلق شک و شبہ کرتے اور اُلجھتے ہو جنہیں وہ دیکھ رہا ہے ..... اپنے رب کے بہت بڑے نشانات وہ یقیناً دیکھ چکا ہے۔ ان آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ تجلیاتِ وحی کے جو کلام کی صورت میں آنحضرت صلعم پر ہوئیں آپ کو روحانی آنکھوں سے بھی ان کے بارے میں مشاہدہ کرایا گیا تھا۔ آپ کے اس قسم کے مشاہدات کا نمونہ سورۃ کہف اور سورۃ مریم کی آیات بیّنات کے تعلق میں پیش کیا جاتا ہے۔ ذیل میں پہلے ان دونوں سورتوں کے مضمون کا خلاصہ پھر اسکے بعد آنحضرت صلعم کے روحانی مشاہدات کو بیان کیا جائے گا۔

اور اس سلسلۂ اخبارِ غیبیہ سے تعلق رکھنے والی دیگر سورتوں اور صحفِ سابقہ کی پیشگوئیوں کا ذکر بھی بطور مزید وضاحت کے کیا جائے گا۔

سورۂ کہف کا موضوع

سورۂ کہف کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ..... الآیۃ

ترجمہ :- یعنی سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے کہ کتاب اپنے بندہ پر نازل کی اور اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہیں رکھا۔ سیدھی اور صحیح طور پر رہنمائی کرنے والی ہے تاکہ اپنے حضور سے نہایت ہی سخت خطرہ کے متعلق آگاہ کرے اور ان مومنوں کو بشارت دے جو اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں کہ ان کے لئے ایک ایسا اجر ہے

جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان لوگوں کو بدانجام سے ڈرائے جنہوں نے کہا کہ خدا نے ایک بیٹا اختیار کیا ہے۔"

گویا اس کتاب کے نازل کرنے کی غرض یہ ہے کہ مومنوں کو نہایت شدید خطرہ سے آگاہ اور بشارت دی جاوے کہ ان کی محنت کا بدلہ ضائع ہونے والا نہیں بلکہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اور عیسائیوں کو ان کے باطل عقیدہ کے برے انجام سے خوف دلایا جائے کہ ان کا ساختہ پرداختہ بوجہ عمل صالح نہ ہونے کے تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ یہ خلاصہ ہے سورۃ کہف کی پہلی چھ آیات کا۔

سورۃ مریم کا موضوع

سورۃ مریم میں بھی اسی بأس شدید، بشارت اور فتنہ عیسائیت کی شدت اور اس کی کامل تباہی کا ذکر کیا ہے۔ سورۃ کہف میں فرمایا تھا۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۔ یعنی بہت ہی خطرناک بات ہے جو انکے مونہوں سے نکلتی ہے یعنی یہ کہ خدا کا بیٹا ہے۔ اور سورۃ مریم میں فرمایا۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ (ع ۶) یعنی قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں اسلئے کہ انہوں نے رحمن کے لئے بیٹا تجویز کیا ہے۔" یہ الفاظ سورۃ کہف کی مذکورۃ بالا آیت کی تفسیر ہیں یعنی ان کا ولد اللہ پکارنا اتنی خطرناک بات ہے کہ اس سے زمین و آسمان میں عنقریب ایک تہلکہ برپا ہو جائے گا۔ اسی طرح سورۃ کہف کی ابتدائی آیات میں جس تبشیر و انذار کو تمثیلاً بیان

کیا گیا ہے سورۃ مریم کو اسی پر ختم کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ (آیت ۹۷-۹۹)

یقیناً وہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کئے عنقریب رحمن ان کے لئے محبت کا سامان مہیا کریگا ہم نے اس (پیشگوئی) کو تیری زبان سے آسان کر دیا ہے تاکہ تو متقیوں کو بشارت دے اور ایسی قوم کو اسکے بد انجام سے آگاہ کرے جو ضدی (اور کفر پر مصر) ہے۔ ہم نے کئی قومیں ان سے پہلے ہلاک کیں، کیا تو ان میں سے کسی کو دیکھتا یا ان کی آہٹ پاتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو پیش آنے والی بأس شدید کی خبر جو سورۃ کہف میں دی گئی ہے اس کی نوعیت کو سورۃ مریم کے پہلے چار رکوع میں واضح کیا گیا ہے۔ نیز یہ بتایا گیا ہے کہ موعودہ

موعودہ بشارت کی نوعیت

بشارت رحمت خاصہ کی صورت میں ظاہر ہو گی جس کا نام نبوت ہے۔ چنانچہ اس سورت کو ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا سے شروع کر کے اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے یہ بیان فرمایا ہے کہ جس قسم کی رحمت کا سلوک حضرت زکریاؑ، حضرت مریمؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا تیرا رب ویسا ہی سلوک رحمت تجھ سے بھی کریگا۔

سورہ مریم کے پہلے چار رکوع میں ربانی سلوک رحمت خاصہ

کی وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت زکریاؑ کو اپنے بعد ناخلف وارثوں کے ہاتھوں ورثۂ نبوت برباد ہونے کا جب خوف دامنگیر ہوا اور انہوں نے بڑے کرب و کراہ سے دعا کی جو قبول ہوئی اور انہیں ایک بیٹا یحییٰ دیا گیا جو نبی تھے۔ جب بنی اسرائیل غیر قوموں کے ہاتھوں پامال کئے گئے اور ان کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا تو حضرت مریمؑ کا انتخاب ہوا اور انہیں حضرت عیسیٰؑ عطا ہوئے تا وہ بنی اسرائیل کی بگڑی بنائیں۔ اسی طرح جب توحید دنیا سے ناپید ہو گئی اور حضرت ابراہیمؑ کو فکر دامنگیر ہوئی تو انہیں حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ اولاد عطا کی گئی۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے کچھ عرصہ کے لئے جدا ہوئے تو ان کی غیر حاضری میں ان کے بھائی ہارونؑ کو ان کا جانشین بنایا گیا۔ ان اولوالعزم انبیاء کو جو جانشین دیئے گئے ان میں سے ہر جانشین خلعتِ نبوت سے کم و بیش سرفراز کیا گیا اور یہ رحمت مخصوصہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ الوہّابؐ سے ظہور میں آئی۔

سورۂ مریم کے پہلے چار رکوع پڑھیں۔ آپ ان میں دو[1] باتیں بار بار دہرائی ہوئی پائیں گے۔ صفتِ وہّابیت و رحمت اور ایسے جانشینوں[2] کا ذکر جنہیں منصبِ نبوت عطا کیا گیا۔ ملاحظہ ہوں آیات۔ فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۔ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۔ رَحْمَةً مِّنَّا ۔ جَعَلَنِي نَبِيًّا ۔ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا ۔ وَوَهَبْنَا لَهُ أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ۔ صفتِ وہابیت و رحمت اور منصبِ نبوت والی خلافت کا یہ تکرار صاف طور پر بتلاتا ہے کہ سورۂ مریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ مسلمانوں کے بگڑنے اور بیرونی حملوں سے جب شدید خطرہ پیدا ہوگا تو اس یاس انگیز خطرے والی گھڑی میں آپ کے مقدس ورثہ کو سنبھالنے کے لئے اسی قسم کی رحمت کا ظہور صفتِ وہابیت کے ماتحت ہوگا۔

سورۂ مریم اور سورۂ کہف کا باہمی تعلق بلحاظ دو عظیم الشان پیشگوئیوں کے

یہ امر کہ آیا فی الواقع سورۂ مریم کی آیاتِ بینات میں آنحضرت صلعم کو اسی قسم کی بشارت کی خبر دی گئی ہے۔ اس سورۃ کے پانچویں رکوع کی آخری آیات سے بالکل ظاہر و واضح ہو جاتا ہے جہاں مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رحمتِ خاصّہ کے سلوک کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝ فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ

[1] صفتِ وہابیت کا ذکر قرآن مجید میں تیئیس ۲۳ جگہ وارد ہوا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ان میں سے اٹھارہ ۱۸ جگہ میں صالح بیوی اور صالح اولاد اور تین ۳ جگہ منصبِ نبوت کے عطا کئے جانے کا ذکر ہے۔ اس توارد سے ظاہر ہے کہ صفتِ وہابیت کا تعلق نیک ذریت اور نبوت کی نعمت سے مخصوص ہے۔

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ یعنی یہ وہی ہیں جن پر انبیاء میں سے انعام کیا۔ آدمؑ کی ذریت سے بھی اور ان سے بھی جنہیں نوحؑ کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا اور ابراہیمؑ اور اسرائیلؑ کی ذریت سے بھی اور ان سے جنہیں ہم نے ہدایت کی اور جن کو ہم نے چن لیا ہے۔ اور جب رحمٰن کی آیتیں اُن پر پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ بجالاتے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ہوئے جنہوں نے نماز ضائع کر دی اور شہوتوں کے پیچھے لگ گئے۔ عنقریب وہ کج روی کا بدلہ پائیں گے۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اور عمل صالح بجالائے وہ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ ہمیشگی کے وہ باغات جن کا وعدہ رحمٰن اپنے بندوں سے غائبانہ کر چکا۔ اس کا یہ وعدہ یقیناً پورا ہو کر رہیگا۔

رحمتِ الٰہیہ کے چار قسم کے انعامات

مذکورہ بالا آیات سے مندرجہ ذیل تین باتیں واضح ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ رحمتِ الٰہیہ کی چار قسموں (صالحیت، صدیقیت، شہیدیت اور نبوت) میں سے آیات مذکورہ بالا میں صرف انعام نبوت کا ذکر کیا گیا ہے۔

سورۂ نساء کی آیت ۶۸ (ع ۹) میں منعم علیہ گروہ کے چار درجے بیان کئے گئے ہیں۔ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ یعنی جس نے اللہ اور محمد رسول اللہ صلعم کی اطاعت کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں[1] اور صالحین کے ساتھ۔ کیا ہی عمدہ اُن کی رفاقت ہوگی۔ سورہ مریم میں جب انعام یافتہ گروہ کا ذکر فرمایا تو ان چار درجوں میں سے صرف ایک ہی درجہ یعنی نبیوں والے درجہ کا ذکر کیا اور باقی تین درجوں کو نظر انداز کر دیا۔ اِس سے ظاہر ہے کہ سورۂ مریم کی آیات میں نبوت والی رحمت خاص ہی مقصود بالذات ہے نہ کوئی اور رحمت۔

اولوالعزم انبیاء کے چار دور اور ان میں رحمتِ مخصوصہ کا ظہور

دوئم یہ کہ سورۂ مریم کی مذکورہ بالا آیت میں چار دوروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت آدمؑ کا دور، حضرت نوحؑ کا دور، حضرت ابراہیمؑ اور اسرائیلؑ کا دور، اور چوتھا دور وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا والے گروہ کا۔ اور ہر دور میں ہر گروہ کی ذریت میں سلسلہ نبوت قائم کرنے کا ذکر ہے۔

تیسرا دور جو حضرت ابراہیمؑ اور اسرائیلؑ سے چلا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو صاحبِ شریعت نبی تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو اُن کے تابع اور غیر تشریعی نبی تھے ختم ہو گیا۔ اِس کے بعد چوتھا دور آنحضرت صلعم اور آپؐ کی اُمت کا شروع ہوتا ہے۔ یہی وہ چوتھا دور ہے جو جملہ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا سے مراد ہے۔ اس دور کے متعلق بھی اِن الفاظ میں اسی طرح نبی جانشین بنائے جانے کا وعدہ مضمر ہے۔ اِس آیت میں آنحضرت صلعم کو تسلی دی گئی

[1] یہاں شہید سے مراد وہ شخص ہے جس کا ایمان مشاہدہ والا ہو۔ یہاں مقتول فی سبیل اللہ مراد نہیں۔

ہے کہ جس طرح انبیاء مذکورہ بالا کے لئے ایسے ہی خلفاء مبعوث کئے گئے تھے جنہوں نے شدید خطرہ کی حالت میں اُنکے رُوحانی ورثۂ نبوت کو محفوظ کیا اور اُن کی اُمتوں کو سنبھالا اُسی طرح آپ کا ورثۂ نبوت بھی خطرناک حالات پیدا ہو جانے پر اسی قسم کے نبی جانشین بھیجکر محفوظ کیا جائے گا۔

سورۂ مریم کی محولہ بالا آیت پر آپ ایک دفعہ پھر نظر ڈالیں۔ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ کے بعد وقفہ ہے۔ آدم کے بعد وقفہ ہے۔ ذریت ابراہیم و اسرائیل پر پھر وقفہ ہے۔ یہ وقفے بلاوجہ نہیں۔ ہر وقفہ دَورِ نبوت پر دلالت کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کا دَور جب ختم ہؤا تو لامحالہ چوتھا دَور جو شروع ہونے والا تھا آیت کے چوتھے ٹکڑے یعنی وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا میں اُمتِ محمدیہ کا دَور ہی مراد ہو سکتا ہے۔ اسلئے ظاہر ہے کہ اس چوتھے دَور میں بھی جو دَورِ محمدی ہے آنحضرت صلعم کی اُمت میں نبوت سے سرفراز ہونے والے جانشینوں کی بعثت کی بشارت مذکور ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے اُمتِ محمدیہ کے لئے ابن مریم کے نازل ہونے کی بشارت دی تو آپ نے فرمایا۔ وامامکم منکم۔ یعنی تمہارے امام اور تم میں سے ہوں گے نہ غیر اُمت سے۔

اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ صاف الفاظ میں سورۂ مریم کی آیات میں اُمتِ محمدیہ کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی کی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ جب یہ اُمت شدید خطرہ سے دوچار ہوگی اور اس کے لئے اس کا مستقبل تاریک ہو جائیگا تو خدائے وہاب غیب سے اس کی نجات کا سامان علیٰ منہاج نبوت کرتا رہے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی محنت کو ضائع نہیں ہونے دیگا بلکہ اُن کی محنت کا بدلہ دائمی ہوگا۔

اُمتِ محمدیہ ہی آخر الامم ہے جو انعامِ نبوت کیلئے چُنی گئی ہے

سورۂ انعام کی آیت ۹۰ غ میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کی ناقدری اور ناشکرگزاری پر نبوت کی نعمت آئندہ مسلمانوں کو سپرد کی گئی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ یعنی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی۔ اگر یہ اسکی ناقدری کریں تو ہم یقیناً ایک ایسی قوم کو اس کا متولّی بنا چکے ہیں جو اس کی ناقدری کرنے والے نہیں۔

اور سورہ حج کی آخری آیات میں فرماتا ہے۔ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ..... الآیۃ یعنی اللہ کی خاطر جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تم کو (اس غرض کے لئے) چُن لیا ہے۔

دونوں آیتیں نصِ صریح ہیں کہ آئندہ کے لئے جس قوم کو نبوت اور عظیم الشان جہاد کے لئے چُنا گیا ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی اُمت ہے۔ خیر الامم کا لقب اسکو اسی امتیاز کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ پس سورۂ مریم کی آیت مِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی اُمت مراد نہیں ہو سکتی۔ اسی اُمتِ خیر البشر (میں سے) آئندہ کے لئے اُمتی اور تابع نبی چُنے جانے کا وعدہ سورۂ مریم کی آیاتِ مذکورہ میں آنحضرت صلعم سے کیا اور فرمایا گیا ہے

اِنَّهٗ کَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا۔ یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ پر یہ وہ بشارتِ عظمیٰ ہے جس کا ذکر بأس شدید سے آگاہ کرنے کے بعد سورہ کہف کی دوسری آیت میں اور پھر سورہ مریم کے آخر میں متقیوں سے کیا گیا ہے اور اس عظیم الشان بشارت کے پیشِ نظر سورۂ مریم کی محولہ بالا آیات میں فرمایا گیا ہے کہ عباد الرحمٰن یہ بشارت دینے والی آیات سُن کر سجدہ بجالاتے ہیں۔ یہ قرینہ اور سیاقِ کلام مزید دلیل ہے جو اس بات کا قطعی فیصلہ کرتی ہے کہ سورۂ مریم کی آیات میں اُمتِ محمدیہ کے لئے ہی بشارت دینا مقصود بالذات ہے۔ یہ بات بے تُکی سی معلوم ہوتی ہے کہ نبی جانشین تو مبعوث ہوں غیروں میں اور سجدۂ شکر ہم بجالاتے پھریں۔!!

مسلمانوں کے فساد کے بعد توبہ کا موقع دیئے جانیکا وعدہ

تیسری بات جس کا سورۂ مریم کی محولہ بالا آیات میں ذکر کیا گیا ہے وہ مسلمانوں کا نالائق ہوجانا، اُن کا نمازیں ضائع کرنا اور شہواتِ نفس کا پیرو ہوجانے کی خبر ہے۔ اور یہ کہ اس حالت میں بھی انہیں توبہ و اصلاح کا پھر دوبارہ موقع دیا جائے گا اور ان کو جناتِ عدن کا وارث کیا جائے گا۔ دیکھئے! کس وضاحت سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ اِنَّهٗ کَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا۔ یہ دائمی جنتوں کا وعدہ جو ضرور پورا ہونا ہے اور جس کے متعلق اس آیت میں فرماتا ہے کہ یہ وعدہ قبل از وقت غائبانہ مسلمانوں سے کیا جاچکا ہے در اصل یہ وہی وعدہ ہے جس کا ذکر سورۂ کہف کی آیت وَ یُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا میں کیا گیا ہے۔ عدن کے معنی بھی دائمی اور مَاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا کا بھی مفہوم دوام پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ مومنوں کی محنت کا بدلہ ایسا ہوگا کہ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ انکی محنت کو دوام حاصل ہوگا۔ بأسِ شدید کی وجہ سے جو وقفہ پیدا ہوگا وہ عارضی ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس خطرہ کو دُور کریگا اور اُن کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا اور اُمتِ محمدیہ برباد ہونے سے بچائی جائے گی۔

جنّاتِ عدن سے مراد

جنّتِ عدن سے مراد یقیناً مسلمانوں کی وہ دینی اور دُنیوی بادشاہت ہی ہے جو عیسائی قوموں کے منصوبوں اور جنگوں کی وجہ سے ایک عرصہ تک مسلمانوں سے چھن جانے والی تھی۔ لفظ بأس کے معنی خطرہ کے بھی ہوتے ہیں اور جنگ کے بھی۔ اس چھنی ہوئی بادشاہت کے بحال کئے جانے کی بشارت کھلے الفاظ میں سورہ کہف میں بھی دی گئی ہے۔ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًاۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ یَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِؕ نِعْمَ الثَّوَابُؕ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا (آیت ۳۰، ۳۱) وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم یقیناً ان لوگوں کی محنت جو عمل میں اعلیٰ درجہ کے ہیں ضائع نہیں کریں گے۔

وہی ہیں جن کے لئے "جنّٰتِ عدن" ہوں گے۔ اُن کے ماتحت نہریں جاری ہوں گی۔ وہ سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے اور سبز نفیس دیبا ئیں ریشمی لباس پہنیں گے۔ تختوں پر گاؤ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور یہ کیسا ہی اچھا بدلہ ہے اور کیا ہی اچھی آسائش کی جنتیں ہوں گی۔

اِس آیت میں جس قسم کے لباس کا ذکر کیا گیا ہے وہ شاہانہ پہناوا ہے۔ قدیم زمانہ میں رواج تھا کہ تخت نشینی کے وقت بادشاہوں کو سونے کے کنگن پہنائے جاتے تھے اور ریشمی لباس اُن کے زیب تن ہوتا اور تخت پر اُن کے لئے گاؤ تکیہ رکھا جاتا۔ اس لئے اِس آیت کا پیرایۂ بیان بطور استعارہ کے ہے اور اِس سے مراد بادشاہت ہے۔ فرعون اپنی بادشاہت کے متعلق جب فخر کرتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طعنہ دیتا ہے کہ لَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ ... ... (سورۃ زخرف آیت ۵۳ ع۵) یعنی کیا اُسے سونے کے کنگن ڈالے گئے ہیں؟ اِس سے بھی اُس کی یہی مراد ہے کہ یہ شخص بادشاہی سے محروم ہے۔ سورۃ الدہر میں الفاظ مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ نیز سُنْدُس اور اِسْتَبْرَق وغیرہ جو وارد ہوئے ہیں ان سے بھی بادشاہت ہی مراد ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا۔ یعنی اگر تُو دیکھے تو وہاں بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی بادشاہت دیکھیگا۔ چنانچہ سورۃ الدہر میں مسلمانوں سے مُلْكًا كَبِيْرًا کا ایک وعدہ فرمایا گیا ہے وہ صحابہ کرامؓ سے پورا کیا گیا اور سورۃ کہف اور سورۃ مریم میں بادشاہت کا دوسرا وعدہ ہے جو پہلی بادشاہت چھن جانے کے بعد اُن سے پورا ہونے والا ہے۔

یہ امر کہ آیا اِن دونوں سورتوں میں فی الواقع آئندہ کی دوسری بادشاہت مراد ہے جو دجّال کی تباہی کے بعد مسلمانوں کو دی جانی ہے خود آنحضرت صلعم کی اِس تصریح سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے سورۃ کہف کی آیات کو فتنۂ دجّال سے مخصوص فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ دجّال کا ظہور اور اس کا غلبہ آخری زمانہ میں مقدر ہے۔ نیز یہ امر سورۃ مریم کے چوتھے رکوع کی آخری آیت اور پانچویں رکوع کی ابتدائی آیت سے بھی واضح ہے۔ جہاں فرشتے آنحضرت صلعم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ (آیت ۶۴-۶۵) کہ ہم یہ بشارت اللہ تعالیٰ کے حکم سے لائے ہیں اُسی کا ہے جو اِس وقت ہمارے سامنے موجود ہے اور جو ہمارے پیچھے ہوگا اور جو اُن کے درمیان ہونیوالا ہے۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا اور تیرا رب بھولنے والا نہیں۔ اور اِس کے بعد معاً فرماتا ہے۔ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ہ (آیت ۶۶) کہ انسان تعجب سے کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو پھر زندہ نکالا جاؤں گا۔ کیا انسان کو یاد نہیں کہ ہم نے اُس کو پہلے بھی بنایا تھا جبکہ وہ کچھ نہیں تھا۔ سو تیرے رب ہی کی قسم ہم ان کو (یعنی ناخلف مسلمانوں کو) شیطانوں (سرکش قوموں) کے ساتھ جنگ کے لئے اکٹھا کرینگے اور پھر وہ جہنم کے اردگرد زانو کے بل گرائے جائیں گے۔

سورۂ مریم میں سورۂ کہف والے بأس شدید کا حوالہ!

سورۂ مریم کی محولہ بالا آیات میں ......

لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ کے الفاظ سے جس عشر کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہی ہنگامۂ جنگ ہے جس کا ذکر سورۂ کہف کی اِس آیت میں ہے۔ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ (آیت ۴۶) حشر کے معنی جنگ کے لئے اکٹھا کرنا۔ اِس آیت کے یہ معنی ہیں کہ جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تُو ساری زمین کو لڑائی کے لئے صف آرا دیکھے گا۔ اور ہم ان عیسائی قوموں کو جنگ کے لئے اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی پیچھے نہیں رہنے دیں گے۔ اِس محشرِ کارزار کے ذکر کو سورۂ مریم کی مذکورۂ بالا آیت میں دُہرایا اور بتلایا گیا ہے کہ ناخلف مسلمانوں کو بھی انہی سرکش قوموں کے ساتھ اِس عالمگیر ہنگامہ میں شریک کیا جائے گا۔ سورۂ کہف میں اِن جنگوں کو ایسی آگ قرار دیا گیا ہے جس کی قناتیں عیسائی اقوام کو چاروں طرف سے گھیرنے والی ہوں گی۔ فرماتا ہے وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ یعنی کہو کہ یہ بات تمہارے رب کی طرف سے اٹل ہے پس جو چاہے مانے جو چاہے انکار کرے۔ یقیناً ہم نے ان ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کی ہے جس کی قناتیں ان کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی۔ اور اگر وہ مدد طلب کریں گے تو اُن کی مدد بھی ایسے ہی پانی سے کی جائیگی جو کھولتے ہوئے تانبے کا سا ہوگا جو اُن کے چہروں کو جُھلس دے گا۔ اور پھر اس آگ کو سورۂ کہف کے پانچویں رکوع میں حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی ایسی آگ جو آسمان سے گرائی جائے گی۔ فرماتا ہے کہ جب اُنہیں اپنے انگورستان کے متعلق یہ گمان پیدا ہوگا کہ یہ کبھی تباہ ہونیوالا نہیں وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ (آیت ۴۰) تو اللہ تعالےٰ آسمان سے آگ بھیجے گا جو اُسے چٹیل میدان بنا دے گی۔ گویا کہ زمین میں روئیدگی تھی ہی نہیں۔

سورۂ مریم کے آخری رکوع میں بھی ان ظالم اقوام کی مکمل تباہی کا ذکر کُھلے الفاظ میں کیا گیا ہے یہ خلاصہ ہے سورۂ کہف اور سورۂ مریم کے موضوع کا۔ یہ دونوں سورتیں ہم معنی اور مترادف ہیں۔ ایک میں انذار کے پہلو کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے اور دوسری میں بشارت کے پہلو کو۔ (باقی)

اعلان

جن دوستوں کے ذمہ الفرقان کا چندہ باقی ہے، یا انہوں نے سنہ ۵۳ء کا پیشگی چندہ ادا نہیں فرمایا وہ جلد ارسال فرمائیں۔

(مینجر)

میری آرزو!

(نتیجۂ فکر جناب قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ سرحد)

آرزو ہے مرے اللہ! کہ انسان بنوں
تیرے احکام کا پابند مسلمان بنوں

میرا آقا، میرا شارع ہو محمدؐ عربی
عالمِ دین بنوں، عاملِ قرآن بنوں

بیعتِ احمدؑ موعود کا پابند رہوں
مثلِ ابوبکرؓ، عمرؓ، مظہرِ عثمانؓ بنوں

تیرا احمدؑ ہے محمدؐ کا بروز اور غلام
میں غلام اس کا بنوں تابعِ فرمان بنوں

احمدیت کی غرض میں نے جو سمجھی یہ ہے
پہلے انسان بنوں پیچھے مسلمان بنوں

میں جو آدم ہوں تو آدم کی حقیقت ہے خاک
جب میں ناری نہیں کیوں مظہرِ شیطان بنوں؟

عقل کا راہنما ہے تیرا الہام و کلام
کیوں تیری وحی کا منکر بنوں نادان بنوں

میں محمدؐ کو کہوں فوت مسیحا کو حیات
بات کہنے کی نہیں کیوں کہوں نادان بنوں

اپنی باتوں کے سمجھنے کی مجھے دے توفیق
میں سخن فہم بنوں اور سخندان بنوں

اہلِ عالم کو سناؤں تیرے دیں کا مژدہ
میں مبلغ بنوں اور داعیٔ فرقان بنوں

اسود و احمر و ابیض کا بنوں میں خادم
مصدرِ حسن بنوں، منبعِ احسان بنوں

مومنوں کے لئے بن جاؤں سراپا رحمت
دشمنوں کے لئے میں زحمت و طوفان بنوں

تو مجھے اپنی محبت کا پلا دے شربت
میں تجھے چھوڑ کے کیوں عابدِ اوثان بنوں

میں جو یوسف ہوں تو اخواں کی شکایت کیسی؟
وہ جو چاہیں کریں میں یوسفِ کنعان بنوں!

مفید کتابیں، رسالے اور ٹریکٹ!

(۱) **مناظرہ مہت پور** شیعہ صاحبان کے ساتھ ذیل کے چار مضامین پر تحریری مناظرہ ہوا تھا۔ (۱) صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام (۲) ختم نبوت کی حقیقت (۳) تعزیہ (۴) متعہ۔ فرقہ اثنا عشریہ کی طرف سے اس مناظرہ میں جناب مرزا یوسف حسین صاحب مشہور شیعہ مناظر مقرر تھے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مناظر مقرر تھے۔ قریباً پونے دوسو صفحے کا یہ رسالہ فریقین کے مشترکہ خرچ سے شائع ہوا تھا۔ اب اس کی چند مجلد کاپیاں میسر آئی ہیں۔ شائقین اصحاب فی نسخہ قیمت مع محصولڈاک کیلئے سوا روپیہ بھیجکر طلب فرمائیں +

(۲) **کلمۃ الیقین فی تفسیر خاتم النبیین** یہ سولہ صفحات کا ٹریکٹ خاتم النبیین کی تفسیر میں ایک جامع و نافع مگر مختصر مضمون پر مشتمل ہے تعلیمیافتہ غیر احمدی اصحاب میں اس کی بکثرت اشاعت ہونی چاہیئے۔ فی نسخہ ایک آنہ اور فی سینکڑہ پانچ روپے +

(۳) **حضرت مسیح ناصری کی زندگی کے بارے میں جدید انکشاف** بڑے حجم کے چار صفحات پر عمدہ کاغذ پر انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے حوالہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی تین تصویریں مفصل مضمون کے ساتھ شائع کی گئی ہیں۔ یہ تصویریں حضرت مسیح کی جوانی ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کی ہیں۔ ان تصاویر سے عیسائیت کا یہ عقیدہ سراسر باطل ٹھہرتا ہے کہ حضرت مسیح ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر جا بیٹھے تھے۔ یہ مضمون انگریزی، اردو اور عربی میں اکٹھا شائع کیا گیا ہے۔ فی نسخہ ایک آنہ اور فی سینکڑہ پانچ روپے +

نوٹ:۔ ہر دو ٹریکٹوں کے ایک ایک نسخہ کے لئے مع محصولڈاک تین آنے کے ٹکٹ بھیجیں۔!

(۴) **الفرقان کے تین خاص نمبر**:۔ (۱) **خاتم النبیین نمبر**۔ دسمبر ۱۹۵۲ء میں مسئلہ ختم نبوت قرآن مجید کی روشنی میں الفرقان کا خاتم النبیین نمبر شائع ہوا ہے۔ قابل دید مضامین کا مجموعہ ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ۔ (۲) **خلافت نمبر** مسئلہ خلافت کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث پر مشتمل نمبر ہے۔ شیعہ صاحبان کی مسلمہ کتب کے حوالہ جات سے خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ۔ (۳) **سالانہ علمی نمبر**۔ یہ نمبر بھی اپنی ٹھوس اور علمی معلومات کے لحاظ سے الفرقان کا ایک خاص نمبر ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ +

نوٹ:۔ ہر سہ خاص نمبروں کے خریدار سے تین روپے کی بجائے اڑھائی روپے قیمت لی جائے گی۔

(۵) **احکام القرآن**۔ مصنفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الکبیر۔ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں اسلامی اخلاق و آداب پر مبسوط بحث کی گئی ہے۔ قابل دید ہے۔ کتاب کا حجم ساڑھے تین صد صفحات پر مشتمل ہے قیمت ساڑھے تین روپے +

(۶) **القاموس المحیط**۔ عربی زبان کی نہایت مستند لغت ہے۔ امام مجد الدین نے چار جلدوں میں مدون کی ہے مطبوعہ مصر مکمل مجلد کتاب بیس روپے میں مل سکتی ہے۔ محصولڈاک علاوہ۔

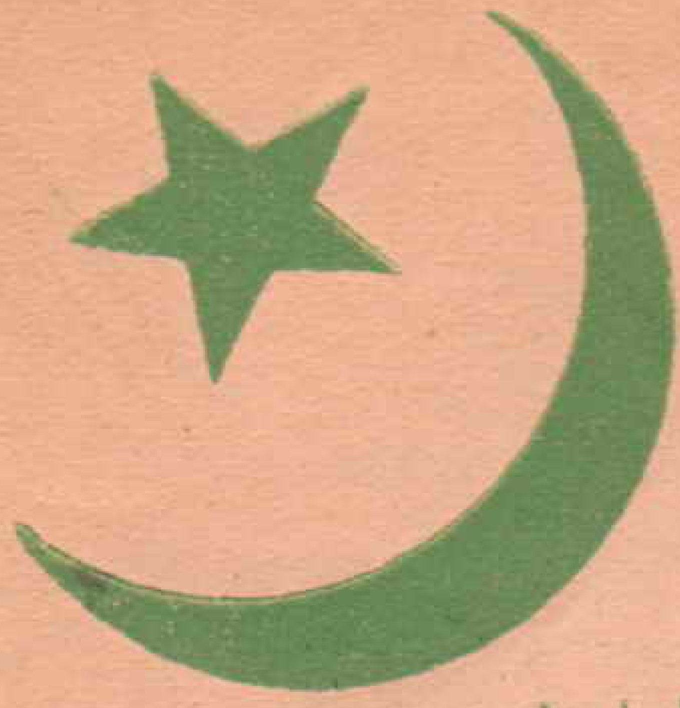
نوٹ:۔ سلسلہ احمدیہ کی جملہ کتب بھی پتہ ذیل سے طلب فرمائیں:۔

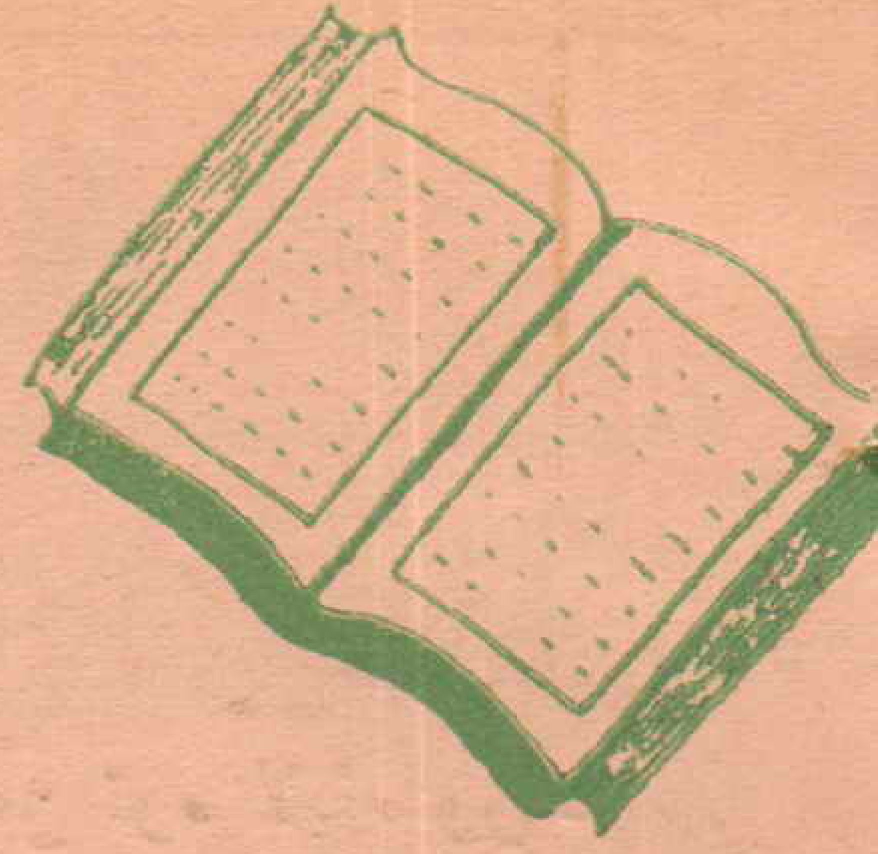
مینیجر مکتبۃ الفرقان، احمد نگر۔ براستہ لالیاں ضلع جھنگ پاکستان

(طابع و ناشر ابوالعطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا سے چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ضلع جھنگ سے شائع کیا)

جولائی ۱۹۵۳

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم





جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

الفرقان

(۱) فضائلِ قرآن مجید بیان کرنے والا (۲) غیر مُسلموں یعنی آریوں، عیسائیوں اور بہائیوں کے قرآن مجید پر اعتراضات کا جواب دیکر انہیں دعوتِ اسلام دینے والا۔ (۳) باشندگانِ پاکستان کو عربی زبان سکھانے والا (۴) مستشرقین کے خیالات پر تحقیقی تبصرہ کرنے والا ماہنامہ!

ایڈیٹر
ابو العطاء الجالندھری
سابق ایڈیٹر رسالہ عربی "البشریٰ" فلسطین

احمد نگر۔ ربوہ۔ ضلع جھنگ
پاکستان

ایک آسمانی اعلان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل انظروا ماذا فی السموات والارض و ما تغنی الایات والنذر عن قوم لایؤمنون - فھل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلوا من قبلھم قل فانتظروا انی معکم من المنتظرین - ثم ننجی رسلنا والذین آمنوا کذلک حقاً علینا ننج المؤمنین (یونس)

(ترجمہ) - کہ صداقت کا انکار کرنے والوں سے کہ دو کہ آسمان و زمین کے واقعات اور تغیرات پر غور کریں - ہاں نشانات اور انذاری امور کا اظہار ان لوگوں کو فائدہ نہیں دیتا جو بہرحال نہ ماننے کا فیصلہ کر کے بیٹھے ھیں - کیا ایسے لوگ ان بلاؤں اور عذابوں کا انتظار کرتے ھیں جو ان سے پہلے لوگوں پر آچکے ھیں؟ تو ان سے کہ دے کہ اندرین صورت انتظار کرو - میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں - اللہ فرماتا ھے - کہ ھم اپنے رسولوں اور مومن بندوں کو آفات سے ضرور نجات دیتے رہینگے - اس طور پر اھل ایمان کو نجات دینا ھم پر لازم ھے"

(تفسیر) - ان تین آیات میں عظیم الشان حقائق بیان ہوئے ھیں (۱) نبیوں اور ماموروں کی بعثت کے وقت زمین میں اور آسمان پر عجیب در عجیب تغیرات پیدا ھوتے ھیں ان پر غور کرنے سے انسان بصیرت حاصل کرسکتا ھے (۲) جو لوگ صداقت کے انکار کو اپنی عادت میں داخل کرلیتے ھیں وہ ربانی نشانات اور وعیدی انداز سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے (۳) نبی جبر و تشدد کا حامی نہیں ھوتا وہ عقل و دلیل کی طرف دعوت دیتا ھے اور بالآخر خدائی فیصلہ کا انتظار کرتا ھے (۴) خداتعالیٰ کا وعدہ ھے - کہ وہ اپنے رسولوں اور اپنے مومن بندوں کی تائید و نصرت فرمائیگا اور انجامکار انہیں انکے دشمنوں کے شر سے نجات دیگا -

(نتیجہ) - مسلمانوں کو یقین رکھنا چاہئے کہ سچے وعدوں والا خدا آج بھی اپنے وعدہ' کذلک حقاً علینا ننج المؤمنین' کو ضرور پورا کریگا -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفرقان

جلد ۳	بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۵۳ء مطابق ذوالقعدہ سنہ ۱۳۷۲ھ	عدد ۷

فہرست مندرجات

قرآن مجید کی بیان کردہ تین صداقتیں سائنس کی بنیاد ہیں

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہٖ کی تازہ تقریر کا خلاصہ

۲۵ جون بروز جمعرات نو بجے صبح سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ربوہ کا افتتاح فرمایا۔ حضور نے ریسرچ کے ڈائریکٹر چودھری محمد عبد اللہ صاحب ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کے ہمراہ عمارت اور سامان کا معائنہ فرمایا اور پھر کارکنوں اور دیگر احباب جماعت کی موجودگی میں ایک نہایت اہم تقریر فرمائی جس کا خلاصہ درج ذیل کیا جا رہا ہے۔ تقریر کے بعد حضور نے تمام حاضرین سمیت دُعا فرمائی۔

یہ انسٹی ٹیوٹ ۱۹۴۷ء سے قائم ہے۔ اس کا مقصد صنعتوں کے ذریعہ جماعت کے مالی پہلو کو مضبوط کرنا اور جماعت میں علمی اور صنعتی ترقی کی رُوح پیدا کرنا ہے۔ اس وقت اس ریسرچ میں ڈائریکٹر صاحب کے علاوہ (۱) چودھری ناصر محمد صاحب سیال ایم۔ ایس۔ سی (۲) پیر معین الدین صاحب ایم۔ ایس۔ سی (۳) چودھری نذیر احمد صاحب ایم۔ ایس۔ سی (۴) ملک منور احمد صاحب ایم۔ ایس۔ سی بطور سکالر کام کر رہے ہیں۔ یہ جملہ سکالرز یورپ و امریکہ سے علمی تربیت حاصل کر چکے ہیں۔ اور اب پُوری محنت سے فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ربوہ میں کام کر رہے ہیں۔ احباب دُعا فرماویں کہ اللہ اس ریسرچ کے مقاصدِ عالیہ کو جلد پُورا فرمائے۔ آمین ―――― (ابو العطاء)

آٹھ سال ہوئے مَیں نے قادیان میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی بُنیاد رکھی تھی۔ وہاں پر اس کا کام شروع ہو گیا تھا لیکن ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد ہمارے پاس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ مَیں نے ایک دوست کو تحریک کی کہ وہ ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے ربوہ میں بنانے کے لئے ایک لاکھ روپیہ جمع کریں ایک لاکھ مَیں جمع کروں گا۔ ابھی تک مَیں تو اس بارے میں تحریک نہیں کر سکا کیونکہ جماعت کے سامنے اور بہت سی تحریکات ہیں لیکن اس دوست نے باون ہزار روپیہ کے قریب جمع کر دیا ہے۔ جس سے یہ عمارت تیار کی گئی ہے۔ اگر بقیہ رقم بھی جمع ہو گئی تو انشاء اللہ العزیز وسیع پیمانے پر کام جاری ہو جائے گا۔ اور بلڈنگ بھی مکمل ہو جائے گی۔ سر دست اس انسٹی ٹیوٹ میں پانچ ریسرچ سکالر کام کر رہے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس آسمانی کتاب نے کائناتِ عالم پر غور کرنے کی طرف سب سے زیادہ توجہ دلائی ہے وہ قرآن کریم ہے دُنیا کی کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں جس نے انسان کو کائناتِ عالم پر غور کرنے کا اس طرح واضح حکم دیا ہو جس طرح قرآن کریم نے دیا ہے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں تین بُنیادی امور بیان فرمائے ہیں:۔

اوّل۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دُنیا کی تمام چیزیں مرکب ہیں کوئی چیز مفرد نہیں ہے۔ سب اشیاء میں ترکیب پائی جاتی ہے۔ فرمایا وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ۔

دوم - قرآن کریم کہتا ہے کہ اشیاء کی وہ ترکیب ہر وقت عمل (process) کر رہی ہے۔ یعنی اسکے نتائج کا ایک سلسلہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت نئی شان اور ترکیب کے ساتھ تجلی فرماتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ کائناتِ عالم کی تمام چیزیں اُس کی اس تجلی سے متاثر ہوتی ہیں۔ اور ان مرکب اشیاء کا سلسلہ کسی جگہ پر ٹھہر نہیں جاتا بلکہ آگے ہی آگے چلتا ہے۔ گویا ہر وقت نئے نتائج پیدا ہو رہے ہیں۔ الف اور ب کے ملنے سے ج پیدا ہوتا ہے۔ پھر ج اور د کے ملنے سے س پیدا ہوتا ہے۔ غرض اسی طرح ایک لا متناہی سلسلہ جاری ہے۔

سوم - قرآن کریم کہتا ہے کہ ان تمام اشیاء اور ان کی ترکیب اور اس ترکیب سے پیدا ہونے والے نتائج کے اسرار کو معلوم کرنا تمہارا کام ہے۔ اس کام کو سرانجام دینے والے ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عقلمند ہیں۔ اَلَّذِیْنَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ وہ لوگ جو آسمان و زمین کی پیدائش کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اے خدا! تو نے اس کارخانہ کو بے حکمت پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔ (آل عمران) پھر قرآن مجید یہ بھی وعدہ کرتا ہے کہ جو لوگ قوانینِ الٰہی میں غور کریں گے اور کائناتِ عالم کی حکمتوں کو سوچیں گے ان پر ان کے اسرار ضرور کھولے جائیں گے اور دُنیا کے ذرّہ سے لیکر خود خدا تعالیٰ تک اُن لوگوں کے لئے کامیابی کا راستہ کھولے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا کہ جو لوگ ہمارے پیدا کردہ عالم کے متعلق اور ہم تک پہنچنے کیلئے صحیح طریق سے کوشش کریں گے ہم اُن پر کامیابی کے راستے ضرور کھولیں گے۔

یہ تین اہم صداقتیں ہیں جن کا قرآن کریم اعلان کرتا ہے اور مسلمانوں کو ان کی طرف توجہ دلاتا ہے اور یہی تین امور سائنس کی بنیاد ہیں۔ ان حالات میں کس قدر تعجب کی بات ہوگی کہ مسلمان کائناتِ عالم سے غفلت اختیار کریں۔

دُنیا میں مختلف خیال کے لوگ بستے ہیں بعض لوگ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ دُنیا کی طرف توجہ کرنا مذہب کا کوئی حصّہ نہیں بلکہ اُن کے نزدیک دُنیا سے بے توجہ رہنا مذہبی آدمی کے لئے ضروری ہے۔ جیسا کہ بُدھوں کا خیال ہے یا عیسائیوں کے بعض فرقے سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ دُنیا کو صرف دُنیا کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اُس کو ہی اپنا منتہائے مقصود سمجھتے ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ وہ کائناتِ عالم پر غور کرتے ہیں اور بعض ایجادات بھی ایجاد کرتے ہیں لیکن ان کے مذہب نے انہیں اِس بارے میں کوئی ہدایت نہیں کی۔ ان کے مذہب اِس پہلو سے سراسر خاموش ہیں۔ انہوں نے یہ طریق اپنے لئے از خود ایجاد کر لیا ہے لیکن قرآن کریم تو مسلمانوں کو نہ صرف کائناتِ عالم پر غور کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے بلکہ وہ اِس کام کو مذہب کا ایک حصّہ قرار دیتا ہے اور اس کوشش کے

نتیجہ میں ثواب اور رُوحانی بدلے کی اُمید دلاتا ہے۔ اگر مسلمان اِس پہلو سے غفلت اور سُستی کریں تو وہ صریح طور پر قرآن کریم کے احکام سے مُنہ پھیرنے والے قرار پائیں گے۔

جو لوگ صحیح طور پر کائناتِ عالم پر غور کرنے والے ہیں وہ بڑی محنت سے کام کرتے ہیں۔ مَیں نے بہت سے سائنسدانوں کے حالات پڑھے ہیں۔ وہ بڑے انہماک سے بارہ بارہ گھنٹے تک کام کرتے ہیں اور پھر شاندار نتائج پیدا کرتے ہیں لیکن مسلمان بالعموم پانچ چھ گھنٹے کے کام کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ لوگ اسی لئے اپنے کام کی رپورٹ کرنے اور ڈائری لکھنے سے گھبراتے ہیں تبلیغی کام کرنے والے اور ریسرچ میں کام کرنے والے اگر اپنے کام کی ڈائری لکھیں تو اس سے انہیں صحیح طور پر احساس ہو جائے کہ انہیں کتنا کام کرنا چاہیئے تھا اور انہوں نے کتنا کیا ہے۔ سُست لوگ اِس بارے میں یہ عذر کیا کرتے ہیں کہ ہم نے کام کرنا ہے یا ڈائری لکھنا ہے۔ ڈائری لکھنے اور رپورٹ کرنے میں وقت ضائع ہوتا ہے۔ یہ عذر درحقیقت نفس کا دھوکا ہوتا ہے۔ ڈائری وہی لکھ سکتا ہے جو صحیح طور پر کام کرتا ہے اور جو شخص کام نہیں کرتا وہ ڈائری لکھنے سے گریز کرتا ہے۔ ہمارا دُنیا سے بہت بڑا مقابلہ ہے ہماری ریسرچ انسٹیٹیوٹ دُنیا کی لیبارٹریوں اور ریسرچ انسٹیٹیوٹوں کے مقابلہ میں بلحاظ اپنے سامان اور کارکنوں کے کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ اصل کام یہ ہے کہ انسان میں اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے کی رُوح پیدا ہو جائے اور یہ رُوح محنت اور ایثار سے پیدا ہوتی ہے۔ جب ہمیں یہ معلوم ہو کہ ہم نے بہت بڑے دشمن سے مقابلہ کرنا ہے تو ہمارے اندر کام کرنے کی رُوح بڑھ جائے گی۔ ہمارے اِس مقابلہ کی بنیاد روپیہ پر نہیں ہے۔ دُنیا کے مقابلہ میں ہمارے پاس روپیہ ہے ہی نہیں۔

نپولین کا قول ہے کہ ناممکن کا لفظ میری ڈکشنری میں نہیں ہے اس کے یہی معنی تھے کہ نپولین کسی کام کو ناممکن نہیں سمجھتا تھا۔ ہاں وہ اُسے مشکل ضرور سمجھتا تھا اور پھر ہمت سے اُس کام کو سرانجام دیتا تھا۔ دُنیا میں بہت سے لوگ ایسے گزرے ہیں کہ وہ اپنی اولوالعزمی سے سامانوں کے مفقود ہونے کے باوجود کامیابی کا راستہ نکال لیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت مسلمانوں پر جو غفلت اور جمود کی حالت طاری تھی اُس کو بیداری سے بدلنا ناممکن سمجھا جاتا تھا لیکن آپ نے مسلمانوں کے اندر اُمید کی کرن پیدا کر دی اور اُنہیں بیدار کر دیا۔ یورپین مصنفین حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کے ہندوستانی مسلمان لیڈروں یعنی سر سید احمد خاں، امیر علی وغیرہ کو اپالوجسٹ (Apologists) یعنی معذرت کرنے والے قرار دیتے تھے لیکن وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا طریق اسلام کی طرف سے معذرت خواہانہ نہیں بلکہ جارحانہ حملے کا طریق ہے۔ ابھی ایک مشہور مغربی مصنف نے تحریک احمدیت کا ذکر اسی انداز میں کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مستقبل کے متعلق ایک ایسی جگہ بھی آتی ہے جہاں یہ مؤرخ کو خاموش ہونا پڑتا ہے۔ تحریک احمدیت کے مستقبل کے ذکر میں اُس نے لکھا ہے کہ بہت سے گھوڑے جو گھوڑ دوڑ کی ابتداء میں کمزور نظر آتے ہیں وہی لمبا اوقات اوّل نکلتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اس وقت مذہبی دُنیا میں جو تغیرات پیدا ہوئے ہیں اور مسلمانوں میں جس قدر بیداری نظر آتی ہے وہ حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم کے نتیجہ میں ہے۔ اب مسلمانوں میں سے

ننانوے فیصدی لوگ وفاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کو ماننے لگ گئے ہیں، عصمتِ انبیاء کو ماننے لگ گئے، عدمِ نسخِ قرآن کے نظریے کو بھی ننانوے فیصدی لوگ ماننے لگ گئے ہیں۔ حالانکہ گزشتہ بارہ سو سال میں علمائے اسلام قرآنی آیات کے منسوخ ہونے کا عقیدہ رکھتے آئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت لطیف رنگ میں انہی آیات سے بہت سی حکمتیں بیان فرمائیں جنہیں لوگ منسوخ سمجھتے تھے۔ اِس طرح مسئلہ نسخِ قرآن کی بنیاد کو آپؑ نے توڑ کر رکھ دیا۔ تمام وہ مسائل جو باقی دنیا اور مسلمانوں کے لئے مشکوک بلکہ مخالفانہ طور پر تسلیم کئے جاتے تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کو بدل دیا۔ پس ناممکن بات کو خدا تعالیٰ کے فضل سے ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ جب ہم قادیان سے نکلے ہیں تو خود جماعت کا ایک بڑا حصّہ کہتا تھا کہ اب ہمارے پاؤں کس طرح جمیں گے لیکن دیکھ لو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب ہمارا بجٹ پہلے سے زیادہ ہے اور مخالفت کے باوجود جماعت کی ترقی ہو رہی ہے۔ اقتصادی حالت بھی پہلے سے بہتر ہے۔ اگر جماعت کی صحیح تربیت کی جائے تو چندے دُگنے ہو سکتے ہیں۔ میرے نزدیک ریسرچ سکالر کو یہ کبھی نہیں سوچنا چاہیئے کہ کوئی ایسی بات بھی ہے جو نہیں ہو سکتی۔ اس کو اپنی تحقیقات کے سلسلہ کو پھیلاتے وقت کبھی نہ ماننا چاہیئے کہ میں دُنیا کو پیدا نہیں کر سکتا۔ (گو یہ پیدا کرنا مجازی رنگ میں ہی ہوگا) یہ تو درست ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ناممکن قرار دیدیا ہے وہ بہرحال ناممکن ہیں لیکن یہ درست نہیں کہ جن چیزوں کو انسان کسی وقت ناممکن کہہ دیں وہ فی الواقعہ ناممکن ہوتی ہیں۔ ابھی جب ایٹم بم ایجاد ہوا تو وہ سائنسدان جو کہتے تھے کہ دُنیا کا کبھی خاتمہ نہیں ہو سکتا وہ کہنے لگ گئے کہ اِس ایجاد سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ دُنیا ختم ہو سکتی ہے۔ چار پانچ ماہ تک وہ لوگ Chain Reaction (تسلسلِ ردِ عمل) کے نظریہ کے ماتحت دُنیا کے خاتمہ کے قائل رہے ہیں۔ بہرحال ریسرچ کرنے والے انسان کے لئے بہت بڑی وسعت ہے۔ دُنیا میں ایک وقت میں ایک چیز ناممکن سمجھی جاتی ہے اور پھر وہ ممکن ہو جاتی ہے۔ گویا قدرت بھی اپنے دائرہ کو لمبا کرتی رہتی ہے۔ پہلے لوگ دُنیا کی لمبائی کا اندازہ روشنی کے تین ہزار سال سمجھتے تھے جنگ کے بعد یہ اندازہ چھ ہزار سال تک پہنچ گیا اور اب نیا نظریہ یہ ہے کہ دُنیا کی لمبائی روشنی کے چھتیس ہزار سال کے برابر ہے۔ اِس وقت محققین کے دو نظریئے ہیں۔ بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ دُنیا Expand ہو رہی ہے۔ جوں جوں ہم علمی طور پر آگے بڑھتے ہیں دُنیا کی وسعت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ درحقیقت ابھی تک ہم نے صحیح اندازہ ہی نہیں کیا۔ ہمارے سارے اندازے ناقص اور کم ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا کہ ہر چیز کی اُلجھنیں اللہ ہی حل کر سکتا ہے۔ اور ہر چیز انجام کار تیرے رب کی طرف پہنچتی ہیں۔ گویا ہمارے سامنے Unlimited Sources (غیر محدود خزانے) موجود ہیں جن کی ریسرچ ہم نے کرنی ہے لیکن ہمارے پاس سامان نہیں۔ ایٹم بم کے متعلق پانچ ہزار ممبر کام کر رہے ہیں لیکن ہمارے ہاں یہاں صرف پانچ ممبر ہیں۔ پھر انکے سامانوں کی فراوانی سے بھی ہمیں کوئی نسبت نہیں۔ اُن لوگوں کا بجٹ دو دو ارب کا ہوتا ہے۔ ہمارے ریسرچ کے بجٹ کو اُن کے بجٹ کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب سامان تھوڑے

ہوں اور کام کرنیوالے آدمی تھوڑے ہوں تو کام کی نسبت زیادہ ہونی ضروری ہے۔ کم ہمت آدمی کام کی زیادتی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ بہت کام ہے مجھ سے تو یہ ہو ہی نہیں سکیگا اسلئے وہ کام چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور مختلف جھوٹے عذرات پیش کرتا ہے لیکن اچھا آدمی کام کی زیادتی کی وجہ سے گھبراتا نہیں بلکہ کہتا ہے کہ میں کام کے لئے وقت کی مقدار کو بڑھا کر اور محنت میں اضافہ کر کے اس کام کو کروں گا۔ سوچ لو کہ جب دنیا کے سامنے یہ حقیقت واضح طور پر پیش ہو کہ ایک شخص ایسا ہے کہ زیادہ کام کو دیکھ کر اُس نے کام کرنا ہی چھوڑ دیا۔ اور دوسرا ایسا ہے کہ کام کی زیادتی کی وجہ سے اس نے زیادہ محنت اور زیادہ ہمت سے کام کو سرانجام دیا تو دنیا اُن میں سے کس کو اچھا سمجھے گی اور کس کو بُرا قرار دے گی۔ صحابہؓ کی کامیابی تو خاص خدائی نصرت کا نتیجہ تھی دنیوی طور پر بھی بعض لوگ ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے بظاہر ناممکن کاموں کو ممکن کر دکھایا ہے سکندر، چنگیز خاں، تیمور، بابر اور ہٹلر وغیرہ ایسے ہی لوگ تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اپنی قربانی اور ایثار سے بڑے بڑے کام کر دکھائے ہیں۔ ٹرکی کی گزشتہ جنگ میں ایک کرنیل کا واقعہ میں نے پڑھا ہے کہ ایک قلعے کے فتح کرنے کے لئے وہ اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑی پر چڑھ رہا تھا کہ درمیان میں اُسے گولی لگی اور وہ زخمی ہو گیا۔ اُس کے سپاہی محبت کی وجہ سے اُس کی خبر گیری کے لئے بڑھے مگر اُس نے کہا کہ تم لوگ مجھے ہاتھ مت لگاؤ، وہ سامنے قلعہ ہے جس کا فتح کرنا ہمارا مقصد ہے جاؤ اور اُس قلعہ کو فتح کرو۔ اگر فتح کر لو تو اس قلعے کے اُوپر میری لاش کو دفن کرنا ورنہ اسے کتوں کے کھانے کے لئے چھوڑ دینا۔ اُس کے اس جذبہ کا اسکے ساتھیوں پر وہ اثر ہوا کہ سب نے نہایت ہمت کے ساتھ جنگ کی اور قلعے کو فتح کر لیا۔ پس دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں۔ صرف وہی کام ناممکن قرار دیا جائے گا جسے ہمارا خدا ناممکن قرار دے۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے قرآن کریم نے کائناتِ عالم کے رازوں کو جاننے کی طرف خود توجہ دلائی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ صحیح رُوح سے اس راستے میں کام کریں گے وہ ضرور کامیاب ہوں گے۔ پس میں اس انسٹیٹیوٹ کے افتتاح کے وقت توجہ دلاتا ہوں کہ اپنے اندر قرآنی رُوح پیدا کرو۔ زیادہ محنت اور زیادہ وقت لگا کر کام کرنے کی عادت ڈالو۔ تب بہت سی چیزیں جو دنیا کے لئے ناممکن ہیں تمہارے لئے ممکن ہو جائیں گی۔ تمہارے سامنے کائناتِ عالم کی کوئی دیوار بند نہیں۔ تم جس طرف بڑھنا چاہو اللہ تعالےٰ کی نصرت تمہارے لئے دروازہ کھول دے گی۔ تمہارا یہ کام کوئی دنیوی کام نہیں بلکہ حقیقتاً دینی کام ہے۔ قرآن مجید کے حکم کی تعمیل ہے اور پھر اس ریسرچ میں حقیقی طور پر کام کرنے والے کارکن سلسلہ کے لئے مالی طور پر بہت مدد ہو سکتے ہیں اور اخلاقی طور پر بھی۔ اُن کے زیادہ محنت سے کام کرنے کو دیکھ کر، ان کے اس کیریکٹر کا اثر باقی افراد اور خصوصاً تبلیغی کام کرنے والوں پر بھی پڑے گا اور اسی میں ہماری کامیابی کا راز ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے ہمت اور عزم کے ساتھ زیادہ وقت لگا کر اور زیادہ محنت کے ساتھ کام کریں خدا تعالیٰ کی نصرت ہمارے شاملِ حال ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے۔ آمین +

تعلیم اللغة العربیة

عربی زبان کے متعلق آسان اسباق

(سلسلہ کے لئے الفرقان جنوری سنہ ۵۳ء ملاحظہ فرمائیں!)

پانچواں سبق ——— (ذخیرہ الفاظ)

آمَنَ	یُؤْمِنُ	سَفِیْهٌ	سُفَهَاءُ	
وہ ایمان لایا	وہ ایمان لاتا ہے یا لائیگا	(ایک) بیوقوف	(بہت سے) بیوقوف	
لَقِیَ	لَقُوْا	مُسْتَهْزِئٌ	رِبْحٌ	اِسْتَوْقَدَ
وہ ملا	وہ ملے	ٹھٹھا کرنیوالا	نفع	اُس نے آگ جلائی
وَقُوْدٌ	اَضَاءَتْ	ذَهَبَ	ذَهَبَ بِهٖ	
ایندھن	روشن ہوئی یا اس نے روشن کیا	وہ چلا گیا	وہ اس کو لے گیا	
اَصَمُّ	صُمٌّ	اَبْكَمُ	بُكْمٌ	اَعْمٰى
بہرہ مرد	بہرے مرد (جمع)	گونگا مرد	گونگے مرد (جمع)	اندھا مرد
عُمْیٌ	صَیِّبٌ	سَمَاءٌ	رَعْدٌ	صَاعِقَةٌ
اندھے مرد (جمع)	بارش	آسمان۔بادل	کڑک	بجلی یا بجلی کی گرج
صَوَاعِقُ	خَطِفَ	یَخْطَفُ	مَشٰى	یَمْشِیْ
صاعقة کی جمع	اُس نے اچک لیا	وہ اچک لیگا	وہ چلا	وہ چلتا ہے
بَصَرٌ	اَبْصَارٌ			
آنکھ۔بینائی	بصر کی جمع ہے			

عربی میں ترجمہ کریں:-

(۱) زید اللہ پر ایمان لایا۔ (۲) بکر نے آگ جلائی۔ (۳) وہ بے وقوف آدمی ہے۔ (۴) میں ایک بے وقوف آدمی سے ملا۔ (۵) ٹھٹھا کرنے والا مت بن۔ (۶) تو اپنی تجارت میں بہت نفع حاصل کریگا۔ (۷) اس گھر میں آگ روشن ہو گئی۔ (۸) خالد اپنی کتابیں لے گیا۔ (۹) تم میں سے کون گونگا ہے؟ (۱۰) بادل سے بارش برسی۔ (۱۱) چمک نے اس کی نظر اچک لی۔ (۱۲) میں مسجد کی طرف چلا۔ (۱۳) وہ بازار میں وقار سے چلتا ہے (۱۴) اسکی آنکھوں پر پٹی ہے۔ (۱۵) میرے پاس بہرہ آدمی آیا (۱۶) کڑک سے مت ڈر۔ (۱۷) میں نے کل اندھا آدمی دیکھا۔ (۱۸) کیا گھر میں ایندھن ہے؟ (۱۹) وہ سب ایمان لائیں گے (۲۰) میں ٹھٹھا کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

مندرجہ بالا اردو فقرات کا عربی ترجمہ:-

(۱) آمَنَ زَیْدٌ بِاللّٰهِ (۲) اِسْتَوْقَدَ بَكْرٌ نَارًا (۳) هُوَ سَفِیْهٌ (۴) لَقِیْتُ سَفِیْهًا۔ (۵) لَا تَكُنْ مُسْتَهْزِئًا (۶) اَنْتَ تَرْبَحُ فِیْ تِجَارَتِكَ رِبْحًا عَظِیْمًا (۷) اَضَاءَتِ النَّارُ فِیْ هٰذِهِ الدَّارِ (۸) ذَهَبَ خَالِدٌ بِكُتُبِهٖ۔ (۹) اَیُّكُمْ اَبْكَمُ؟ (۱۰) نَزَلَ الْمَطَرُ مِنَ السَّمَاءِ۔ (۱۱) خَطِفَ الْبَرْقُ بَصَرَهٗ (۱۲) مَشَیْتُ اِلَى الْمَسْجِدِ (۱۳) هُوَ یَمْشِیْ فِی السُّوْقِ هَوْنًا (۱۴) عَلٰى اَبْصَارِهٖ غِشَاوَةٌ (۱۵) جَاءَنِیْ اَصَمُّ (۱۶) لَا تَخَفْ مِنَ الرَّعْدِ (۱۷) رَاَیْتُ اَمْسِ رَجُلًا اَعْمٰى۔ (۱۸) هَلْ فِی الْبَیْتِ وَقُوْدٌ؟ (۱۹) هُمْ یُؤْمِنُوْنَ (۲۰) مَا اَنَا مِنَ الْمُسْتَهْزِئِیْنَ۔

چھٹا سبق

اسم۔فعل اور حرف کی پہچان

عربی کلمات تین قسموں میں منقسم ہوتے ہیں۔ (۱) اسم: اسم وہ کلمہ ہے جس کے معنے سمجھنے کے لئے کسی ضمیمہ کی ضرورت نہ ہو یعنی

مستقل بالفہم ہو۔ ہاں اس کلمہ کی ساخت کسی زمانہ پر دلالت نہ کرتی ہو۔ جیسے زَیْدٌ۔ ذِبْحٌ۔ نَارٌ۔ کُتُبٌ۔ (۲) فِعل فعل وہ کلمہ ہے جو مستقل بالفہم تو ہو مگر اس کی وضع ماضی، حال یا مستقبل میں سے کسی زمانہ پر دلالت کرتی ہو۔ جیسے آمَنَ۔ یَقِیْنُ۔ تَرْبَحُ۔ اَضَاءَتْ۔ (۳) حرف۔ حرف وہ کلمہ ہے جو اپنے مفہوم کو کسی ضمیمے کے لگانے کے بغیر واضح نہ کر سکے اور نہ ہی کسی زمانہ پر دلالت کرے۔ جیسے مِنْ۔ فِیْ۔ اِلیٰ۔ عَلیٰ۔

سوالات

(۱) مندرجہ بالا بیس عربی فقرات میں سے فعل، اسم اور حرف پر الگ الگ نشان لگائیں۔

(۲) ان فقرات میں جتنے اسم ہیں ان کے آخری حرف پر کیا کیا حرکت ہے یعنی زبر، زیر، پیش اور سکون میں سے کون کون سی حرکت آئی ہے اور کونسی حرکت نہیں آئی؟

(۳) ان فقرات میں جتنے فعل آئے ہیں بتائیے ان میں سے کتنے زمانۂ ماضی پر دلالت کرتے ہیں اور کتنے زمانۂ حاضر یا اور کتنے مستقبل کے زمانہ پر؟

(۴) جو فعل زمانۂ ماضی پر دلالت کرتے ہیں ان سب کو واحد مذکر غائب کے صیغوں میں لکھیں اور بتائیں کہ ان کے آخری حرف پر زبر، سکون یا پیش میں سے کونسی چیز ہے؟

وضاحت اور مشق

(۱) آمَنَ زَیْدٌ بِاللّٰہِ میں آمَنَ فعل ہے کیونکہ یہ مستقل بالفہم ہے اور زمانۂ ماضی پر دلالت کرتا ہے۔ زَیْدٌ اسم ہے کیونکہ یہ بغیر ضمیمہ لگانے کے سمجھ تو آجاتا ہے مگر چونکہ زَیْدٌ کی ساخت (فَعْلٌ) کسی زمانہ پر دلالت نہیں کرتی اسلئے یہ اسم ہے۔ اللّٰہ کا لفظ بھی اسم ہے۔ بِ حرف ہے کیونکہ یہ سرے سے مستقل بالفہم ہی نہیں ہے۔

(۲) فقرہ ھُوَ یَمْشِیْ فِی السُّوْقِ میں ھُوَ اسم ہے، یَمْشِیْ فعل ہے اور زمانۂ حاضر پر دلالت کرتا ہے۔ فِیْ حرف ہے، اَلسُّوْقِ اسم ہے۔

نوٹ:۔ آپ اسی طرح سب جملوں کا تجزیہ کریں اور اسم، فعل اور حرف کو الگ الگ پہچان لیں۔

ضروری تنبیہہ:۔ مندرجہ بالا فقرات میں سے بطور مثال آمَنَ زَیْدٌ بِاللّٰہِ میں زَیْدٌ اسم ہے اور اس پر پیش ہے۔ اِسْتَوْقَدَ بَکْرٌ نَارًا میں نَارًا اسم ہے اور اس پر زبر ہے۔ نَزَلَ الْمَطَرُ مِنَ السَّمَاءِ میں السَّمَاءِ اسم ہے اور اس پر زیر ہے۔

قاعدہ:۔ اس سے آپ یہ قاعدہ یاد رکھیں کہ اسم کے آخری حرف پر مختلف حالات میں زیر، زبر اور پیش آسکتی ہے۔ اس بدلنے والی حرکت کو اصطلاح میں اعراب کہتے ہیں اور اعراب کی صورت میں پیش کو رفع اور زبر کو نصب اور زیر کو جر کہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اسم پر تین اعراب آسکتے ہیں رفع، نصب اور جر۔

ساتواں سبق

مندرجہ ذیل عربی فقرات کا اردو میں ترجمہ کریں:۔

(۱) اَللّٰہُ رَزَقَنِیْ مَالًا (۲) ھَدَاہُ رَبُّہٗ اِلیٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۳) لَا یُنْفِقُ زَیْدٌ مَالَہٗ (۴) اَنْتُمْ مُفْلِحُوْنَ (۵) ھُوَ مُفْسِدٌ (۶) ھُمْ کَافِرُوْنَ (۷) ھُوَ یَخَافُ مِنَ الرَّعْدِ (۸) مَنِ اسْتَوْقَدَ نَارًا (۹) نَحْنُ نَعْبُدُ اللّٰہَ (۱۰) حَصَلَ لَہٗ ذِبْحٌ عَظِیْمٌ

قرآنی حقائق و معارف کا خزانہ

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ کے تاثرات درس القرآن کے مختصر نوٹ

(سلسلہ کے لئے الفرقان ماہ جون ۱۹۵۶ء ملاحظہ فرمائیں — ایڈیٹر)

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ کے ذکر کی حکمت! قرآن مجید نے فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ میں عیسائیوں کے اس قول کی تردید کی ہے کہ حضرت مسیحؑ کی والدہ اُن پر ایمان نہ لائی تھیں اور وہ اُن کی تائید میں نہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت مریمؑ ہر رنگ میں حضرت مسیحؑ کی تائید و نصرت کرتی تھیں اور وہ اُن پر ایمان لائیں اور اُن کی تعلیم کے مطابق عمل کرتی تھیں۔

لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا تو گند لائی ہے تُو نے ایسا کام کیا ہے جو سخت گھناؤنا ہے۔

يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بُرا آدمی نہ تھا اور تیری ماں بدکار نہ تھی تو نے یہ کام کیسے کیا؟

اُخت ہارون کہنے کی وجہ مفسرین کہتے ہیں کہ مریم کی دوسری والدہ کی طرف سے اُن کا ایک بھائی ہارون نامی تھا اسی وجہ سے یہود انہیں اُخت ہارون کہتے تھے یہودی تاریخ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ بعض انگریز مصنف کہتے ہیں کہ ہارون کی بہن بلحاظ خاندان کے قرار دیا گیا ہے۔ یہ جواب بھی درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب اُخت ہارون کے متعلق سوال پیدا ہوا تھا تو آپؐ نے اسی رنگ میں اس کی تشریح فرمائی تھی۔

میرے نزدیک حضرت مریم کو یہود کا اُخت ہارون کہنا طنز ہے۔ حضرت مریم اُم عیسیٰؑ سے پہلے بائیبل میں حضرت موسیٰؑ کی بہن مریم کا ذکر آتا ہے۔ یہ مریم حضرت ہارونؑ کی سگی بہن تھی اور حضرت موسیٰؑ کی سوتیلی۔ بائیبل کی کتاب گنتی باب ۱۲ میں مذکور ہے کہ مریم اور ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ پر ایک کوشی عورت کے متعلق الزام لگایا تھا جس کے نتیجہ میں مریم ابرص ہو گئی تھی۔ یہود نے حضرت مریمؑ کو اس موقع پر یا اخت ہارون کہہ کر طنزاً اشارہ کیا ہے کہ وہ مریم جو ہارون کی بہن تھی اور کوڑھی ہو گئی تھی اسی طرح تو بھی ایک طوفان لائی ہے تو بھی کوڑھی ہو جائے گی۔

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ حضرت مریمؑ نے حضرت مسیحؑ کی طرف اشارہ کیا یعنی اس سوال کا جواب یا اس الزام کی تردید یہ خود کرے گا۔

حضرت مریمؑ کے اس اشارہ کرنے سے ظاہر ہے کہ حضرت مریمؑ کو معلوم تھا کہ مسیحؑ اس اعتراض کا خود جواب دیگا۔ اس سے اُن لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے یہ پہلے دن معجزانہ کلام کیا تھا۔ ایسی صورت میں تو مریمؑ کو اُن کے کلام کرنے کا علم نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اشارہ کرنا بتلاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ اس سے قبل بھی بولا کرتے تھے۔

ایک استدلال کا جواب اس جگہ اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ حضرت مریمؑ کو حضرت مسیحؑ کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا اسلئے حضرت مریمؑ نے اُن کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پیشگوئی میں یہ تو نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ کب بولے گا۔ سوال تو یہی ہے کہ حضرت مریمؑ کو اس موقع پر کس نے بتایا تھا کہ اس اعتراض کا جواب اب حضرت مسیحؑ دیں گے۔ غور کیا جائے تو فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ پہلے بھی باتیں کیا کرتے تھے اسی لئے حضرت مریمؑ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ وہ خود اس الزام کی تردید کریں گے۔ دوسرے اس پیشگوئی میں فِي الْمَهْدِ کے ساتھ كَهْلًا کا لفظ بھی ہے۔ کیا کہولت میں بھی کسی اور نے کلام نہیں کی۔ کیا کہولت کے زمانہ میں محض بولنا معجزہ ہے؟ کہل ہونے کی حالت میں تو ہر شخص کلام کرتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ پیشگوئی میں نفس کلام کو معجزہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر سے ۶۳ سال کی عمر تک نازل ہوا مگر وہ تمام کلاموں سے بڑا معجزہ ہے۔ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا میں حضرت مسیحؑ کے کلام کی عظمت کی وجہ سے اسے معجزہ قرار دیا گیا ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی جوانی اور کہولت میں ایسی باتیں کیا کریں گے جو اُن کا معجزہ ہوں گی اور یہ ہے بھی ٹھیک کیونکہ ہر نبی کو یہ معجزہ دیا جاتا ہے۔ وہ دلائل و براہین کے لحاظ سے اپنے دشمنوں پر غالب آتا ہے۔

قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝

حضرت مریمؑ کے حضرت مسیحؑ کی طرف اشارہ کرنے پر یہودی اکابر نے کہا کہ ہم اس شخص سے کیا بات کریں جو ہمارے سامنے کل کا بچہ ہے۔ چونکہ یہ قوم کے بڑے لوگ تھے اور حضرت مسیحؑ اُن کے سامنے عمر کے لحاظ سے بچے ہی تھے اسلئے اُنہوں نے ازراہ تحقیر کہا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا۔ لفظ مَهْد تیاری کرنیکے معنے میں آتا ہے۔ مَهَدتُ لَه تمهيداً یعنی میں نے اسکی ترقیات کے لئے سامان پیدا کئے پس ایسی عمر جس میں کسی مقصد کے لئے تیاری کی جا رہی ہو مہد کہلاتی ہے۔

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝

حضرت مسیحؑ نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس کے احکام کی اطاعت کرتا ہوں اور اسکی صفات کا مظہر ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝

اس نے مجھے ہر جگہ مبارک بنایا ہے اور اس نے مجھے زندگی بھر نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ اس نے مجھے ماں سے حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے جبار اور شقی نہیں بنایا حقوق تلف کرنیوالا اور شقاوت کا موجب نہیں بنایا۔

اگر غور کیا جائے تو مسیحؑ کا یہ جواب بھی بتلا رہا ہے کہ یہ کلمہ جوانی میں ہوا ہے۔ اگر ماں کی گود میں ہوتے ہوئے یہ گفتگو تسلیم کی جائے تو عَبْدُ اللّٰهِ ہونے کے کیا معنے ہوں گے یعنی کامل اطاعت کرنے والا۔ ایک بچہ کے لئے یہ معنے کس طرح مناسب ہو سکتے ہیں۔ پھر آتَانِيَ الْكِتٰبَ فرمایا ہے بچپن

میں کونسی کتاب ان کو دی گئی اور کب نبی بنایا گیا۔ جَعَلَنِیْ مُبَارَکًا کس طرح ہوا؟ اَیْنَ مَا کُنْتُ کس طرح ہوا تھا حالانکہ اس وقت تک وہ صرف ماں کی گود میں تھے اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ کا بھی تحقق ناممکن تھا اور ان کے پاس مال کہاں تھا تا انہیں زکوٰۃ کا حکم دیا جاتا؟ ماں کی اطاعت انہوں نے ابھی تک کہاں کی تھی؟ یہ ساری باتیں تو ہنوز پردۂ غیب میں تھیں۔ یہود پر حجت کیسے بن سکتی تھیں۔

مفسرین کہتے ہیں کہ اس مکالمہ میں آئندہ ہونیوالے واقعات کی خبر بطور معجزہ دی گئی تھی۔ حالانکہ معجزہ تو صرف بولنے میں ہو سکتا ہے نبی بننے اور کتاب لینے میں نہیں۔ ماں کی گود میں بچہ کا بولنا ہی کافی معجزہ تھا اس میں جَعَلَنِیْ نَبِیًّا کہنے کی کیا ضرورت تھی جس کا ظہور تیس سال بعد ہونا تھا۔ اگر حضرت مسیحؑ نے گود میں گفتگو کی ہوتی تو اسی سے لوگ ان کی عظمت کو تسلیم کر لیتے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہود نے حضرت مریم پر بہتان باندھا اور ان کے حمل کو ناجائز قرار دیا تھا۔ انہوں نے اس الزام کو یاد رکھا جب حضرت مریم مسیحؑ سمیت واپس آئیں تو انہیں وہی طعنہ دیا۔ حضرت مریمؑ نے اس کے جواب کے لئے حضرت مسیحؑ کی طرف اشارہ کر دیا۔ حضرت مسیحؑ نے جواب دیا کہ میں خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہوں، میں نبی ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے، مجھے ہر جگہ برکت بخشی ہے، میں اس کے حکم سے نماز و زکوٰۃ کو قائم کرتا اور قائم کراتا ہوں۔ کیا یہ صفات ایک ناجائز پیدا ہونے والے بچہ میں ہو سکتی ہیں؟ یہ مدلل اور لاجواب کلام معجزہ تھا جس نے یہود کے منہ بند کر دیئے۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا

مجھ پر سلامتی ہے جب میں پیدا ہوا اور مجھ پر سلامتی ہو گی جب میں فوت ہوں گا نیز جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

بعض لوگ اس آیت کے حصہ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ سے غلط طور پر استدلال کرتے ہیں کہ صرف حضرت مسیحؑ ہی مسّ شیطان سے پاک تھے اور یہ کہ وہ صلیب پر نہیں چڑھے۔ حالانکہ یہ دونوں لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت یحییٰؑ کے حق میں بھی وارد ہوئے ہیں۔ وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ۔ اور اس جگہ کوئی مفسر اس سے یہ استدلال نہیں کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدائش کے وقت سے ہی انبیاء علیہم السلام کو سلامتی میں لے لیتا ہے اور انہیں روحانی طور پر ہر قسم کی سلامتی حاصل ہوتی ہے۔ یَوْمَ اَمُوْتُ سے یہ ضرور نکلتا ہے کہ وہ صلیب کی لعنتی موت نہیں مریں گے بلکہ ان کی وفات عام طبعی موت سے ہو گی۔ گویا موت تو ہو گی مگر سلامتی کے منافی اور متناقض نہ ہو گی۔

قرآنی بیان کی تائید اناجیل کے حوالہ جات سے

حضرت مسیحؑ کے اس مکالمہ کے ذکر پر عیسائی مصنف سخت برہم ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے کبھی بھی ایسے فقرات یا بیانات نہیں دیئے تھے۔ یہ بیانات حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لئے حضرت مسیحؑ کے منہ میں داخل کر دیئے ہیں ورنہ جبکہ حضرت مسیحؑ ابن اللہ اور خدا تھے تو وہ اس قسم کے فقرے کس طرح کہہ سکتے تھے۔ مسیحؑ کے منہ سے اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ نہیں نکل سکتا تھا۔

بے شک عیسائی قوم کا حق ہے کہ ہم سے سوال کرے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ فی الواقع حضرت مسیحؑ نے یہ باتیں کہی تھیں۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ ثابت نہ کیا جا سکے تو عیسائی کہیں گے کہ قرآن انسانی کلام ہے خدائی کتاب نہیں۔ اور اگر ہم یہ ثابت کر دیں کہ واقعی حضرت مسیحؑ نے یہ سب باتیں کہی تھیں تو اس سے ایک طرف قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہو جائے گا اور دوسری طرف حضرت مسیحؑ کی مزعومہ الوہیت کا ابطال بھی ہو جائے گا۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی حل ہو جائے گا کہ حضرت مسیحؑ نے کس زمانہ میں یہ کلام کیا تھا۔ گویا فِی الْمَھْدِ کے زمانہ کی تعیین ہو جائیگی اسلئے ہم قرآنی بیان کی تائید عیسائی مسلّمات اور انجیلی حوالہ جات سے پیش کرتے ہیں:۔

حضرت مسیحؑ کے اِنِّی عَبْدُ اللّٰہ کہنے کا ثبوت!

اس مکالمہ میں سب سے بڑی بات اِنّی عبداللّٰہ ہے۔ اب دیکھئے کیا انجیل سے مسیحؑ کے اعترافِ عبدیت کا ثبوت ملتا ہے۔ حوالہ جات ذیل قابلِ غور ہیں۔

(الف) انجیل متی میں لکھا ہے:۔

"اس وقت روح یسوعؑ کو جنگل میں لے گیا تاکہ ابلیس سے آزمایا جائے اور چالیس دن اور چالیس رات فاقہ کر کے آخر کو اسے بھوک لگی۔ اور آزمانے والے نے پاس آ کر اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو فرما کہ یہ پتھر روٹیاں بن جائیں۔ اس نے جواب میں کہا لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہیگا بلکہ ہر بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے تب ابلیس اسے مقدس شہر میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرا دے کیونکہ لکھا ہے کہ وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دیگا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھا لیں گے ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر کی ٹھیس لگے۔ یسوعؑ نے اس سے کہا یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر۔ پھر ابلیس اسے ایک بہت بڑے اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی ساری بادشاہتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا کہ اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دونگا یسوعؑ نے اس سے کہا اے شیطان! دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرشتے آ کر اس کی خدمت کرنے لگے۔"

(متی ۱-۱۱/۴ نیز لوقا ۱-۱۳/۴)

یہ بیان تفصیل سے اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ کا اقرار ہے۔ اوّل تو شیطان کا مسیحؑ کو آزمانا خود مسیحؑ کے عبد ہونے کی دلیل ہے شیطان باغی تھا مگر اسے خدا کی طاقتوں کا پتہ تھا۔ اگر مسیحؑ خدا ہوتا تو شیطان اس کے آزمانے کا قصد بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دوم مسیحؑ کو بھوک لگی۔ بھوکا ہونا خود انسان ہونے کی دلیل ہے۔ سوم مسیحؑ کا جواب کہ "آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا" مسیحؑ کے انسان ہونے پر دلیل ہے۔ اس جگہ پر مسیحؑ اور شیطان ہی موجود تھے۔ اس جواب میں "آدمی" سے مراد شیطان تو ہو نہیں سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ مسیحؑ اپنی انسانیت کا اعلان کر رہے ہیں۔ چہارم مسیحؑ کا قول "تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر" بتلا رہا ہے کہ مسیحؑ انسان تھے اور اپنے خداوند خدا کو

آزمانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ پس حضرت مسیح نے جواب دیا ہے کہ "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اُسی کی عبادت کر" اس سے ظاہر ہے کہ مسیح اپنے عبد ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور اسی لئے غیر اللہ کو سجدہ کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

اسی ذیل میں مسیح کا قول "تم جسے نہیں جانتے اس کی پرستش کرتے ہو ہم جسے جانتے ہیں اس کی پرستش کرتے ہیں" (یوحنا ۲۲/۴) بھی ان کے عبد ہونے پر دلیل ہے۔

(ب) خدا کی بڑی علامت علمِ غیب ہوتا ہے۔ قیامت کے بارے میں حضرت مسیح کا قول ہے کہ:۔

"اس دن یا اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ" (مرقس ۳۲/۱۳)

پس مسیح کا خدا نہ ہونا اور محض عبد ہونا ثابت ہے۔

(ج) اناجیل میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت مسیح سے کہا کہ "اے نیک استاد میں کیا کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟" حضرت مسیح نے جواب میں فرمایا کہ:۔

"تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا" (مرقس ۱۸/۱۰ و لوقا ۱۹/۱۸)

اس جواب سے ظاہر ہے کہ (۱) نیک صرف خدا ہے (۲) مسیح نیک نہیں یعنی خدا نہیں۔ یہ حوالہ حضرت مسیح کی الوہیت کو کھلے طور پر باطل ثابت کر رہا ہے اور انہیں انسان ٹھہراتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر یہ سوال ہو کہ کیا تمہارے عقیدہ کے رُو سے حضرت مسیح نیک نہ تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انجیل کے مندرجہ بالا حوالہ میں حضرت مسیح نے جس نیکی کی نفی کی ہے وہ ذاتی نیکی یا قدوسیت ہے۔ ظاہر ہے کہ قدوس صرف خدا ہوتا ہے انسان قدوس نہیں ہوتا۔ انسان کی نیکی کسبی ہوتی ہے ذاتی نہیں ہوتی۔ انسان کی نیکی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے خدا تعالیٰ ازل سے قدوس ہے۔ حضرت مسیح نے جب فرمایا کہ "تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے" تو اس سے آپ کی مراد ازلی قدوسیت کا انکار تھا ورنہ بطور عبد اللہ حضرت مسیح دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم تھے۔

(۲) اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ حضرت مسیح کے مکالمہ میں دوسری بات اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ ہے کہ خدا نے مجھے تورات سکھائی ہے۔ یہ بات بھی اناجیل سے ثابت ہے۔ حضرت مسیح کہتے ہیں:۔

(الف) "جس طرح باپ نے مجھے سکھایا اُسی طرح یہ باتیں کہتا ہوں۔" (یوحنا ۲۸/۸)

(ب) "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔" (متی ۱۷-۱۸/۵)

پس اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ کے مطابق حضرت مسیح کو تورات کی تفسیر الہاماً سکھلائی جاتی تھی اور آپ وہ تفسیر لوگوں کو سکھلاتے تھے۔

(۳) وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ یہ حضرت مسیح کے مکالمہ کا تیسرا حصہ ہے۔ اس کا ثبوت بھی اناجیل میں موجود ہے۔ حوالجات ذیل ملاحظہ ہوں:۔

(الف) "جس نے مجھے بھیجا وہ میرے ساتھ ہے اس نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا کیونکہ میں ہمیشہ وہی کام

کرتا ہوں جو اُسے پسند آتے ہیں۔" (یوحنا ۸/۲۹)

(ب) "مَیں خدا سے نکلا ہوں اور آیا ہوں کیونکہ مَیں آپ سے نہیں آیا بلکہ اُسی نے مجھے بھیجا ہے۔" (یوحنا ۸/۴۲)

(ج) "اس نے مجھے بھیجا ہے کہ قیدیوں کو رہائی اور اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سناؤں۔ کچلے ہوؤں کو آزاد کروں۔" (لوقا ۴/۱۸ بحوالہ یسعیاہ ۶۱/۱)

(د) "بھیڑ کے لوگوں نے کہا یہ گلیل کے ناصرہ کا نبی یسوع ہے" (متی ۲۱/۱۱)

(ذ) "میری تعلیم میری نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے کی ہے۔ اگر کوئی اس کی مرضی پر چلنا چاہے تو وہ اس تعلیم کی بابت جان جائے گا کہ خدا کی طرف سے ہے یا مَیں اپنی طرف سے کہتا ہوں۔ جو اپنی طرف سے کچھ کہتا ہے وہ اپنی عزت چاہتا ہے لیکن جو اپنے بھیجنے والے کی عزت چاہتا ہے وہ سچا ہے اور اس میں ناراستی نہیں۔" (یوحنا ۷/۱۶-۱۸)

(ر) "مَیں اکیلا نہیں بلکہ مَیں ہوں اور باپ ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔" (یوحنا ۸/۱۶)

(ز) "یسوع نے اُن سے کہا نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔" (مرقس ۶/۴)

(س) "یسوع نے خود گواہی دی کہ نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا۔" (یوحنا ۴/۴۴)

(ش) "یہی کام جو مَیں کرتا ہوں وہ میرے گواہ ہیں کہ باپ نے مجھے بھیجا ہے۔" (یوحنا ۵/۳۶)

(ص) "عورت نے اس سے کہا اے خداوند مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تُو نبی ہے۔" (یوحنا ۴/۱۹)

ان حوالجات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح نے یہودیوں کے سامنے وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا کا اعلان کیا تھا۔ پس پادریوں کا قرآن مجید کے بیان وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا پر ناراض ہونا بلاوجہ ہے۔ جب اناجیل خود اس اعلان کی تصدیق کرتی ہیں تو ان کو اس کے ماننے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔

یہودی لوگ خدا کو باپ کہتے تھے، یہودیوں میں یہ عام محاورہ تھا حضرت مسیح نے انہی کے محاورہ کے مطابق کلام کیا ہے۔ اس میں مسیح کی خصوصیت نہیں اور نہ ہی یہ ان کی ابنیت کی دلیل ہے۔

حضرت مسیح نے مندرجہ بالا عبارتوں میں اپنی زندگی اور کیریکٹر کو اپنی صداقت کے لئے بطور دلیل پیش کیا ہے۔ دوسرے خدائی نشانات کو اپنے سچا ہونے پر بطور گواہ پیش کیا ہے۔ یہی دو طریق نبیوں کی صداقت پرکھنے کے اصل بنیادی طریق ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنی صداقت پرکھنے کے لئے انہی دو طریقوں کو پیش فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اناجیل سے حضرت مسیح کا نبی ہونیکا دعویٰ ثابت ہے۔ یہی ان کا مقام ہے، اسی کو قرآن مجید نے پیش فرمایا ہے اس پر عیسائی پادریوں کا برہم ہونا بے معنی بات ہے۔

(۴) وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ۔ حضرت مسیح کی گفتگو میں چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر جگہ برکت بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت مُبَارِكٌ (برکت دینے والا) ہے اور انسان مُبَارَكٌ (برکت پانیوالا) ہوتا ہے کسی کا مبارک ہونا اسکے انسان ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ پس حضرت مسیح کے اپنے آپ کو مبارک قرار دینے کے معنے یہ ہیں کہ مسیح انسان ہیں خدا

نہیں ہیں۔ حضرت مسیح کے مبارک ہونے کا ثبوت اناجیل کے حسب ذیل حوالہجات سے ثابت ہے:۔

(۱) "پھر اُس نے وہ پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں لیں اور آسمان کی طرف دیکھ کر برکت چاہی اور روٹیاں توڑ کر شاگردوں کو دیتا گیا کہ اُن کے آگے رکھیں اور وہ دو مچھلیاں بھی ان سب میں بانٹ دیں پس وہ سب کھا کر سیر ہو گئے۔" (مرقس ۶/۴۱-۴۴)

(۲) "ان کے پاس تھوڑی سی مچھلیاں تھیں۔ اس نے ان پر برکت چاہ کر کہا کہ یہ بھی ان کے آگے رکھ دو پس وہ کھا کر سیر ہوئے اور بچے ہوئے ٹکڑوں کے سات ٹوکرے اٹھائے اور لوگ چار ہزار کے قریب تھے۔" (مرقس ۸/۶-۹)

(۳) "جس نے مجھے بھیجا وہ میرے ساتھ ہے اس نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا کیونکہ میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو اُسے پسند آتے ہیں۔" (یوحنا ۸/۲۹)

(۴) مسیح کے مبارک ہونے کے لئے متی ۲۶/۲۶ و لوقا ۱/۴۱-۴۲ و لوقا ۱۱/۲۷ بھی ملاحظہ ہو۔

اناجیل کے ان حوالہجات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح پیدائش سے لیکر آخری دن تک اللہ تعالیٰ سے برکت چاہتے رہے اور اپنی پاکیزگی کے باعث اللہ تعالیٰ سے برکت پاتے رہے۔ پس وہ مبارک تھے اور قرآن مجید نے وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا میں یہی اعلان کیا ہے۔

(۵) وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے تاکیدی طور پر نماز پڑھنے اور مستقل طور پر اسے جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔ وصیت تاکیدی حکم کو کہتے ہیں۔ حضرت مسیح کی گفتگو کا یہ پانچواں حصہ ہے۔ اِس کا ثبوت بھی انجیل میں موجود ہے۔ مندرجہ ذیل حوالہجات سے اِس کا ثبوت ملتا ہے:۔

(۱) "جب وہ تنہائی میں دُعا مانگ رہا تھا۔" (لوقا ۹/۱۸)

(۲) "پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دُعا مانگتا تھا جب مانگ چکا تو اسکے شاگردوں میں سے ایک نے اُس سے کہا اے خداوند جیسا یوحنا نے اپنے شاگردوں کو دُعا مانگنی سکھائی تو بھی ہمیں سکھا۔ اُس نے ان سے کہا جب تم دُعا مانگو تو کہو کہ اے باپ تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہت آئے ہماری روز کی روٹی ہر روز ہمیں دیا کر اور ہمارے گناہوں کو معاف کر کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرضدار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔" (لوقا ۱۱/۱-۴)

[نوٹ: حضور ایدہ اللہ بنصرہٗ نے درس القرآن میں تفصیل سے انجیلی دُعا اور قرآنی دُعا سورۃ فاتحہ میں موازنہ فرمایا اور بتلایا کہ انجیل کی یہ دُعا قرآن مجید کی دُعا کے مقابلہ میں ہر پہلو سے کمتر ہے اور ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ موازنہ مفصل درس میں شائع ہوگا۔ (مرتب)]

(۳) "وہ جنگلوں میں الگ جا کر دُعا مانگا کرتا تھا۔" (لوقا ۵/۱۶)

(۴) "میں نے تیرے لئے (اے شمعون) دُعا مانگی کہ تیرا ایمان جاتا نہ رہے۔" (لوقا ۲۲/۳۲)

(۵) "پھر وہ نکل کر اپنے دستور کے موافق زیتون کے پہاڑ کو گیا اور شاگرد اسکے پیچھے ہو لئے اور اس جگہ پہنچ کر اس نے ان سے کہا دُعا مانگو کہ آزمائش میں نہ پڑو۔ اور وہ ان سے بمشکل الگ ہو کر کوئی پتھر کے ٹپے آگے بڑھا اور گھٹنے ٹیک کر یوں دُعا مانگنے لگا کہ اے باپ اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹا لے تاہم میری مرضی نہیں بلکہ تیری ہی مرضی پوری ہو۔ اور آسمان سے ایک فرشتہ اسکو دکھائی دیا وہ اسے تقویت دیتا تھا پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دُعا مانگنے لگا اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔" (لوقا ۲۲/۳۹-۴۴)

(۶) "لوگوں کو رخصت کر کے علیحدہ دُعا مانگنے کیلئے پہاڑ پر چڑھ گیا۔

"اور جب شام ہوئی تو وہاں اکیلا تھا۔" (متی ۱۴/۲۳)

ان حوالجات اور ایسے ہی دیگر انجیلی حوالجات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے اور اسکے سامنے گھٹنے ٹیک کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت مسیح نے بدروحوں کے نکالنے کے سلسلہ میں اپنے حواریوں سے فرمایا تھا کہ:-

"یہ قسم دعا کے سوا کسی اور طرح نہیں نکل سکتی۔" (مرقس ۹/۲۹)[1]

پس خود حضرت مسیح کے انجیلی بیانات سے اوصانی بالصلوٰۃ کا اعلان ثابت ہے اور یہ امر حضرت مسیح کو انسان ثابت کرتا ہے نہ کہ خدا۔

(۶) والزکوٰۃ: حضرت مسیح کی گفتگو کا یہ چھٹا حصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زکوٰۃ کی تاکید فرمائی ہے۔ زکوٰۃ خدا کیلئے اپنے مال کے ایک حصہ کی ادائیگی کا نام ہے جو غرباء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح میں غرباء کو روٹی کھلانے کا جذبہ نہایت عمدہ طور پر موجود تھا۔ (متی ۱۵/۳۲) نیز مندرجہ ذیل حوالہ بھی مسیح کے مامور بالزکوٰۃ ہونے کا اعلان ہے لکھا ہے:-

"پس ہمیں بتا تو کیا سمجھتا ہے قیصر کو جزیہ دینا روا ہے یا نہیں؟ یسوع نے انکی شرارت جان کر کہا اے ریاکارو! مجھے کیوں آزماتے ہو۔ جزیے کا سکہ مجھے دکھاؤ۔ وہ ایک دینار اسکے پاس لے آئے۔ اس نے ان سے کہا یہ صورت اور نام کس کا ہے انہوں نے اس سے کہا قیصر کا۔ اس پر اس نے ان سے کہا پس جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو۔" (متی ۲۲/۱۷-۲۱)

خدا کا حصہ ہی زکوٰۃ ہوتا ہے۔

(۷) وبرًّا بوالدتی: یہ حضرت مسیح کے مکالمہ کا ساتواں حصہ ہے۔ قرآن مجید قرار دیتا ہے کہ حضرت مسیح اپنی والدہ ماجدہ سے حسن سلوک کرتے تھے اور ان کے تابع تھے۔ اناجیل میں یہ ذکر ضرور آتا ہے کہ مسیح نے اپنی والدہ سے بدسلوکی کی تھی لیکن محرف انجیلوں میں یہ حوالہ بھی موجود ہے کہ:-

"اسکی ماں نے اس سے کہا بیٹا تو نے کیوں ہم سے ایسا کیا۔ دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے۔ اس نے ان سے کہا تم مجھے کیوں ڈھونڈتے تھے۔ کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجھے اپنے باپ کے ہاں ہونا ضرور ہے۔ مگر جو بات اس نے ان سے کہی اسے وہ نہ سمجھے اور وہ ان کے ساتھ روانہ ہو کر ناصرہ میں آیا اور ان کے تابع رہا۔" (لوقا ۲/۴۸-۵۱)

(۸) ولم یجعلنی جبارًا شقیًا: لفظ جبار کے دو معنے ہوتے ہیں۔ اوّل ٹوٹے ہوئے کی اصلاح کرنے والا۔ دوم دوسرے کا حق مار کر اسے گرا کر آپ اونچا ہونے والا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ جبار کا استعمال معنی اوّل میں ہوتا ہے اور انسان کو جبار دوسرے معنے میں کہا جاتا ہے۔ حضرت مسیح نے کہا کہ خدا نے مجھے جبار نہیں بنایا۔ میں لوگوں کے حق مارنے والا نہیں ہوں۔ مسیح کے جبار نہ ہونیکا اعلان انجیل سے بھی ثابت ہے لکھا ہے:-

(۱) "میرا جوا اپنے اوپر اٹھا لو اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن۔ تو تمہاری جانیں آرام پائینگی۔" (متی ۱۱/۲۹)

(۲) "صیہون کی بیٹی سے کہو کہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔ وہ حلیم ہے اور گدھے پر سوار ہے۔" (متی ۲۱/۵ بحوالہ زکریا)

لفظ شقی عربی زبان میں سعید کے مقابل میں استعمال ہوتا ہے۔ سعید کے معنے وہ انسان ہے جو دوسری مدد کی بدولت کامیاب ہو جائے جیسے کوئی اسکے مقصد کے حصول میں مدد دے۔ پس حضرت مسیح کے شقی نہ ہونیکا مطلب یہ ہوا کہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مظفر و منصور ہونگا خدا تعالیٰ مجھے بے مدد نہ چھوڑیگا۔ حضرت مسیح کا بیان انجیل یوحنا باب ۱۶ میں تفصیلاً موجود ہے۔ آخری فقرہ یہ ہے "خاطر جمع رکھو میں دنیا پر غالب آیا ہوں۔" (یوحنا ۱۶/۳۳) حواریوں کو انہوں نے منادی کرنیکا حکم دیا کہ:- "آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔" (متی ۱۰/۷) پس حضرت مسیح کے اس حصہ اعلان کا ثبوت بھی اناجیل میں موجود ہے معلوم پھر کس بنا پر عیسائی پادری ہم سے بدظن ہوتے ہیں؟ (باقی آئندہ)

[1] اس جگہ عربی انجیل کے الفاظ یہ ہیں:- "ھذا الجنس لا یمکن ان یخرج بشئ الا بالصلوٰۃ والصوم۔"

قرآن مجید کی وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ

(۳)

از قلم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوة و تبلیغ ربوہ

(۶) آپ نے بتلایا کہ وہ اتنا طاقتور ہوگا کہ ساری زمین پر چھا جائے گا اور تمام اطراف عالم کو پامال کرے گا اور ہر بستی پر مکر و فریب اور جنگ و قتال سے غالب آ جائیگا سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے۔ اور وہ دو مقدس شہروں کی طرف بھی قصد کرے گا مگر اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کا مقابلہ کریں گے وہ اس کو تاخت و تاراج کر دینگے۔ ان دو شہروں کو محفوظ رکھا جائے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (لا یدان لاحد بقتالھم) دجال کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکے گا اور اس کی جنگ اتنی شدید ہوگی کہ اہل زمین کی لڑائی سے فارغ ہو کر آسمان والوں سے بھی لڑائی چھیڑ دیگا۔ مگر ان کے خون آشام تیر انہی پر واپس لوٹائے جائینگے۔ (مشکوٰۃ)

اس مفہوم کی روایتوں میں دجال کے لئے صیغے اور ضمیریں مفرد نہیں بلکہ جمع وارد ہوتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ملکوت میں دجال شخص واحد کی شکل میں دکھایا گیا تھا مگر مراد دجال کی ساری قوم ہے۔

(۷) آپ نے فرمایا وہ ویرانوں پر گذرے گا اور ان سے کہیگا (اخرجی کنوزک) اپنے خزانے نکال اور وہ نکالے گی۔ دریاؤں سے کہیگا کہ وہ خشک ہوں اور وہ خشک ہو جائیں گے۔ اور کہیگا چلو تو وہ چلیں گے۔ ہواؤں پر اسے تسلط ہوگا۔ آسمان سے کہیگا اور وہ بارشیں برسائیں گے جس سے خشک زمین شاداب اور سرسبز ہو جائے گی، اس کے مویشی موٹے اور بہت دودھ دینے والے ہوں گے۔ اس کے ساتھ ایک جنت بھی ہوگی اور آگ بھی جو اس کا ساتھ دیگا اور کہا مانے گا اسے جنت میں داخل کریگا مگر درحقیقت وہ آگ ہوگی۔ اور جو اسکو نہ مانے گا اس کو آگ میں جھونکے گا جو درحقیقت جنت ہوگی۔ روٹیوں کا ایک پہاڑ اس کے ساتھ ہوگا جس سے مراد یہ ہے کہ کھانے پینے کے سامان اس کے پاس بکثرت ہوں گے جبکہ لوگ فاقہ مست ہوں گے۔ آپ نے فرمایا جو قوم اس کی اطاعت نہ کریگی وہ قحط زدہ اور خالی ہاتھ رہ جائے گی۔ (مسلم مشکوٰۃ)

(۸) شروع میں اس کا دعویٰ ایمان اور اصلاح کا ہوگا مگر نتیجہ فساد اور ظلم اور بربادی ہوگی۔ مسلمان اس کے فتنہ کی وجہ سے

؎ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا خود بھی کرتے اور مسلمانوں کو بھی کرنے کی تلقین فرماتے۔ اللھم انی اعوذ بک من فتنة المسیح الدجال فتنة المحیا والممات یعنی اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں مسیح الدجال کے فتنے سے اور موت اور زندگی کے فتنے سے۔ اس دعا سے ظاہر ہے کہ دجال کا فتنہ لوگوں کیلئے درحقیقت موت اور زندگی کا سوال پیدا کر دیگا جیسا کہ آج حال ہے +

پراگندہ ہو جائیں گے۔

(۹) وہ اتنی قدرت دکھیگا کہ ایک شخص کو مار کر اُسے پھر زندہ کریگا یہاں تک کہ وہ اپنے لئے خدائی کا دعویٰ کریگا اور بہتوں کی گمراہی کا باعث ہوگا۔

(۱۰) آپ نے فرمایا ثمّ یهبط نبیّ الله عیسٰی واصحابه الی الارض فلا یجدون فی الارض موضع شبرٍ الّا ملأه زهمهم و نتنهم فیرغبُ نبی الله عیسٰی واصحابه الی الله۔ فیرسل الله طیراً کاعناق البُخت فتحملهم و ترمیهم فی النّار[۱]

یعنی پھر عیسٰی نبی اللہ اور آپ کے ساتھی ہجرت کریں گے تو زمین میں ایک بالشت بھر بھی ایسی جگہ باقی نہ پائیں گے جو ان کی بدبُو اور سڑاند سے بھر نہ گئی ہو۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی مانند پرندے غول در غول ان پر بھیجے گا جو انہیں اٹھا اٹھا کر آگ میں پھینکتے جائیں گے اور اس طرح دُنیا ان سے رہائی پائے گی۔

سورہ والمرسلات میں بھی سہ شاخہ صلیب کے پرستاروں کا انجام ایک ایسی آگ بتائی گئی ہے جو (کالقصر کانّه جمالة صُفر) بڑے بڑے محلوں کی مانند بلند شعلے پھینکنے والی ہے اور پے درپے زرد اونٹوں کی طرح لپکتی ہوئی بڑھتی آئے گی۔ جس دن یہ شعلہ زن ہلاکت آفرین مصیبت دُنیا میں قائم ہوگی اُس دن کا نام یوم الفصل[۲] یعنی فیصلہ کا وہ آخری دن رکھا گیا ہے جس میں صلیبی فتنہ کا خاتمہ ہوگا۔

(۱۱) بختی اونٹوں کی طرح پرندوں والی مذکورہ بالا روایت کے آخر میں یہ ذکر بھی آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کی مذکورہ بالا تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ زمین پر ابر رحمت برسائے گا اور زمین سے فرمائے گا (اَنبِتی ثمرتکِ رُدّی برکتکِ) یعنی اپنا پھل اُگا اور اپنی برکت کو بحال کر۔ تو زمین کے پھلوں اور مویشیوں میں برکت دی جائے گی۔

یہ خلاصہ ہے اس مشاہدہ کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کے متعلق عالم غیب میں کرایا گیا۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور احادیث کی دیگر مستند کتابوں میں کسی قدر لفظی اختلاف کے ساتھ دجال کا مذکورہ بالا حُلیہ، اس کے اوصاف اور اس کے فتنہ و فساد اور جنگوں کے متعلق ذکر وارد ہوا ہے۔[۳]

مذکورہ بالا اقتباس قدرِ مشترک ہے جو ان میں پایا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشاہدہ جو بحالتِ خواب یا بحالتِ کشف ہوا بہر حال تیرہ سو سال سے احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ عالمِ ملکوت سے مختص تصویری زبان میں جو کچھ آپ کو دکھایا گیا آپ نے اُسے بیان فرمایا۔ اب آئیں ذرا اس کا مقابلہ اُس انداز سے کیا جائے جو عیسائی اقوام کے متعلق سورۂ کہف میں وارد شدہ ہے۔ بیشک آپ کو سورۂ کہف کے بیانات اور مذکورہ بالا مکاشفہ کے نظاروں کے درمیان

---

[۱] مسلم باب ذکر الدجال۔ مشکوٰۃ کتاب علامات الساعۃ۔ حجج الکرامہ ص ۳۴۳ مطبوعہ بھوپال۔

[۲] احمد بن حنبل، حاکم وغیرہ کی روایتوں میں اس فیصلہ کے دن کا نام

[۳] یوم الخلاص ہے جس میں لوگوں کو دجّال کے فتنہ سے نجات ملے گی۔ اور یہ وہ وقت ہوگا کہ جب یہودیوں کی مدد سے دجّال مدینہ منورہ پر چڑھائی کرے گا اور احد شوذ زمین میں ڈیرہ لگائے گا۔ اُس وقت تین زلزلے آئیں گے۔ (حجج الکرامہ ص ۴۱۳ و ص ۴۱۴)

کچھ فرق نظر آئے گا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ خواب و کشف میں جو شکل و صورت دیکھی جاتی ہے وہ چونکہ مجاز اور استعارہ کے پیرہن میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے تعبیر طلب ہوتی ہے لیکن وحی الٰہی کی تجلی جو سورہ کہف کے ذریعہ سے ہوئی وہ ایک واضح حقیقت پر مشتمل ہے چنانچہ سورہ کہف کی پہلی آیت میں اس امتیاز کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا ...... الآیہ۔ یعنی سب خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جس نے یہ کتاب اپنے بندہ پر نازل کی اور اس کتاب میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ وہ صحیح صحیح راہنمائی کرنے والی ہے تاکہ شدید خطرہ[1] سے آگاہ کرے اور مومنوں کو بشارت[2] دے اور عیسائیوں کو انجام[3] بد سے ڈرائے۔

تجلیاتِ وحی اور مکاشفات کی ہم آہنگی واقعات کی روشنی میں

ان تینوں باتوں کے متعلق جو سلسلہ کلام سورۂ کہف اور سورۂ مریم میں چلایا گیا ہے وہ نہایت واضح ہے۔ اس میں کسی قسم کا ابہام اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہداتِ مذکورہ بالا اس واضح کلام کی روشنی میں دیکھے جائیں تو ان دونوں کی آپس میں مطابقت واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدات کی مصداق کونسی قوم ہے۔ مثلاً آپ کو دکھایا گیا کہ دجال کی پیشانی پر کفر کا نوشتہ ہو گا جسے ہر مومن خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ پڑھ لے گا۔

سورۂ کہف میں انذار و تبشیر کے تعلق میں عیسائی اقوام کے کفر کی یہ تعیین کی گئی ہے کہ انہوں نے نہ صرف اللہ تعالیٰ کا ایک بیٹا تجویز کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا عباد اللہ کے پرستار بھی ہیں۔ اپنے جیسے انسانوں کو "خداوند خداوند" (My Lord) کہہ کر پکارتے ہیں۔ اور اس سورت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ پہلے توحید پرست عیسائی اپنے عقیدہ توحید کو قائم نہ رکھ سکے اور انہوں نے اپنی عبادتگاہوں میں اپنے بزرگوں کی قبریں بنا کر ان کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ چنانچہ قدسیوں (Saints.) کی پرستش ان کے ہاں قدیم سے اب تک رائج ہے اور بڑے بڑے سربفلک گرجے بکثرت ہر جگہ ان قدسیوں کے نام پر قائم ہیں۔

علاوہ ازیں جو خارق عادت قدرت ان عیسائی قوموں کو آج حاصل ہے اس سے فریب کھا کر یہ قومیں اب یہ بھی سمجھنے لگی ہیں کہ خدا تعالیٰ کوئی نہیں، سلسلۂ پیدائش عالم خود بخود ہے۔ اس کی کنہ دریافت کرنے میں ہر قسم کی موشگافیوں سے کام لیا جا رہا ہے اور یہ خیال عام طور پر ان میں پایا جاتا ہے کہ بغیر خالق کے خلق ممکن ہے۔ ان میں سے اکثر دہریہ ہیں۔ یہ ساری باتیں اس نوشتہ ک۔ ف۔ ر کی شرح ناطق ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کی پیشانی پر لکھا دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال داہنی آنکھ سے کانا دکھایا گیا اور بائیں آنکھ انگور کے دانہ کی طرح ابھری ہوئی اور ستارہ کی مانند روشن دکھائی گئی۔ سورۂ کہف میں عیسائی قوم کے دنیا میں استغراق اور دین سے غایت درجہ محرومی کا ذکر بغیر کسی قسم کے استعارہ یا مجاز کے کھلے کھلے الفاظ میں کیا گیا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ یعنی کیا ہم

تمہیں بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھاٹا پانیوالے ہیں۔ وہی جن کی ساری کوشش دُنیا کی ہی زندگی میں کھوئی گئی ہے اور انہیں گھمنڈ ہے کہ انہوں نے صنعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اسی طرح اس قوم کے روحانی اندھاپن کے متعلق فرماتا ہے۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔ ایسے لوگوں کا ساتھ نہ دینا جن کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ ہوائے نفس کے پیرو ہیں اور اُن کی بات حد سے نکل چکی ہے۔ اور فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ۔ اُن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں ہیں۔ اِن آیات میں بتایا گیا ہے کہ عیسائی قومیں دین سے کلیۃً محروم اور دُنیا میں منہمک اور صناعت میں اول درجہ کی ماہر ہوں گی۔ ان کی یہی حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ ملکوت میں مطموس العین الیمنی کی شکل میں دکھائی گئی۔ یعنی اس کی دائیں آنکھ بیٹھی ہوئی اور بچکی ہوئی بے نور ہے اور بائیں آنکھ عنبہ طافیۃ کا تھا کوکبٌ دُرّیٌ کی شکل میں دکھائی گئی کہ دانہ انگوری کی طرح شفاف اُبھری ہوئی ہے گویا کہ وہ ایک روشن ستارہ ہے۔ آپؐ نے اسے سفید گدھے پر سوار دیکھا جو سرعتِ رفتار میں ایسا تیز ہے کہ ابھی مشرق میں ہے تو پل بھر میں مغرب میں پہنچ گیا۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ وہ اس سواری کے ذریعہ تمام اطرافِ عالم میں چکر لگائے گا۔ سوائے مکہ اور مدینہ کے ہر بستی کو تاخت و تاراج کرے گا اور ہر جگہ فتنہ و فساد برپا کریگا۔

سورۂ کہف میں عیسائیوں کی ابتدائی تاریخ بیان کرتے ہوئے پہلے بتایا گیا ہے کہ وہ شروع میں اعلیٰ درجہ کے موحد تھے، توحید کی خاطر انہوں نے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا، اپنی مشرک قوم کے ظلموں کا تختۂ مشق بنے، یہاں تک کہ وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ سوائے غاروں کے انہیں کوئی کہیں پناہ نہ ملی جہاں انہیں لمبا عرصہ گزارنا پڑا۔ یہ غاریں شمالی علاقوں میں واقع ہیں۔ ان کی تاریخ کا یہ حصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ یعنی انہیں آئندہ دائیں اور بائیں یعنی مشرق و مغرب میں پھرائیں گے۔ اور بوقتِ ہجرت اُن سے یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ فَأْوٗا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَكُمْ مِّرْفَقًا۔ جاؤ پناہ لو غار میں۔ تمہارا رب تمہیں اپنی رحمت سے پھیلائے گا اور تمہارے لئے آسائش کا سامان مہیا کرے گا۔ چنانچہ غاروں کی زندگی سے نکل کر وہ تمام دُنیا میں پھیل گئے۔ اور سورۂ کہف میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب عیسائیوں کو آزادی حاصل ہوئی اور وہ غاروالی زندگی سے نکلے تو شروع میں قلتِ خوراک کا انہیں احساس پیدا ہوا اور باہمی مشورہ کے بعد قرار پایا کہ اپنے میں سے کسی کو باہر بھیجا جائے جو عمدہ اناج شہر سے لے آئے۔ یورپ کے شمالی حصوں میں بسنے والی عیسائی قوموں کی تاریخ کا یہ حصہ نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ اس کے متعلق ضخیم کتابیں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ شروع میں خوراک کی قلت پا کر انہیں باہر سے سامانِ خوراک لانے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ تجارت کی غرض سے وہ باہر نکلیں اور یہی راز ہے ان عیسائی قوموں کی مادی ترقی کا۔ درحقیقت اب کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ایشیا کے ممالک میں بھی وہ تاجرانہ حیثیت سے داخل ہوئے اور امریکہ میں بھی

جب وہ گئے تو ابتداء میں گو ان کے وہاں جانے کا باعث مذہبی اختلافات ہوئے مگر بعد میں امریکہ کی استعمار اور وہاں سے سامانِ خوراک وغیرہ لانے کی غرض سے تجارتی کمپنیاں قائم ہوئیں۔ ممالک یورپ کی شمالی اقوام ——— خواہ انہوں نے ایشیا اور افریقہ کے براعظموں کا قصد کیا خواہ امریکہ کی نئی دُنیا کا، تاجرانہ اغراض سے نکلیں اور آہستہ آہستہ انہوں نے صنعت کاری کی طرف بھی توجہ کی۔ یہ عیسائی اقوام بیرونی دُنیا کا خام مال خرید کر صنعت کاری کی چیزیں اسکو مہیا کرتے ہوئے دولت مند سے دولت مند ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ یورپ و امریکہ کی کایا ہی پلٹ گئی اور یہ قومیں سب دُنیا پر چھا گئیں اور اب ہمارے زمانہ میں ان قوموں کے درمیان جو خطرناک کشمکش قائم ہے اس کے پیچھے بھی یہی تجارتی رقابت کار فرما ہے۔ عیسائی قوموں کی تاریخ کا یہ حصہ جو نہایت ہی دلچسپ ہے پڑھ کر حیرت آتی ہے کہ نقلّبھم ذات الیمین و ذات الشمال۔ و یحسنون صُنعاً کا فرمودہ کس وضاحت سے ان قوموں کے حق میں صادق آیا۔ اطرافِ عالم میں ان کے پھیلنے اور ان کی خارق عادت ترقی کا بڑا باعث ان کی تجارت اور ان کی صنعت کاری اور ایجاد کردہ وسائلِ نقل و حرکت ہی ہیں۔ ان وسائل میں سے سب سے پہلی ایجاد ریل کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا کہ دجال سفید گدھے پر سوار ہے جو بہت تیز رفتار ہے۔ اس کے دو کانوں کے درمیان ۷۰ گز کا فاصلہ ہے، یہ بات بھی ریل پر صادق آتی ہے کیونکہ انجن ڈرائیور اور گارڈ کے ڈبوں کے درمیان جو انتظامِ مواصلات اور پیغام رسانی کا ایجاد کیا گیا ہے وہ کانوں ہی کا قائم مقام ہے۔ (باقی پھر)

اے سیدالوریٰ مددے وقتِ نصرت است

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی فارسی نظم میں سے

دردا کہ حسنِ صورتِ فرقاں عیاں نماند
آں خود عیاں مگر اثرِ عارفاں نماند
مردم طلب کنند کہ اعجازِ آں کجاست
صد درد و صد دریغ کہ اعجاز داں نماند
کوریم و از کمالِ تغافل بچشمِ ما،
آں رُوئے خوب و گیسوئے عنبر فشاں نماند
بینم کہ ہر یکے بہ غمِ نفس مبتلاست
کس را غمِ اشاعتِ فرقاں بجاں نماند
یوسف شنیدہ ام کہ شدش کارواں معیں
ایں یوسفے کہ ہیچ کشش کارواں نماند
جانم کباب شد ز غمِ ایں کتابِ پاک
چنداں بسوختم کہ خود امیدِ جاں نماند
دوش اندکے مرا بخیالے شکیب بود
امشب مپرس حال کہ تاب و تواں نماند
اے سیدالوریٰ مددے وقتِ نصرت است
در بوستاں سرائے تو کس باغباں نماند
صد بار رقص ہا کنم از خرمی اگر
بینم کہ حسن دلکش فرقاں نہاں نماند
در رنج و درد مے گذرانیم روزگار
یارب ترحمیکہ دگر مہرباں نماند

کیا قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ موجود ہیں؟

مشرقی پاکستان کے ایک مکتوب کے سوالات کا علمی جواب

{ الفرقان کے اُمّ الالسنہ والے مضامین پڑھ کر کھلنا (مشرقی بنگال) سے ایک علم دوست صاحب نے ایک خط لکھا ہے ذیل میں اصل خط اور اُس کا جواب از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ شائع کیا جاتا ہے:- }

خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الفرقان نے جس کامیابی کے ساتھ عربی کو سب زبانوں کی ماں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ مبارکباد کے قابل ہے۔ مجھے خود ان مضامین کے پڑھنے کا موقع ملا واقعی بڑی محنت کے ساتھ مواد اکٹھا کر کے ہر طرح سے مضامین کو مکمل بنانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن پھر بھی بعض ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جو ٹھوس دلائل کے باوجود حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور ایسے مضامین جو تمام مسلمانوں کے لئے مشترکہ ہوں کی مخالفت اگر کسی مسلمان کی قلم سے ہی ہو تو پھر افسوس کا مقام ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شبلی نعمانی صاحب اپنی کتاب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حصہ اول طبع پنجم میں صفحہ ۱۱۷ پر لکھتے ہیں:-

"عربی زبان نہایت وسیع ہے۔ باوجود اسکے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے اُن کے لئے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے بلکہ ایران یا روم سے مستعار آتے ہیں۔ سکہ کے لئے ایک لفظ بھی موجود نہیں۔ درہم اور دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ درخم ہے اور دینار وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ڈرام ہو گیا ہے۔ چراغ معمولی چیز ہے تاہم اس کے لئے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا چراغ کو لیکر سراج کر لیا۔ پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا مصباح یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنالی جاتی ہے۔ کوزہ کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ کوزہ کو کوز کر لیا ہے۔ لوٹے کو ابریق کہتے ہیں جو آب ریز کا معرب ہے۔ تشت فارسی لفظ تھا اس کو عربی میں طست کر لیا ہے۔ پیالہ کو کاس کہتے ہیں وہی کاسہ فارسی لفظ ہے۔ کُرتی کو عربی میں قرطق کہتے ہیں یہ بھی فارسی ہے پائجامہ کو سروال کہتے ہیں جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے لفظ نہ تھے تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لئے کہاں سے لفظ آتے......"

اب آپ ہی بتائیے کہ ان کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ برائے مہربانی جلد از جلد جواب دینے کی کوشش کریں۔"

(عبدالرحمٰن - کھلنا - مشرقی پاکستان)

الجواب (۱):- دراصل اگر میرے مضامین کو غور سے پڑھا جاتا

تو اِن سوالات کا جواب ان میں موجود تھا۔ مَیں لکھ چکا ہوں کہ سوائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ عربی سے تمام زبانیں نکلی ہیں۔ خواہ وہ علماء متقدمین ہوں یا متاخرین۔ خواہ وہ شبلی ہوں یا سیّد سلیمان ندوی۔ اِسی وجہ سے ندوی صاحب نے عربی کی وسعت کا سبب عربوں کی تجارت اور سیاحت کو لکھا ہے شبلی صاحب بھی اِسی مغالطہ میں ہیں۔ اِس بارے میں ملاحظہ ہو:۔ قسطِ اوّل صفحہ ۱۹ و قسطِ دوم صفحہ ۳۴ ب کالم ۲ جہاں مَیں نے لکھا ہے کہ عربی میں بعض دخیل الفاظ غیر زبانوں کے ہیں جو واپس عربی میں لوٹائے جا سکتے ہیں اور اس قسم کے دخیل الفاظ سے کوئی زبان خالی نہیں ہو سکتی۔ (قسط ہفتم صفحہ ۳۲) نیز قسطِ چہارم صفحہ ۳۲ ملاحظہ فرمائیں جہاں مَیں نے ندوی صاحب کی غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اِن علماء کو اُمّ الالسنہ کے نظریہ سے کچھ واسطہ نہیں ہے اسلئے اِس قسم کی غلطیاں ان سے ہونا محلِ تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔

(۲) اب مَیں شبلی صاحب کے الفاظ کو لیتا ہوں۔ (۱) ابریق بے شک آب ریز کا معرب ہے اور عربی میں دخیل ہے اور اس کی بنیاد ہے آب اور ریختن۔ عربی میں (عَبَّ۔ پانی پینا) کو کہتے ہیں۔ گویا فعل سے اسم بنایا گیا ہے اور عبّ کے معنے (پانی چڑھنا) جو

ریختن = RK = اراق (پانی گرانا)

پس ریختن میں "تن" علامتِ مصدری اراق پر لگائی گئی ہے۔

(۲) یہ بات کہ مصباح چراغ کے لئے بنایا گیا ہے ایک خوبی ہے نہ کہ نقص۔ مصدر صبح سے اسم آلہ مصباح ہے جو اپنی وجہ تسمیہ بیان کرتا ہے کیونکہ صبح کے معنے روشن ہونا ہیں لیکن اسکے یہ معنے نہیں کہ چراغ کیلئے عربی زبان میں کوئی اور لفظ نہیں ہے۔ درجنوں لفظ چراغ کے لئے عربی میں موجود ہیں۔

(۳) اِس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ سراج چراغ سے لیا گیا ہے۔ بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ چراغ سِراج کا مفرس ہے۔ س کا تبادلہ چ میں عام بات ہے۔ اُسرج کے معنے چراغ روشن کرنا ہیں۔ اور سرِج کے معنے خوبصورت چہرہ والا ہونا ہیں۔ گویا سراج اپنی وجہ تسمیہ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور اس کا مصدر بھی عربی میں موجود ہے۔ لفظ چراغ کی کوئی وجہ تسمیہ یا مصدر فارسی میں نہیں ہے اور یہ حجتِ قاطعہ ہے اِس امر پر کہ چراغ جو ایک مہمل لفظ ہے عربی کی طرف لوٹ کر وجہ تسمیہ بیان کرتا ہے۔ پس یہ شبلی صاحب کی غلطی ہے کہ سراج کو چراغ سے مستعار ظاہر کیا۔

(۴) درخم یونانی لفظ ہے لیکن یہ درھم سے بنایا گیا ہے یہ قاعدہ ہے کہ ھاء ہوز کا بدل ہوتی ہے۔ پس درہم کو یونانیوں نے درخم کر لیا ہے۔ چنانچہ درھم (مالدار ہونا)۔

(۵) طشت = ت۔ ش۔ ت میں دوسری ت حرف مکرر ہے۔ اور دراصل عربی لفظ طَسْ پیلچی کو کہتے ہیں۔ فارسیوں نے طس کو طشت کر لیا۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ چلچی تھالی کیسے بن گئی۔ کیونکہ خاص مفہوم کو عام کر لینا لغت کا قاعدہ ہے۔

(۶) کاس صاف عربی لفظ ہے نہ کہ فارسی (دیکھو المنجد) یہ دھاندلی ہے کہ اسے فارسی کہا جائے۔ وَيَشْرَبُوْنَ بِهِنَّ

کأساً کان مزاجھا زنجبیلا۔

(۷) قرطق اور سروال معرب ہو سکتے ہیں۔ بظاہر یہ دونو لفظ مرکب معلوم ہوتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ کس بناء پر انکا یہ نام رکھا گیا ہے۔ اگر وہ بنیاد مل جائے تو ہم انہیں حل کر دیں گے۔

جاننا چاہیئے کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہم ہر لفظ کو حل کر سکتے ہیں کیونکہ بعض لفظوں کی ہمیں بناء معلوم نہیں اور بعض اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ ان کا عربی ماخذ ناپید ہو گیا ہے علاوہ ازیں تمدنی الفاظ میں مختلف جہات سے ارتقاء ہوا کرتا ہے۔ مثلاً Cordinal کے معنے دروازے کی چیتھی کے ہیں محاورہ میں اسکے معنے اہم ہیں۔ جب پادریوں کی حکومت تھی تو اہمیت کے لحاظ سے پادریوں کو Cordinal کہنے لگے۔ اور اُس زمانے میں پادری سُرخ لباس پہنا کرتے تھے لہذا Cordinal کے معنے سُرخ ہو گئے۔ اب یہ ارتقاء دیکھو کہ چیتھی = اہم = پادری = سرخ۔ ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے الفاظ کو عربی کی طرف لوٹانا ضروری نہیں۔ یہی حال قرطق اور سروال کا ہے۔

(۸) یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ شبلی صاحب کا یہ اعتراض کہ تمدنی الفاظ عربی میں نہ تھے غلط ہے۔ دراصل تمدنی الفاظ انسانی ارتقاء کے سلسلہ میں عربی الفاظ پر ہی مبنی کئے گئے کیونکہ تمدن انسانی پیدائش کے آغاز سے بہت بعد کی بات ہے۔ حسب ضرورت انسان نے تمدنی الفاظ ایجاد کئے لیکن وہ الفاظ تھے عربی ہی[2]۔ ہم نہیں کہتے کہ زبان کے اندر ارتقاء نہیں ہوئی۔ ارتقاء ہوئی ہے۔ لیکن بناء ان کی عربی ہی تھی[1]۔ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو ابتدائی انسان کی ضروریات کو ادا کرنے والے تھے۔ مثلاً انگریزی میں Sun سورج کو کہتے ہیں لیکن یہ عربی لفظ ہے سنا (بمعنی روشن)۔ جو انگریزی میں Shine بھی بولا جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ Sun کی وجہ تسمیہ عربی نے بیان کی۔ اسی طرح پنجابی میں چاند کو چن کہتے ہیں اور یہاں بھی چ س کا بدل ہے بنیاد وہی سنا بمعنی روشن ہے۔ پنجابی میں تو چن بولا جاتا ہے لیکن اسے اشباع دیکر اور دال کے اضافے سے ہندی میں چاند کہا گیا اور چندرما چاند کا مزید علیہ ہے۔ چنانچہ ارض القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ پر عبارت ذیل ملاحظہ فرمائیں:-

"شہر "اُور" اور شہر "حران" کے معبود کا نام سِن بمعنے چاند تھا۔ یہی لفظ سِن۔ چن۔ چاند اور چندرما بنا۔ لفظ سنا بمعنے روشنی کا اطلاق ایک قوم نے چاند پر کیا اور دوسری قوم نے سورج پر اسکو چسپاں کیا اور وجہ تسمیہ عربی نے بیان کی جو انگریزی یا سنسکرت میں نادارد ہے۔"

الفرقان میں آئندہ جو مضامین آرہے ہیں اُن سے پوری تسلی ایسے اعتراضات کے بارہ میں انشاءاللہ ہو جائیگی۔ بات یہ ہے کہ شبلی صاحب ہوں یا کوئی اَور ام الالسنہ نظریہ کا پاس نہیں پھٹکا اور ابھی دیگر یورپ کی تحقیق کے گرویدہ ہو کر ان علماءِ متاخرین نے بھی وہی غلطیاں کیں جو انکے پیشرو یورپیوں نے کیں۔ میں نے یہ مختصر جواب لکھ دیا ہے آئندہ مضامین میں وضاحت ہوتی جائیگی۔ انشاءاللہ۔ (خاکسار محمد احمد مظہر از لائلپور)

[1] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وفوق کل ذی علم علیم ـــــ (ابو العطاء)

[2] ابریق کی تحقیق بھی اس بات کیلئے ایک دلیل ہے۔ عربی میں (جو تمدن سے پہلے کی زبان ہے) عَبّ (پانی پینا) اور اَراق (پانی گرانا) موجود تھے۔ جوں جوں تمدن نے ارتقاء کیا تو لوگوں نے انہی دو مادوں سے ملا کر ایک نئی تمدنی چیز (لوٹا) کا نام رکھ لیا۔ جس میں اراق کی خاصیت تا حال موجود ہے۔ جو ثابت کر رہی ہے کہ دراصل اس کی ابتداء عربی ہی سے ہے۔

ایک دلچسپ علمی مکالمہ
(ابن رشد کے قلم سے)

جماعت احمدیہ قرآن مجید کو کس شان سے مانتی ہے؟

احمدیوں کے قرآن کریم پر ایمان لانے کے دس امتیازات

مَیں کراچی سے چناب ایکسپریس میں سوار ہونے کیلئے اسٹیشن پر آیا۔ کمرہ میں داخل ہوتے ہی ایک سفید ریش معمر انسان کے پاس خالی جگہ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی سٹیشن سے چلی ہی تھی کہ ایک ٹکٹ چیک کرنیوالا افسر اندر آگیا۔ اس نے ٹکٹ چیک کرنے شروع کر دیئے۔ میرا ٹکٹ دیکھ کر کہنے لگا "اچھا آپ ربوہ جائیں گے؟" مَیں نے کہا جی ہاں! وہ تو خاموش ہو گیا اور ٹکٹ چیک کرنے کے بعد دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔ لیکن ربوہ کا نام سُن کر میرے کئی ہم سفر مجھے گھُور کر دیکھنے لگے۔ آخر اس معمر ساتھی نے دریافت کیا۔ کیا آپ احمدی ہیں؟" مَیں نے کہا جی ہاں! وہ کہنے لگے "آجکل ملک میں احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تحریک بڑے زور شور سے جاری ہے آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟" مَیں نے جواب دیا کہ "مَیں اس تحریک کو نادرست اور غلط سمجھتا ہوں، اس کی کوئی صحیح بنیاد نہیں" میرے اس جواب سے میرے ارد گرد بیٹھے ہوئے مسافر چوکنے ہو کر ہماری گفتگو سُننے لگ گئے۔ اگلا حصّہ گفتگو بہت دلچسپ ہے اسے مَیں ذیل میں "وہ" اور "مَیں" کے عنوان سے درج کرتا ہوں:۔

وہ:۔ یہ تحریک کیونکر غلط ہو سکتی ہے، بڑے بڑے علماء اس میں شامل ہیں۔

مَیں:۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ خدا کے راستباز بندوں کی مخالفت میں ہر زمانہ کے علماء پیش پیش رہے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دوسرے ہزاروں صلحاء ان علماء کے ہاتھوں ہمیشہ دُکھ اُٹھاتے رہے ہیں۔

وہ:۔ وہ زمانہ اور تھا اور وہ بزرگ تو نیک تھے احمدیوں کو ان پر قیاس کرنا غلط ہے۔

مَیں:۔ اَور پہلو سے قدرے فرق ہو تو ممکن ہے لیکن مظلومیت میں تو ہم پہلے بزرگوں کے ساتھ بالکل شریک ہیں۔ وہ بھی قرآن مجید کو مانتے تھے ہم بھی قرآن مجید کو مانتے ہیں۔ وہ بھی قرآن مجید کی خاطر ستائے گئے اور ہمیں بھی قرآن مجید کی خاطر دُکھ دیا جا رہا ہے۔

وہ:۔ آپ تو عجیب بات کہہ رہے ہیں۔ کیا احمدی قرآن مجید کو مانتے ہیں؟ ہمیں تو بتایا گیا ہے کہ احمدیوں نے نیا قرآن بنا رکھا ہے۔

مَیں:۔ یہ بیان سراسر غلط ہے (یہ کہتے ہوئے میں نے اپنے بیگ سے قرآن مجید نکالا اور اپنے ساتھی کے ہاتھ میں دیدیا اور کہا یہ ہمارا قرآن شریف ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے)

وہ:۔ (قرآن شریف کی ورق گردانی کرنیکے بعد) کیا سچ مچ آپ لوگوں پر یہ جھوٹا الزام ہے کہ آپ قرآن کے منکر ہیں؟

مَیں:۔ یقیناً یہ جھوٹا الزام ہے۔ خدا شاہد ہے کہ ہم قرآن مجید کو خدا تعالیٰ کا کامل کلام اور اس کی آخری شریعت مانتے ہیں

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جس طرح ہم لوگ قرآن شریف پر ایمان لاتے ہیں ویسا ایمان آجکل کے دوسرے لوگ نہیں لاتے۔

وہ:۔ مہربانی کر کے اتنی ذرا وضاحت کیجئے کہ ہم لوگوں کے اور آپ لوگوں کے قرآن پر ایمان لانے میں کیا فرق ہے؟

میں:۔ لیجئے سُنیئے!۔ اوّل جماعت احمدیہ قرآن مجید میں سے کسی آیت کے منسوخ ہونے کی قائل نہیں ہے۔ احمدیوں کے عقیدہ کی رُو سے سورۃ فاتحہ سے لیکر سورۃ والناس تک ہر لفظ اور ہر حکم قائم رہے گا۔ باقی تمام فرقے کسی نہ کسی رنگ میں قرآن مجید میں منسوخ آیات مانتے ہیں۔ دوم جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن مجید کی آیات اور اسکے الفاظ میں ترتیب موجود ہے۔ وہ غیر مرتب اور غیر منظم کلمات کا مجموعہ نہیں۔ اسکی ہر آیت دوسری آیت کے ساتھ اسی طرح جڑی ہوئی ہے جس طرح ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہوتے ہیں۔ سوم۔ ہمارے نزدیک قرآن مجید کی آیات اور اسکے الفاظ میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔ جو لفظ اللہ تعالیٰ نے جہاں رکھا ہے وہ اسی جگہ کے لئے موزون ہے۔ چہارم۔ ہمارے نزدیک قرآن مجید کے علوم نہ ختم ہونیوالا خزانہ ہے اور اس کے معارف کی کوئی حد نہیں۔ چونکہ قرآن مجید کامل شریعت ہے اسلئے انسانوں کی ہر ضرورت کا علاج اس میں موجود ہے۔ بنا بریں ہم لوگ پہلے مفسرین کی پوری عزت کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی نئی صحیح تفسیر کے بھی قائل ہیں اور یہ امر ہمارے نزدیک قرآن مجید کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔ پنجم۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن مجید میں بیان شدہ واقعات انبیاء نیز ان کے مکذبین کے حالات محض پرانے قصے نہیں جو عبرت کیلئے ذکر کئے ہوں

بلکہ ان میں عظیم الشان پیشگوئیاں بھی ہیں جو اپنے اپنے وقت پر پوری ہو کر قرآن کریم کی صداقت پر مہر کر دیتی ہیں۔ ششم۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن مجید سارے دین کی بنیاد ہے اور باقی تمام چیزیں حتّٰے کہ احادیث نبویہ بھی اس کے تابع ہیں۔ کوئی قول یا حدیث جو قرآن کے مخالف ہو ہمارے نزدیک حُجت نہیں۔ ہم دین کے معاملہ میں قرآن مجید کو مرکزی اور بنیادی چیز یقین کرتے ہیں۔ ہفتم۔ ہمارے عقیدہ کی رُو سے قرآن مجید کی زبان تمام دنیا کی زبانوں کی ماں ہے۔ ہم عربی زبان کو اُمّ الالسنہ مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اسی لئے قرآن مجید کو جو اُمّ الکتب ہے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ گویا جس طرح قرآن مجید تمام آسمانی صحیفوں کا جامع اور سرچشمہ ہے اسی طرح عربی زبان تمام زبانوں کی ماں اور سرچشمہ ہے۔ ہشتم ہمارے عقیدہ کی رُو سے قرآن مجید خالص عربی زبان میں ہے اس میں کوئی لفظ غیر عربی نہیں ہے۔ ہم اس عقیدہ میں بھی عام مفسرین سے منفرد ہیں۔ نہم۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن مجید کی تفسیر میں ان قصوں کا داخل کرنا جو انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے منافی ہیں یا ان سے ملائکہ کی ذات پر کوئی زد پڑتی ہے۔ سراسر غلط طریق ہے۔ ہم لوگ ایسی تفسیروں کے قائل نہیں ہیں اور ہمارے نزدیک قرآن کی کسی آیت کی بہتر تفسیر وہ ہے جو دوسری آیات سے ثابت ہو یا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت اور عربی لغت کی تائید حاصل ہو۔ ہمارے نزدیک علماء کی غلط تفسیروں نے

اُمت میں شدید تفرقہ پیدا کر دیا ہے۔ دہم۔ ہم قرآن مجید کو زندہ کتاب الٰہی تسلیم کرتے ہیں اور وہ ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف سے محفوظ ہے اور ایک زندہ پھلدار درخت کی طرح ہر زمانے میں اپنا تازہ پھل دیتا ہے۔ یہ وہ دس پہلو ہیں جن کی رُو سے ہمارے اور دوسرے علماء کے قرآن مجید کے ایمان لانے میں فرق سمجھا جا سکتا ہے۔ ان دس شقوں میں وہ ہم سے مختلف ہیں پس یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ درحقیقت قرآن مجید پر ہم ہی صحیح طور پر ایمان لانے والے ہیں۔

وہ:۔ آپ نے لمبی تقریر کی ہے مگر مجھے شبہ ہے کہ ہمارے علماء کے متعلق اس تقریر میں آپ نے جو کہا ہے وہ درست ہو۔ کیا علماء سچ مچ قرآن میں منسوخ آیتیں مانتے ہیں؟

میں:۔ جی ہاں! علماء کے نزدیک پانسو آیتوں سے لیکر کم از کم پانچ آیتوں تک منسوخ ہیں۔ آپ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا رسالہ "الفوز الکبیر" اور امام جلال الدین السیوطی کی کتاب "الاتقان" ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ میرے بیان کردہ جملہ امور حرف بحرف درست ہیں۔

وہ:۔ اچھا کیا یہ بھی درست ہے کہ ہمارے علماء قرآن مجید میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں اور اس میں ترتیب نہیں مانتے؟

میں:۔ جی ہاں یہ بھی درست ہے۔ کیا آپ نے علماء سے یہ نہیں سُنا کہ آیت یا عیسٰی اِنّی متوفیک ورافعک الیّ میں رافعک درحقیقت پہلے ہے اور متوفیک پیچھے ہے۔

وہ:۔ آپ کی باتیں تو بہت اچھی ہیں لیکن اگر یہاں پر کوئی ہمارا عالم ہوتا تو آپ کو جواب دے سکتا تھا۔

میں:۔ اس جگہ کوئی مباحثہ تو مقصود نہیں، آپ کے استفسار پر میں نے اپنے قرآن پر ایمان کی کیفیت بیان کی ہے

ایک از حاضرین:۔ (اس عرصہ بزرگ کی خاموشی کو دیکھ کر ایک اور مسافر بول اُٹھے) آپ نے قرآن کی جس عظمت کا ذکر کیا ہے وہ آپ صرف ہماری خاطر ذکر کر رہے ہیں آپ کی جماعت کے بانی نے تو قرآن مجید کی یہ عزت قائم نہیں کی۔

میں:۔ بھائی صاحب! آپ کو غلطی لگی ہے۔ میں نے قرآن مجید کی جس عظمت کا ذکر کیا ہے وہ اس زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے ہی ہمارے دلوں میں قائم کی ہے اور آپ لوگوں کو خوش کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو ایمان کا معاملہ ہے اور ہم میں سے ہر ایک نے مر کر خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔

وہی صاحب:۔ اگر یہ بات درست ہے تو کیا آپ بانی سلسلہ کی کسی کتاب میں سے اس قسم کا مضمون دکھا سکتے ہیں؟

میں:۔ سفر کی حالت میں اور کتابیں تو پاس نہیں صرف "کشتی نوح" موجود ہے۔ اس میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے جماعت کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا ہے:۔

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوع انسان کیلئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور

تمام آدمزادوں کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اسکے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم رتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کیلئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔" (کشتی نوح ص۱۳)

وہ:۔ (جب اس عبارت کو نہایت درد انگیز اور بلند آواز میں پڑھ کر سنایا گیا اور سب حاضرین نے پوری توجہ سے سُنا تو کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پہلے معمر بزرگ بولے) اگر یہ عبارت بانی سلسلہ کی ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ احمدی جماعت قرآن مجید کا پورا احترام کرتی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں کا سردار مانتی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ ہمارے علماء ایسی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے کیوں تحریک چلا رہے ہیں؟

م:۔ (کتاب کشتی نوح پیش کرتے ہوئے) آپ حضرات کتاب حظ فرما سکتے ہیں اور اس بارے میں خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ باقی رہی علماء کی مخالفت اور اُن کی تحریک سو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تمام اہل حق صلحائے اُمت اِن ظاہر پرست علماء کے ہاتھوں ستائے جا چکے ہیں اور آج ہم ستائے جا رہے ہیں۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اُمت کے درد مند لوگ ہماری مظلومیت کی بھی داد ضرور دینگے۔

اِس مرحلہ پر پہنچے تھے کہ روہڑی کا اسٹیشن آگیا اور وہ معمر دوست کوئٹہ جانے کے لئے پنجاب ایکسپریس سے اُتر گئے۔ جاتے ہوئے نہایت اصرار سے کتاب کشتی نوح اپنے ساتھ لے گئے اور وعدہ کیا کہ میں پورے غور سے اِس کتاب کو پڑھوں گا اور احمدیہ تحریک کا مطالعہ کروں گا +

شذرات

دُنیا کی بلند ترین چوٹی سَر کر لی گئی!

ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی "مونٹ ایورسٹ" جو زبانِ حال سے ابتدائے آفرینش سے انسانوں کو چیلنج کرتی رہی ہے گزشتہ ماہ سَر کر لی گئی اور آدم زادوں کے پاؤں تھوڑی دیر کیلئے اس چوٹی پر پہنچ گئے۔ دوسری بلند تر چوٹی "نانگا پربت" بھی ابھی عرصہ میں سَر کی جا چکی ہے۔ انسان کا ان بلند ترین چوٹیوں تک پہنچنا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ یہ اس مسلسل اور پیہم جدوجہد کی انتہاء ہے جو سالہا سال سے ہمت و عزیمت کے پُتلے انسان وفود کی صورت میں کر رہے تھے۔ آخر وہ بلند منزل جسے نسلِ آدم صدیوں تک ناقابلِ تسخیر تصور کرتی تھی انسان کی ہمت سے پا افتادہ ہو گئی۔ یہ کارنامہ انسان کی اولوالعزمی، اسکے آہنی عزم اور اسکی بلند پروازی پر محکم دلیل ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ کائناتِ عالَم انسان کیلئے مسخر ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کے قانون کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انسان بلند سے بلند تر منزل تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ بہت سی باتیں عام حالات میں اَنہونی سمجھی جاتی ہیں لیکن انسان کی حقیقی سعی سے وہ معرضِ وجود میں آ جاتی ہیں۔

پُرانی تاریخ اور آثارِ قدیمہ سے پہاڑوں کی غاروں میں آبادیوں کے دیرینہ نشانات ملتے ہیں۔ انسانوں نے بسا اوقات اپنے ہم جنسوں کے مظالم سے تنگ آ کر پہاڑوں کے دامن میں پناہ لی ہے لیکن بلند چوٹیوں کو بطور مشغلہ او رکارنامہ سَر کرنے کا طریق ہمالیے ہی زمانہ کی قابلِ رشک ایجاد ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ زمانہ کی ایجادات ہوائی جہاز وغیرہ نے انسان کی توجہ کو اِسطرف پھیرا ہے۔ قرآن مجید کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں انسان پہاڑوں کو سیر گاہ بنائیں گے وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ۔ قرآن مجید کی اس پیشگوئی کے مطابق کچھ پہاڑ اُڑائے بھی گئے ہیں اور بہت سے پہاڑی مقامات تفریح گاہوں کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ علم الجبال ایک مستقل علم ہے۔ قرآن مجید نے اس بارہ میں نہایت واضح اور اصولی ہدایات دی ہیں اور پہاڑوں کے وجود کو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اسکے محکم نظام پر شاہدِ ناطق ٹھہرایا ہے۔ اِسوقت ہم اس سارے تفصیلی مضمون کو بیان نہیں کر رہے ہمارا مدعا یہ ہے کہ انسان خدائے حکیم کی اس پُر حکمت کتاب کی طرف بھی توجہ کریں جس نے چودہ صدیاں قبل عرب کے صحرا سے اعلان کیا تھا وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے جب پہاڑوں کو سیر گاہ بنایا جائیگا اور انسان ان بلند چوٹیوں کو سَر کر لینگے۔ کاش کہ مونٹ ایورسٹ کو سَر کرنیوالے مسلمان ہوتے، نانگا پربت کی برف پوش چوٹیوں تک پہنچنے والے اسلام کے علمبردار ہوتے تو وہ ان بلند چوٹیوں پر اقوامِ متحدہ، بھارت، نیپال اور پاکستان وغیرہ ممالک کے جھنڈے گاڑنے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ وہ اس بلند ترین مقام پر پہنچتے وقت آیتِ قرآنی وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ کو باوازِ بلند پڑھتے اور تمام مقامات سے اونچے مقام پر اسلام اور قرآن کا جھنڈا بلند کرتے اور اس زمین کی اعلیٰ ترین سطح پر سے اللہ اکبر کہتے ہوئے خدائے واحد کی سطوت و جبروت کا اعلان کرتے ہم یقین رکھتے ہیں کہ اِس آخری دور میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے نوجوان کسی دن یہ کارنامہ بھی کر دکھائیں گے کیونکہ یہ بھی دُنیوی اولوالعزمی کا ایک نشان ہے اور زندہ قوموں کے نونہال سربلندی میں دوسروں

سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتے۔

اس مناسبت سے قرآن کریم کی یہ آیات خاص توجہ کے قابل ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ (البلد ۱۱-۱۷) کہ انسان جو گھاٹیوں میں گھستا ہے، چوٹیوں کو پھاندتا ہے وہ روحانیت اور اخلاق کی اس بلند اور سراپا منفعت بخش چوٹی کو سَر کرنے کے درپے کیوں نہیں ہوتا جو غلاموں کی آزادی، بندھنوں میں جکڑے ہوؤں کی رہائی اور قرضوں میں مبتلا انسانوں کی مخلصی کا نام ہے، وہ قحط اور بھوک کے دنوں میں یتیموں اور مسکینوں کو کھانا مہیا کرنیکا پر بھی مشتمل ہے، نیز ایمان، صبر اور شفقت علیٰ خلق اللہ کی بلند چوٹی ہے؟ کتنے پیارے یہ الفاظ ہیں اور کس قدر حکیمانہ انداز میں انسان کی روحانی استعدادوں کو ان میں اُبھارا گیا ہے۔ اے کاش مسلمان قرآن حکیم پر تدبر کی عادت ڈالیں ۝

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

حُرمتِ خمر کیوں؟

قرآن مجید نے شراب کو رِجس اور ناپاک ٹھہرایا، اس کا پینا حرام قرار دیا اور یہ اعلان چودہ سو سال پیشتر جزیرۂ عرب میں کیا گیا۔ قرآن مجید نے شراب اور جوئے کو حرام قرار دیتے ہوئے ایک جگہ فرمایا ہے اِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا کہ ان کا نقصان ان کے نفع سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہے۔ غیر مسلم قومیں قرآن مجید کے اس بیان کو "عرب کے ایک بادیہ نشین کا نظریہ" کہتی تھیں مگر آج علم و تحقیق کے دور میں ڈاکٹر رابرٹ بیریمن کے تجربہ پر مشتمل اقتباس ذیل ان کی آنکھیں کھولنے اور قرآن مجید کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے:۔

"بمبئی ۱۰ر جون انسدادِ مے نوشی کے بین الاقوامی ادارہ کے صدر ڈاکٹر رابرٹ بیریمن نے کہا ہے کہ قتل اور ڈاکہ کے جرائم اور انفرادی اور اجتماعی آلام و مصائب کا سب سے بڑا محرک شراب ہے۔ شہوانی جرائم ۵۰ سے ۸۰ فیصدی تک شراب نوشی کا نتیجہ ہوتے ہیں اور دوسرے جرائم کی تہ میں بھی اکثر شراب نوشی کے اثرات شامل ہوتے ہیں۔

شراب سے محصول ٹیکس وغیرہ کی صورت میں سرکاری آمدنی ایک باطل و پُر فریب تصور ہے، بلکہ یہ آمدنی تو عوام کی جیب پر قانونی ڈاکہ زنی کے مترادف ہے۔ امریکہ میں اس سے حصول آمدنی ضرور خزانہ سرکاری میں داخل ہوتی ہے لیکن اس سے ۲۰ گنا خرچ بھی تو مجرموں کی گرفتاری اور جرائم کی روک تھام پر ہو جاتا ہے!" (صدق جدید لکھنؤ)

حضرت مسیح کی صلیبی موت؟

جناب شورش کاشمیری کی کتاب "اس بازار میں" پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مسیحی سب جج جناب اسحاق رحیم بخش صاحب مور الانی اپنے مضمون "غلط مضامین" میں لکھتے ہیں:۔

"اگرچہ آیت قرآنی مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کی تفسیر و تاویل میں خود مسلم علماء متفق الرائے نہیں اور کئی محقق مسیحی ایمان اور مورخین کی تائید کرتے ہیں۔ تاہم میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا آیتِ بالا کسی رومی نشان کا انکار کرتی ہے یا یہودیوں کی اس لاف کی جو وہ ایک واقعہ کی نسبت ہانکتے تھے؟"

(ہفت روزہ عادل لاہور ۱۳ر اپریل ۱۹۵۳ء)

بجناب سب جج صاحب نے آیت قرآنی وما قتلوہ وما صلبوہ کی تفسیر میں مسلمان مفسرین کے متفق الرائے نہ ہونے کا ذکر کیا ہے حالانکہ انہیں خوب معلوم ہے کہ جملہ مسلمان مفسرین اس بات پر بہر حال متفق اور متحد ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر مصلوب نہیں ہوئے اور نہ ہی یہود کے ہاتھوں مقتول ہوئے۔ یہود اپنی کتاب استثناء کے مطابق مسیح کو صلیب پر مار کر لعنتی ثابت کرنا چاہتے تھے۔ مسیحیوں نے انکے اصل دعوی کو تسلیم کر کے کہہ دیا کہ :۔

(الف) "مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔" (گلتیوں ۳/۱۳)

(ب) "اُس نے اپنے بیٹے کو گناہ آلود جسم کی صورت میں اور گناہ کی قربانی کیلئے بھیجکر جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا۔" (رومیوں ۸/۳)

گویا یہودی اور عیسائی حضرت مسیح کی صلیبی موت پر متفق ہو گئے قرآن مجید نے ان کے دعوی کو رد فرمایا۔ اس نے اعلان فرمایا کہ مسیح مصلوب و مقتول ہوئے اور نہ ہی وہ لعنتی بنے، وہ تو صلیبی موت سے بچائے گئے اور انہیں بارگاہِ ایزدی میں رفع حاصل ہوا مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ گویا صلیبی عقیدہ جو انسانیت کی گمراہی کا موجب ہوا تھا قرآن مجید نے نسلِ آدم کو اس سے نجات بخشی ہے اور آیت ما قتلوہ وما صلبوہ نے یہود کی لاف زنی اور نصاریٰ کی بے راہروی کا ہر دو کی تردید فرمائی ہے مسلمان مفسرین حضرت مسیح کے صلیبی موت سے بچنے کے طریق میں اختلاف رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے مصلوب و مقتول نہ ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے۔

انجیل کو نیا عہد کہنا دوسری صدی کی ایجاد ہے!

یہی مسیحی سب جج صاحب اسی مضمون میں لکھتے ہیں :۔

"اہل اسرائیل نے اپنی مقدس کتاب کو جسے ہم مسیحی عہد عتیق کے نام سے موسوم کرتے ہیں تین حصص میں منقسم کیا تھا:۔

توراۃ یا تو ریتا۔ یہ حضرت موسیٰ کی پانچ کتب پر مشتمل ہے۔

نبیئیم۔ اس میں صحائف یشوع۔ قضاۃ۔ سموئیل۔ سلاطین یسعیاہ۔ یرمیاہ۔ حزقی ایل اور بارہ دیگر انبیائے اصغر شامل ہیں۔

کیتھوبیم۔ اس میں حضرت داؤد کے زبور امثال سلیمان ایوب۔ روت۔ غزلات سلیمان۔ نوحہ واعظ آستر حضرت دانیال۔ عزراہ۔ نحمیاہ اور تواریخ شامل ہیں۔

"پرانا عہد" اور "نیا عہد" کا استعمال تو مسیحی علماء نے دوسری صدی کے آخری دور میں کیا تھا۔"

اس اقتباس سے ثابت ہے کہ اناجیل کا نام "نیا عہد" یا "عہد نامہ جدید" رکھنا بعد کی ایجاد ہے۔ ہوشیار مسیحی علماء نے دیکھا کہ تورات و کتب انبیاء میں ایک نئے عہد کی پیشگوئی ہے، ایک نئے گیت کے گائے جانے کا بیان ہے، ایک نئی شریعت کے ظہور کی خبر ہے انہوں نے جھٹ موجودہ اناجیل کو "نیا عہد" کہنا شروع کر دیا حالانکہ حضرت مسیح نے ایسا نہ کہا تھا۔ اس سے مسیحی علماء کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کی نظر آنے والی شریعت اور آنے والے عہد جدید سے ہٹ جائے اور وہ کسی موعود نئے گیت کے منتظر نہ رہیں صحف سابقہ کی علامات کے رُو سے قرآن مجید ہی وہ نیا عہد نامہ ہے جس کا وعدہ حضرت موسیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی معرفت دیا گیا تھا۔ ہم اس موضوع پر الفرقان (سالانہ نمبر بابت ماہ نومبر دسمبر ۱۹۵۱ء) میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ مسیحی سب جج صاحب کے الفاظ سے ہمارے

بیان کی تائید ہوتی ہے۔

تورات اور مسیحی کلیسا کا الوہیتِ مسیح متعلق غلط عقیدہ

مسیحی سب جج الحاق رحیم بخش صاحب لکھتے ہیں کہ "مسیحی کلیسا یہودیت کا تسلسل ہے حضرت موسیٰ کی معرفت دیئے گئے دس احکام ہماری عبادات کا جزو ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ تیرے لئے میرے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔" اس عبارت کے لکھنے والے کے متعلق یہ وہم نہیں ہو سکتا کہ وہ مسیح یا کسی اور کو بھی خدا یا خدا کا بیٹا کہیگا مگر مسیحیوں کے عقیدہ کی پیچیدگی کا یہ عالم ہے کہ اسی مذکورہ عبارت کا راقم اس کے معاً بعد لکھتا ہے کہ:۔

"ربنا المسیح کی عجیب و غریب شخصیت نے ہر انسان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا حضور کا ظہور طبعی اصول کے خلاف عمل میں آیا۔ آپ (شورش کاشمیری) کے ایمان کے مطابق انہوں نے مہد میں کلام کیا اور خاک سے چرند و پرند بنائے بخلاف معمول ہر انسان و مرد ہر ذی روح مس شیطان سے محفوظ رہے (مشارق الانوار حدیث ۱۹۲۹) آیۃ للعالمین ہوئے (انبیاء ۹۱) غیب دان تھے (سورہ آل عمران ۴۳) حالانکہ غیب کا علم جاننا صرف اللہ کی شان ہے (سورہ جن آیت ۲۶) ہمارے اور آپ کے ایمان کے مطابق مادر زاد اندھوں نے بینائی پائی۔ مُردے زندہ ہوئے کوڑھی پاک صاف ہوئے مائدہ نازل ہوئی۔ دیگر انبیاء بشر کی مانند ایک کلمہ استغفار کا انکے لب پاک سے نہ نکلا"

مسیحی سب جج صاحب نے عام مسلمانوں کے بعض عقائد سے حضرت مسیح کی الوہیت پر استدلال کیا ہے جو از روئے حقیقت سراسر غلط ہے۔

سب سے پہلے تو یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ ان امور اور خیالات کا نتیجہ اگر الوہیت مسیح کا اثبات ہے تو قرآن مجید نے انکے ذکر کے باوجود "ربنا المسیح" کہنے والوں کو غلط کار بلکہ کفر کرنے والے کیوں قرار دیا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ مسیحی صاحبان جس رنگ میں ان بیانات کو سمجھتے ہیں وہ غلط ہے اور ان سے ان کا الوہیت مسیح کا نتیجہ نکالنا غلط ہے

دوسرے مذکورہ امور اپنی صحیح تشریح کے ساتھ حضرت مسیح کو الوہیت کے مقام پر ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ مسیح کی بن باپ پیدائش اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نشان تو ہے مگر اس سے مسیح کا خدا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ قرآن مجید نے حضرت آدم کو بے باپ اور بے ماں قرار دیا ہے۔ پولوس نے ملک صدق شالیم کے متعلق لکھا ہے:۔

"یہ بے باپ بے ماں بے نسبنامہ ہے نہ اسکی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا۔" (عبرانیوں ۷)

حضرت مسیح کے مہد میں کلام کرنے سے بھی انکی الوہیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اوّل تو اسکے معنے نبیوں کی طرح معجزانہ کلام کرنیکے ہیں لیکن بالفرض اس کا مفہوم گود میں کلام کرنا بھی ہو تب بھی مسیح اس میں منفرد ہیں اور نہ ہی یہ دلیل الوہیت ہے۔ "خاک سے چرند و پرند بنانے" کی بھی ایک ہی کہی۔ قرآن مجید میں مسیح کے روحانی پرندے بنانے کا ذکر ہے جو فضائے روحانیت میں پرواز کرتے تھے لیکن اگر بعض مفسرین کے قول کے مطابق اس سے ذرا سی دیر اُڑنے والے پرندے بھی مراد لے لئے جائیں تب بھی حیرت ہے کہ جناب سب جج صاحب نے "چرند" کہاں سے نکال لئے؟ قرآن مجید نے سورۃ انبیاء کی آیت لا یسبقونه بالقول وهم بامره یعملون میں سب نبیوں کو معصوم قرار دیا ہے۔ عصمت انبیاء کا خاصہ ہے۔ مسیح پر یہود کا شدید الزام تھا کہ اسے مس شیطان ہوا ہے اور وہ شیطان کی مدد سے معجزے دکھاتا ہے (لوقا ۱۱/۱۵) اسلئے بطور بریت اسلامی لٹریچر میں مسیح کو مس شیطان سے پاک ٹھہرایا گیا ہے۔ مشارق الانوار میں جہاں مسیح کے مس شیطان سے پاک ہونیکا ذکر ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ ماں باپ کی دعا سے ہر بچہ مس شیطان سے پاک ہو سکتا ہے۔ (باقی آئندہ)

تحقق نبأ القرآن العظیم

قال تعالی فی کتابه العزیز - وحرام علی قریة اهلکناها أنهم لا یرجعون - حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج وهم من کل حدب ینسلون - واقترب الوعد الحق فاذاهی شاخصة ابصار الذین کفروا یا ویلنا قد کنا فی غفلة من هذا بل کنا ظالمین" (سورة الانبیاء)

هذا هو النبأ العظیم الذی کان قدر ظهوره فی الزمن الاخیر - ان یاجوج ماجوج قومان من اقوام الدنیا حصلت لهما السیطرة والغلبة علی سائر اقالیم العالم فاخذوا یفسدون فی الارض و یعیثون فیها فساداً و هناک اقتضت غیرة الله ان یحقق وعده الحق و یرسل من عنده من ینقذ الناس من براثن الطاغیتین، یاجوج ما جوج - وتقول التوراة ان ماجوج و جومر من اولاد یافث بن نوح (تکوین ۱۰ : ۲) ثم ورد فی سفر حزقیال "و انت یا ابن آدم تنبأ علی جوج و قل هکذا قال السید الرب ها انا ذا علیک یا جوج رئیس روش ماشک و تو بال . وارسل نارا علی ماجوج وعلی الساکنین فی الجزائر آمنین فیعلمون انی انا الرب" (۳۹ : ۱ - ۶)

فقد ثبت ان الروس هم یاجوج وان سکان الجزائر من بریطانیا وغیرها هم ماجوج من نسل یافث، وقد اتخذت کلتا الطائفتین نظریة خاصة تصطدم وجهة نظر الاخری ان روسیا هی الاشتراکیة وان بریطانیا و امریکا هما الاستعماریة وهاتان النظریتان بینهما کفاح مستمر، وأمم العالم هی لهما لحم علی وضم، وقد قال تعالی فی حق یاجوج و ماجوج و هم من کل حدب ینسلون - و قال الامام الراغب الاصفهانی :-

"یاجوج و ماجوج منه شبهوا بالنار المضطرمة والمیاه المتموجة لکثرة اضطرابهم" (المفردات)

و جاء فی سفر رؤیا یوحنا اللاهوتی بأن خاتم النبیین (ملک الملوک و رب الارباب) صلی الله علیه وسلم یظهر فی وقته، و یصبح الشیطان والدجال عند بعثه مقیداً لمدة الف سنة" و بعد ذلک ورد ما نصه :

"ثم متی تمت الالف السنة یحل الشیطان من سجنه و یخرج لیضل الامم الذین فی اربع زوایا الارض جوج و ماجوج لیجمعهم للحرب الذین عددهم مثل رمل البحر فصعدوا علی عرض الارض واحاطوا بمعسکر القدیسین و بالمدینة المحبوبة فنزلت نار من عند الله من السماء واکلتهم" (۲۰ : ۷ - ۹)

فتعين ان زمن خروج ياجوج و ماجوج هو بعدالالف بعدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم و هم الروس والانجليز، و نحن نری ان هذا النبأ قد تحقق و انه قد فتحت ياجوج و ماجوج و هم من كل حدب ينسلون و نحن على يقين بأن سائرالنبأعن مصير هؤلاء سيظهر صدقه بعد قليل و هنالک تتم كلمة ربک و هو احكم الحاكمين و سيكون الاسلام دين العالمين -

---

رسالہ ریویو آف ریلیجنز کا تبصرہ

جناب ایڈیٹر صاحب ماہ نامہ (Review of Religions) لکھتے ہیں :-

'AL-FURQAN'

Al-Furqan a monthly magazine in Urdu, edited by our former missionary of Arab countries, Maulana Abul Ata Jalandhari, the principal of Ahmadiya Theological College is published from Ahmadnagar, District Jhang. As the name indicates the journal aims to disseminate the light of the Holy Quran in all its aspects. And it fulfil its avowed object with remarkable success. The articles are contributed by the noted Ahmadiyya divines and are the result of diligent research. It is our earnest prayer that the beneficient Lord may grant this harbinger of truth ever-increasing and lasting success. *Amen*.

(February, 1953)



سالانہ چندہ

پانچ روپے

قیمت فی پرچہ

آٹھ آنہ

طابع وناشر ابوالعطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں طبع کراکر

إِن تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا

مجلس مرکزیہ انصار اللہ کا ترجمان

الفرقان

ایڈیٹر

ابو العطاء جالندھری

جلد ۳	بابت ماہ مئی، جون ۱۹۵۳ء	عدد ۵، ۶

ہر ماہ کی بیسؔ تاریخ کو شایع ہوتا ہے

سالانہ چندہ	مقام اشاعت	قیمت فی پرچہ
پانچ روپے	احمد نگر ضلع جھنگ پاکستان	آٹھ آنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین!

معذرت

کاغذ کی نایابی اور غیر معمولی گرانی کے باعث مجبوراً یہ نمبر بھی کم صفحات پر شائع کیا جا رہا ہے۔ جناب پیپر کنٹرولر صاحب کراچی سے رسالہ کیلئے کاغذ کے کوٹہ کی درخواست کی ہوئی ہے منظوری ملنے پر کاغذ دستیاب ہو سکیگا اور رسالہ پورے صفحات پر شائع ہوگا انشاء اللہ۔ توقع ہے کہ جولائی کے نمبر تک کوٹہ مل جائے گا۔

یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ حالات کے ناساعد ہونے کے باوجود بھی رسالہ کم و بیش صفحات پر ہر ماہ بیس تاریخ کو ڈاکخانہ میں دیدیا جائے۔ ماہِ جولائی کا الفرقان انشاء اللہ ۲۰ جولائی کو روانہ ہوگا۔ اس میں بعض اہم مضامین شائع ہو رہے ہیں۔

مینجر الفرقان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

الفرقان

جلد ۳ | مئی، جون ۱۹۵۳ء | نمبر ۵، ۶

قرآن مجید سمجھنے کیلئے دس شرائط اور اصول

اوّل :- قرآن مجید خدائے قدوس کا کامل کلام ہے۔ اسکے حقائق و معارف سے بہرہ ور ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انسان پاک نیت، پاک دل اور پاک عمل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ صوفیاء نے تلاوتِ قرآن مجید کے لئے ظاہری وضوء کو بھی پسندیدہ قرار دیا ہے۔

دوم :- قرآن مجید بحیثیتِ مجموعی ایک کامل کلام ہے اس میں کسی قسم کا تخالف یا تضاد نہیں اسلئے اس کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک آیت کا مضمون دوسری کے مخالف ہو۔ حدیثِ نبوی میں ہے اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضاً۔ پس تفسیر القرآن بالقرآن ہی صحیح ترین تفسیر ہے۔

سوم :- قرآن مجید کا نزول قلبِ مطہر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا ہے۔ نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ اور آپ کو تعمیلِ احکامِ شریعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُسوۂ حسنہ مقرر فرمایا ہے لہذا قرآن مجید کی وہ تفسیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا آپ کی سُنّت سے ثابت ہو جائے اس کے صحیح اور مرجح ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔

چہارم :- قرآن مجید بوجہ کامل اور جامع شریعت ہونے کے اُمّ الْاَلْسِنَۃِ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ اسلئے اس کے فہم کے لئے عربی زبان کا جاننا اور اس کے اسلوبِ بیان سے پوری واقفیت حاصل کرنا لازمی ہے۔ ورنہ ع زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمے دانم والی بات ہو جاتی ہے۔

پنجم :- قرآن مجید اللہ تعالےٰ کا قول ہے اور قانونِ قدرت اللہ تعالےٰ کا فعل ہے۔ خدائے حکیم کے قول و فعل میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بظاہر اختلاف کی صورت میں ماننا پڑے گا کہ یا تو ہم نے اُس کے قول کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے اور یا پھر اسکے فعل کو درست طور پر نہیں سمجھا۔ دونوں میں بہرحال تطبیق ضروری ہے اسلئے خدا تعالیٰ کے قانونِ شریعت (قرآن مجید) اور اس کے قانونِ قدرت (حقیقی سائنس) میں کامل تطابق ہونا لازمی ہے۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔

ششم :- قرآن مجید کا دائرہ نسلِ انسانی کی بقاء اور قیامت تک وسیع ہے۔ اس میں سارے انسانوں کی ساری روحانی ضروریات کا حل موجود ہے۔ جس طرح اس

زمین میں سے انسانوں کے لئے نئے نئے مواد پیدا ہو رہے ہیں اور نئے نئے زمینی علوم ایجاد ہو رہے ہیں اسی طرح تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کے مصداق قرآن مجید سے ہمیشہ نئے نئے روحانی علوم پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور انسان کی نئی سے نئی مشکل کا حل اسی قرآن مجید سے نکلتا رہے گا۔ اسلئے مفسرین کا پورا احترام کرنے کے باوجود تفسیر قرآن مجید کے بارے میں ان میں سے کسی کا قول تفسیر کی نہایت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نئے اجتہاد نئے تدبّر اور نئے روحانی غور و خوض کے لئے علوم قرآنیہ میں بے پناہ وسعت موجود ہے۔ قرآن مجید تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا کے مطابق وہ شجرۂ طیبہ ہے جو ہمیشہ تازہ اور شیریں پھل دیتا ہے۔

ہفتم:۔ قرآن مجید کی تلاوت اسی صورت میں مثمر ثمراتِ شیریں ہو سکتی ہے جبکہ پڑھنے والا اس نیت سے پڑھے کہ میں نے اپنے خیالات اور عقائد کو قرآن مجید کے تابع کرنا ہے جو اس سے ثابت ہو گا اسے ماننا ہے۔ یہ نہیں کہ کچھ خیالات اور عقائد کو پہلے اپنا کر آیاتِ قرآنی کو ان کے تابع بنانے کی کوشش کی جائے۔ موخر الذکر صورت میں انسان قرآن مجید کے فیوض سے محروم رہ جاتا ہے اور اس کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے۔ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا۔

ہشتم:۔ قرآن مجید کی آیات دو طرح پر ہیں محکمات متشابہات۔ اور کامل کتاب کے لئے ایسا ہونا ضروری تھا۔ فہم قرآن کے لئے لازمی ہے کہ انسان متشابہات کو محکمات کے تابع کرے یعنی متشابہات کو محکمات کی روشنی میں حل کرے۔

نہم:۔ قرآن مجید مستند بالذات ہے وہ اپنی صحت اور اپنے بیان کی سچائی کے لئے کسی دوسری کتاب کے بیان یا روایت کا محتاج نہیں۔ قرآنی بیانات اپنی ذات میں مستقل صداقت ہیں اسلئے قرآنی بیان کو تورات و انجیل یا دیگر کتب کے تابع نہ کیا جائے گا اور نہ ہی قرآن مجید کو کتب سابقہ کے محرف بیانات کا پابند کیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ سابقہ روایات و بیانات اپنی صداقت ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کے محتاج ہیں بلکہ قرآن مجید کے بعد کا ہر قول یا ہر حدیث بھی قرآنی تصدیق کی محتاج ہے۔ پس قرآن مجید ہی ہر سابق و لاحق بیان کی شناخت کے لئے محک اور کسوٹی ہے۔ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔

دہم:۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔ تو قرآن مجید کا فہم بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم النبیین سید المرسلین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا کہ آپ ہمیشہ مجھ سے زیادتی علم کے لئے دعا کرتے رہیں۔ پس فہم قرآن کا آخری اور اصل الاصول ذریعہ محض دعا ہے۔ قرآن کی تلاوت سے پہلے بھی اور ہر وقت اس بات کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔ انسانی علم میں ہر لحظہ اضافہ ہو سکتا ہے قرآن مجید بے پایاں علم کا خزانہ ہے اور اس خزانہ کا حصول اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف

فضائل القرآن

قرآن مجید کا بے نظیر اسلوب!

دیگر تمام الہامی کتابیں اِس اسلوب سے قاصر ہیں!

(۱)

اللہ تعالیٰ کی ہستی مذہب کی بُنیاد اور اصل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا وجود ہی مشتبہ ہو تو مذہب کی ضرورت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جب منزل مقصود ہی کوئی نہیں تو راستے کی تلاش اور جستجو عبث ہے۔ کامل الہامی کتاب کیلئے ضروری ہے کہ وہ انسان کو ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں صاف اور واضح یقین پر قائم کرے، اسے ایسی بصیرت بخشے جس کے بعد اس کے پائے ثبات میں کوئی جنبش پیدا نہ ہو۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (سورۂ یوسف) کہ اے رسول! تُو کہہ دے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ مَیں اور میرے متبعین بصیرت اور یقینِ تام پر قائم ہیں اور اسی بناء پر ہم دعوت الی اللہ دیتے ہیں۔

یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ جملہ الہامی کتابیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین دلاتی رہی ہیں۔ کیونکہ اگر وہ یہ کام نہ کرتیں تو ان کے بھیجے جانے کا مقصد ہی کیا تھا۔ لیکن یہ بھی ایک کھُلی حقیقت ہے کہ سابقہ کتابوں کا واسطہ نسلِ انسانی کے محدود اور ابتدائی حصہ سے تھا اسلئے اُن کا طریقِ خطاب خاص نوعیت پر مشتمل تھا۔ پھر ان کے محدود الزمان ہونے کے باعث وہ خطاب اپنے کمال تک نہیں پہنچا۔ مگر قرآن مجید کے کامل اور جامع کتاب ہونے کا ایک بیّن ثبوت یہ ہے کہ اس نے ہر مضمون کو کامل اور جامع اسلوب میں بیان کیا ہے اور انسانی فطرتوں کے تفاوت کے باعث اس اسلوب کے مختلف پہلوؤں کو متعدد مقامات پر پھیلا دیا ہے تا ہر فطرت اپنی اپنی مناسبت کے مطابق تاثر قبول کرے۔ اس میں منطقی طبائع کے لئے عالمانہ استدلال بھی موجود ہے۔ اس میں سادہ انسانوں کے لئے سیدھے سادے اور واضح اصول بھی موجود ہیں۔ اس میں جذبات آفریں انداز بھی ہے اور دماغ اور عقل کے لئے اطمینان بخش اسلوب بھی موجود ہے۔ غرض انسانی فطرت کے تمام پہلوؤں کی تسلی کے سامان پائے جاتے ہیں اور یہ بات بجائے خود قرآن مجید کی ایک عظیم الشان فضیلت ہے۔ قرآن مجید اس پہلو سے بھی تمام الہامی کتابوں میں ممتاز ہے۔ ہم نے اسکے ہر مضمون کو اس نظر سے دیکھا تو اسے یکتا اور بے مثل پایا ہے۔ ہستی باری تعالیٰ سے لیکر تمدنی، اقتصادی، اخلاقی اور سیاسی مسائل کی ہر جزئی تک اس کا انداز بیان غیر معمولی جاذبیت پر مشتمل اور بے نظیر مؤثر اسلوب ہے۔ ہم دوسری کتابوں پر کسی قسم کا حملہ نہیں کرتے۔ ہم ان کے الہامی ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی یہ دلکشی اور اس کا یہ انداز بیان اسقدر دلربا ہے کہ دل بیساختہ اسکی برتری اور افضلیت کا اقرار کرتا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ مذاہب عالم کا بُنیادی اور مرکزی مسئلہ ہے۔ کچھ لوگ سرے سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں اور کچھ لوگ

اسکے وجود کے تو قائل ہیں مگر اسکی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شان قائم نہیں رہتی۔ مثلاً وہ اسکے ساتھ اور دوسری چیزوں کو اس کا شریک گردانتے ہیں۔ پتھروں، درختوں، جانوروں اور انسانوں کو معبود قرار دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے نہایت لطیف اور دل میں اُتر جانیوالے انداز میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت بیان کیا ہے اور دوسری طرف اسکی توحید اور یکتائی کو ہر قسم کے عقلی و نقلی دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا ہے۔ ذیل میں ہستی باری تعالیٰ کے بارے میں قرآنی اسلوب کے صرف چار نمونے درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) عام قانونِ قدرت یا تصوّرِ کائنات قرآن مجید نے مخلوق کی تمام جزئیات کی طرف انسان کو توجہ دلائی ہے۔ اس نے زمین کی بناوٹ اور اسکی تمام محتویات اور ان کے نظام کو اللہ تعالیٰ کے وجود پر گواہ ٹھہرایا ہے سبزیاں، پھل اور چارہ جات غرض جملہ نباتات کی طرف انسان کی نظر پھیری ہے۔ آسمان، اسکے اجرام اور انکے محکم نظام کی طرف انسان کی توجہ مبذول کی ہے۔ ہواؤں کی گردش، سمندروں اور دریاؤں کے پانیوں، ان میں کشتیوں کے چلنے، بارشوں کے برسنے اور پھر انسانی پیدائش کے پُر حکمت اور عمیق در عمیق نظام کی طرف انسان کی نگاہ پھیری ہے۔ اور بار بار اور مختلف پیرایوں میں کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں ربط و نظام کے وجود کو ثابت کر کے اسے ایک برتر اور حکیم ہستی کی تخلیق کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (بقرہ آیت ۱۶۴)

ترجمہ:۔ آسمان[۱] اور زمین کی پیدائش میں، رات[۲] اور دن کے آگے پیچھے آنے میں یا انکے کم و بیش ہونے میں، ان کشتیوں[۳] میں جو دریاؤں اور سمندروں میں نفع رساں چیزیں لیکر چلتی ہیں، ان بارشوں[۴] میں جو اللہ بادلوں سے برساتا ہے اور انکے ذریعہ زمین کو اسکے مرجانے کے بعد زندہ کرتا ہے اور زمین میں جانداروں کے پھیلنے کے سامان کرتا ہے، ہواؤں[۵] کی گردش میں، آسمان[۶] و زمین کے درمیان بے مزد کام کرنیوالے بادلوں میں اہل عقل لوگوں کے لئے بیشمار آیات و دلائل موجود ہیں۔"

قرآن مجید کی اس ایک آیت پر غور کرنے سے اسکے زبردست اسلوبِ بیان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس نے کائنات کے ذرّہ ذرّہ کو ہستی باری تعالیٰ پر گواہ ٹھہرایا ہے۔ اس قسم کی بیسیوں آیات اس موضوع پر قرآن مجید میں موجود ہیں۔ کائنات کا یہ زبردست نظام ایک علیم و خبیر ہستی کے وجود پر شاہدِ ناطق ہے۔ غرض کائنات کا وجود اپنی پُر حکمت ترتیب کے ذریعہ خالقِ کائنات کے وجود پر ایک محکم دلیل ہے۔

(۲) شہادتِ فطرت اور خاص قانونِ قدرت انسانوں کا ایک بڑا حصہ عام قانونِ قدرت یا کائنات کے عام تصوّر سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ وہ سالہا سال تک آسمان کے نظام پر تدبّر کی نگاہ نہیں ڈالتے وہ مدتوں زمین پر بسنے کے باوجود اسکے خزائن اور اسکے پہاڑوں اور دریاؤں پر غور کی نظر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (یوسف آیت ۱۰۵) کہ آسمان و زمین میں بے انت نشانات و دلائل ہیں جن پر سے منکرین مُنہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔

ایسے انسانوں کو متوجہ کرنے کیلئے کائنات میں خاص قانونِ قدرت جاری ہوتے ہیں معمولی ہوائیں آندھیوں اور طوفانوں سے بدل جاتی ہیں زمین کی پُر راحت حرکت زلزلوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے آرام دہ بارشیں ہلاکت خیز طغیانیوں کی صورت میں بدل جاتی ہیں آسمانوں میں بجلیوں کا

طوفان برپا ہو جاتا ہے! ور کبھی بارشیں رُک جاتی ہیں امساکِ باراں قحط کی صورت میں عذاب بن جاتا ہے۔ غرض کائنات کا عام نظام جب خاص شکل اختیار کرتا ہے تو غافل انسان بھی بیدار ہو جاتے ہیں اور خدائے واحد کی قدرتوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہ انسانی فطرت کی آواز ہوتی ہے۔ یہی فطرت جسے دنیا کی آلائشوں کی راکھ نے دبا دیا تھا اب اسے زلزلہ، قحط اور طوفان کی آندھیوں نے صاف کر دیا ہے اور جو انسان روزمرہ کے عام قانونِ قدرت پر نظر غائر ڈالنے کیلئے آمادہ نہ ہوتا تھا اب خاص قانونِ قدرت کے سامنے اپنے آپکو بے بس پاتا ہے اور بیساختہ ایک عظیم الشان اور بالا ہستی کا اقرار کرتا ہے۔ قرآن مجید نے اس خاص قانونِ قدرت کے مختلف مناظر کا نقشہ نہایت لطیف پیرایہ میں کھینچا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ (یونس آیت ۲۲)

ترجمہ۔ کہ اللہ ہی تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب تم لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہو اور نہایت خوشگوار ہوا خراماں خراماں ان کشتیوں کو چلا رہی ہوتی ہے اور کشتی کے سوار شاداں و فرحاں ہوتے ہیں اچانک تند ہوا چلنے لگتی ہے اور ہر طرف سے لہر اٹھنی شروع ہو جاتی ہے تب وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہر طرف سے گھر گئے ہیں اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ دُعا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں اس مرتبہ نجات دیدے تو ہم ہمیشہ کیلئے تیرے شکرگزار بندے بنکر رہیں گے"۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایسے تصور پیش کئے گئے ہیں جن میں انسانی فطرت پکار اُٹھتی ہے کہ اس کون و مکان کا ایک خالق ہے۔ وہی اس مصیبت میں انسانوں کی دستگیری فرما سکتا ہے۔

(۳) شہادتِ انبیاء قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک زبردست دلیل انبیائے عالم کے وجود کو پیش فرمایا ہے۔ قرآن مجید مانتا ہے کہ دُنیا کی ہر قوم، دنیا کے ہر ملک اور دُنیا کے ہر خطہ میں نبی گذرے ہیں۔ إِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ اور یہ سارے نبی، پیغامبر اور رسول قوموں، ملکوں اور زمانوں کے اختلاف کے باوجود اس بات پر متفق اور متحد ہیں کہ ایک خدا ہے، اسی نے ہمیں بھیجا ہے اور وہی ہم پر وحی نازل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل آیت ۳۶) کہ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے ہیں اور وہ سب یہی تعلیم دیتے رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور بت پرستی سے اجتناب کرو۔

گویا اللہ تعالیٰ کے وجود پر جملہ نبیوں کا اتفاق ہے۔ انکی شہادت اس بارے میں متحد ہے۔ یہ شہادت ان لوگوں کی ہے جنکی سچائی اور دیانتداری پر انکی قومیں گواہ تھیں۔ جنکی پاکیزہ زندگیاں دوست و دشمن کو مسلّم تھیں۔ پھر یہ شہادت اتنی مضبوط اور یقینی ہے کہ اس کی ادائیگی میں صدہا مقدسوں نے اپنی جانیں دیدیں اور اپنے خون کی سُرخی سے اسکی سچائی پر مہر کر دی۔ ایک طرف تو یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر صدہا راستباز مختلف قوموں، مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں شہادت دیتے ہیں اور دوسری طرف یہ عالم ہے کہ بت پرستی کی حمایت میں ایک بھی ایسی شہادت نہیں۔ ایک حق پرست کا قول اللہ تعالیٰ نقل فرماتا ہے لاجرم ان ما تدعوننی لیس له دعوة فی الدنیا ولا فی الآخرة وان مردنا الی الله وان المسرفین هم اصحاب النار (المؤمن آیت ۴۳) کہ لوگو! تم مجھے ان بتوں کی پوجا کی طرف بلاتے ہو جن کے لئے دُنیا و آخرت میں کوئی دعوت نہیں، ان کا کوئی منادی نہیں اور

وہ کسی کی دعا کو قبول نہیں کر سکتے۔ ہم نے انجام کار اللہ ہی کی طرف جانا ہے اور حد سے تجاوز کرنے والے جہنمی ہوں گے۔

غرض معبودانِ باطلہ کے لئے کسی دعوت کا نہ ہونا اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر جملہ نبیوں کی متفقہ شہادت کا ہونا اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔

(۴) زندہ الہام کی گواہی قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بیرونی شہادتوں کے علاوہ خود اسکے وجود کو بھی دلیل قرار دیا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا زندہ کلام ہر زمانہ میں اسکے الحیّ القیّوم ہونے پر شاہد ناطق ہو۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل بچھڑے کو معبود قرار دینے میں غلطی پر تھے اَلَمْ یَرَوْا اَنَّہٗ لَا یُکَلِّمُھُمْ وَلَا یَھْدِیْھِمْ سَبِیْلًا (اعراف آیت ۱۴۸) کیا ان کو نظر نہ آتا تھا کہ وہ بچھڑا نہ ان سے کلام کرتا تھا اور نہ ہی انہیں راہِ حق کی طرف ہدایت دیتا تھا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نزدیک معبود برحق کیلئے اپنے بندوں کے ساتھ ہمکلام ہونا شرط ہے۔ اور جس میں یہ شرط نہ پائی جائے اسے برحق معبود قرار نہیں دیا جا سکتا۔

قرآن مجید اس بات کا مدعی ہے کہ خدا کا زندہ کلام ہر زمانے میں جاری ہے۔ یہ کہنا کہ خدا کا الہام آگے نہیں ہے پیچھے رہ گیا ہے قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سچا ایمان لانیوالوں کے متعلق فرماتا ہے (۱) لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ (یونس آیت ۶۴)

ترجمہ۔ ان کو اس زندگی میں اور اگلی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں ملیں گی اور یہ انعام کبھی بدل نہیں سکتا۔ کلماتِ الٰہیہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ مومنوں کے لئے یہ بڑی کامیابی ہے۔"

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ (حٰم السجدۃ آیت ۳۰-۳۱)

ترجمہ۔ یقیناً اللہ کو اپنا رب ماننے والوں اور اس پر پوری استقامت سے قائم رہنے والوں پر فرشتے اترتے ہیں اور انہیں یہ پیغام دیتے ہیں کہ تم کوئی خوف و حزن نہ کرو بلکہ اس جنت پر خوش ہو جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ ہم اس زندگی میں بھی تمہارے دوست اور مددگار ہیں اور اگلے جہان میں بھی مددگار ہونگے۔ تم جنت میں جو چاہو گے حاصل کرو گے اور جو طلب کرو گے اُسے حاضر پاؤ گے۔"

قرآن مجید کی ان آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجود پر زندہ الہام اور زندہ وحی سے شہادت قائم کرتا ہے تاکہ کسی زمانہ میں منکرینِ ذاتِ باری یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر خدا موجود ہوتا تو ضرور اپنے کسی پیارے سے کلام کرتا۔ اسلام میں ہر زمانہ میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو خدا سے ہمکلامی کا شرف رکھتے ہیں۔ ایسے مقدسوں کا وجود ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل ہے اور دوسری طرف اسلام کو زندہ مذہب اور قرآن مجید کو زندہ کتاب ثابت کرتا ہے۔

ہم نے ہستی باری تعالےٰ کے موضوع پر اسلوبِ قرآن کے صرف چار نمونے ذکر کئے ہیں ورنہ قرآن مجید کے ہر صفحہ پر یہ مضمون موتیوں کی طرح بکھرا پڑا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

کیا سچ مچ اُمّتِ محمّدیہ کو مسیحؑ کی ضرورت نہیں؟

"طلوعِ اسلام" والے علامہ اقبال کی مخالفت پر بھی کمربستہ ہوگئے!

رسالہ "طلوعِ اسلام" کراچی لکھتا ہے کہ:-

"سُنا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے امیر حبیب اللہ مرحوم والیٔ افغانستان کو اپنے مسیح موعود ہونے کا دعوت نامہ بھیجا۔ امیر مرحوم نے جواب دیا۔ مرزا صاحب محترم! معاف فرمائیے آپ سے غلطی ہوئی اب اس کی تلافی کی یہی صورت ہے کہ واپس تشریف لیجائیے اور حضرت عمر فاروقؓ کو بھیجدیجئے کیونکہ مسلمانانِ عالم اس وقت جس عجز و مسکنت کی حالت میں رہ رہے ہیں اس کا علاج مسیح نہیں عمرؓ ہے مسیحیت کے ساز سے قیصریت زندہ باد کے سوا کوئی نغمہ نہیں نکل سکتا۔ محکوم کے لئے اس کے پاس یہی پیام ہو سکتا ہے کہ محکوم تر ہو کر رہے۔ یہ تھی ایک شاہی دماغ کی رسائی ..... اس وقت ہم امیر افغانستان کے زمانے سے بہت آگے جا چکے ہیں۔ دُنیا بدل گئی۔ اسلامی ممالک کے حالات بھی بہت کچھ بدل چکے ہیں۔ اس وقت امیر المومنین عمرؓ کی ضرورت تھی۔ تو آج کی ضروریات تقاضا کر رہی ہیں کہ مسیحیت کے دعویدار واپس تشریف لے جائیں اور ابوذر غفاریؓ کو بھیجدیں۔" (طلوعِ اسلام جون ۱۹۵۳ء ص۲)

ہم نہیں جانتے کہ والیٔ افغانستان امیر حبیب اللہ خان نے واقعی یہ جواب دیا تھا یا یہ "طلوعِ اسلام" والوں کی اختراع ہے۔ بہرحال اِس جواب کو "شاہی دماغ کی رسائی" کہہ کر غرمتی صاحب نے اسے صحیح قرار دیدیا ہے لیکن اسی وقت یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ اب حالات اتنے بدل چکے ہیں کہ اب حضرت عمرؓ کی بھی ضرورت نہیں اب تو حضرت ابوذر غفاریؓ آنے چاہئیں۔

اِس جگہ سب سے پہلا غور طلب امر یہ ہے کہ قوموں کے امراض کا حقیقی علاج اور صحیح دوا اللہ تعالیٰ تجویز کیا کرتا ہے یا بیمار قومیں خود تجویز کیا کرتی ہیں؟ آدمؑ سے لیکر آج تک سُنّت اللہ کس طرح پر جاری ہے؟ اگر یہ درست ہے کہ کسی قوم کے ادبار و تنزّل کو اللہ تعالیٰ بدلا کرتا ہے اور اس کے بدلنے کے لئے وہ خود مناسب طریق اختیار فرمایا کرتا ہے تو یہ بات غیر معقول ہے کہ ہمیں مسیحؑ کی ضرورت نہیں عمرؓ کی ضرورت ہے، عمرؓ کی ضرورت نہیں ابوذر غفاریؓ کی ضرورت ہے۔ اِس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے نہ بندوں کے اختیار میں۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر چیں بہ جبیں ہونا مومنانہ شیوہ نہیں۔

دوسرا غور طلب امر یہ ہے کہ قریباً دو ہزار برس قبل یہود پر یہی "عجز و مسکنت" کا دور آ چکا ہے اللہ تعالیٰ نے انکی اس حالت کی اصلاح کیلئے اسوقت مسیحؑ کو بھیجا تھا کیا اللہ تعالیٰ کا وہ انتخاب غلط ثابت ہوا تھا؟ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ اُس زمانہ میں بھی یہودی علماء نے مسیحؑ کی آمد کو بے ضرورت ٹھہرایا تھا اور انکے

امن بخش پیغام کو بے وقت کی راگنی قرار دیا تھا مگر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ واقعات نے یہودی علماء کے اعتراض کو سطحی، غلط اور بے حقیقت ثابت کر دیا۔ اُس وقت کے دُنیاداروں نے کہا کہ "مسیحیت کے ساز سے قیصریت کے نغمہ بادہ کے سوا کوئی نغمہ نہیں نکل سکتا۔" لیکن اللہ تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ قیصریت اور غیر قیصریت کے پیدا کردہ جملہ مفاسد اور خرابیوں کا علاج صرف "مسیحیت" میں ہے مسیحیت قیصریت پر غالب آگئی اور قیصر نے مسیح کی غلامی میں فخر محسوس کیا۔ ہمارے نزدیک آج سے اُنیس سو سال قبل ایسی بات کہنے والے شاید معذور بھی تھے انہوں نے مسیحیت کی تاثیرات کو ہنوز محسوس نہ کیا تھا مگر کتنی حیرت کی بات ہے کہ آج کے مسلمان مسیحیت کے عظیم الشان اثرات کو مشاہدہ کر چکنے کے باوجود یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں مسیح کی ضرورت نہیں وہ بیمار ہیں مگر چلا رہے ہیں کہ ہمارے علاج کیلئے کوئی مسیحا درکار نہیں۔

تیسری بات طلوعِ اسلام کیلئے یہ قابلِ غور ہے کہ وہ علامہ اقبال کی تعریف میں رات دن رطب اللسان رہتا ہے اور انہیں عصرِ حاضر کا بہترین قرآن فہم سمجھتا ہے امیر افغانستان کا مذکورہ قول اگر روایتاً درست بھی ہے تب بھی درایتاً غلط ہے کیونکہ قرآن و سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے خلاف ہے۔ اجماعِ اُمت کے خلاف ہے عقل و تاریخ کے خلاف ہے لیکن اگر ان تمام امور کی طلوعِ اسلام والوں کو پرواہ نہیں تو میں یہ بھی کہتا ہوں کہ امیر افغانستان کا قول اُن کے مرشد علامہ اقبال کے بیان کے بھی خلاف ہے۔ علامہ اقبال لکھتے ہیں:۔

"میں رُوحانی قوت کا تو قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا۔"

پھر پروفیسر نکلسن کی تصدیق کرتے ہوئے علامہ اقبال اعلان کرتے ہیں کہ:۔

"ہمیں معلم بھی چاہیئے اور پیغمبر بھی ہمیں آج رسکن یا کارلائل یا ٹالسٹائی جیسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ضمیر کو زیادہ متشدد اور سخت گیر بنانے اور فرائض کے دائرے کو زیادہ وسیع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں غالباً ہمیں ایک مسیح کی ضرورت ہے۔"

پھر آخر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

"کوئی بلند مرتبہ شخصیت ہی اِن مصائب کا خاتمہ کر سکتی ہے اور اس شعر میں مَیں نے اسی کو مخاطب کیا ہے ؎

باز در عالم بیار ایّامِ صلح
جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح"

(مکاتیب اقبال جلد ا صفحہ ۴۲۶ و صفحہ ۴۲۷)

کیا اِن اقتباسات کو درست ماننے والے اقبال کے مدّاح بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں مسیح کی ضرورت نہیں مسیح موعود واپس تشریف لے آئیں یا مانا یا نہ ماننا یہ علیحدہ امر ہے مگر کوئی صاحبِ دل انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ زمانہ پکار پکار کر ایک مسیح کی ضرورت کی منادی کر رہا ہے۔ اسی لئے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے فرمایا ہے ؎

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
مَیں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

نہ ماننے والے کہہ سکتے ہیں کہ مسیح کی نہیں عمرؓ کی ضرورت ہے، عمرؓ کی نہیں ابوذر غفاریؓ کی ضرورت ہے لیکن اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ مسیح عمرؓ سے علیحدہ نہیں، ابوذر غفاریؓ سے الگ نہیں۔ مومن کا کام ہے کہ خدا کی آواز پر لبیک کہے اور اپنے دل کی پاکیزگی کا سامان کرے۔ یہی وہ راہ ہے جس سے پہلے قوموں کا "عجز و مسکنت" دُور ہوا اور یہی وہ طریق ہے جس سے اب مسلمانوں کو سربلندی حاصل ہوگی۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے خوب فرمایا ہے کہ ؎

اندریں رہ دی پدو دی آمد عروج اندر نخست
باز مے آید اگر آید ازیں رہ بالیقیں

تفسیر القرآن المجید

قرآنی حقائق و معارف کا خزانہ

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے درس القرآن کے مختصر نوٹ

(۲)

[سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی حضرت امام جماعت احمدیہ نے مسجد مبارک ربوہ میں ۲۸ فروری ۱۹۵۲ء سے درس القرآن المجید کا آغاز فرمایا ہے۔ یہ درس سورۃ مریم سے شروع ہوا ہے۔ الفرقان اس درس کے ضروری نوٹ مختصر طور پر اپنے الفاظ میں شائع کر رہا ہے۔ یہ ان نوٹوں کی دوسری قسط ہے۔ آج ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ ہجری (۸ جون ۱۹۵۳ء) کو حضور نے سورۃ مریم کا درس مکمل فرمایا ہے اور ہم اس قسط میں اس درس کا ایک حصہ شائع کر رہے ہیں۔ باقی اگلے نمبر میں ملاحظہ فرمائیے ——— (ایڈیٹر)]

(سورۃ مریم ع ۲)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ | تو الکتاب میں مریم کا ذکر کر۔ یا الکتاب میں مریم کے مذکورہ واقعات کو ذہن میں لا۔ اس جگہ الکتاب سے مراد قرآن کریم بھی ہو سکتا ہے۔ معنے یہ ہوں گے کہ قرآن مجید کے ذریعہ سے مریم کا حال بیان کر۔ الکتاب سے بائیبل بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اندریں صورت بائیبل کی صحیح تاریخ اور غیر محرف صحیفے مراد ہوں گے۔

ربط آیات | اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے کیونکہ حضرت یحییٰ کا وجود حضرت مسیح کے لئے ضروری بلکہ ارہاص تھا۔ اب حضرت مریم کا واقعہ بیان فرماتا ہے کیونکہ یہ بھی حضرت مسیح کے بیان کے لئے بنیادی ہے۔ حضرت مسیح کی بے باپ ولادت اس بات کی علامت تھی کہ اب نبوت بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسمٰعیل میں منتقل ہو رہی ہے۔

نام کی وجہ تسمیہ | قرآن مجید نے اُمّ عیسیٰ کا نام مریم قرار دیا ہے۔ بائیبل میں مریم نام کا ذکر سب سے پہلے حضرت موسیٰ کی بہن کے طور پر آیا ہے۔ لفظ مریم کے مختلف معنے کئے گئے ہیں۔ (۱) تلخ سمندر (۲) ستارہ (۳) دن کی ملکہ (۴) ماسٹر کی مُہر (۵) اتھاہ سمندر (۶) دھند وغیرہ مختلف معنے بیان کئے گئے ہیں۔ عبرانی لفظ کی وضع کے لحاظ سے مریم کے معنے باغیہ یعنی خودسر یا موٹی کے ہوتے ہیں۔ عام طور پر موٹے بچے مشکل سے پیدا ہوتے ہیں شاید اسلئے ایسے بچوں کا نام مریم رکھا جاتا ہو۔ یہودیوں کے ہاں موٹاپا خوبصورتی کا معیار تھا اسلئے خوبصورت بچوں کو مریم کہتے تھے۔

حضرت مریم کے ابتدائی حالات زندگی۔ | اناجیل میں حضرت مریم کے خاندان کے ذکر کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ انجیل متی ۱:۱ میں حضرت مریم کے

روح القدس سے حاملہ ہونے کے ذکر سے آغاز کیا گیا ہے۔ لوقا نے حضرت مسیحؑ کی معجزانہ پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ اس انجیل سے حضرت مریمؑ کا حضرت زکریاؑ کی بیوی کا رشتہ دار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر حضرت مریم کے خاندان کے حالات وہاں بھی غائب ہیں۔ مرقس اور یوحنا بالکل خاموش ہیں۔ حضرت مریمؑ کی ولادتِ مسیحؑ سے پہلے کی زندگی کا تذکرہ اناجیل میں نہیں ہے۔

قرآن مجید نے حضرت مریم کے خاندان کا ذکر کیا۔ حضرت مریم کی ولادت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ پھر ان **نیک جذبات** کا بھی ذکر کیا ہے جن کے ماتحت حضرت مریم کی والدہ نے انکی پیدائش سے قبل نذر مانی تھی۔ سورۃ آل عمران ع ۴ میں ان امور کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں دینی خرابی کا احساس عام تھا لیکن اس کی اصلاح کے معین وقت کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ حضرت مریم کی والدہ ماجدہ نے اسی نیک جذبہ کے ماتحت رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا کی نذر مانی تھی لیکن مولود کے لڑکی ہونے پر انہیں اس امید کے پورا نہ ہونے کا افسوس ہوا۔ لَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان فرمائے کہ حضرت مریم کی والدہ کی دعا بھی قبول ہو گئی اور مسیحؑ کی ولادت کا وقت بھی نہ ٹلا۔ ان کے قول اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت مریم کو صرف دینی تربیت کے لئے پادریوں کے سپرد کیا گیا تھا، نن نہ بنایا گیا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ حضرت مریم کی شادی ہو اور اُن کے بچے پیدا ہوں جو اُن کی اصلاحِ خلائق والی آرزو کو پورا کریں۔

بہرحال قرآن مجید نے تفصیل سے حضرت مریم کے گھرانے کا ذکر کیا ہے۔ ان کے ابتدائی حالات بھی بتائے ہیں جو حضرت مسیحؑ کے واقعہ سے مربوط ہیں۔

حضرت مریم کے بعد کے حالاتِ زندگی کے متعلق اناجیل اور قرآن کریم کے بیان کا موازنہ

اناجیل سے حضرت مریم کے بعد کے حالات یوں معلوم ہوتے ہیں کہ فرشتے کی خبر کے بعد یوسف نجار حضرت مریم کو گھر لے آیا۔ حضرت مسیحؑ کی پیدائش تک پاس نہ گیا۔ اس جگہ شادی کا ذکر نہیں ہے۔ (متی ۱/۲۵) نیز ثابت ہے کہ یسوع ماں باپ سے نفور تھا۔ مریمؑ حضرت مسیحؑ کے دعویٰ پر ایمان نہ لائی تھیں۔ یسوع کے بھائی بھی مومن نہ تھے (متی ۱۲/۴۶-۵۰ و مرقس ۳/۳۱-۳۵ و لوقا ۸/۲۰-۲۱)

قرآن مجید حضرت مسیحؑ کے منہ سے کہلواتا ہے وَ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ (مریم) کہ میں تو ماں کا فرمانبردار ہوں۔ ان سے محبت کرنے والا ہوں۔ ان سے پیار کرنے والا ہوں کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت مریم اتنا بڑا نشان دیکھیں کہ کنواری سے یہ مقدس بیٹا پیدا ہو لیکن وہ اس کے دعویٰ پر ایمان نہ لائیں۔ یہ بات عقل کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ مریم کو نہایت نیک طینت قرار دیتا ہے فرمایا اَنْبَتَھَا نَبَاتًا حَسَنًا (آل عمران) کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نہایت عمدہ تربیت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ ہم نے اسے پاک و مطہر بنایا تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ۔ کہ حضرت مریم ایک برگزیدہ عورت تھی۔ آیت یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مریم مومنہ تھیں۔ قرآن مجید انہیں وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ میں صدیقہ قرار دیتا ہے۔

غور کیا جائے کہ قرآن مجید اور انجیل نے حضرت مریمؑ کا

مرتبہ اور مقام کتنا مختلف بیان فرمایا ہے۔ انجیل نے تو حضرت مریم کو کافرہ قرار دیدیا۔ گویا حضرت مریم کی صحیح تاریخ دنیا سے غائب ہوگئی۔ اسی لئے قرآن مجید نے جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا تو فرمایا ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ کہ یہ وہ حقائق ہیں جو انجیل نے مخفی کر دیئے ہیں۔

اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا یاد کرو جب مریمؑ اپنے رشتہ داروں سے علیحدہ مکان شرقی میں ایک طرف ہو گئی۔

یہود کی بڑی عبادت گاہ یروشلم میں تھی۔ حضرت مریمؑ کو دینی تربیت کے لئے حضرت زکریاؑ کے پاس یروشلم میں چھوڑا گیا تھا۔ جب حضرت مریمؑ جوان ہوئیں تو ناصرہ بستی میں گئیں۔ مِنْ اَهْلِهَا سے حضرت مریمؑ کے ناصرہ والے اہل ہی مراد ہیں۔

مَكَانًا شَرْقِيًّا بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ کے ساتھ یہ واقعہ یا کشف ناصرہ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ (لوقا باب اوّل) ناصرہ یروشلم سے جانب شمال واقع ہے۔ گو بائیبل کی تاریخ معتبر نہیں مگر اس کو رد کرنے کے لئے کسی نقلی یا عقلی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے مفسرین نے بالعموم لکھا ہے کہ حضرت مریمؑ کسی مشرقی نہر کی طرف گئی تھیں۔ عربی زبان کے رُو سے مکان شرقی کے تین معنے ہو سکتے ہیں (۱) کلّ مکانٍ فی جهة الشرق (۲) المنسوب الی الشرق (۳) کلّ ما اتجه الی الشرق یعنی جانب مشرق والا مکان بھی مکان شرقی ہے۔ مشرق کی طرف منسوب ہونیوالا مکان بھی مکان شرقی ہے اور جس مکان کا رُخ یا منہ مشرق کی طرف ہو وہ بھی مکانًا شرقیًا کہلائے گا۔ اِس آیت میں مکانًا شرقیًا سے مراد وہ مکان ہے جس کا رُخ یا منہ مشرق کی طرف تھا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ یہود کے نزدیک مشرق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بابلی بھی مشرق کو متبرک سمجھتے تھے۔ مشرق کو روشنی کا دروازہ مانتے تھے اور مغرب کو مُردوں کی دُنیا خیال کرتے تھے۔ یہودی خیالات بابلیوں سے بھی متاثر تھے۔ تورات میں جنت آدم کو "**عدن میں پورب کی طرف ایک باغ**" قرار دیا ہے (پیدائش ۸/۲) پھر لکھا ہے "روح مجھ کو اٹھا کے خدا کے گھر کے **پوربی دروازے** پر جس کا رخ **پورب کی طرف** ہے لے گئی" (حزقیل ۱/۱۱) بائیبل میں یعقوب کے گھرانے سے ایک ستارے کے نکلنے کی پیشگوئی تھی (گنتی ۱۷/۲۴) یہودی روایات کے مطابق یہ ستارہ مشرق کی طرف سے نکلنے والا تھا اسی لئے مجوسی یہ کہتے ہوئے آئے کہ ہم نے یہودیوں کے بادشاہ کا **پورب میں** ستارہ دیکھا ہے (متی ۲/۲)

پس یہود و نصاریٰ کے نزدیک مشرق کا خاص لحاظ کیا جاتا تھا۔ وہ عبادتگاہوں کے دروازے مشرق کی طرف بناتے تھے۔ بلکہ ان کے بعض فرقے عبادت کرتے وقت مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔

حضرت مریمؑ نے مکان شرقی کو عبادت کے لئے انتخاب کیا تھا یا یہ عبادت گاہ تھی جس کا رُخ مشرق کی طرف تھا۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا حضرت مریمؑ نے عبادت کے لئے پردہ بنا لیا۔ یہود کے ہاں خیمہ گاہ میں عبادت کی جاتی تھی۔ عبادت کرتے وقت انسان میں طبعاً حجاب ہوتا ہے حضرت مریمؑ نے عبادت گاہ میں جا کر پردہ کھینچ لیا تاکہ تنہائی میں عبادت کر سکیں۔

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا ہم نے مریم کی طرف اپنی روح بھیجی۔ رُوح کے معنے چار ہیں۔ (۱) کلام و وحی الٰہی (۲) جبرائیلؑ

کا ذریعہ (۳) نبوت (۴) جبرئیل۔ اس آیت میں کلام الٰہی یا کلام الٰہی لانے والے فرشتے کے معنے ہیں۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا | وہ کلام الٰہی حضرت مریمؑ کے لئے مثالی جسم بن گیا۔ تصویری جسم بن گیا۔ اس نے تمثلی شکل اختیار کر لی۔ بَشَرًا سَوِيًّا کے معنے کامل یا تندرست انسان کے ہیں۔

کلام الٰہی مختلف شکلوں میں نازل ہوتا ہے یا یوں کہو کہ کلام الٰہی لانے والے فرشتے نے انسانی شکل اختیار کر لی۔ یہ غیر معمولی بات نہ تھی خدا کے بندوں کو کثرت سے یہ باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اس جگہ بتایا گیا ہے کہ حضرت مریمؑ کو یہ وحی کشف کی شکل میں ہوئی تھی۔

قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا | مریم نے کہا کہ اگر تو متقی ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں۔

اس جگہ لفظ الرحمٰن سے بھی عیسائیت کی تردید مطلوب ہے کیونکہ کفارہ کے معتقد لوگ اللہ تعالیٰ کے بلا معاوضہ رحم کے قائل نہیں۔ عیسائیت اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کی منکر ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم اس کشفی نظارہ کو دیکھکر گھبرا گئیں۔ خدائے رحمان سے یہ خطاب اور یہ انداز دعا حضرت مریمؑ کی انتہائی بے بسی پر دلالت کرتا ہے۔ گویا یہ کہا کہ اے رحمان خدا! میرے عمل کو نہ دیکھ مجھے اپنی رحمانیت کے صدقہ میں بچالے۔ یہ کرب و بلا کی دعا کی حقیقت بیان کی ہے۔

إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا اسلئے کہا ہے کیونکہ متقی ہی خدا کے واسطے سے ڈرتا ہے ورنہ دوسرے لوگ خدا کے واسطہ کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ گویا إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ادب بھی ملحوظ ہے۔ یہ دعا کا نہایت لطیف طریق ہے۔

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ | اس نے کہا کہ میں تو تیرے رب کی طرف سے صرف ایک پیغامبر ہوں تاکہ تجھے ایک زکی غلام (اندرونی پاکیزگی والے لڑکے) کی بشارت دوں۔ اس جگہ فرشتہ نے لفظ رسول کہا ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ وہ حضرت مریمؑ کو ایک پیغام دینے آیا تھا۔ خوشخبری پہنچانا اس کا کام تھا۔ لفظ "رَسُولُ رَبِّكِ" سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو خیال کرتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کا خاوند تھا۔

لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا | تا میں تجھے پاکیزہ بچے کے ہونے کی یقینی خبر دوں۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ یقینی بات کو قطعی الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس جگہ لِأَهَبَ لَكِ اس یقینی بات کے اظہار کے لئے آیا ہے یعنی یہ پیشگوئی اتنی یقینی اور قطعی ہے کہ گویا یوں سمجھا جائے کہ میں بیٹا دینے آیا ہوں۔

قَالَتْ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلَامٌ | حضرت مریمؑ نے اس پیشگوئی کو سن کر حیرت اور تعجب کا بے ساختہ اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ غلام سے مراد اس جگہ بچہ ہے۔ حضرت مریمؑ کہتی ہیں کہ کسی مرد نے مجھے نہیں چھوا اور نہ ہی ناجائز طور پر میں حد سے تجاوز کرنے والی یا بدکار ہوں۔ بَغَتِ الْمَرْأَةُ کے معنے ارتکاب بدی کے ہوتے ہیں۔ گویا اس طرح بچے کی ولادت کو وہ محال سمجھتی ہیں۔ یہ فقرے حضرت مریمؑ نے یا تو ظاہری طور پر کہے ہیں اور آپ اس شخص کو کہتی ہیں کہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں اور یا فقرات عالم کشف میں کہے گئے ہیں۔ رؤیا کی صورت میں ان کے قلب پر یہ اثر ہے کہ یہ ولادت بن باپ ہونے والی ہے۔

قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ | اس نے

جواب دیا کہ ٹھیک ہے بات یونہی ہے۔ یہ ولادت بے باپ ہی ہوگی۔ تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا مجھ پر آسان ہے۔

لفظ هَيِّنٌ تقابل کے لئے نہیں آیا بلکہ یہ بتانے کیلئے آیا ہے کہ اگرچہ بن باپ ولادت بظاہر ناممکن ہے مگر اللہ تعالےٰ کے لئے هَيِّنٌ ہے۔

وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ج لِنَجْعَلَهٗ پر جو لام آتا ہے یہ لام عاقبت کہلاتا ہے

اس کے معنے یہ ہیں کہ حضرت مسیحؑ ہمارے اس فعل کے نتیجہ میں لوگوں کے لئے آیت بن جائے گا اور اس کا وجود ہماری رحمت قرار پائے گا۔

حضرت مسیحؑ کی نبوت بنی اسرائیل کے لئے رحمت تھی اور ان کی بن باپ ولادت اس بات کے لئے آیت تھی کہ اب آئندہ نبوت کا سلسلہ بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسمٰعیل میں شروع ہوگا۔

ہر نبی اپنے اپنے درجہ میں اٰيَةً ہوتا ہے۔ ہم حضرت مسیحؑ کی اہمیت اور ان کی شان کے منکر نہیں لیکن ایسے کسی لفظ کی وجہ سے انہیں باقی سب نبیوں بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دینے کے لئے تیار نہیں۔ لفظ اٰيَةً کا استعمال حضرت حزقیلؑ کے حق میں ہوا ہے۔ فرمایا وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (بقرہ ع ۳۵) حضرت صالحؑ کی اونٹنی کے حق میں بھی لفظ اٰيَةً آیا ہے۔ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (اعراف ع ۱۰) فرعون کے بارے میں بھی لفظ اٰيَةً وارد ہوا ہے۔ فرمایا لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (یونس ع ۹) پس لفظ اٰيَةً کے استعمال کے معنے یہ ہیں کہ اس چیز کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی صداقت نظر آجاتی ہے۔

لفظ رَحْمَةً مِّنَّا بھی حضرت مسیحؑ کی غیر معمولی فضیلت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰؑ کو حَنَانًا قرار دیا ہے جو مجسم رحمت کو کہتے ہیں (مریم ع ۱) گویا حضرت مسیحؑ رحمت کا نشان تھے اور حضرت یحییٰؑ مجسم رحمت تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ٹھہرایا ہے۔ فرمایا وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء ع ۷) اس جگہ العَالَمِيْن کے لفظ میں سب قومیں خصوصاً بنی اسرائیل شامل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا مختص الزمان والمکان نہیں ہے۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ اور یہ امر فیصلہ کر دیا گیا ہے

لفظ قضاء اور قدر حقیقتاً ہم معنی نہیں ہیں۔ قضاء کے معنے کسی امر کا فیصلہ کر دینے کے ہوتے ہیں وہ فیصلہ قولاً ہو یا فعلاً ہو۔ اور پھر قضاء الٰہی بھی ہوتی ہے اور بشری بھی۔ قضاء اللہ کا لفظ قدر اللہ سے اخص ہوتا ہے۔ قدر کا مفہوم سکیم بنانا ہے اور قضاء اس سکیم کے جاری کرنے کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اس موقع پر وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا کے یہ معنے ہیں کہ عام رنگ میں بن باپ بیٹا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کے لئے هَيِّنٌ ہے۔ یہ ایک قدر ہے مگر حضرت مریمؑ کے ہاں ایسے بیٹے کے پیدا ہونے کا فیصلہ خدائی قضاء اور اٹل فیصلہ ہے۔

فَحَمَلَتْهُ خدائی حکم کے ماتحت حضرت مریمؑ کو حمل ہوگیا۔ کس طرح ہوا؟ یہ ایک الٰہی راز ہے عام قانونِ قدرت سے بالا ہے۔ جماعت احمدیہ حضرت مسیحؑ کی بے باپ ولادت کی معتقد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب مواہب الرحمٰن میں حضرت مسیحؑ کی بے باپ ولادت کو اپنے عقائد میں سے قرار دیا ہے۔

قیاسی طور پر بھی حضرت مسیحؑ کی بن باپ ولادت کا ماننا قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ تاریخوں میں اس نوع کی ولادت کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں۔ چین کے منچو خاندان کے جدِّ اعلیٰ کی ولادت بن باپ مانی جاتی ہے۔ چنگیز خان کی پیدائش بھی بے باپ بیان ہوئی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں ایسے متعدد واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔

فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ حضرت مریمؑ اسے لیکر دور مکان میں ایک طرف ہو گئیں۔

بائیبل میں بیان شدہ حالات کے لحاظ سے مکاناً قصیّاً سے مراد بیت لحم کا مکان ہے۔ وہ ناصرہ کی بستی سے دور تھا۔ حضرت مریمؑ کے اس سفر کے حالات لوقا باب ۲ میں درج ہیں۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ المخاض کے معنے دردِ زہ شدید درد کے ہیں۔ پیدائش کے وقت کے قریب آنے کا نام بھی المخاض ہے۔ حضرت مریمؑ کو دردِ زہ کی شدت کھجور کے تنے کے پاس لے آئی۔ جِذْعِ النَّخْلَةِ کھجور کے تنے یا بڑی شاخ کو کہتے ہیں۔ اس درخت کے پاس آنے سے انہیں سایہ بھی حاصل ہوا اور سہارا بھی مل گیا۔

قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ انہوں نے کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔ یہاں نسیاً منسیاً کا لفظ زور دینے کے لئے آیا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ چونکہ بچہ بے باپ تھا حضرت مریمؑ نے شرم کے باعث یہ فقرے کہے ہیں مگر یہ درست نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر ماں پہلے بچہ کی ولادت کے وقت شدید تکلیف کے باعث ایسے ہی فقرے کہتی ہے۔ یہ غیر معمولی بات حضرت مریمؑ سے مخصوص نہیں ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس ذکر میں شاید باریک طور پر اس خیال کی تردید ہے کہ حضرت مسیحؑ پیدائش کے وقت روئے نہ تھے، اسلئے صرف وہی مسِّ شیطان سے پاک تھے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ولادت کے وقت مسیحؑ کا نہ رونا غیر طبعی امر ہے یونہی فرضی بات ہے۔ حضرت مریمؑ تو اس تکلیف سے يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا تک پکار اٹھی تھیں۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ حضرت مریمؑ کو اس کے تحت سے آواز آئی کہ تو غمگین نہ ہو تیرے رب نے تیرے نیچے کی جانب چشمہ پیدا کر رکھا ہے۔

مفسرین نے تحتہا سے حضرت مریمؑ کے جسم کا نچلا حصہ مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آواز حضرت مسیحؑ نے پیدا ہوکر دی تھی یا فرشتہ نے دی تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش بیت اللحم میں ہوئی ہے اور بیت اللحم پہاڑی علاقہ ہے۔ شہر سے چند فرلانگ پر پانی ہے جو ڈھلوان کی طرف ہے پس مِنْ تَحْتِهَا کے صاف معنے یہ ہیں کہ حضرت مریمؑ کو تحتانی جانب یا ڈھلوان کی طرف سے آواز آئی۔ اور ادھر سے آواز دینے میں یہ حکمت تھی کہ تا مریمؑ کو معلوم ہو جائے کہ پانی کا چشمہ کدھر ہے۔ ان معنوں میں کسی قسم کا تکلف نہیں ہے بیت اللحم کی جغرافیائی حالت اس کی تائید کرتی ہے۔ حضرت مریمؑ کو پانی کی ضرورت تھی، اللہ تعالےٰ کے فرشتے نے آواز دیکر انہیں بتا دیا کہ یہاں ڈھلوان میں چشمہ موجود ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو حضرت اسمٰعیلؑ سے مشابہت دی ہو۔ وہاں آبِ زمزم کا انکشاف ہوا تھا اور یہاں پر بھی چشمہ کا پتہ لگا ہے۔ سَرِیًّا کے معنے چلنے والی چیز کے ہیں۔ چشمہ جاری ہوتا ہے اسلئے چشمہ کو بھی سَرِیٌّ کہتے ہیں۔ بلند مرتبہ والا بچہ بھی سریٌّ کہلاتا ہے۔ گویا یہ خبر دی گئی تھی کہ حضرت مسیحؑ نہایت شاندار انسان ہوں گے۔

وَهُزِّيٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ تو کھجور کی شاخ کو ہلا وہ تجھ پر عمدہ تازہ کھجوریں گرائے گی۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ج تو کھا، پی اور آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کر۔ حضرت مریمؑ کی ضروریات کو پورا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کھانے کے لئے کھجوریں عطا فرمائیں اور پینے کے لئے چشمہ کا پتہ دیدیا نیز اس پانی سے بچے کو صاف کر کے انہیں اطمینان حاصل ہوگا۔

اس سے بھی پتہ لگتا ہے کہ پانی کا یہ چشمہ نیچے کی جانب تھا۔

قرآنی بیان کی فضیلت اور حکمت

عیسائی روایات کے مطابق حضرت مسیحؑ کی ولادت ماہ دسمبر میں ہوئی ہے اُس وقت تازہ کھجوریں درختوں کی شاخوں پر نہیں ہوتیں۔ اسلئے عیسائی کہتے ہیں کہ قرآنی بیان درست نہیں۔ اسی لئے ہمارے مفسرین نے جذع النخلۃ کی طرف آنا صرف سہارا کیلئے قرار دیا ہے اور بعض نے اسے معجزہ قرار دیا ہے کہ کھجور کے سوکھے تنے سے کھجوریں گر پڑیں۔

عیسائیوں کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بائیبل کے رُو سے بیت اللحم کا علاقہ کھجوروں کا علاقہ ہے (قاضیوں ۱/۱۶) قرآن مجید نے رُطَبًا جَنِيًّا کہہ کر حضرت مسیحؑ کی ولادت کا زمانہ متعین فرمایا ہے اور انجیلی روایت کی اس بارے میں تغلیط فرمائی ہے۔ عیسائیوں نے بے بنیاد خیال پر حضرت مسیحؑ کی ولادت دسمبر میں قرار دی ہے اور ایک فرقہ نے مارچ اپریل میں بتلائی ہے۔ قرآن مجید نے رطباً جنیًّا کا واقعہ ذکر کر کے بتلا دیا کہ عیسائیوں کا بیان غلط ہے حضرت مسیحؑ کی ولادت ان دنوں ہوئی تھی جب یہودیہ کے علاقہ میں کھجوریں پکی ہوئی تیار تھیں یعنی اگست کے مہینہ کے قریب یہ ولادت ہوئی تھی۔

انجیل لوقا حضرت مریمؑ کا بیت اللحم میں جانا مردم شماری کی وجہ سے بتاتی ہے حالانکہ حضرت مسیحؑ کی ولادت والے سال میں فلسطین میں مردم شماری کا ہونا ہی سرے سے غلط ہے۔ رومی تاریخ سے ثابت ہے کہ مسیحؑ کی پیدائش کے سال میں کوئی مردم شماری نہ ہوئی تھی۔ یوسیفس کہتا ہے کہ مسیحؑ کے ساتویں سال یہ مردم شماری ہوئی تھی۔ لوقا نے گورنر کا جو نام بتایا ہے وہ بھی رومی تاریخ کے مطابق نہیں ہے (انسائیکلوپیڈیا جلد ۳) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوقا نے اپنی انجیل میں جو مسیحؑ کے ۸۵ سال بعد میں لکھی گئی عمداً غلط روایت درج کی ہے تاکہ خدا کا بیٹا قرار دینے کا افسانہ بنایا جاسکے حقیقت صرف یہ تھی کہ ناصرہ سے یوسف نجار حضرت مریمؑ کو ساتھ لیکر بیت اللحم اسلئے گئے تھے تاکہ انہیں خواہ مخواہ ناصرہ کے لوگوں کی زبانِ طعن کا نشانہ نہ بننا پڑے۔

انجیلی بیان اور دیگر قرائن سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وسط نومبر میں حمل قرار پایا۔ فروری، مارچ میں یوسف بالہام الٰہی حضرت مریمؑ کو گھر لے آئے۔ جب بات نمایاں ہونے لگی تو وہ مئی جون میں انہیں ناصرہ سے

بیت اللحم لے گئے وہاں پر جولائی اگست میں حضرت مسیحؑ کی ولادت ہوئی۔ جب وہ کچھ عرصہ بعد ناصرہ آئے تو دسمبر میں ولادت قرار دیدی گئی اور مردم شماری کا فسانہ بنا کر بات کو چھپانے کی کوشش کی گئی۔

پس یہ درست ہے کہ قرآن مجید نے رُطَباً جَنِیّاً کہکر انجیلی روایت کی تردید کی ہے اور حضرت مسیحؑ کی ولادت کا صحیح زمانہ متعین فرمایا ہے۔ رومی تاریخ کے واقعات کے رُو سے بھی قرآنی بیان کی تائید ہوتی ہے لہذا قرآن مجید کے بیان کی فضیلت اور حکمت روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۝ اگر تجھے کوئی نظر آئے تو اُس سے کہدینا کہ میں نے خدا کے لیے روزہ رکھا ہوا ہے میں آج کسی آدمی سے بات نہ کروں گی۔

مفسّرین نے اس روزہ سے مراد بولنے کا روزہ لیا ہے اور الکلّم سے مراد کلام لیا ہے۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ کلام سے روزہ بھی ہے اور کلام کا حکم بھی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صوم کے معنے روکنے کے ہوتے ہیں۔ یہاں کلام کی حدبندی مراد ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں بکثرت کلام نہ کروں گی، ہاں ذکر الٰہی کرتی رہوں گی۔ عام طور پر بھی نفاس میں کھانے پینے کا روزہ نہیں ہوتا۔ انہیں تو کُلِی وَ اشْرَبِي کا صریح حکم دیا گیا ہے اسلئے یہاں صوم سے مراد زیادہ باتیں نہ کرنا ہے۔ "زیادہ" کی قید قُولِي کے حکم کی وجہ سے ہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ وقت ٹل جائے۔ بچہ نیا پیدا ہوا تھا زیادہ چرچا نہ ہونے پائے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ حیض و نفاس میں عورتیں دل میں ذکر الٰہی کر سکتی ہیں۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۚ حضرت مریم حضرت مسیحؑ کو لیکر اپنی قوم کے پاس آئیں۔

ہمارے مفسّرین بالعموم اس طرف گئے ہیں کہ حضرت مسیحؑ بالکل بچے تھے اور حضرت مریمؑ ولادت کے معاً بعد انہیں گود میں اُٹھا کر اپنے رشتہ داروں کے پاس لے گئیں اور وہاں پر حضرت مسیحؑ نے یہ ساری گفتگو کی۔ اناجیل میں اس قسم کے معجزہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس جگہ ایک بڑا اہم سوال یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ بچپن میں نبی نہ ہوئے تھے تو انہوں نے اس معجزہ کے سلسلہ میں وَجَعَلَنِي نَبِيًّا (کہ میں نبی بن چکا ہوں) کس طرح کہدیا۔ کیا معجزہ کی بُنیاد غلط بیانی پر ہوتی ہے؟

تاریخی تحقیق سے ثابت ہے کہ حضرت مسیحؑ نے یروشلم میں آکر یہ مکالمہ قریباً تینتیس ۳۳ سال کی عمر میں کیا ہے یعنی بعثت کے تیسرے سال۔ اس سفر کا ذکر انجیل متی باب اکیس ۲۱ میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں مندرجہ گفتگو اُسی وقت ہوئی ہو۔

تَحْمِلُهُ کے معنے اس تفسیر پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت میں تو تَحْمِلُهُ کا لفظ ہے جس کے معنے گود میں اُٹھا لانے کے ہیں اور تینتیس ۳۳ سال کی عمر میں یہ کس طرح صادق آسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں حَمَلَ کے معنے گود میں اُٹھانے کے علاوہ بھی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا (سورۃ الجمعہ) یہاں دونوں جگہ حمل کے معنے اُٹھانے کے نہیں بلکہ تائید و نصرت اور اس کے مطابق عمل کرنے کے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حمل الشیٔ کے ایک معنے اس کی تائید کرنے اور اُس کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کے بھی ہیں۔ (باقی آئندہ)

تحقیق اُمّ الالسنہ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونیکا قطعی ثبوت

(۹)

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ۔ لائلپور)

فارمولا رفعِ تکسیر

گذشتہ دو قسطوں میں فارمولا رفعِ تکسیر کا بیان ہوا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ :-

۱- تکسیر صغیر سے یہ مراد ہے کہ جب واول گرا کر دو کانسونینٹ باقی رہیں تو ایک حرفِ تکسیر کو ملانے سے عربی ماخذ بحال ہو جاتا ہے۔

۲- تکسیر کبیر۔ یعنی جب واول گرا کر صرف ایک کانسونینٹ باقی رہے تو دو حروف تکسیر کے ملانے سے عربی ماخذ دستیاب ہوتا ہے۔ دونو قسموں کی کثیر مثالیں دی جا چکی ہیں لیکن تکسیر کی دو قسمیں ابھی اور باقی ہیں۔ جن کے ذکر کے بغیر یہ فارمولا تشنۂ تکمیل رہے گا۔ اسلئے اُن کا بیان ضروری ہے۔

۳- تکسیر ہالک۔ ظاہر ہے کہ بعض عربی الفاظ ایسے ہیں جو صرف حروفِ تکسیر (ع۔ا۔ہ۔ح۔و۔ی) میں سے کسی دو یا تین کے ملنے سے بنے ہیں۔ یہ بھی گذر چکا ہے کہ انگریزی تہجی میں واول یا تو اعراب کا بدل ہیا یا حروفِ تکسیر کا۔ (An - این) (Ab - ایب) (It - اِٹ)؛ (Out - آؤٹ) (Up - اَپ) گویا ہر واول الف کا بدل ہے۔ اور ہمارا قاعدہ ہے کہ ہم واول کو گرا دیتے ہیں۔ اندریں حال جو الفاظ محض حروفِ تکسیر کے ملنے سے بنے ہوں گے بالکل ممکن ہے کہ وہ غیر زبان میں جا کر محض واولوں پر مشتمل ہوں۔ پس واول گرا لینے کے بعد ہمارے ہاتھ میں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا! اور عربی ماخذ دریافت کرنے کیلئے ہمیں اُس لفظ کی آواز کو قائم کر کے تین حروفِ تکسیر لانے پڑیں گے اور اس عمل کا نام رفعِ تکسیر ہالک ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے الفاظ بہت ہی شاذ ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک قسم ہوئی۔ دوسری قسم یوں ہے کہ محض واولوں کا بولا جانا بہت ہی سُبک اور خفیف ہوتا ہے اور سماعت کے لئے مشکل۔ اسلئے ایسے

الفاظ کے ساتھ سہارے کے طور پر کوئی کانسونینٹ زائد لگا دیتے ہیں یا لہجہ خود کسی کانسونینٹ کا سہارا لے لیتا ہے تا کہ لفظ میں ثقل اور بلند آہنگی پیدا ہو کر سماعت اور اخذ میں سہولت ہو۔ دو تو قسم کی مثالیں اس نظری امر کو واضح کر دیں گی۔

(۳) تکسیر ہالک

۱۔ Eia۔ خوب! وَیح۔ کلمۂ تعجب۔

۲۔ Aio۔ ہاں لاطینی لفظ ہے = اِیٓ۔ ہاں۔ انگریزی میں Aye ہوا۔ جسکی ایک شکل yea بھی ہے (ی) گراں ہو کر (ج) ہو جاتی ہے۔ اسلئے پرانی انگریزی میں gea اور جرمن میں ja اور ہندی میں (جی بمعنی ہاں) اور S کے اضافہ سے یہی لفظ yes ہوا۔

۳۔ Eau۔ زندگی۔ پرانی لاطینی کا لفظ ہے = حَیِی۔ زندہ ہونا۔ واولوں نے بہت ہی سبک اس لفظ کو کر دیا تھا۔ اسلئے اس پر B کا اضافہ ہوا تو لاطینی میں Bis اور انگریزی میں صرف Be رہ گیا۔ گویا حَیِی کے تینوں حروف کا بدل محض e انگریزی میں ہے۔

۴۔ ھَیّا۔ تیار کرنا۔ F کے اضافہ کے ساتھ لاطینی میں Fis تیار کرنا۔ بنانا۔ ہے

۵۔ Aus۔ سُننا۔ S زائد ہے۔ Au = وعی۔ سُننا۔ یہی لفظ رُوٹ ہے (ear۔ کان) R کے اضافے سے اور (audienc۔ سامعین) اور (hear) یہ اضافہ R اور H کا۔

۶۔ Hyeta۔ بارش۔ یونانی لفظ ہے۔ T زائد ہے۔ حیا۔ بارش۔

چونکہ محض اصول کو واضح کرنا مقصود ہے اسلئے یہ مثالیں کافی ہیں۔

نکتہ۔ جب کسی لفظ کا ابدال صرف واولوں میں ہو جائے تو کانسونینٹ کا سہارا لینا ضروریات سے ہے۔ جیسا کہ الفاظ مندرجہ صدر میں ہوا۔

غیر ذوی العقول جاندار صرف واولوں کی آواز کو ادا کر سکتے ہیں۔ انسان کی زبان ہی کانسونینٹ ادا کرنے کی صلاحیت اور طاقت رکھتی ہے جو مختلف لغات اور نطق کا موجب ہے۔ خلق الانسان علّمه البیان۔

تکسیرِ ناقص

مذکورہ بالا تکسیریں (صغیر۔ کبیر۔ ہالک) ایک جچے تلے حسابی قاعدے کے مطابق واقع ہوتی ہیں لیکن ایک قسم کے الفاظ ایسے بھی ہیں جن کو توڑ پھوڑ کر حرف صحیح کو بھی گرا دیا جاتا ہے۔ اور یہ عموماً روزمرہ بولی میں یا پیار کے طور پر بچوں کے ناموں میں واقع ہوتا ہے۔ گویا تابع مہمل کی طرح یہ ایک تغیر ہے۔ ایسے الفاظ دراصل لغت نہیں ہوتے اور نہ ہی اہلِ لغت ان کو شمار میں لاتے ہیں۔ سوائے معدودے چند کے۔ جسے Corruption کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سوائے قرینہ قویہ کے ایسے الفاظ کا ماخذ نہ تو حجت ہے اور نہ دریافت کرنا چاہیئے۔ مضمون کی تکمیل کے لئے اس کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ مثال :۔

۱۔ Rod صریحاً طراد (ڈنڈا) بحذفِ ط نظر آتا ہے۔

اور مثالیں دینے کی یہاں ضرورت نہیں۔

تکسیرِ ناقص کو چھوڑ کر فارمولا رفعِ تکسیر اصولاً تین اقسام پر مشتمل ہے اور یہ فارمولا تخمیناً ستر فی صد الفاظ کی تحقیق میں کارگر ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے یعنی یہ کہ حروفِ تکسیر (ع۔ ا۔ ہ۔

و۔ی) ایسے حروف ہیں جو اکثر و بیشتر مصدر ثلاثی میں شامل ہیں۔
بہت کم ایسے مصدر ہوں گے جو اِن چھ حروف سے بے نیاز ہوں
اور یہی چھ حروف کثرتِ لغت اور امتیازِ ہجاء کا باعث ہیں۔
لیکن عجمی زبانوں میں جا کر یہ رعایت قائم نہیں رہتی اور بہت کچھ
گڑبڑ مچ جاتی ہے۔ اِس وقت یہ بات فطری ہے لیکن آئندہ
فارمولوں میں بالکل واضح ہو جائے گی۔

دراصل اِن تمام فارمولوں میں جو بیان ہوتے یا ہوں گے
اِن چھ حروف کا دخل، اثر اور تصرف کسی نہ کسی رنگ میں ضرور
موجود ہے۔ اب ہم فارمولا رفع تکبیر کو ختم کرتے ہیں اور ایک
نیا فارمولا پیش کرتے ہیں۔

فارمولا رفعِ زوائد

"وبعضها بدا کریه الشکل کثیر
الاختلال۔ کانه بدی کالاطفال
بذءتها اعین الناظرین ۔۔۔ اور بعض
بُری شکل کے ساتھ ظاہر ہوئے اور صورت بگڑ گئی
گویا اُن کو بچوں کی طرح چیچک نکل آئی ہے یہاں تک
کہ دیکھنے والوں نے اُن سے کراہت کی۔"

(منن الرحمٰن صفحہ ۹۱)

بید انها اخرجت من المنازل
المقررة، وبعدت من الاوطان
الموروثیة وبوعدت من الاتراب
وهیل علیها الزوائد کهیل التراب
ہاں اتنا ہے کہ وہ منازل مقررہ سے نکالے گئے
اور اپنے موروثی وطنوں سے دور کئے گئے۔
اور اپنے ہم عمروں سے الگ کئے گئے اور اُن پر
زوائد ڈالے گئے جیسے کہ مٹی ڈالی جاتی ہے۔

(منن الرحمٰن صفحہ ۹۱-۹۲)

"فستعلم عجرها وبجرها وسنبدی
لك حصاتها وحجرها۔ وندعو الی
الحق قوماً منصفین۔ اور عنقریب تو اُنکی
حقیقت جان لیگا اور ہم عنقریب اُنکے سنگریزے
اور پتھر تیرے پر ظاہر کریں گے تاکہ ہم منصف
لوگوں کو حق کی طرف بُلا دیں۔" (منن الرحمٰن صفحہ ۹۲)

حضورؑ کی عبارات مذکورہ سے ظاہر ہے کہ عجمی الفاظ میں بعض زائد حروف بھی داخل ہو گئے ہیں جنہوں نے اصلی الفاظ کو گویا چیچک رُو بنا دیا ہے یا سنگریزوں کی طرح اُن میں کھٹکنے لگے۔ یا یہ کہ اُن پر مٹی ڈالی گئی۔ حضورؑ نے یہ تین استعارے زوائد کے بارے میں استعمال فرمائے ہیں۔ یعنی الفاظ کا چیچک رُو ہو جانا اُن پر مٹی پڑ کر اُن کا گرد آلود اور مکدر ہو جانا اور سنگریزوں کا اُن میں ثقل پیدا کرنا۔

الفاظ کے کچھ ہجاء تو اسلئے مختلف ہو گئے کہ التباس سے بچانے کے لئے زائد حروف داخل کئے گئے اور یہ غیر طبعی زائد حروف ہیں۔ اور کچھ زوائد اسلئے وجود پذیر ہوتے کہ اب ہو[illegible] کے فرق سے لہجے پر اثر پڑا۔ یہ طبعی زوائد ہوں گے۔

عاجز کی تحقیق میں زائد حروف کی اقسام حسب ذیل ہیں لیکن یہ انتباہ ضروری ہے کہ ابتدائی قیاس یہ ہونا چاہیئے کہ کوئی حرف زائد نہیں جب تک قرینہ قویہ اس پر قائم نہ ہو۔ پس اقسام زوائد حسب ذیل ہیں:۔

(ا) حرفِ صوت:۔ اصلی لفظ کے آخر میں یا لام کلمے کے ایک حرف زائد ہوتا ہے گویا لہجے کے پھیلاؤ کو روک[illegible]

کے لئے یہ ایک سدّ اور رُکاوٹ کا کام دیتا ہے۔ مثلاً قِلّ (کپکپی) Cold ہوگیا۔ D زائد ہے۔ بالعموم یہ زائد حرف اُسوقت آتا ہے جب لام کلمہ حروفِ تجبیر (ع۔ا۔ہ۔ح۔و۔ی) میں سے کوئی ہو۔ کوئی سا حرف صحیح یعنی کانسوننیٹ حرفِ صفت ہوسکتا ہے۔ اور یہ موقوف ہے لہجے کے اختلاف یا لفظ کی مجموعی ساخت اور تلفظ پر۔ نیز بعض قوموں کو گویا بعض حروف سے پیار ہوتا ہے اور ایسا حرف وہ آخر میں زائد لاتے ہیں۔ عموماً R - T - D - S آخر میں زائد ہوتے ہیں کیسکہ یعنی قبیلہ تمیم کے لہجہ میں کاف کے ساتھ سین کا الحاق مثلاً اکرمتکَ کی بجائے اکرمتکس کہنا بھی حرفِ صوت کا ثبوت ہے۔ لاطینی میں بھی S لفظ کے آخر میں اکثر زائد آتا ہے۔

ایک سبب حرفِ صوت کا یہ بھی ہے کہ یہ حرف کسی لاحقے کے لگنے کے لیئے ایک مستعد درمیانی واسطہ بن جاتا ہے مثلاً اَرَسَ = Arrest) اس میں T زائد اسلئے ہے کہ Arrested ماضی بننے کے لئے یہ پیوند کا کام دیتا ہے۔ اور نیز ہجاء کا امتیاز بھی قائم کرتا ہے۔ اگر Arresed کہتے تو تلفظ کا ادا کرنا مشکل اور سماعت کے لئے دقت طلب ہوتا۔

غرضیکہ حرفِ صوت اس کانسوننیٹ کا نام ہے جو اصل رُوٹ کے آخر میں زائد ہو۔

(ب) **حرفِ وصل**:۔ جب کسی لفظ کے ساتھ Prefix یا Suffix لگاتے ہیں یا دو الفاظ کو مرکب بناتے ہیں تو درمیان میں ایک خلا سا رہ جاتا ہے اُسے پُر کرنے کے لئے اور لفظ کے دونوں اجزاء کو ہموار کرنے کیلئے درمیان میں ایک کانسوننیٹ زائد لاتے ہیں تاکہ لفظ دو ٹکڑوں میں بٹا رہنے کی بجائے ایک مفرد اور یکجان لفظ معلوم ہو۔ مثلاً ھَلَسَ (بے ہوشی کی گفتگو کرنا) سے Hallucinate بنا ہے۔ N نے دونوں اجزاء کو باہم پیوند لگایا ہے۔ یعنی ate لاحقہ لگ کر اور دونوں اجزاء مل کر N کی وجہ سے ایک لفظ بن گیا ہے۔ شَقّ سے شکستن میں سین حرفِ وصل ہے جس نے "تن" علامتِ مصدری اور شَقّ (پھاڑنا۔ چیرنا یعنی توڑنا) دونوں اجزاء کو ملایا ہے۔

(ج) **حرفِ مکرّر یا حرفِ جواب**:۔ بعض دفعہ پہلا حرف آخر میں دُہرایا جاتا ہے۔ یہ بھی حرفِ صوت کی ایک قسم ہے۔ اِس لحاظ سے کہ یہ آخر میں حرفِ صوت کی طرح زائد ہوتا ہے لیکن یہ پہلے حرف کا تکرار یا جواب بھی ہوتا ہے مثلاً (قاوِ۔ خالی) سے وَاک۔ دوسرا کاف حرفِ مکرّر ہے۔ لیکن لاطینی میں (قاوِ) مقلوب ہوکر Vacate ہوگیا ہے۔ بعض دفعہ حرفِ مکرّر شروع میں بھی آجاتا ہے جیسے (عَین۔ آنکھ) سِی نِین۔

(د) **حرفِ مشدّد**:۔ عجمی لہجے اجتماع حرکات کو یا اجتماع ساکنین کو آسانی سے ادا نہیں کرسکتے۔ تَفْرِقَہ۔ تجْربہ کو (تَفَرْ۔قہ۔ تجَر۔بہ) کہیں گے اور وزن فعَلٌ کو (فَا۔ لَا) یا (فعْ۔لَا) کی صورت میں ادا کریں گے۔ اسلئے ع کلمہ مشدّد ہوجاتا ہے۔ مثلاً ھَمَرَ کی بجائے ham - mer ہوگیا ہے۔ ایسا حرفِ مشدّد دو کی بجائے ایک شمار ہوگا۔ اس کی مثالوں کی ضرورت نہیں۔

(ہ) **حرفِ حشو**:۔ بعض دفعہ لفظ کے درمیان یا بطن میں ایک زائد حرف پیدا ہوجاتا یا امتیازِ ہجا کیلئے ڈال دیا

جاتا ہے۔ مثلاً Grasp کی بجائے Grip -
Clasp کی بجائے Clip - یہ دونوں S حرفِ
حشو ہیں اور ناقابلِ شمار۔ عموماً R اور L حرفِ حشو
ہوتے ہیں۔

(و) **حرفِ غنہ** :۔ نون غنہ داخل تہجی نہیں ہے۔ ناک
کی طرف سے اخراج ہوا کی وجہ سے غنے کی آواز پیدا
ہو جاتی ہے۔ یہ غنہ کتابت میں آجاتا ہے۔ گویا غنے کا
اعلان کیا جاتا ہے۔ مثلاً (ساق۔ پنڈلی) کی بجائے
Shank - (فخ۔ پھونکنا) پنجابی میں پھوک
اور اُردو میں پھونکنا۔ اسی کا مزید علیہ پھنکارنا ہے۔
ایسا N خارج از شمار ہوگا۔ عموماً غنہ درمیان میں
ہوتا ہے۔

علاوہ نون غنہ کے تین اور غنے زائد ہوتے ہیں یعنی
دوم۔ M غنہ۔ اس سے مراد وہ زائد میم ہے جو
B یا P کے ساتھ زائد پیدا ہو جائے۔ مثلاً
Clip سے Clamp۔

Dumb - گونگا = DM = gM = اعجم = گونگا
D کا ابدال g میں بعض دفعہ ہو جاتا ہے۔ اس لفظ
کا رُوٹ بلحاظ اصل انگریزی والوں کو نہیں ملا۔

چہارم۔ P غنہ سے مراد وہ P ہے جو M کے ساتھ
زائد پیدا ہو جائے۔ مثلاً Camp = خیمہ ہے
M کے ساتھ P زائد پیدا ہو گئی ہے۔

اس لحاظ سے حرفِ غنہ ہماری اصطلاح میں چار قسمیں
رکھتا ہے۔ یعنی N - M - B - P زائد پیدا ہو جاتے ہیں۔

الف زائدہ بہت دفعہ دو سلسبل بنانے کے لئے شروع
میں زائد آتا ہے۔ مثلاً (زعم۔ دعویٰ غرور) = Assume
یا (مزاح۔ خوش طبعی کرنا) = Amuse - چونکہ واول
کو ہم گرا دیتے ہیں اسلئے ایسے الف زائدہ کی طرف اشارہ کرنا
ہی کافی ہے۔ یاد رہے کہ اس زائد الف کے ساتھ بعض وقت
N اور M غنہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً (بعث۔ بھیجنا) سے
Embassy - (بذ۔ مثل۔ مانند) سے انباذ وغیرہ۔

تنبیہہ :۔ بہترین رُوٹ وہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ
حروف کھپ سکیں۔ گو ایک حل ایسا بھی ہو جو کسی حرف کو زائد
شمار کرنے سے درست ہو۔ یہ تنبیہہ اسلئے ہے کہ بلا اضطرار اور
بلا وجہ کسی حرف کو زائد نہ شمار کیا جائے۔ مثلاً Sad کی D کو
زائد شمار کرنے سے (ساد۔ غمگین ہونا) کی نسبت SD = Sad
= KD = کاڈ۔ غمگین ہونا۔ بہتر رُوٹ ہے۔ اس تنبیہہ کا درج
کرنا اسلئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ اصول کی پابندی قائم رہے۔
اور نیز حروف کی قدر و قیمت ضائع نہ جائے۔ مغربی محقق رُوٹ
قائم کرنے میں حروف کی قدر و قیمت کو نہیں سمجھتے اور بہت دفعہ
لفظوں کو توڑ پھوڑ کر اور کم و بیش کر کے رُوٹ نکالتے ہیں۔
پس بہت سی غلطیاں اُن سے سرزد ہو جاتی ہیں۔

حروفِ غنہ کے بارے میں منن الرحمٰن کا مندرجہ ذیل حوالہ
قابلِ غور ہے :۔

"انها السنة ما اعطی لها بیان ولا
لمعان۔ الا غمغمه ودخان۔ وہ
بولیاں کچھ ایسی بولیاں ہیں کہ ان کو بیان اور
چمک نہیں دی گئی۔ مگر ناک میں بولنا اور دھواں"
(منن الرحمن صفحہ ۹۳)

واضح ہو کہ حروفِ غنہ پیدا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے

کہ عین کلمہ مشدد ہو کر دو سیلیبل بن جاتے ہیں اور پھر ان میں سے ایک پھٹ کر بدل جاتا ہے۔ مثلاً (قَمَرَ۔ جوا کھیلنا) =

Gamble = Gamber = Gammer

ایک میم پھٹ کر B ہو گیا ہے اور حرف ر، لام میں بدل گیا ہے اس طرح پر ثقل اور تنافر دور ہو گیا۔

یاد رہے کہ خالص چیز پہلے ہوتی ہے اور اس میں آمیزش بعد کو ہوتی ہے۔ پس رفعِ زوائد کا فارمولا بھی عربی کی قدامت اور اُمّ الالسنہ ہونے کے حق میں ایک مضبوط دلیل ہے کیونکہ مندرجہ بالا قسم کی آمیزشوں سے جب ہم کسی لفظ کو پاک و صاف کرتے ہیں تو وہ اپنی قدیمی اور خالص شکل میں دستیاب ہوتا ہے اور مصدر ثلاثی پر منطبق ہوتا ہے۔ نیز وجہ تسمیہ کے زیور سے آراستہ ہوتا ہے۔ یہ الفاظِ دیگر عربی زبان کی خصوصیات سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

ہم نے شروع میں کہا تھا کہ زائد حروف ہمارے فارمولے کے ماتحت اس طرح کٹ کر نکل جائیں گے جیسے کپڑے سے میل یا مکھن سے بال۔ اب اس دعوے کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

رفع لین اور رفعِ تکسیر میں الفاظ پر ایک ایک عمل کیا گیا تھا لیکن رفعِ زوائد میں دو عمل کرنے پڑیں گے یعنی پہلے زائد حرف کو نکالا جائے گا اور پھر وہی دو بنیادی فارمولے یعنی رفعِ لین یا رفعِ تکسیر بروئے کار لائے جائیں گے اب مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اوّل۔ حرفِ صوت

مندرجہ ذیل الفاظ میں آخری حرف چھوڑ دو۔ باقی حصہ عربی لفظ ہے۔

(۱) Cold = CL ۔ قِل۔ کپکپی ۔ Chill اور Cool بھی یہی لفظ ہے

(۲) Clod = CL ۔ قُلاعہ ۔ ڈھیلا

(۳) کُلُوخ = KL (K) ۔ قُلاعہ ۔ ڈھیلا

(۴) Fold = FL = LF ۔ لَفّ ۔ لپیٹنا

(۵) Cloud = CL = قَلَعہ ۔ بادل

(۶) Proud = PR = فرِہ ۔ متکبر ۔ اکڑباز ہونا۔

ق تع ۔ وتنحتون من الجبال بیوتاً فارھین۔

(انگریزی والوں کو اس کا رُوٹ نہیں ملا۔)

(۷) Beard = BR = FR ۔ فرع ۔ بہت بالوں والا ہونا۔ افرع ۔ گنجان بالوں والا۔

(۸) Hazard اس کے معنی اندازہ اور خوف ہیں۔ انگریزی والوں کو اس کا روٹ نہیں ملا۔ HZR حَزَرَ اندازہ لگانا۔ حَذِرَ ۔ ڈرانا۔ گویا Z بدل ہے (ز) اور (ذ) کا۔ اور یہ لفظ homonym ہے۔

(۹) مَرد = MR ۔ مرءٌ ۔ آدمی۔

(۱۰) gourd = GR = قَرْع ۔ کدو

(۱۱) Crowd = CR = غِرّہ = جماعت ناتجربہ کاروں کی۔

(۱۲) Cord = CR = کرّ ۔ رسی ۔ وجہ یہ کہ کرّ لپیٹا جانا رسی کے بل کی طرف نسبت ہے۔

(۱۳) Court = CR ۔ صَرحہ ۔ صحن ۔ صرح ۔ محل۔ انگریزی میں عمارت اور صحن دونو معنوں میں یہ لفظ آتا ہے لیکن بلحاظ محل اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا۔ ق تع صَرحٌ مُمرّدٌ۔

(۱۴) Crust = CRS = CSR = قِشر ۔ چھلکا

(۱۵) Skirt = SKR = KSR کِسْرۃ خیمہ کا حاشیہ۔ کنارہ

(۱۶) Locust = SLC = LCS = سَلْقَہ ۔ ٹڈی

(۱۷) Basket = BSK = KBS = قفص ۔ ٹوکرا

(۱۸) Daunt = DN = ND = نَدَّہ ۔ ڈانٹنا ۔

مندرجہ بالا پانچ الفاظ میں آخری حرف حرفِ صوت ہے لیکن علاوہ اس کے مقلوبیت بھی ان میں واقع ہوئی ہے ظاہر ہے بر غلل در غلل عربی سے مغائرت کا موجب ہے چوری کا مال اُلٹ پلٹ کر لیا جائے تو بھی اصل مالک اُسے پہچان لیتا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدت را مے شناسم

(۱۹) Spirit ۔ رُوٹ کے معنی سانس لینا ہے ۔ SPR = زَفَر ۔ سانس لینا ۔ آہ بھرنا ۔ یہی لفظ aspire وغیرہ کئی الفاظ کا ماخذ ہے ۔

(۲۰) Aghast = GHS ۔ جَهَش ۔ یکدم ڈر جانا ۔

(۲۱) Aunt کا رُوٹ Amita بمعنی پھوپھی ہے ۔ سترھویں صدی تک M قائم رہا جو بعد میں N ہو گیا ۔ قدیم شکل الفاظ کی عربی ہوتی ہے ۔ AM ۔ عمّہ پھوپھی ق تعہ ۔ عمّتکم ۔

(۲۲) terror = TR = ترع ۔ ڈرنا

(۲۳) ترسیدن (S) TR = ترع ۔ ڈرنا

(۲۴) Littera ۔ چھلکا (R) LT ۔ لُحاتہ چھلکا

(۲۵) Libra ۔ چھلکا (R) LB ۔ لحب ۔ چھیلنا

تقلیب نسبت کے لحاظ سے یہ لفظ رُوٹ ہیں ۔ لٹریچر اور لائبریری کے ۔ اسلئے کہ کاغذ کی ایجاد سے پہلے کتابیں درختوں کے چھلکوں پر لکھی جاتی تھیں ۔ الفاظ کی دُنیا بھی ایک عجائب گھر ہے ۔ فتدبّر ۔

دوئم ۔ حرفِ وصل

مندرجہ ذیل الفاظ میں لاحقے سے ملنے کے لئے درمیانی حرف حرفِ وصل ہے جو ہلالین کے اندر دکھایا گیا ہے ۔

(۱) Decorate = DC (R) ۔ دَقّہ ۔ خوبصورتی

(۲) Govern کا رُوٹ Gubernare ہے بمعنی تحکم اور انتظام ہے ۔ GBR (N) ۔ جَبَر درست کرنا ۔ جَبَّر ۔ مجبوراً کام کروانا ۔ نیز جبر بمعنی طاقت ۔ بادشاہ ۔

(۳) Aestus = AS (T) ۔ حَنَمَّا ۔ آگ جلانا

(۴) altus بلند = AL (T) ۔ علا ۔ بلند ہونا

(۵) Attentus مائل = TN (T) ۔ طِنٌ میلان اَطنا ۔ مائل ہونا ۔

(۶) Cribrum چھلنی = CRB (R) ۔ خربہ چھلنی وجہ یہ کہ (خَرَبَ ۔ چھیدنا ۔ سوراخ کرنا)

اِس لفظ کے متعلق ایک امر قابلِ ذکر ہے ۔ ویبسٹر انسٹ ویکلی آکسفورڈ ڈکشنری کے مُدیر دونوں ہی فرماتے ہیں کہ لفظ (غربال ۔ چھلنی) لاطینی سے عربی میں گیا ہے ۔ اور لاطینی میں Cribullum مصغر ہے کا تصغیری ہے ۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ لفظ خربہ ہے نہ کہ غربال ۔ جو کہ علیحدہ لفظ ہے اور انگریزی میں بطور Karble اور garble مصدری معنوں میں مستعمل ہے ۔ اگر بالفرض عربی میں غربال دخیل بھی ہو تو یہ خربہ ہے بحذفِ لام ۔ اور لاطینی میں (خرب چھیدنا سوراخ کرنا) مصدر موجود نہیں ہے اسلئے

وجہ تسمیہ بھی ناپید ہے۔ مُدیر موصوف کی جرح کیا ہے ؎

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

(۷) Hortus۔ باغ۔ (T) HR۔ حَیر۔ باغ۔
بلکہ فصیل دار باغ۔

(۸) Crinis۔ بال (N) CR۔ شَعر۔ بال۔ لاطینی
لفظ ہے۔

(۹) Dorsum۔ پیٹھ (S) DR۔ ظہر۔ پیٹھ۔
ظ = D

(۱۰) گرلیستن = (S) GR = ZR = ذرأ۔ آنسو بہانا۔

(۱۱) نگریستن (S) NGR۔ نظر۔ دیکھنا

(۱۲) شکستن (S) SHK۔ شَقّ۔ چیرنا۔ توڑنا

(۱۳) گذشتن (S) GZ۔ قضیٰ۔ ہو چکنا

(۱۴) خموشیدن (S) GM۔ عَقم۔ خموش ہونا

(۱۵) گریختن (K) GR۔ جَرَی۔ دوڑنا

(۱۶) Somersault۔ قلابازی (R) SM صَیمی
پلٹا کھانا (T) SL۔ صَالَ۔ کودنا۔ R حرفِ وصل
اور T حرفِ صوت ہے۔

(۱۷) شتابیدن (B) ST۔ سَتّا۔ جلدی کرنا

(۱۸) تلاشیدن (S) TL۔ تَلا۔ پیچھے چلنا۔ مجازاً تلاش
کرنا۔ کیونکہ تلاش کا مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز مدنظر ہے
اُس کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور یہ امر نفسیاتی کیفیت کا
مظہر ہے۔

(۱۹) لپیٹنا (T) LP۔ لَفّ۔ لپیٹنا

(۲۰) رگڑنا (R) RG۔ دَقّ۔ پتلا کرنا۔ دھکیلنا پیسنا
کیونکہ رگڑنا پیسنے اور تیز کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔

(۲۱) Ebrius۔ پئے ہوئے = (R) EB عَبّ۔ پینا

سوئم۔ حرفِ مکرر

مندرجہ ذیل الفاظ میں پہلا حرف آخر میں دُہرایا گیا ہے
اور ہلالین کے اندر اُس کا زائد ہونا دکھایا گیا ہے۔

(۱) خشک = (K) KSH = قَشّ۔ خشک ہونا۔
(خوشیدن خشک ہونا) مصدری حالت میں ہے۔
(سُوکھنا = SK = KS = قَشّ)۔ (لاطینی میں
Succis = SC = CS = قَشّ) گویا فارسی میں
یہ لفظ راست حالت میں ہے اور ہندی اور لاطینی میں
مقلوب ہو گیا ہے۔

(۲) Little = (L) LT = اَلَتّ۔ کم ہونا

(۳) باب، باپ، پوپ، Papa۔ سب میں اُب
(اَپ) کی بَ حرفِ مکرر ہے۔ مام، Mamma
میں اُم (ماں) کا میم دُہرایا گیا ہے۔

(۴) کوشک۔ محل = (K) KSH = قُشّ۔ مکان۔ لاطینی
میں Casa (مکان) ہے۔ یہ لفظ کوشک معرب
ہو کر عربی میں گیا ہے اور جوسَق (حویلی) ہو گیا ہے
ق جیم میں بدلا ہے۔ اب بظاہر حال "جوسَق"
صاحب غیر ملکی ہو کر عربی کے گھر میں براجمان ہیں۔ اور
موجودہ صورت میں ؏

یاں کے ہیں گو یاں سے نکالے ہوئے تو ہیں

(۵) Chitraka۔ سنسکرت میں چیتے کو کہتے ہیں۔
K جواب ہے CH کا یعنی حرفِ مکرر ہے معنے سنسکرت
میں داغدار کے ہیں۔ پس:۔
(K) CHTR = RCHT = ارقط۔ چیتا۔ اسکی وجہ تسمیہ

یہ ہے کہ (اَرقط ۔ قطرے چھڑک کر داغ ڈالنا) ۔ اور رُقطہ ۔ سفید و سیاہ داغ) ۔ (یہی لفظ مخفف ہو کر چترا ۔ چتلا ۔ چینل ۔ چیتی پر منتج ہوا ۔ یہ تکبیر ناقص کی مثال ہے)

چہارم ۔ حرفِ حشو

مندرجہ ذیل الفاظ میں ہلالین کے اندر حرف حشو دکھایا گیا ہے :-

(۱) Burly ۔ موٹا تازہ = B (R) L = بلاغ (پٹھو) یہی لفظ Bully ہے ۔

(۲) Flirt ۔ فوراً آپڑنا = FL (R) T = فلط اچانک آپڑنا ۔

(۳) Giglet ۔ بدکار عورت = G (G) LT = جلوط ۔ بے شرم عورت ۔ یہی لفظ بغیر حرفِ حشو Jilt ہے ۔

(۴) Earl ۔ جس کا روٹ J (R) L = ہے Jarl = جَلّ ۔ مشہور، شاندار ۔

(۵) Hurl ۔ پھینکنا = H (R) L = اَلّ ۔ دھتکارنا ۔ زور سے نیزہ مارنا ۔

(۶) Niggard ۔ بخیل = NG (R) D = نکد = روک لینا ۔ نیز (نکد ۔ منحوس، بدبخت) اور (نکدٌ ۔ تھوڑی بخشش) ۔

(۷) Knife = K (N) F = خیفہ ۔ چھری ۔

(۸) Knoll ۔ ڈھیلا = K (N) L = قلاعہ ۔ ڈھیلا

(۹) Learn = L (R) N = لحن ۔ سمجھنا ۔ دانا ہونا

(۱۰) Lurch ۔ دھوکا دینا = L (R) CH = لاص دھوکا دینا ۔ چ ۔ ص کا بدل ہوتی ہے ۔

(۱۱) Lurchi = L (R) CH = لِصّ ۔ چور

(۱۲) Masticate ۔ چبانا = MS (T) C = مضغ چبانا ۔

(۱۳) Margarine ۔ موتی ۔ MRG (R) N مرجان ۔ موتی ۔

پنجم ۔ نونِ غُنّہ

مندرجہ ذیل الفاظ میں N غنہ زائد ہے اور اسے قلم انداز کر دیا گیا ہے ۔

(۱) Shank ۔ پنڈلی = SK = ساق ۔ پنڈلی ۔

(۲) Crank ۔ بے وقوف = CRK = خُرق ۔ عقل کی کمزوری اور (خَرِق ۔ بے وقوف ہونا) یہی روٹ بغیر غنے کے Crack = خرق (پھاڑنا) ہے ۔

(۳) Chink ۔ دراڑ = CHK = شَقّ (دراڑ)

(۴) Pink ۔ گلابی = PK = فقع ۔ سرخ ہونا ۔

(۵) Link (جوڑ) = LK = علاقہ تعلق ۔ جوڑ ۔

(۶) Quench ۔ پیاس بجھانا = QCH = قصع پیاس بجھانا ۔ (چ = ص)

(۷) Clench ۔ دانت بھینچنا = CLCH = صلق دانت بھینچنا ۔

(۸) Shrink ۔ سکڑنا = SHRK = KRSH = کَرِش (سکڑنا) ۔ یہی لفظ سکڑنا بھی ہے ۔

(۹) Wand ۔ ڈنڈا = WD = وَدّ (ڈنڈا)

(۱۰) Sink = SK = KS = غسق ۔ ڈوبنا

(۱۱) Link² ۔ چراغ = LK = اُلَق ۔ روشن ہونا یا لیاق ۔ آگ کا شعلہ)

(۱۲) Links - چراگاہ = LK = لیاق - چراگاہ

(۱۳) Long - چاہنا = LG = لاغ - چاہنا

(۱۴) Lunge - رسّی = LG = علاقہ - لٹکانے کا تسمہ

(۱۵) Lunch - کھانا = LCH = علاق - خوراک

(۱۶) Kynda - آگ پکڑنا = KD = قدح - چقماق سے آگ نکالنا -

(۱۶/۱) آسمان = SM = سماء - آسمان - جو لوگ اسے آسیا + مان - کہتے ہیں غلط کہتے ہیں -

(۱۷) Parangi - چھری = PRG = فریغ - تیز چھری -

(۱۸) اندک (تھوڑا) = DK = دِق - تھوڑا (دِقّہ - چھوٹاپن) -

(۱۹) اندیشیدن - ڈرنا = DSH = دَہش - حیران و پریشان ہونا -

(۲۰) رنگ = RK = ایراق = رنگنا -

(۲۱) سینکنا = SK = سخا (گرم کرنا)

(۲۲) ننگا = N(N)J = اُنجی - ننگا کرنا -

(۲۳) نیند = ND = نَاد - اونگھنا -

(۲۴) کانپنا = KP = قَفَّہ - لرزہ

(۲۵) مینگ = MG = مُخ (گودا - مغز)

(۲۶) سانپ = SP = سِفٌ (چتی دار سانپ) پنجابی - سَپ -

(۲۷) قینچی = KCH = قَصّ (کترنا) اسی سے ہے مِقص (قینچی)

نوٹ:- Scissors میں پہلا S زائد ہے اور مہ فاعلی ہے (یعنی کاٹنے والی) روٹ CS = (قص - کترنا) دیکھئے قینچی اور Scissors کا ظاہری تلفظ کتنا مختلف ہے لیکن اصولی لحاظ سے دونوں کا روٹ ایک ہے -

ف - یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ چ بدل ہوتا ہے K یا S کا اور ص بالعموم چ میں بدلتا ہے - (چین = صِین) (چنار = صناد)

(۲۸) Ankle - ٹخنہ = KL = کاحل - ٹخنہ

ششم - B غنّہ

مندرجہ ذیل الفاظ میں M کے ساتھ ایک B زائد پیدا ہوگئی ہے - بوجہ M کے تکرار یا تشدید کے - اس B کو نظرانداز کردو -

(۱) Amb - اردگرد = AM - حام - اردگرد پھرنا -

(۲) Climb - سیڑھی = CLM - سُلّم - سیڑھی

(۳) Comb - کنگھی کرنا = CM = MC - مَسَح - کنگھی کرنا مقلوب ہوکر M کے ساتھ B زائد پیدا ہوگئی ہے -

S = C

(۴) Crymb - ذخیرہ = CRM - کریم - ذخیرہ

(۵) Crumb - روٹی کا ٹکڑا = CRM - قرامہ - روٹی کا ٹکڑا جو تنور میں لگا رہ جائے -

(۶) Crumble - CRM = خرم - توڑنا

(۷) gamble - جوا کھیلنا = GML = GMR - قمر - جوا کھیلنا -

(۸) Champerty - جوابازی = CHM(P)R - قمر - جوا کھیلنا -

(۹) Dumb - بہرہ = DM = SM = صُمٌّ - بہرہ -

یاد رہے کہ D بعض دفعہ S کا بدل ہوتی ہے۔

(۱۰) gamba ۔ ٹانگ = GM = قائمہ ۔ ٹانگ

(۱۱) کھمبا ۔ KM(B) ۔ قائمہ ۔ تار کا ستون

(۱۲) Imber ۔ بارش کی بوچھاڑ = IMR ۔ ہمرہ ۔ بارش کی بوچھاڑ۔

(۱۳) Jamboree ۔ میلا = JMR ۔ جمیر ۔ اکٹھا ہونے کی جگہ۔

(۱۴) Lamb ۔ لیلا = LM = ML = حمل ۔ لیلا

(۱۵) Limb ۔ جوڑ یا عضو ۔ LM = لحم ۔ جوڑنا۔ محکم کرنا۔ عضو کو جوڑ اور بند کہتے ہیں ؎

غیروں کے بند بند کٹے یار نے جُدا
پر اُن کے جوڑ توڑ برابر چلے گئے (آمیر)

(۱۶) Nimble ۔ پھرتیلا = NML ۔ نمس (الاصابع) ۔ (ہاتھ کا) پھرتیلا۔

(۱۷) Numb ۔ عضو کا سست پڑ جانا = NM ۔ نام ۔ عضو کا سست پڑ جانا۔

(۱۸) Jamb ۔ ٹانگ ۔ JM ۔ قائمہ ۔ ٹانگ ۔ یہاں (ق) کا ابدال (ج) میں ہو گیا ہے ۔ اور پھر لاطینی میں (ج) کا ابدال (ی) میں ہو کر Iamba ہی لفظ ہے

(۱۹) Lambiano ۔ دیوانگی ۔ LM ۔ لمہ ۔ دیوانگی

(۲۰) Ambulare ۔ چلنا ۔ AML ۔ حمل ۔ اُٹھا کر چلنا

ہفتم ۔ P غنّہ

مندرجہ ذیل الفاظ میں M کے ساتھ P زائد پیدا ہو گئی ہے ۔ اسے کالعدم جانو۔

(۱) tempus ۔ جہاں سو نہ سکیں = TM ۔ طمح ۔ نظر اُٹھنا

(۲) Crump ۔ ٹوٹ جانا = CRM ۔ خرم ۔ توڑنا چھیدنا

(۳) Damp ۔ تر کرنا ۔ بند کرنا = DM ۔ دوم ۔ تر کرنا ۔ دمّ ۔ سوراخ بند کرنا۔

(۴) Gamp = GM ۔ غمّ ۔ ڈھانکنا

(۵) Imp ۔ بے وقوف ۔ IM ۔ اِمّع ۔ بے وقوف

(۶) Lamp = LM ۔ لمع ۔ چمکنا ۔ روشن ہونا

(۷) Jump = JM = MJ ۔ مَعَج ۔ کودنا

(۸) Lampoon = oon لاحقہ ہے ۔ LM = ML ۔ مَحَل ۔ عزت پر حملہ کرنا ۔ مَحَل ۔ بدنام کرنا۔

(۹) Ramp² ۔ سیڑھی کا درجہ ۔ RM ۔ رَیم سیڑھی کا درجہ۔

(۱۰) Ramp¹ ۔ عمارت کے ساتھ ڈھلوان پشتہ ۔ RM ۔ عرم ۔ پُشتہ ۔ بند۔

(۱۱) Rump ۔ چوتڑ ۔ RM ۔ رمّاعہ ۔ چوتڑ

(۱۲) Tempest ۔ طوفان ۔ TM ۔ طمّا ۔ طغیانی ۔ طموح ۔ اونچی لہروں والا ہونا (سمندر)۔

(۱۳) Rampage ۔ انتہائی ناراض ہونا ۔ RM = رمح ۔ غصے سے کانپنا۔

(۱۴) Scamp ۔ سرپٹ دوڑنا ۔ اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا ۔ اس کا روٹ جو دیا ہے اُس پر ہنسی آتی ہے ۔ یعنی Camp ۔ ex ۔ خیمہ سے باہر ۔ سوال گندم جواب چنا ۔ حل یوں ہے ۔ CMS = SCM (P) ۔ قمص ۔ اچھلا کودنا ۔ سرپٹ دوڑنا۔

(۱۵) Camp ۔ خیمہ ۔ میدان ۔ CM ۔ خیمہ ۔ کمع ہموار زمین ۔ گھر۔

(۱۶) Stamp - مُہر - STM - ختم - مُہر لگانا -

انگریزی زبان میں Stamp کے معنی حسب ذیل ہیں
مُہر لگانا - ممتاز یا نمایاں کرنا - سرکاری مُہر بغرض تصدیق - نشانِ خصوصیت -

ف ۱: Stamp کے ساتھ جب تک کوئی اور لفظ مثلاً out وغیرہ نہ ہو اسکے معنی مُہر تصدیق ہیں - دیکھو آکسفورڈ ڈکشنری اور مندرجہ بالا اُردو ترجمہ - بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب کی ترجمہ کردہ لُغت انگریزی سے ہم نے لیا ہے -

ف ۲ - S کا تبادلہ K میں مسلّم امر ہے - اِس موقع پر امیر خسرو ایسے کامل زباندان اور مشہور شاعر کا شعر مندرجہ "قِران السعدین" یاد آیا - حکایتاً عن الغیر اپنے متعلق کہتے ہیں ؎

گفت کہ اے ختمِ سخن پروراں
دیدہ خورِ خوانچہ تو دیگراں

ترجمہ: اُس نے کہا - اے شاعروں کے "ختم" (بدیں معنی) کہ دوسرے لوگ تیرے دستر خوان سے فیضیاب یا دیدہ چیں ہوتے ہیں - اِس شعر کی بلاغت اور لفظ ختم کا محلِ استعمال یعنی فیض رسانی نہایت توجہ طلب ہے -

ہشتم - M غُنّہ

مندرجہ ذیل الفاظ میں B یا P کے ساتھ M زائد پیدا ہوگیا ہے - اسے زائل کردیں -

(۱) Embassy = (M) BS = بعث - بھیجنا

(۲) Cumbere - لیٹنا = CB = سبح - سونا آرام کرنا

(۳) Clamp = CLP = خِلاب - پنجہ

(۴) Clamp² - سیاہ کیچڑ = CLP = خُلب - سیاہ کیچڑ

(۵) Compass - پکڑنا = CPS = قبض - پکڑنا

(۶) Cumber - بوجھل ہونا - er مصدری لاحقہ ہے =
CB = کَبَّ - بوجھل ہونا ، کُبّہ (بوجھ)

(۷) Cymbi کشتی = CB = سابحہ - کشتی
یہی لفظ Ship ہے لیکن انگریزی وغیرہ میں (سبح تیرنا) مصدر ناپید ہے - اسلئے اِن دونوں الفاظ کی وجہ تسمیہ بھی انگریزی وغیرہ میں مفقود ہے -

(۸) Gombeen - انتہائی سُود خوری = GBN =
= غبن - سودے میں دھوکا دینا -

(۹) Jumble² - کوڑا کرکٹ = JBL = ZBL =
زُبالہ - کوڑا کرکٹ

(۱۰) Camphor = CPR = کافور

(۱۱) Lymph = خالص = LP = لُبّ - جوہر

(۱۲) Nymph حسین عورت = NP = نیاف - دراز قد حسین عورت -

(۱۳) Rumple - لہر = RPL = رِفل - جھریاں
(لہر کی تشبیہ ہے)

(۱۴) Triumph - گانا = TRP = طرب - گانا

تلک مائۃ وخمسون وامثالہا کثیرۃ جداً - ق ع - وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝

بچّے کے ابتدائی دس سال کا نفسیاتی تجزیہ

ذیل کا نہایت قیمتی اور علمی مضمون امریکہ کے ایک انگریزی رسالہ سے مکرم چودھری فضل احمد صاحب نائب ناظر تعلیم و تربیت نے ترجمہ فرمایا ہے۔ اِس مضمون کا بچّوں کی تربیت سے گہرا تعلق ہے آیت قرآنی فطرۃ اللّٰہ الّتی فطر النّاس علیہا کی روشنی میں اس سے بہت استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اُسے نماز سکھاؤ اور جب وہ دس برس کا ہو جائے تو اُس سے پُوری تاکید سے نماز پڑھواؤ۔ اِس مضمون کے مطالعہ سے اِس ارشادِ نبویؐ کا پُر حکمت ہونا اظہر من الشمس ہے۔ (ایڈیٹر)

امریکہ کے ڈاکٹر آرنلڈ جیل نے بچّے کی ابتدائی دس سالہ زندگی پر غور و فکر کر کے اپنے مشاہدات کی بناء پر چند کتب تالیف کی ہیں جن میں بچّے کی دس سالہ عمر میں درجہ بدرجہ جو طبعی تغیرات اس کے اطوار و خصائل کے لحاظ سے رونما ہوتے اور نشو و نما پاتے ہیں ان کا بیان ہے۔

ڈاکٹر موصوف کی رائے میں بچّے کی طبیعت اور اس کی ضروریات کا اندازہ کرنے کے لئے لازم ہے کہ اس کے طبعی نشو و نما کا علم حاصل کیا جائے جس کے فقدان کی صورت میں اکثر والدین اپنے بچّوں سے ناواجب توقعات رکھتے ہیں۔ اور بسا اوقات اُن کی روش پر کڑی پابندیاں لگاتے، غصّے کا اظہار کرتے اور تادیبی کارروائی عمل میں لاتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کا مقولہ ہے کہ بچّے کو چھوٹا بالغ نہ تصور کرو بلکہ ایک نشو و نما پانے والا جوہر قرار دو۔

بچّے کے جسمانی قویٰ نیز اس کی ذہنی و روحانی طاقتیں سب بتدریج ترقی پاتی ہیں۔ جب ہمیں علم ہو کہ ایک چار سالہ بچّے کا بناوٹی کہانیاں بیان کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ ایک طبعی امر ہے تو ہم اسے دروغ گوئی کی بناء پر ہرگز سزا کا مستوجب نہیں قرار دیں گے۔ اسی طرح یہ جانتے ہوئے کہ سات سالہ بچّہ میں ملکیت کا احساس ترقی پا رہا ہوتا ہے ہم بخوبی سمجھ جائیں گے کہ وہ چوری کیوں کرتا ہے۔

ڈاکٹر موصوف نے اپنی عمر کا بیشتر حصّہ ان مخصوص خصائل و عادات کا جائزہ لینے پر صرف کیا ہے جو بالعموم ایک صحت مند بچّے میں اُس کی عمر کے مختلف حصّوں میں نمایاں صورت اختیار کرتی ہیں۔ وہ پہلے محقق ہیں جنہوں نے بچّے کی روز بروز کی بلکہ لمحہ بہ لمحہ کی ذہنی اور جسمانی سرگرمیوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے مثلاً بچّے کے سال اوّل کے ہر مہینے کے اطوار و خصائل کا مطالعہ کر کے انہوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ بچہ دُنیوی معلومات سب سے پہلے آنکھوں سے اخذ کرتا ہے نہ کہ ہاتھوں سے۔ چار ماہ کی عمر میں وہ اپنی آنکھوں سے ایک چھوٹے سے ٹیلیے کی شناخت کر سکتا ہے۔ قریباً دس ماہ کی عمر میں وہ اس کو انگوٹھے اور ملحقہ انگلی سے اُٹھاتا ہے۔ سال بھر کا ہونے پر وہ اسکو اُٹھا کر بوتل میں ڈال سکتا ہے۔ پندرہ ماہ کا ہو کر وہ کئی مکعبوں کو یکے بعد دیگرے اُٹھاتا ہے جو گنتی کے احساس کی علامت ہے۔ ڈیڑھ سال کی عمر میں وہ تین مکعبوں کا ایک بُرج یا مینار بناتا ہے اور دو سال کا ہو کر ایک دیوار اور تین سال کی عمر میں پُل۔ وہ اپنی تحقیقات کا خلاصہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بچّے کی سب

طبعی قوتوں واستعدادوں کی نشوونما ہوتی ہے خوداعتمادی خوف، محبت، اشتیاق تیز اپنے والدین اور ہمجولیوں کے متعلق اچھے یا بُرے احساسات اور ظرافت کے جذبات وغیرہ۔ پس یہ کوئی مضائقے کی بات نہیں کہ اڑھائی سال کی عمر میں بچہ اپنے کسی ہمجولی سے کوئی کھلونا چھینے یا چار سال کا ہو کر وہ دشنام دے اور کوئی شے چھینے یا اتمائے اور داستانیں گھڑے یا چھ سال کی عمر میں وہ یکدم اپنے قول وفعل کو جارحانہ رنگ دے اور غصے ومحبت کے متضاد جذبات کا مظاہرہ کرے۔

مگر سات آٹھ سال کی عمر میں بچہ انصاف اور دیانت کا ایک نیا احساس پیدا کرتا ہے۔ وہ صحیح وغلط اور اچھے بُرے کی تمیز کرنے لگ جاتا ہے اور دس سال کی عمر میں وہ جماعتی مسائل میں دلچسپی لینے لگتا ہے اور ذاتی ذمہ داری کا احساس اسے ہونے لگتا ہے۔ پانچواں اور دسواں سال نسبتاً زیادہ پُرسکون ہوتے ہیں۔ پانچویں سال میں لڑکی یا لڑکا اپنے خاندان کے اندر اور دُنیا میں اپنے وجود کی شخصیت کا احساس کرنے لگتا ہے اور دسواں سال ایک سنہری زمانہ ہوتا ہے جس میں کہ فراخدلی کے خیالات اس کے اندر راسخ کئے جاسکتے ہیں۔ جو اسے تنگ نظری اور مذہبی تعصبات سے محفوظ رکھیں۔

ڈاکٹر موصوف گہری ہمدردی کے جذبات کا ایسے بچوں کیلئے اظہار کرتے ہیں جن پر ان کے والدین اور دیگر بزرگ رشتوں سے سختی اور تحکم کا استعمال کرتے رہے مگر پھر بھی ناکام رہے ہیں انکا عقیدہ ہے کہ کسی بچے کو سزا یا ملامت سے کھانے کے آداب یا نشست وبرخاست کے طریق نہیں سکھائے جاسکتے بچہ خود بخود وقت آنے پر آداب سیکھ جاتا ہے بشرطیکہ نمونہ اچھا ہو۔ نشوونما صحیح ہو

اور اسے مربیانہ شفقت میسر ہو۔ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ بلاشبہ دُنیا میں بُرائی موجود ہے مگر بچوں کے اندر نیکی کو فوقیت وتقدیم حاصل ہے بشرطیکہ اس سے استفادہ کیا جائے۔ اور اگر نشوونما کی علامات کو ہم شناخت کرسکیں اور بچے کی ضروریات اور اسکی طبیعت کو سمجھ سکیں تو استفادہ ممکن ہو جاتا ہے۔

اساتذہ اور والدین کو یہ تو اعتراف ہے کہ عملی مہارت ہمیشہ بتدریج ترقی کرتی ہے مگر اس کے باوجود بچے کے اطوار واخلاق اور اس کے تعلیمی مقابلوں کی صورت میں وہ اس اصول کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اسے ملامت کی جاتی ہے اور ان خامیوں کی بناء پر اسے سزا دی جاتی ہے جو محض اس کی صغرسنی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ہم بچے کو بلوغت کے معیار پر جانچنے کے عادی ہیں اور اسی معیار پر پورا اُترنے کے لئے اسے مجبور کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی عمر کے مناسب حال معیار کے مطابق کرتا ہے۔

بسا اوقات زبردستی تعمیل کرائی جاتی ہے۔ معافی کا ایسے وقت مطالبہ کیا جاتا ہے جبکہ صرف ظرافت سے کام لینا زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر موصوف بچے سے علانیہ محبت کی ضرورت پر زور دیتے ہیں تاکہ بچہ اپنی اہمیت کا احساس کرے اور سمجھے کہ اسکی ضرورت ہے۔ مشاہدات ظاہر کرتے ہیں کہ جن بچوں کو والدین کی محبت نصیب نہیں ہوتی وہ دیر سے چلنا اور بولنا سیکھتے ہیں اور ان کی قوتِ بیانیہ ناقص رہتی ہے۔ وہ اجنبیوں سے زیادہ ڈرتے ہیں اور ان بچوں کے معیار پر نہیں اُترتے جن کی پرورش والدین کی محبت کے ماحول میں ہوتی ہو۔

استفسارات — (اور انکے) — جوابات

استفسار ۱: "قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سِرَاجًا مُّنِیرًا کہہ کر چراغ قرار دیا گیا ہے۔ آپ کو چراغ ٹھہرانے میں کیا حکمت ہے؟" (احمد اللہ دہلی)

الجواب: اس کے جواب کے لئے ہم دیوبند (یوپی) کے رسالہ "دارالعلوم" کا مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں۔ ایک دیوبندی عالم لکھتے ہیں:-

"سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن ہونے کی صفت میں چراغ سے تشبیہہ دی گئی۔ آفتاب سے تشبیہہ نہ دی گئی حالانکہ آفتاب تمام نیرات میں سب سے زیادہ روشن ہے اس کے سامنے نہ ماہتاب کی کوئی حقیقت ہے نہ کسی چراغ کی اس کی وجہ یہ ہے کہ آفتاب و ماہتاب کے مقابلہ میں چراغ ایک ایسی خاص صفت کا حامل ہے جو ان دونوں میں نہیں ہے۔ اور وہ صفت یہ ہے کہ ایک چراغ سے دوسرے بہت سے ویسے ہی چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ یہ بات آفتاب و ماہتاب میں نہیں۔ ایک آفتاب سے دوسرا آفتاب اور ایک ماہتاب سے دوسرا ماہتاب روشن نہیں ہو سکتا مطلب یہ ہے کہ آفتاب و ماہتاب دوسری چیزوں کو منوَّر (بصیغہ مفعول) تو کر دیتے ہیں مگر منوِّر (بصیغہ فاعل) نہیں کرتے۔ اور چراغ دوسری چیزوں کو منوَّر بھی کر دیتا ہے اور منوِّر بھی۔ پس چراغ کے ساتھ تشبیہہ دینے میں آپ کی اس صفت کا اظہار مقصود ہے کہ سرورِ عالم خود بھی روشن ہیں اور دوسروں کو بھی روشن کرنیوالے ہیں۔"

(رسالہ "دارالعلوم" دیوبند۔ نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۱)

استفسار ۲: رسالہ "پیشوا" دہلی بابت جنوری ۱۹۵۳ء میں "جھوٹے نبیوں" کے زیر عنوان مرزا حسین علی بہاء اللہ کا نام بھی درج ہے۔ دعویٰ نبوت ۱۵ اپریل ۱۸۶۳ء اور وفات ۷ جولائی ۱۸۹۲ء ہے۔ بہاء اللہ آیت لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ کی زد میں کیوں نہ آئے؟

(آصف اختر نقوی۔ راولپنڈی)

الجواب: جناب بہاء اللہ کو مدعی نبوت قرار دینا غلط اور بہائی مسلّمات کے خلاف ہے۔ مشہور مبلغ بہائیت ابوالفضل لکھتے ہیں:-

"ہر کس با اہلِ بہاء معاشر و یا از کتب این طائفہ مطلع باشد میداند کہ نہ در الواحِ مقدسہ دعاوئے نبوت وارد شدہ و نہ بر السنۂ اہلِ بہاء لفظِ نبی برآں وجودِ اقدس اطلاق گشتہ۔" (الفرائد صفحہ ۲۷۵)

بہائیوں کے رسالہ "کوکب ہند" میں لکھا ہے کہ:-

"نہ فرقان کے موعود کو نبی کہا گیا۔ نہ اہلِ بہاء حضرت بہاء اللہ جلّ ذکرہ الاعظم کو نبی مانتے ہیں اور کوکب ہند میں بارہا اس کا اعلان کیا جا چکا ہے۔"

(کوکب ہند۔ دہلی۔ ۱۷ مئی ۱۹۲۸ء)

پس جب بہاء اللہ مدعی نبوت ہی نہیں تو انکے بارے میں یہ سوال

پیدا نہیں ہوتا۔ بہاء اللہ نے قرآن مجید کی شریعت کو منسوخ قرار دیکر اسکے مقابلہ پر بابی اور بہائی شریعت کو جاری کرنیکی سازش کی تھی اسمیں وہ سو فیصدی ناکام ثابت ہوئے حتیٰ کہ اہل بہاء کو سو سال گزرنے گئے باوجود بہاء اللہ کی مرتبہ شریعت جدیدہ کو طبع کرکے شائع کرنیکی بھی جرأت نہیں ہوئی۔ دیدۂ بینا کیلئے بہائیت کی اس ناکامی کے بعد اور کس دلیل کی ضرورت ہے؟

استفسار ۳ :۔ آپنے الفرقان کے "خاتم النبیین نمبر" میں لکھا ہے کہ عام غیر احمدی علماء قرآن مجید کی آیات کو جزوی طور پر منسوخ مانتے ہیں ان میں سے بعض پانچصد آیات کو بعض اڑھائی صد آیات کو، متقدمین میں سے کم از کم بیس اور متاخرین میں سے پانچ آیات کو منسوخ مانتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ایسا ماننے والے کونسے فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں؟

(محمود احمد منگلپورہ)

الجواب :۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

"عدد آیاتِ منسوخہ بپانصد رسانیدہ اند و اگر نیک بنگری غیر محصور است اما آنچہ باصطلاح متاخرین منسوخ است عدد قلیل بیش نیست لاسیما بحسب توجیہی کہ ما اختیار کردہ ایم شیخ جلال الدین سیوطی در کتاب اتقان بعد ازاں کہ از بعض علماء آنچہ مذکور شد بابسط لائق تقریر نمود و آنچہ برائے متاخرین منسوخ است بروفق شیخ ابن العربی تحریر کردہ قریب بست آیت شمردہ۔" (الفوز الکبیر صفحہ ۱۰)

گویا علماء سلف بیس سے لیکر پانچسو آیات تک کے نسخ کے قائل چلے آئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنی تحقیق بایں الفاظ درج فرمائی ہے :۔ "وعلی ما حررت لا یتعین النسخ الا فی خمس آیات" کہ میری تحقیق کے مطابق صرف پانچ آیات منسوخ قرار پاتی ہیں۔ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر صفحہ ۲۱)

آج تک تمام مفسرین نسخ فی القرآن کے عقیدہ کو تفسیروں میں درج کرتے آئے ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب مصر میں ہم نے آیاتِ قرآنیہ کے منسوخ نہ ہونیکا اعلان کیا تھا تو وہاں کے بعض بڑے بڑے علماء نے رسالہ المعرفۃ میں اعلان کیا تھا کہ احمدی عدم النسخ فی القرآن کے عقیدہ کے باعث یہود کے مشابہ ہو گئے ہیں کیونکہ یہودی بھی تورات کی آیات کو منسوخ نہیں مانتے۔

استفسار ۴ :۔ سورۃ الاحزاب کی آیت انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض فابین ان یحملنہا و اشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوماً جہولاً میں امانت سے کیا مراد ہے؟ (عبد الباری لاہور)

الجواب :۔ اس آیت میں الامانۃ سے مراد محبت الٰہی کا وہ مقام ہے جس پر پہنچنے والا اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے اور اسکی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ یہ استعداد صرف انسان میں ودیعت کی گئی ہے اور کامل فرد اس کا بہترین نمونہ ہوتا ہے۔ کائناتِ عالم میں سے صرف انسان ہی اس امانت کا حامل ہے باقی اشیاء میں نہ یہ صلاحیت اور نہ یہ جذبہ ہی موجود نہیں۔ ایک صوفی شاعر کہتے ہیں ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

اس صورت میں ظلوم جہول کا لفظ انسان کے فنافی اللہ ہونے اور اپنے نفس کو بھول جانے پر دلالت کرنے کیلئے آیا ہے۔ اس آیت کے دوسرے معنے یہ بھی ہیں کہ حمل الامانۃ عربی زبان میں خیانت کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کی ہر چیز آسمان، زمین اور پہاڑ سب اپنی اپنی ذمہ داری کو ٹھیک طور پر ادا کر رہے ہیں صرف انسانوں کے کچھ افراد ایسے ہیں جو اپنے فرض کو ادا نہیں۔

* [illegible]

مجلس مرکزیہ انصار اللہ

دُنیا بھر کا ہر احمدی جس کی عمر چالیس سال سے اُوپر ہے مجلسِ انصار اللہ کا رُکن ہے۔ ہر جماعت میں باقاعدہ طور پر مجلسِ انصار اللہ کا قیام ضروری ہے۔ اس تنظیم کی غرض و غایت چالیس سال سے زیادہ عمر والے احمدیوں کو خاص طور پر اشاعتِ اسلام اور اعمالِ صالحہ کے لئے تیار کرنا ہے اور ان میں دینی رُوح پیدا کرنا ہے تا وہ اپنے نمونہ سے اسلام کے سچے مبلغ اور منادی ثابت ہوں۔

اس تنظیم کی نگرانی کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے مرکز میں چار قائد مقرر فرما رکھے ہیں۔ (۱) جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب قائد مال (۲) جناب مولوی فرزند علی صاحب قائد تعلیم و تربیت (۳) خاکسار ابوالعطاء جالندھری قائد تبلیغ۔ (۴) جناب مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے قائد عمومی۔ ان چاروں قیادتوں یعنی مجلس مرکزیہ انصار اللہ کے صدر جناب مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔اے ہیں۔

ہر قائد کا ایک ایک نائب بھی مقرر ہے چنانچہ مولوی ظہور حسین صاحب نائب قائد مال۔ مولوی قمر الدین صاحب نائب قائد تعلیم و تربیت۔ مولوی احمد خان صاحب نسیم نائب قائد تبلیغ اور چودھری ظہور احمد صاحب نائب قائد عمومی مقرر ہیں مرکزی دفتر کے انچارج کلرک منشی عبدالرحیم صاحب نومسلم ہیں۔

تمام جماعتوں کے عہدہ داروں کا فرض ہے کہ انصار اللہ کے کام کو پوری توجہ اور خلوص سے انجام دیں۔ دراصل انسان کی روحانی ترقی اسکے طوعی کاموں سے ہی وابستہ ہوتی ہے۔ ہر مرکزی قیادت کیلئے ہر جماعت میں ایک ایک مہتمم منتخب کیا جاتا ہے جس کا فرض اپنی جماعت کے متعلقہ کام کی رپورٹ مرکز میں بھجوانا بھی ہے۔ جملہ خط و کتابت مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ ربوہ کے پتہ پر ہونی چاہیئے۔

نہایت مفید رسالے اور ٹریکٹ!

مقامات النساء - یہ رسالہ عورتوں کے متعلق حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی یکصد احادیث کا مجموعہ ہے۔ احادیث کا ترجمہ اور تشریح بھی کی گئی ہے۔ عورت کا مقام بلحاظ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے واضح کیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

نبراس المومنین - بچوں کے لئے ایک سو احادیث باترجمہ مرتب کی گئی ہیں۔ قیمت چھ آنے۔

البرہان - ایک شیعہ عالم اور ایک احمدی عالم کے درمیان مسئلہ ختم نبوت پر تحریری مباحثہ ہوا تھا۔ قابل دید ہے۔ قیمت چار آنہ۔

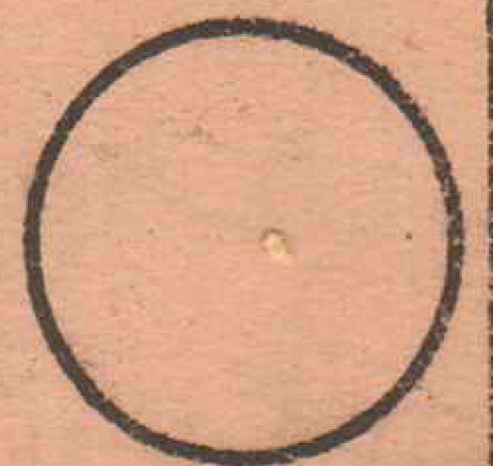
خاتم النبیین کے بہترین معنے } اس موضوع پر مختصر اور جامع ٹریکٹ ہے۔ قیمت یکصد رسالہ پانچ روپے۔

New Discovery about the Life of Jesus. - یہ انگریزی، اردو اور عربی زبان کا نہایت مفید ٹریکٹ ہے۔ اس میں انسائیکلو پیڈیا کے حوالہ سے حضرت مسیح کی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ آپ نے بڑھاپے تک لمبی عمر پائی تھی۔

جملہ خط و کتابت بنام:

مکتبہ الفرقان - احمد نگر ضلع جھنگ ہونی چاہیئے

ضروری اعلان



اس دائرہ میں اگر علامت "×" درج ہے تو مہربانی فرما کر اپنے بقایا کی ادائیگی کی طرف فوراً توجہ فرمائیں۔

خادم

ابو العطاء

(طابع و ناشر ابو العطاء نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں چھپوا کر دفتر رسالہ الفرقان احمد نگر سے شائع کیا)

(یہ رسالہ ہر ماہ کی مقررہ تاریخ کو شائع ہوتا ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا

قرآنی حقائق و معارف بیان کرنیوالا ماہنامہ

الفرقان

نومبر سنہ ۱۹۵۳ء

جلد ۳ نمبر ۱۱

زیر سرپرستی
مجلس انصار اللہ مرکزیہ

ایڈیٹر :-
ابوالعطاء جالندھری

مقام اشاعت :-
احمد نگر۔ ربوہ ضلع جھنگ
پاکستان

سالانہ چندہ پانچ روپے۔ فی کاپی آٹھ آنہ صرف

بقیہ شذرات از صفحہ

مولوی صاحبان نے جب اس کی مخالفت شروع کی تو لوگوں نے دیکھا ہر مباحثہ کے بعد فضا کے اثرات مرزا صاحب کے حق میں جاتے تھے اس طرح کہ :-

(۱) مولوی صاحبان یہ مانتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ نے آنا ہے۔ لہذا اس باب میں وہ مرزا صاحب سے متفق تھے۔

(۲) مولوی صاحبان مانتے تھے کہ عیسیٰؑ نبی تو ہوں گے لیکن اپنی شریعت کو ساتھ نہیں لائیں گے بلکہ شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے اور ان کے اس طرح آنے سے نبوت کی مُہر بھی نہیں ٹوٹیگی۔ یہی دعویٰ مرزا صاحب کا تھا کہ میں نبی ہوں لیکن اپنی شریعت نہیں رکھتا۔ میں شریعت محمدیہ کے تابع ہوں۔

(۳) اب لے دے کر مختلف فیہ سوال اتنا رہ جاتا تھا کہ مولوی صاحبان کے نزدیک آنے والے سے مراد حضرت عیسیٰؑ (ابن حضرت مریمؑ) تھے۔ اور مرزا صاحب کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں لہذا آنے والا مسیح ابن مریم نہیں بلکہ مثیلِ مسیح ہوگا۔

(۴) بنا بریں، بحث ساری حیات و وفات مسیح کے مسئلہ پر مرتکز ہو جاتی تھی اور چونکہ وفاتِ مسیح کا تصور قرآن کے بھی مطابق تھا اور قرینِ عقل بھی اسلئے اس بحث کا نتیجہ مرزا صاحب کے حق میں جاتا تھا۔ اور جو شخص وفات مسیح کا قائل ہو جاتا تھا وہ پھر نزولِ مسیح کے بجائے "مثیلِ مسیح" کی آمد کا خود بخود قائل ہو جاتا تھا اور یوں مرزا صاحب کا دعویٰ سچا نظر آنے لگ جاتا تھا۔ یہ وجہ تھی (اور اب تک یہی وجہ ہے) کہ مرزائی حضرات ہمیشہ حیات و وفات مسیح کے مسئلہ کو اپنی بحث کا مرکز بناتے ہیں اور دیگر مسائل کو پیچھے رکھتے ہیں۔

...... اس باب میں بھی مولوی صاحبان کو خاموش ہونا پڑتا تھا اور اگر وہ اپنے دعوے پر اڑے رہتے تو ہر معقولیت پسند[۵] آدمی یہی کہتا کہ مرزا صاحب کی بات سچی ہے۔ جب ایک بات قرآن سے ثابت ہو جائے تو پھر جو حدیث اس کے خلاف نظر آئے اُسے یا تو ضعیف سمجھنا چاہیئے یا اُس کی تاویل ایسی کرنی چاہیئے جو قرآن کے مطابق ہو۔" (طلوع اسلام نومبر ۵۳ء ص ۲۶-۲۷)

یہ اقتباس اس امر کی واضح شہادت ہے کہ وفاتِ مسیح کے مسئلہ میں قرآن مجید احمدیہ عقیدہ کی تصدیق کرتا ہے ــــ قرآن مجید سے موعود کے آنے کا ثبوت کیا ہے؟ یہ سوال اگلی اشاعت میں حل ہو جائے گا۔ انشاء اللہ ٭

۵ جو علماء حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو شریعت والی نبوت کا مدعی قرار دیتے ہیں کیا آپ انکو کاذب سمجھتے ہیں؟

۵ کیا آپ نے کبھی بھی اس "معقولیت پسندی" کا ثبوت دیا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفرقان

جلد ۳ | ماہ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ + ماہ نومبر ۱۹۵۳ء | شمارہ ۱۱

شذرات

الفرقان کا "قرآن نمبر"

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمارا اگلا شمارہ "قرآن نمبر" ہوگا۔ اسکی ترتیب شروع ہے۔ قرآن مجید کی اشاعت ہر مسلمان کا فرض ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے اس ولولہ کا اظہار ایک شعر میں یوں فرمایا ہے ؎

صد بار رقص ہا کنم از خرّمی اگر + بینم کہ حسنِ دلکش فرقاں عیاں نماند

کہ اگر قرآن مجید کا حسن بے پایاں ظاہر ہوجائے تو میں اس خوشی میں سینکڑوں مرتبہ اُچھلنے کیلئے تیار ہوں۔ قرآن مجید حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا وہ کعبہ ہے جسکے گرد دن رات آپؑ طواف کرتے تھے آپؑ کی زندگی کا نصب العین اگر دو لفظوں میں بیان کیا جائے تو وہ **اشاعتِ قرآن** کے سوا کچھ نہیں۔ یہی رُوح ہے جو جماعت کے تمام افراد میں سرایت کرنی لازمی ہے۔ اور ہر شخص کو اپنے اپنے دائرہ عمل میں اشاعتِ قرآن کا بیڑا اٹھانا چاہیئے۔ ادارہ الفرقان اُن احباب کا ممنون ہے جو اس حلقہ میں اس سے تعاون کر رہے ہیں ہمیں توقع ہے کہ الفرقان کے سالنامہ قرآن نمبر کی اشاعت میں احباب بڑھ چڑھ کر حصہ لینگے اور اسے اپنے احباب تک تحفۃً ضرور پہنچائیں گے۔ یاد رکھئے کہ دُنیا کا امن قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے وابستہ ہے۔ مسلمانوں کا باہمی اتحاد قرآن فہمی پر منحصر ہے تمام غلط فہمیوں کا ازالہ قرآن مجید کے ذریعہ سے ہوگا اور اسی ذریعہ سے ہوسکتا ہے۔ پس ؎

اے بے خبر! بخدمتِ فرقاں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

رسالہ "طلوع اسلام" کے تبصرہ کا جواب

کراچی سے منکرینِ حدیث کے رسالہ "طلوع اسلام" نے جناب چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے ایک پرانے مضمون بعنوان "ایک عزیز کے نام خط" پر تبصرہ شائع کیا ہے۔ یہ تبصرہ "طلوع اسلام" کے الفاظ میں ہی مندرجہ ذیل **پانچ سوالات کا مجموعہ ہے**:-

(۱) "کیا چودھری صاحب فرمائیں گے کہ قرآن میں کسی جگہ شارع اور غیر شارع نبی کی تمیز و تفریق کی گئی ہے؟ کیا اس میں کہیں یہ لکھا ہے کہ نبوت دو قسم کی ہوتی ہے ایک شریعت والی اور ایک غیر شریعت والی؟ کیا اس میں کہیں یہ مذکور ہے کہ نبی بغیر شریعت کے بھی آیا کرتا ہے؟"

(۲) "کیا چودھری صاحب فرمائیں گے کہ قرآن میں کہیں بھی یہ لکھا ہے کہ ایک نبی کی اتباع سے کوئی شخص نبی بن سکتا ہے کیا قرآن نے کسی ایسے نبی کا ذکر ہے جو کسی دوسرے نبی کی اتباع سے خود نبی بن گیا ہو؟"

(۳) "کیا چودھری صاحب بتائینگے کہ قرآن میں کہیں بھی یہ لکھا ہے کہ کوئی نبوت کسی دوسری نبوت کا ظل یا جزو ہوتی ہے۔ کیا قرآن

نے کسی نبی کو کسی دوسرے نبی کا ظل یا جزو قرار دیا ہے؟ کیا اسمیں کسی ظلی یا جزئی نبی کا ذکر تک بھی ہے؟"

(۴) "کیا چودھری صاحب فرمائینگے کہ قرآن نے کہیں بھی اپنی ظاہری اور باطنی حفاظت کی تقسیم کی ہے۔ کیا قرآن میں کہیں بھی اسکی باطنی حفاظت کا ذکر ہے۔ کیا اللہ نے قرآن میں کسی جگہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کی ظاہری حفاظت تو ویسے ہی ہوتی رہیگی لیکن اسکی باطنی حفاظت کے لئے ظلی نبوت کا سلسلہ جاری کیا جائیگا؟"

(۵) "کیا چودھری صاحب بتائینگے کہ سارے قرآن میں کہیں کسی جگہ کسی مسیح کی آمد کا وعدہ کیا گیا ہے؟ اگر خدا نے قرآن میں اس قسم کا کوئی وعدہ نہیں کیا تو پھر مسیح موعود کا تصور قرآن کی کھلی ہوئی تحریف اور خدا کی کتاب کی مخالفت نہیں تو اور کیا ہے؟" (طلوع اسلام اکتوبر ۵۳ء)

بلاشبہ طلوع اسلام کے "تبصرہ" کا یہ انوکھا انداز ہے کہ اس نے "اگر" اور "کیا" کے گورکھ دھندے میں سوالات کر کے یا چند تمسخر آمیز فقرات لکھ کر انکا نام "تبصرہ" رکھ دیا ہے۔ مگر چونکہ ان سوالات کے جوابات صرف قرآن مجید کی روشنی میں طلب کئے گئے ہیں اور ہمیں اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اگر تحقیقی طور پر کسی مسلمان پر واضح ہو جائے کہ اس بارے میں قرآن مجید کا مسلک کیا ہے تو وہ اسے اپنانے میں کسی قسم کا پس و پیش کرے اسلئے ہم نے طلوع اسلام کے ہزلیہ حصہ کو نظر انداز کر کے ان سوالات کے جواب قرآن مجید کی آیات سے دیئے ہیں۔ یہ اہم جوابات بعض احباب کے مشورہ کے مطابق الفرقان کے سالانہ قرآن نمبر یعنی آئندہ شمارہ میں شائع ہو رہے ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ قرآن مجید پر غور و تدبر کرنیوالے انسان ان سے حظ اٹھائینگے اور قرآن مجید کے پیش کردہ عقیدہ کو بلا حیص بیص قبول کر لیں گے۔

جماعت اسلامی کے اراکین سے ایک استفسار

آپ حضرات کا دعویٰ ہے کہ آپ اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں ہم ذیل میں آپکے دو تحریری بیانات آپکے سامنے رکھتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ طریق اسلامی طریق ہے؟

(۱) رسالہ "مقدمہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی" مطبوعہ ناظر پرنٹنگ پریس کراچی میں جماعت اسلامی پاکستان نے شائع کیا ہے کہ:-

"مولانا مودودی محض قادیانی مسئلہ نامی پمفلٹ لکھنے کے ہی جرم میں سزائے موت کے مستحق ٹھہرائے گئے" (ص۱۰)

(۲) جناب مدیر صاحب "صدق جدید" لکھنؤ کے نام آپکی جماعت کے ایک اہم اور ممتاز رکن لکھتے ہیں:-

"صرف ہمارا ایک مطالبہ ہے کہ دستور غیر اسلامی نہ بننے پائے اور یہی اصل جرم ہے جسکی پاداش میں مولانا مودودی چودہ سال کی سزا کاٹ رہے ہیں"

(صدق جدید مورخہ ۲۳ اکتوبر ۵۳ء)

خدارا دونو بیانات پر غور فرمائیں کیا انکے باہمی تضاد میں تطبیق دی جا سکتی ہے؟ کیا یہ یورپ کے "پروپیگنڈا" کی نقل ہے یا قرآنی حکم قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا کی تعمیل؟ کیا یہ درست طریق ہے کہ پاکستان میں آپ یہ تشہیر کریں کہ مولانا مودودی صاحب کو صرف "قادیانی مسئلہ" پمفلٹ لکھنے کی سزا میں قید کیا گیا ہے اور بھارت میں یہ اعلان کریں کہ انہیں اسلامی دستور کے مطالبہ کی وجہ سے جیل میں ڈالا گیا ہے؟ غلط بیانی اور غلط تشہیر سے مطلب برآری ہرگز اسلامی طریق نہیں ہے۔

پاکستان میں "علامہ حضرات" کتنے ہیں؟

محترم مولانا عبدالماجد صاحب مدیر صدق جدید لکھنؤ تحقیقاتی عدالت لاہور کے ایک بیان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"... گواہ نے اعتراف کیا جبر و قدر کے مسئلہ پر علماء ایک دوسرے کو کافر کہتے آئے ہیں۔ جب گواہ سے فرقہ

معتزلہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے انہیں کافر قرار دیا۔ آپ نے کہا کہ اہلِ قرآن بھی کافر ہیں۔ گواہ نے بتایا کہ وہ مجلس عمل سیالکوٹ کے رکن تھے۔

بزرگانِ بریلی کو مبارک ہو کہ کاروبارِ تکفیر کی وسعتیں اب کہاں سے کہاں پہنچ رہی ہیں۔

انہیں "علامہ" کی شہادت ایک دوسرے "علامہ" سے متعلق:-

"سوال:- کیا علامہ خالد محمود نے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ خواجہ ناظم الدین کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاسکتا ہے جو قائدِ ملت لیاقت علی خاں کے ساتھ کیا گیا تھا؟

جواب:- صحیح یاد نہیں کہ انہوں نے ایسا کہا ہو یا علامہ نے یہ کہا ہو کہ خواجہ ناظم الدین کافر ہو گئے ہیں اور جب وہ مریں تو انکے جنازہ کی نماز پڑھنا بھی ناجائز ہوگا

اب خود انہیں دوسرے علامہ کا بیان اپنے متعلق:-

"گواہ نے اعتراف کیا کہ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ خواجہ ناظم الدین کافر ہے"

اہلِ قادیان کو! مبارک ہو کہ اس مرگِ انبوہ نے ان کے لئے ایک جشن کا لطف پیدا کر دیا! ضمناً اور بالکل ضمناً کوئی صاحبِ ذوقِ ہمت گوارا فرما کر یہ شمار کر دینگے، کہ "علامہ حضرات سارے پاکستان میں نہیں اکیلے صوبہ پنجاب ہی میں کتنے ہیں؟" (صدق جدید ۶ نومبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳)

مدیر صدق جدید کے تبصرہ کی آخری سطر میں جو لطیف تلمیح ہے، اسکے پیشِ نظر "علامہ حضرات" کو خود بھی غور کرنا ضروری ہے

وفاتِ مسیح کے مسئلہ میں قرآن احمدیوں کے ساتھ ہے۔

مدیر طلوعِ اسلام لکھتے ہیں:-

"بعض غیر قرآنی معتقدات و تصورات نے اسلام کو بڑا ضعف پہنچایا ہے ان میں نزولِ حضرت عیسیٰؑ کا عقیدہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ تیرہ سو سال سے عیسائی اسی عقیدہ کی بنا پر نبی اکرمؐ پر حضرت عیسیٰؑ کی افضلیت ثابت کرتے چلے آئے اور اسکے بعد انگریزوں کی عیسائی[1] حکومت نے اسی عقیدہ سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو ایک مثیلِ مسیح" دیدیا جس نے جہاد کو حرام[2] قرار دیا اور ہر[3] غیر مسلم حکومت سے وفاداری کو عین اسلام ٹھہرایا۔ علاوہ ازیں اس عقیدہ نے خود ختمِ نبوت جیسے مسلّمہ اور واضح اصولِ دین کو بھی جس قدر ضعف پہنچایا ہے وہ کم افسوسناک نہیں۔ اس عقیدہ کی رو سے مانا یہ جاتا ہے کہ نبی اکرمؐ کے بعد

---

[1] کیا تیرہ سو سال تک امتِ مسلمہ کو نزولِ مسیحؑ کے انتظار کی تلقین بھی انگریزوں نے کی تھی؟ مدیر طلوعِ اسلام بتلائیں کہ اگر حضرت مسیح ناصریؑ کے ظہور کے وقت یہودی علماء کہتے کہ "یہود ایک ایلیا کے منتظر تھے اور رومی حکومت نے انہیں ایک مثیل ایلیا" عیسیٰ بن مریمؑ دیدیا جس نے یہودی قوم کو حکومت کی وفاداری کی تعلیم دی اور حکومت سے لڑنے سے روکا" تو فرمائیے کہ یہودی علماء کے اس اعتراض کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے؟

[2] جہاد تو حرام نہیں، ہاں اگر جہاد سے مراد محض جنگ و قتال ہو تو بلاوجہ جنگ کرنے کو قرآن نے خود حرام قرار دیا ہے۔

[3] یہ محض غلط ہے۔ "ہر غیر مسلم حکومت" نہیں بلکہ ہر ایسی غیر مسلم حکومت کے متعلق یہ تعلیم ہے جو مذہبی آزادی میں مداخلت نہ کرے اور دین کے بارے میں جبر سے کام نہ لے۔ جیسا کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی عیسائی حکومت کے بارہ میں ارشاد فرمایا تھا۔

ایک اور نبی آنے والا ہے وہ نبی حضرت عیسیٰؑ ہیں جو اس وقت چوتھے آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہونگے لیکن وہ اپنی شریعت کو ساتھ نہیں لائیں گے۔ بلکہ شریعتِ محمدیہ کے تابع ہوں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خود مسلمانوں کے اس (غیر قرآنی) عقیدہ کے بموجب رسول اللہؐ کے بعد ایک نبی آسکتا ہے لیکن وہ نبی صاحبِ شریعت نہیں ہو سکتا۔ اُسے شریعتِ محمدیہ ہی کی اتباع کرنی ہوگی۔ مرزا غلام احمد نے مسلمانوں کے اسی غیر قرآنی عقیدہ سے فائدہ اُٹھایا اور تھوڑی سی تبدیلی سے جو معقولیت پہ مبنی نظر آتی تھی اپنے "مثلِ مسیح" ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ مرزا صاحب نے کہا کہ :-

(۱) مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے دُنیا میں آنا ہے۔

(۲) لیکن حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں اسلئے ان کا زندہ آسمان پر ہونا اور پھر بجسدِ عنصری آسمان سے زمین پہ نازل ہونا صریحاً غلط ہے لہذا

(۳) آنے والا خود حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم نہیں بلکہ ان کا مثیل ہوگا۔

(۴) وہ نبی ہوگا لیکن صاحبِ شریعت نہیں ہوگا۔ شریعتِ محمدیہ کے تابع۔

(۵) اور وہ "مثیلِ مسیح" میں ہوں۔

آپ نے غور فرمایا کہ نزولِ مسیح کے (غیر قرآنی) عقیدے کے بعد مرزا صاحب کے دعوے کا صغریٰ کبریٰ کس طرح ٹھیک بیٹھ جاتا ہے۔ انہوں نے اس مروجہ عقیدہ میں اتنی تبدیلی کی کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ موجود نہیں۔ وہ وفات پا چکے ہیں اور جو وفات پا جائے وہ دُنیا میں واپس نہیں آیا کرتا۔ یہ تبدیلی قرآن کے مطابق تھی[۵۵] اور قرینِ عقل بھی اسلئے جب نزولِ مسیح کے (غیر قرآنی) عقیدہ کو اس (قرآنی) تبدیلی کے ساتھ پیوست کر دیا گیا تو اس کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ وہ آنے والا مسیح آسمان سے نازل نہیں ہوگا، عام طریقے سے پیدا ہوگا اور عام عقیدے کے مطابق وہ صاحبِ شریعت نہیں ہوگا، بلکہ شریعتِ محمدیہ کے تابع ہوگا۔ چنانچہ جتنے لوگ نزولِ مسیح کے عقیدے کے قائل تھے لیکن (سرسید وغیرہ کے اثر کے ماتحت شعوری یا غیر شعوری طور پر) حضرت عیسیٰؑ کی حیات کے قائل نہیں تھے، اُنہیں مرزا صاحب کی یہ "معجونِ مرکب"[۵۶] بہت پسند آئی اور لوگ دھڑا دھڑ مرزائی ہونا شروع ہو گئے[۵۷]

(۲۵۷) (طلوع اسلام ۳ اپریل ۱۹۵۰ء)

۵۵ احمدیہ عقیدہ کے مطابقِ قرآن ہونیکا اعلان آپ بھی آج ہی کر رہے ہیں پچاس برس تک مخالفت کرتے رہے ہیں۔

۵۶ قرآن مجید کی تیس آیات سے وفاتِ مسیح کے ثبوت کو "معجون مرکب" قرار دینا "اہل قرآن" کا ہی شیوہ ہو سکتا ہے۔

۵۷ احمدیت میں تو اکثریت دوسرے فرقوں میں سے آنیوالے صاحبِ علم اور صاحبِ ذوق احباب کی ہے +

ارتداد اور اُس کی سزا

آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں فلسفیانہ مقالہ

از قلم جناب چوہدری احمد الدین صاحب - پلیڈر - گجرات

کسی شخص کے قویٰ روحانی و جسمانی اور خد و خال دوسرے شخص سے نہیں ملتے بلکہ ایک شخص کی انگلیوں کی قدرتی لکیریں بھی دوسرے شخص کی انگلیوں کی قدرتی لکیروں سے مختلف ہوتی ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کے خیالات اور جذبات دوسرے شخص سے نہیں ملتے۔ اگرچہ بعض معاشی امور میں اُن میں اتحاد پایا جاتا ہے لیکن مذہبی امور میں انسانوں میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آیا ہے اور چلا جائے گا۔

(۱) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ	(۱) لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف
لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً	کرتے رہیں گے بجز اُن
وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ	لوگوں کے جن پر تیرا رب
مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ	رحم کرے گا۔ اور اختلاف
رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ	کے لئے ہی خدا نے انکو
خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ	پیدا کیا ہے۔ اور تیرے
كَلِمَةُ رَبِّكَ	رب کی یہ بات پوری
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ	ہو کر رہے گی کہ میں
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ	جن و انس سے دوزخ
اَجْمَعِيْنَ (ھود ۱۱۹)	کو بھر دوں گا۔

نیکی اور بدی کے دو محرک ابتداءِ آفرینشِ عالم سے انسان کے ساتھ لگائے گئے ہیں۔ اگر وہ نیکی کے محرک کی ہدایت پر کاربند ہو تو بدی کا محرک جس کو شیطان بھی کہتے ہیں اُس پر غالب نہیں آ سکتا لیکن چونکہ نیکی کا محرک اسکو بعد از ممات کی دائمی خوشحالی کی خوشخبری دیتا ہے جو پردہ غیب میں ہوتی ہے۔ اور بدی کا محرک انکو دنیا کی فانی سبز باغ دکھا کر اس کو دامِ فریب میں لے آتا ہے اسلئے وہ اُن لوگوں کے خلاف ہو جاتا ہے جو اُن کو موجودہ فوری کامیابی سے جو افعالِ شنیعہ کے ارتکاب سے حاصل ہوتی ہے روکتے اور اس کی آزادی میں مخل ہوتے ہیں۔

یہ نیکوں اور بدوں کی کشمکش اور اختلاف ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو ہم نہ کسی کو نیک کہہ سکتے تھے نہ بد۔ ہر چیز کی ہستی اضداد پر قائم ہے۔ اگر رات نہ ہوتی تو دن نہ ہوتا۔ اگر سردی نہ ہوتی تو گرمی کا وجود نہ ہوتا۔ اسلئے نیک بننے کے لئے بدوں کا ہونا لازمی ہے۔

نیکوں کو دُنیا کی موجودہ ناجائز لذات ترک کرنی پڑتی ہیں۔ جن کے ترک کرنے کی وجہ سے ان کو مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اسلئے نیک تھوڑے ہوتے ہیں اور بد زیادہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ موجودہ لذات جن سے وہ متمتع ہو رہے ہوتے ہیں اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ اور اُن کے حصول پر وہ یقین رکھتے اور عاقبت کی

دائمی خوشحالی کا جو پردہ غیب میں ہوتی ہے اُن کو یقین نہیں ہوتا۔

نیکی کی طرف بلانے والی آسمانی آواز ہوتی ہے جو پے در پے سوتوں کو بیدار کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ وہ آواز اپنے ساتھ قوتِ جاذبہ اور دلائلِ بیّنہ رکھتی ہے اسلئے عقلمند اُس آواز کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور عوام اور سطحی خیال کے لوگ اُس سے دُور دُور رہتے ہیں اور اُس آواز پر لبیک کہنے والوں کی مخالفت کرتے ہیں اور اُن کے مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ اُن کے معاشرہ کو تباہ کر کے ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں جس سے اُن کے موجودہ فوائد کو نقصان پہنچے گا۔

قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ یہودی اور عیسائی قیامت تک رہیں گے۔ اسلئے یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ کسی وقت رُوئے زمین پر ایک ہی مذہب کا دَور دَورہ ہو جائے گا اور باقی مذاہب نیست و نابود ہو جائیں گے اور سب لوگ ایک ہی عقیدہ پر متفق ہو جائیں گے۔

(۱) وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (۵/۱۴)
(۱) ہم نے یہود کے مابین قیامت تک دشمنی اور کینہ ڈال دیا ہے۔

(۲) وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ
(۲) عیسائی کہلانے والوں سے ہم نے پکا عہد لیا۔ مگر جو نصیحت اُن کو کی گئی تھی اس کا بیشتر حصہ انہوں نے بھلا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے انکے

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (۵/۱۴)
مابین قیامت تک دشمنی اور کینہ کی آگ بھڑکا دی۔

جب شیطان کو خدا نے جنت سے نکال دیا تو اُس نے درخواست کی کہ مجھے قیامت تک مہلت دیدے۔ خدا نے اس کو مطلع کیا کہ تم کو مہلت دی گئی ہے۔ تب شیطان نے کہا کہ میں بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لئے تیرے سیدھے راستے میں بیٹھوں گا۔ ان کے پاس آگے اور پیچھے اور دائیں اور بائیں سے آؤں گا اور ان میں سے اکثر کو گمراہ کروں گا۔ جس کے نتیجہ میں وہ تیرے شکرگزار نہیں رہیں گے۔ (قَالَ أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝ (۵/۱۴-۱۵-۱۶)

خدا نے کہا کہ جو تیری پیروی کریں گے ان کو اور تجھ کو جہنم کی سخت سزا دی جائے گی۔ تجھ کو اجازت ہے کہ اُن میں سے جس پر تیرا بس چلے۔ اپنی آواز (تقریر) سے اس کو پھسلا لے اور اپنے سواروں اور پیادوں کو ان پر حملہ کرنے کے لئے بلا لے اور اُن کے مالوں اور اولادوں میں شریک ہوتا رہے اور اپنے فریبانہ وعدوں سے ان کو دھوکا دیتا رہے۔ لیکن میرے تابعدار بندوں پر تو غالب نہیں آسکے گا۔ (فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم

بِخَیْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ (۱۵/۶۳)

جس طرح شیطان کو آزادی دی گئی ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی پوری طاقت کے ساتھ بنی آدم کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح مومنوں کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ پُرامن طریقوں سے دینِ حق اور راستبازی کی تلقین کریں اور جبر و تشدد سے باز رہیں۔ کیونکہ دینِ حق دلائل و براہین سے بھرپور ہے اور اس کو جبر و تشدد کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ (۳/۱۰۴)

(۱) تم میں سے ایک منظم جماعت زیرِ سروگی امام ہونی چاہیئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے نیکی کا حکم دے اور بدی سے منع کرے۔

(۲) لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ (۳/۲۵۶)

(۲) دین کے بارے میں کوئی جبر اور تشدد روا نہیں رکھا گیا کیونکہ بھلائی اور گمراہی کا پردہ چاک کر کے ہدایت کی روشنی نمودار کی گئی ہے اور جو شخص شیطان کی بات نہ مانے اور خدا پر ایمان لائے وہ ایسے محکم دستاویز کو چنگل مارتا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی۔

(۳) لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝ (۳۰/۶)

(۳) اے منکرین تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے۔

(۴) قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ (۱۵/۲۹)

(۴) کہدے کہ یہ حق ہے جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے۔ لیکن ہم نے ظالموں کیلئے آگ تیار کر رکھی ہے جسکی قناتیں انکو گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔

(۵) قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ۭ (۳/۱۹)

(۵) اُن لوگوں کو جنہیں کتاب دی گئی ہے اور اُن لوگوں کو جو اَن پڑھ ہیں کہدے کہ کیا تم مانو گے۔ اگر وہ مان لیں تو انکو ہدایت نصیب ہوگی۔ اور اگر رُوگرداں ہو جائیں تو پھر تیرا کام ختم ہو گیا کیونکہ تیرا فرض بھلے طور پر پیغام پہنچا دینا ہے۔

(۶) وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ

(۶) اے لوگو اگر تم تکذیب کرتے ہو تو پھر کوئی نئی

مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ (۲۹/۱۸)

بات نہیں ہے تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں انہوں نے بھی اپنے وقت کے انبیاء کی تکذیب ہی کی تھی۔ رسول کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ کھلے طور پر پیغام پہنچا دے۔

(۷) فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ

(۷) اگر یہ لوگ تیری بات نہ سنیں اور روگردان ہو جائیں تو پرواہ نہ کر تو ان پر محافظ نہیں چھوڑا گیا۔ تیرا کام صرف پیغام پہنچانا ہے اور بس۔

(۸) اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ (۱۶/۱۲۵-۱۲۶)

(۸) اے پیغمبر! تو دانشمندی اور پسندیدہ نصیحت کے ذریعہ سے لوگوں کو خدا کی طرف بلا اور اگر بحث کا موقع پیش آئے تو اُن سے احسن طریق سے بحث کر۔ تیرا رب اُن لوگوں کو بھی بہتر جانتا ہے جو اسکے راستہ سے بھٹک گئے اور اُن لوگوں کو بھی بہتر جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں

اے مومنو! اگر تم کو مخالفین سے دکھ یا تکلیف پہنچے تو تم بھی ویسی ہی تکلیف یا دکھ انکو پہنچا لو اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے اُن لوگوں کیلئے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔

(۹) فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ (۱۸/۶-۷-۸)

(۹) اگر یہ لوگ قرآن پر ایمان نہ لائیں تو شاید تو انکے پیچھے اپنے آپ کو مارے افسوس کے ہلاک کرے۔ ہم نے جو کچھ زمین میں پیدا کیا ہے اسکی زینت کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ ہم آزمائیں کہ اُن میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اور ہم اس زمین کو چٹیل میدان بھی بنانے والے ہیں۔

تشریح: ۔ زینت اضداد کے مجموعہ سے ہوتی ہے۔ ع

اے ذوق اِس جہاں کو ہے زینت اختلاف سے

اگر ایک ہی نوع کی چیز ہو تو اس سے زینت نہیں ہوتی لہذا مومنوں اور مخالفوں کا وجود بھی خدا کی نگاہ میں زینت ہے اور یہ زینت امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ کون نیک چلن ہے اور کون بدچلن۔

چونکہ اعمالِ حسنہ پر جو انسان کی مرضی کے مطابق ظہور میں آتے ہیں ثواب مرتب ہوتا ہے اور بد اعمالی سے جو انسان کے اپنے اختیار سے ظہور پذیر ہوتی ہیں عذاب آخرت کی وعید منجانب اللہ ہے اسلئے نیک اعمال اور بداعمالی پر جبر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ یعنی نہ تو جبراً نیک اعمال کرائے جاتے ہیں اور نہ جبراً بد اعمال کیونکہ اگر جبر کو جائز رکھا جاتا تو پھر امتحان عبث ہو جاتا اور ثواب و عتاب بے معنی۔ جبکہ خالق ارض و سماء کا منشاء ہی یہ ہے کہ دو گروہ (ایک مومنوں کا گروہ اور ایک کفار کا گروہ) دُنیا میں امتحان کے لئے موجود رہیں۔ جیسا کہ آیاتِ مندرجہ بالا سے ظاہر ہے۔ تو پھر یہ خیال صحیح نہیں ہو سکتا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جبکہ اسلام کی کوئی مخالف طاقت دُنیا میں نہیں رہے گی اور چاروں طرف مسلمان ہی مسلمان نظر آئیں گے۔ اور تبلیغ کی ضرورت نہیں رہے گی جس کو ہر حالت میں لازمی قرار دیا گیا ہے۔

جب شیطان نے کہا کہ مَیں بنی آدم کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑوں گا تو خدا نے اس کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ تم کو مقابلہ نہیں کرنے دیا جائے گا اور تم کو بزور روک دیا جائے گا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ میرے فرمانبردار بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہوگا اور مقابلہ میں تجھ کو شکست ہوگی۔

شیطان کے بالمقابل اہلِ اسلام کو بھی پُر امن طریقوں سے تبلیغ کی ہدایت کی گئی ہے اور صاف طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر سے کام نہ لو۔ کیونکہ دین کے معاملہ میں جبر کو کام میں لایا جائے تو اسکے یہ معنے ہوتے ہیں کہ مبلغ کے پاس کوئی مسکتِ خصم دلیل نہیں ہے اور وہ طاقت کے بل بوتے پر اپنی بات منوانی چاہتا ہے۔ خدا کے فرمانبردار اور شکر گزار بندے تھوڑے ہوتے ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا "وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (۳۴/۱۳) میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہوتے ہیں۔ خدا کا یہ وعدہ ہے، کہ شکر گزار بندوں پر شیطان غالب نہیں آئے گا شکر گزار بندوں کے علاوہ باقی مسلمان شیطان کی زد میں ہیں وہ ان کو دام تزویر میں لا کر مرتد کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ بعض مسلمانوں کو مرتد کرنے میں کامیاب ہو جائے تو شیطان اور مرتدین کی سزا سوائے جہنم کے اور کوئی نہیں بتائی گئی۔ لہذا یہ خیال کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ مرتد از اسلام واجب القتل ہے۔

اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی جیسی کہ قاتل کی سزا قتل ہوتی ہے اور مرتد ارتداد کی سزائے قتل دُنیا میں بھگت لیتا تو اس کو عاقبت میں جہنم کی سزا نہیں ملنی چاہیئے۔ کیونکہ جو سزا اُس کے لئے مقرر تھی وہ اُس نے بھگت لی۔ اور اس کو دوبارہ سزائے جہنم دینا انصاف سے بعید ہے۔ اگر زانی سَو تازیانہ کی سزا دُنیا میں بھگت لے تو فقہاء کا اِس پر اتفاق ہے کہ آخرت میں اس کو زنا کی سزا نہیں دی جائے گی۔

مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ میں مرتدین کی سزا جہنم مقرر کی گئی ہے اور ان کو کفار کے زمرہ میں شامل کیا گیا ہے جنکی سزا صرف جہنم مقرر ہے۔ کسی آیۃ میں اشارۃً یا کنایۃً بھی مرتد کی سزا قتل نہیں بتائی گئی۔ بلکہ مرتد کو تائب ہونے کا موقع دیا

گیا ہے۔ اور اگر وہ بعد ارتداد تائب ہو جائے تو اسکو عذاب جہنم سے بھی بچایا جائے گا۔ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو پھر توبہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔

(۱) وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (۲/۲۱۷)

(۱) تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور کافر ہونے کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے اعمال دُنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے۔ یہ لوگ آگ میں ڈالے جائینگے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تشریح :۔ اس آیہ کریمہ میں مرتد کو کافر کہہ کر اس کو وہی حیثیت دی گئی ہے جو ایک عام کافر کی ہے۔ نیز اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرتد کو قتل کی سزا نہیں دی جاتی بلکہ اس کو طبعی موت سے مرنے کی مہلت دی جاتی ہے اور اس کی سزا آتش جہنم مقرر کی گئی ہے نہ کوئی دُنیوی سزا۔

(۲) كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (۳/۸۵ تا ۸۸)

(۲) ایسے لوگوں کو خدا اپنے قرب کے راستے کیسے دکھا سکتا ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے حالانکہ انہوں نے گواہی دی تھی کہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس کھلے کھلے نشان آئے تھے۔ خدا ظالموں کو اپنے راستے نہیں دکھاتا ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ وہ خدا اور اسکے فرشتوں اور تمام لوگوں کی دائمی لعنت میں گرفتار رہیں گے اور ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائیگی اور ان کو ڈھیل بھی نہیں دیجائیگی۔ مگر وہ اس سزا سے بچ جائیں گے جنہوں نے ارتداد کے بعد توبہ کر لی اور اپنی حالت کی اصلاح کر لی اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح :۔ اس آیہ کریمہ میں مرتد کو کفار کے زمرہ میں شامل کیا گیا ہے اور اس کی سزا قتل نہیں قرار دی گئی بلکہ دائمی لعنت کی سزا تجویز کی گئی ہے۔ اور مرتد کو موقع بھی دیا گیا ہے کہ وہ توبہ کر کے اپنی حالت کی اصلاح کرے۔ اگر وہ تائب ہو جائے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اگر ارتداد کی سزا قتل ہوتی تو پھر توبہ کے کیا معنے تھے۔

(۳) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ○ (۴/۱۳۷)

(۳) جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے تو خدا ایسے لوگوں کے گناہ معاف نہیں کریگا اور نہ اپنی راہ انکو دکھائیگا۔

تشریح:- اِس آیۂ کریمہ میں بھی مرتدین کو کفار کے زمرہ میں شامل کیا گیا ہے اور اُن کی سزا قتل نہیں قرار دی گئی بلکہ اُن کی سزا یہ بتائی گئی ہے کہ وہ خدا کے قُرب کی راہوں کو نہیں پائیں گے۔ یہاں ایسے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو دو دفعہ ایمان لائے اور دو دفعہ منکر ہوئے اور پھر انکار اور تکذیب میں ترقی ہی کرتے گئے۔ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو پہلی دفعہ ہی ایسے لوگ قتل کر دیئے جاتے۔ اور اگر پہلی دفعہ بچ گئے تھے تو دوسری دفعہ ضرور ٹھکانے لگا دیئے جاتے۔ مگر باوجود بار بار کے کفر اور انکار کے ان کی یہ سزا مقرر کی گئی کہ وہ ہدایت اور نجات راستے دُور رہیں گے۔

(۴) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ٥

(۴) جن لوگوں نے ہمارے نشانوں اور روزِ آخرت کی تکذیب کی انکے اعمال ضائع ہو گئے۔ اور یہ سزا ان کے اعمال ہی کی ہے۔

(اعراف ۱۴۷)

تشریح:- آیۂ کریمہ مندرجہ بالا میں جیسا کہ مرتدین کی سزا بیان کی گئی ہے کہ ان کے اعمال ضائع ہو گئے اسی طرح آیۂ ہذا میں مکذبین یعنی کافروں کی سزا حبطِ اعمال رکھی گئی ہے۔ گویا کافروں اور مرتدوں کو ایک ہی لائن میں رکھا گیا ہے۔

ارتداد کے کئی باعث ہو سکتے ہیں اور مندرجہ ذیل قسم کے مرتدین ذہن میں آ سکتے ہیں:-

(۱) ایک شخص اپنا مسلک چھوڑ کر دین اسلام کی صداقت کے دلائلِ بیّنہ سُنے بغیر کسی طاقت کے اثر کے ماتحت مسلمان ہو جاتا ہے مگر اُس کا دل پورے طور پر مطمئن نہیں ہوتا۔ پھر مؤثر طاقت کے مفقود ہونے پر منکر ہو جاتا ہے۔

(۲) ایک شخص مسلمان ہو کر ایسے ماحول میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو اُس کی ایمانی طاقت کو اندر ہی اندر کھاتا رہتا ہے اور بالآخر مقتدی مجبوریاں اُنکو ترکِ اسلام پر آمادہ کر دیتی ہیں اور بمجبوری علانیہ مرتد ہو جاتا ہے۔

(۳) ایک شخص اخلاص سے مسلمان ہو جاتا ہے مگر اس کے والدین اور قریبی غیر مسلم رشتہ دار بار بار سخت عجز و الحاح سے اور بالآخر اس کو بیش قیمت جائیداد کی وراثت سے محروم کر دینے کی دھمکی دیکر ورغلا لیتے ہیں اور اہلِ اسلام کی طرف سے اس کو کسی قسم کی مالی اور تمدنی امداد نہیں پہنچتی اور وہ اسلام کو چھوڑ دیتا ہے۔

(۴) ایک شخص اسلام کی حقانیت کے دلائلِ بیّنہ سُنکر علی وجہ البصیرت مسلمان ہو جاتا ہے اور کوئی دُنیوی زبردست طاقت اسکو علانیہ ترکِ اسلام پر مجبور کر دیتی ہے مگر اس کے قلب میں صداقتِ اسلام جاگزیں ہوتی ہے۔

(۵) ایک شخص فی الحقیقت مسلمان ہو جاتا ہے مگر مخالفِ اسلام گروہ کے دلائل سُن کر اور اہلِ اسلام کی طرف سے کافی جواب نہ سُن کر نیک نیتی سے مرتد ہو جاتا ہے۔

(۶) ایک شخص مسلمان تو ہو جاتا ہے مگر بہ سبب اپنی بد اعمالی

اور بدکرداری کے ایمانی طاقتوں کو کھو بیٹھتا ہے اور نہ دل سے منکرِ اسلام ہو جاتا ہے مگر سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے علانیہ ترکِ اسلام نہیں کرتا اور منافقانہ طور پر مسلمان بنا رہتا ہے۔

(۷) ایک شخص مسلمان ہو کر مرتد ہو جاتا ہے اور پھر مخالف اسلام طاقتوں کے ساتھ مل کر بذریعہ قتل و غارتگری اہلِ اسلام کی جان و مال کو نقصان پہنچاتا اور معاشرہ میں فتنہ و فساد برپا کرتا ہے۔

(۸) ایک شخص علانیہ مسلمان کہلاتا ہو، خدا اور رسول اور ملائکہ اور الہامی کتابوں اور روزِ آخرت پر ایمان لاتا ہو اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہو روزہ حج اور زکوٰۃ کا انکار نہ کرتا ہو۔ اور باوجود ان سب باتوں کے بعض علماء زمانہ اس کے مرتد از اسلام ہونے کا فتویٰ دیتے ہوں۔

۱ تا ۸ قسم کے مرتدوں میں سے کسی کو عدل و انصاف کی رُو سے محض ارتداد کی بناء پر دُنیوی سزا نہیں دی جا سکتی بلکہ ۸ کے متعلق تو صریح ارشادِ ربانی موجود ہے کہ اس کو کوئی سزا نہیں ملے گی۔

(۱) مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۶/۱۰۶)

(۱) جو لوگ ایمان لانے کے بعد شرحِ صدر سے خدا کے منکر ہو گئے اُن پر خدا کا غضب نازل ہوگا اور وہ بھاری عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ مگر ایسا شخص غضبِ الٰہی اور عذاب سے بچ جائیگا جس سے جبراً انکارِ حق کرایا گیا ہو اور اس کا قلب ایمان سے مطمئن ہو۔

تشریح:۔ اس آیۂ کریمہ میں بھی مرتد کو قتل کی سزا دینے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ خدا کی طرف سے غضب اور عذابِ عظیم کی وعید دی گئی ہے اور ایسا شخص مستثنیٰ کیا گیا ہے جس سے جبراً اللہ تعالیٰ کا انکار کرایا گیا ہو۔

۶ میں ایسا مرتد آتا ہے جس کو منافق کہا جا سکتا ہے اور منافق کی سزا آیۂ ذیل میں دوزخ قرار دی گئی ہے۔

(۱) إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۴/۱۴۵)

(۱) منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

۷ والے مرتد کی وہی سزا ہے جو ایک قاتل اور غارتگر کی ہونی چاہیئے نہ کوئی اور۔

۸ والے شخص کو دُنیا کی کوئی طاقت مرتد از اسلام یا غیر مسلم نہیں قرار دے سکتی اور نہ وہ علماء کے کسی فتوے کی بناء پر مستوجبِ سزا ہو سکتا ہے۔ سزا کسی جسمانی عضو یا قوت کے ناجائز استعمال یا زبان کے نا ملائم الفاظ کی بناء پر دی جا سکتی ہے۔ جو شخص بظاہر کوئی فعل خلافِ اسلام نہ کرتا ہو اور زبان سے اپنے آپکو مسلم اور مومن بیان کرتا ہو اور کوئی حرکت یا سکون اس کا ایسا نہ ہو جو جرم کی حد تک پہنچتا ہو اس کو کسی شخص کے کہنے سے چاہے وہ شخص بلحاظ علم و فضل کے کتنا ہی جلیل القدر ہو سزا نہیں دی جا سکتی۔

اسلامی طاقت کو صریح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ کسی غیر مسلم

قوم کے ساتھ اگر تمہاری عداوت بھی ہو تو بھی تم انصاف کو ہاتھ سے نہ دو اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم بے انصافی کرو۔ اور اگر تم کو حاکم یا حَکَم یا ثالث بنایا جائے تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔

(۱) وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (۵/۸)

(۱) کسی قوم کی دشمنی تم کو کبھی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو تم انصاف کرو کہ وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔

(۲) وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ

(۲) اگر تم کو لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کے لئے حَکَم یا ثالث بنایا جائے تو تم انصاف سے فیصلہ کرو۔

ہندوستان میں مسلمانوں نے قریباً ہزار سال تک حکومت کی ہے اور اس عرصہ میں بڑے بڑے دیندار بادشاہ مثلاً ناصرالدین شاہ و اورنگ زیب گزرے ہیں، جو خلفاء راشدین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے روٹی کھاتے تھے اور بیت المال کے روپے سے اپنی ذاتی ضروریات پوری نہیں کرتے تھے۔ اورنگ زیب تو اپنی بادشاہی کو خلافت کا نام دیتا تھا (جیسا کہ اس کے بعض رقعات رقعاتِ عالمگیری سے ظاہر ہوتا ہے) گویا وہ اپنے آپ کو خلیفہ ظاہر کرتا تھا۔ لیکن تاریخ پتہ نہیں دیتی کہ کسی مسلمان بادشاہ نے مرتد از اسلام کو موت کی سزا دی ہو۔ اور علماء کے

فتوے کے مطابق کسی فرقۂ اسلام کو مرتد از اسلام قرار دیکر اُس کو موت کے گھاٹ اُتارا ہو۔

اورنگ زیب جیسے متشرع بادشاہ کے عہد میں پیر محمد حسین مشہدی نے جو عالم، مُبَصّر، مند اور متموّل تھا صاف طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ نئی نماز نکالی اور اپنا لقب نمود و انمود رکھا اور ایک کتاب "آغوزۂ مقدسہ" لکھی۔ اورنگ زیب نے اُس سے کوئی باز پُرس نہیں کی۔ اورنگ زیب کے بعد اُس کے پسر بہادر شاہ نے بھی اسکو نہیں چھیڑا۔ فرخ سیر کے عہد میں بھی وہ موجود تھا جو اس کی پابوسی کے لئے ایک دفعہ آدھی رات کے وقت اسکے پاس گیا تھا۔ محمد شاہ کا زمانہ بھی اُس نے پایا تھا۔ آخر وہ طبعی موت سے فوت ہوا اور اس کی وفات کے بعد اسکے فرزندوں اور مریدوں کے مابین اس کی جانشینی کے تنازعات پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے اُس کا سلسلہ مٹ گیا۔ (دیکھو داستانِ ترکتازانِ ہند مؤلفہ مرزا نصراللہ خاں اصفہانی اتالیق نواب محبوب علی خاں والد

(بقیہ [illegible])

الفرقان کے "قرآن نمبر" کے متعلق آپکا فرض؟

رسالہ الفرقان کا آئندہ شمارہ (دسمبر ۱۹۵۳ء) "قرآن نمبر" ہوگا۔ یہ رسالہ کا سالانہ شمارہ ہوگا۔ اسمیں علوم قرآنی پر جامع مضامین شائع ہونگے انشاءاللہ۔ یہ رسالہ تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اس نمبر کی افادیت کا تقاضا ہے کہ آپ اسے خود بھی حاصل کریں اور اپنے احباب کو بھی تحفۃً پیش کریں۔

ایک رسالہ کی قیمت ایک روپیہ ہے۔ پانچ رسالوں کیلئے چار روپے بھجوائیں۔!

مینجر "الفرقان" ربوہ

تعلیم اللغۃ العربیۃ

عربی زبان کے متعلق آسان اسباق

بارھواں سبق

اسم فاعل کے صیغے

آپ جانتے ہیں کہ کوئی کام کرنے والا یا مرد ہوگا یا عورت ہوگی اور پھر یا ایک ہوگا یا دو ہوں گے یا دو سے زیادہ ہوں گے اس لحاظ سے عربی زبان میں اسم فاعل کے چھ صیغے ہوتے ہیں اور عقلاً بھی چھ ہی صیغے ہونے چاہئیں

(۱) واحد مذکر (۲) تثنیہ مذکر (۳) جمع مذکر

(۴) واحد مؤنث (۵) تثنیہ مؤنث (۶) جمع مؤنث

بطور مثال اسم فاعل جَالِسٌ کی گردان یوں ہوگی :-

واحد مذکر	تثنیہ مذکر	جمع مذکر
جَالِسٌ	جَالِسَانِ	جَالِسُوْنَ
بیٹھنے والا ایک مرد	بیٹھنے والے دو مرد	بیٹھنے والے بہت مرد
واحد مؤنث	تثنیہ مؤنث	جمع مؤنث
جَالِسَۃٌ	جَالِسَتَانِ	جَالِسَاتٌ
بیٹھنے والی ایک عورت	بیٹھنے والی دو عورتیں	بیٹھنے والی بہت عورتیں

اس طریق پر ہر اسم فاعل کے چھ صیغے ہوں گے اور ان صیغوں کو مختلف اسموں اور ضمیروں کے ساتھ ملا کر جملے بنائے جا سکیں گے۔

مشق ۱

مندرجہ ذیل عربی جملوں کا اردو میں ترجمہ کریں :-

(۱) زَیْنَبُ نَائِمَۃٌ - (۲) خَالِدٌ جَالِسٌ -

(۳) هِنْدُ نَائِمَۃٌ - (۴) خَوْلَۃُ وَعَائِشَۃُ رَاجِعَتَانِ - (۵) هُنَّ دَاخِلَاتٌ - (۶) هِيَ شَاكِرَۃٌ - (۷) هُمَا غَائِبَانِ - (۸) هُمَا غَائِبَتَانِ (۹) هُمْ تَائِبُوْنَ - (۱۰) هُوَ فَاسِقٌ - (۱۱) أَنْتَ ذَاهِبٌ - (۱۲) أَنْتُمْ قَاتِلُوْنَ - (۱۳) أَنْتُنَّ عَاقِلَاتٌ - (۱۴) أَنْتُمَا ضَارِبَانِ - (۱۵) أَنْتُمَا ضَارِبَتَانِ

مشق ۲

مندرجہ ذیل فقرات کا عربی میں ترجمہ کریں :-

(۱) تو عقلمند ہے۔

(۲) وہ وعدہ کرنے والی عورتیں ہیں۔

(۳) تم جانے والے مرد ہو۔

(۴) وہ دو نو مرد سونے والے ہیں۔

(۵) وہ دو نو عورتیں بیٹھنے والی ہیں۔

(۶) وہ ایک مرد ظالم ہے۔

(۷) تم دو مرد پکڑنے والے ہو۔

(۸) ہم سب حفاظت کرنے والے ہیں۔

(۹) میں شکر کرنے والا ہوں۔

(۱۰) میں توبہ کرنے والی ہوں۔

تحقیق اُمّ الاَلسنہ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونے کا قطعی ثبوت!

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو الفرقان اکتوبر ۵۳ء)

(۱۲)

یورپ اور تحقیق السنہ

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور۔)

کامل زبان کا معیار ایک کامل زبان کے معیار بھی ان علماء نے پیش کئے ہیں:۔

(ا) سب سے بہتر وہ زبان ہوگی جو زیادہ سے زیادہ مفہوم کو تھوڑے الفاظ میں آسانی سے ادا کر سکے۔ (صفحہ ۳۲۴ جسفرسن)

(ب) "لفظ کا چھوٹا ہونا محنت اور وقت کو بچاتا ہے اور زبانیں اس طرف ترقی کر رہی ہیں"۔ (صفحہ ۲۳۱)

ایک کامل زبان کے لئے انسان کی فطرت میں تڑپ اور پیاس ہے۔ اِس امر کو علامہ جسفرسن اِن لفظوں میں بیان کرتے ہیں:۔

(ج) "کوئی زبان ابھی تک کمال حاصل نہیں کر سکی۔

بہترین زبان وہ ہوگی جو ایک معین چیز کو معین الفاظ میں بیان کرے اور باہم مشابہ اشیاء کو متشابہ الفاظ میں ادا کرے۔ ہر بے قاعدگی اور ابہام سے پرہیز کرے۔ مفہوم اور لفظ کی آواز میں ہم آہنگی کو قائم رکھے۔ ہر مفہوم کے مختلف اور نازک سے نازک پہلو کو بہ آسانی ادا کرے۔ نظم و نثر، حسن و صداقت، خیالات اور احساسات سب پر یکساں حاوی ہو تا انسانی رُوح کو ایک ایسا لباس میسر آ جائے جو آزادی اور شکوہ کا حامل ہو اور رُوح کی قامت پر راست آئے اور ہمیں ہمہ کسی حرکت میں رکاوٹ نہ ڈالے" (صفحہ ۴۴۲

(د) سقراط کا قول ہے کہ بہترین زبان وہ ہو سکتی ہے، جس میں الفاظ اور مفہوم میں مکمل رشتہ قائم رہے۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ معیار پر مفرد الفاظ ہی پورے اُتر سکتے ہیں اور یہ معیار نظام مفردات کو چاہتا ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شرح و بسط سے "منن الرحمٰن" میں درج فرمایا ہے۔ اور اسی غرض سے منن الرحمٰن میں ام الالسنہ ایسے ادق اور نئے مضمون کو مفرد الفاظ میں لکھا ہے تا عربی زبان کا کامل ہونا اُس کے نظام مفردات سے ثابت ہو جائے۔

عجمی زبانیں خواہ سنسکرت ہو یا لاطینی یا یونانی۔ مرکّب الفاظ کا ذخیرہ ہیں۔ اور مرکّبات کی ضرورت تبھی ہوتی ہے جب زبان میں نظام مفردات موجود نہ ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا معیار پر مرکّب الفاظ پورے نہیں اُترتے۔ لفظ کا چھوٹا ہونا، بلا کم و کاست مفہوم کو ادا کر سکنا، ہر قسم کے مفہوم کے لئے لفظ کا موجود ہونا مفرد لفظ کے شایانِ شان ہے نہ کہ مرکّب لفظ کے۔

دراصل یہ وہی دلیل ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمائی کہ نظامِ عالم اور عربی کا نظامِ مفردات دو مرآیا متقابلہ ہیں اور خدا تعالےٰ کا فعلی نظام لُغتِ عرب کے اندر بطور قولی نظام منضبط ہوا ہے اور اسی کی طرف کتاب اللہ رہنمائی کرتی ہے۔ جہاں فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝

ایک اور سوال یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے یعنی یہ کہ مغربی محققین کی نظر کیوں اس طرف نہیں گئی کہ زبانیں عربی سے نکلی ہیں حالانکہ اُن میں عربی کے بڑے بڑے فاضل موجود ہیں۔ تاریخی ذخیرے ان کے پاس ہیں تحقیق کے لئے سرمایہ، وقت، حوصلہ افزائی اور ہر طرح کی امداد انہیں میسّر ہے۔ اُن میں آزاد خیال، وسیع النظر اور بے تعصب لوگ بھی ہیں (جیسا کہ جسپرسن جن کی بے لاگ آراء بہت قابلِ تعریف ہیں) اِن تمام اسباب کے باوجود اُن کا عربی زبان کو ام الالسنہ قرار نہ دینا ایک عام آدمی کو تذبذب میں ضرور ڈالتا ہے۔ اس کا جواب حسبِ ذیل ہے:۔

اوّل۔ کل امر مرھون باوقاتھا۔ ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔ یہ سوال ایسا ہی ہے کہ موجودہ زمانے کی ایجادات ہوائی جہاز، سینما، راکٹ اور ٹیلیس اور ایٹم بم وغیرہ پیشتر صدیوں میں کیوں نہیں ایجاد ہوئے۔ وان من شیء الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدرٍ معلوم۔

ثانیاً۔ فلالوجی ابھی تازہ سائنس ہے اور اِس باب میں گو بہت کچھ تحقیق ہوئی ہے مگر یہ تشنۂ تکمیل ہے اور کوئی آخری فتویٰ اِس بارے میں تاحال صادر نہیں ہوا۔ اور نہ انسان کے ناقص علم کو یہ حوصلہ ہے کہ وہ اس قدر ہمہ گیر اور انقلاب انگیز دعویٰ کر سکے کہ دُنیا کی تمام زبانیں کسی ایک زبان یا عربی سے نکلی ہیں۔ کیونکہ یہ ظاہری علوم کی دسترس سے باہر اور تاریخِ معلوم سے پیشتر کی بات ہے۔ جس کے متعلق دستاویزی یا زبانی ثبوت و شہادات نایاب ہے۔ پس لامحالہ یہ امر صرف اور محض نورِ الہام

کی روشنی میں طے ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ ایک وراء الوراء علمِ غیب کی بات ہے کہ زبان کی ابتداء کس طریق پر ہوئی۔ ظاہری علوم یہ حوصلہ نہیں کر سکتے کہ اس قدر بڑا دعویٰ کر سکیں۔ ہمیں اس بارے میں جو بصیرت حاصل ہے اسکی بنیاد فرقانِ حمید کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تازہ الہامات ہیں۔ اور اسی لئے حضورؑ نے دُنیا کو للکار کر حق الیقین اور تحدّی کے ساتھ یہ دعویٰ پیش فرمایا ہے۔ اور بجز ایک ملہم من اللہ کے کون یہ کہہ سکتا ہے کہ اس بارے میں :-

"واللہ ما خرجت من فمی کلمۃ وما انکشفت علی حقیقۃ الا بتفہیمہ وما علمت شیئاً الا بتعلیمہ۔ اور بخدا میرے مُنہ سے کوئی کلمہ نہیں نکلا اور نہ کوئی حقیقت مجھ پر کھلی مگر اس طرح پر کہ خدا نے ہی مجھے سمجھایا اور خدا نے ہی مجھے سکھلایا" (منن الرحمٰن صـ ۲۴)

اور نیز یہ کہ :-

"عربی کے الفاظ وہ الفاظ ہیں جو خدا کے مُنہ سے نکلے ہیں اور دُنیا میں فقط یہی ایک زبان ہے جو خدائے قدّوس کی زبان اور قدیم اور تمام علوم کا سرچشمہ اور تمام زبانوں کی ماں اور خدا کی پہلی اور آخری وحی کا تخت گاہ ہے۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی صـ ۹۵)

ثالثاً۔ تقلید انسان کے لازمِ حال ہے۔ پُرانی راہ و روش کو ترک کرنا اور نئی جستجو کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ ما وجدنا علیہ آباءنا دنیا کا عام دستور ہے۔ اہلِ مغرب چونکہ بالعموم سنسکرت کو شروع میں قدیم زبان سمجھ بیٹھے تھے اسلئے بعد میں آنیوالے اسی راہ پہ گامزن رہے اور پھر جب سنسکرت قدیم زبان ثابت نہ ہوئی تو کسی دوسری زبان کیطرف توجہ کرنیکی بجائے انہوں نے یہ کہہ کر خود کو تسلّی دی کہ شاید وہ زبان اب دُنیا میں موجود نہیں۔ کسی اور زبان کی طرف جانے میں پہلے لوگوں کی تکذیب اور خود اپنی تحقیق ملیامیٹ ہوتی تھی اس لئے قدیم ترین زبان کو بے سراغ کہنے میں زیادہ سلامتی نظر آئی ؎ کہ مردن صد عیب نکردن یک عیب۔ علاوہ ازیں انسان کی عادت میں داخل ہے کہ وہ اپنے کئے پہ قائم رہنا چاہتا ہے ؎ نتوان نمود ترکِ ستائش ستودہ را۔ ان حالات میں سنسکرت سے آگے یہ علماء نہیں جا سکے اور ان کی نفسیاتی کیفیت اس راہ میں حائل ہو گئی۔

راقم نے یہ بات یونہی نہیں کہی بلکہ ان علماء کا طرزِ تحقیق اس نفسیاتی کیفیت کا غمّاز ہے۔ مثلاً بعض لفظوں کا اشتراک انہوں نے دس دس پندرہ پندرہ زبانوں میں ثابت کیا مگر عربی میں بھی وہی لفظ موجود تھا لیکن اسکی طرف ان کی نظر گئی ہی

نہیں۔ مندرجہ ذیل مثالیں قابلِ توجہ ہیں:۔
(۱) انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ص۹۵ پر درج ہے کہ انگریزی لفظ She (وہ عورت) کی قدیم ترین شکل HEO تھی جو پندرھویں صدی تک قائم رہی اور بعد میں یہ لفظ She ہو گیا۔ اور لکھا ہے کہ HEO کا ماخذ نہیں ملتا۔ صریحاً یہ لفظ ھِیَ (وہ عورت) ہے لیکن عربی کی طرف کوئی جائے تو سراغ ملے۔ اس سے ظاہر ہے کہ لاطینی، یونانی اور سنسکرت میں ماخذ کا نہ ملنا ان لوگوں کے نزدیک کسی لفظ کے بے سراغ ہونے پر دال ہے اور اسی لئے ایک بے سراغ زبان کا نظریہ قائم کیا گیا ہے۔

(ب) لفظ ماں اور باپ کی تحقیق انہوں نے بہ طریق ذیل کی ہے۔ (۱) عبرانی میں Em (۲) سُریانی میں Ummo (۳) الیانوی میں Ama۔ اب یہ لفظ صریحاً اُمّ (ماں) عربی ہے لیکن اسکا ذکر قطعاً نہیں کیا گیا۔ (دیکھو جسپرسن ص۱۵۵)۔ (۴) ہندی میں ماں یا امّاں۔ نون حرفِ غنہ زائد ہے (۵) سنسکرت میں ایک قرأت اسکی Amba بھی ہے۔ گویا B حرفِ غنہ M کے ساتھ پیدا ہو گیا ہے۔ (۶) لفظ اُمّ کے ساتھ T حرفِ صوت زائد لگ کر (۷) سنسکرت میں ماتا (۸) پُرانی فارسی میں ماتا بھی لفظ ہے۔ (۹) پرانی فارسی میں اس کی ایک شکل Maer بھی ہے۔ گویا R حرفِ صوت زائد ہے (۱۰) پھر ماتا R کا اضافہ ہوا تا کہ یہ R دوسرے لاحقے لگنے کے لئے حرفِ وصل کا کام دے سکے۔ مثلاً maternal - maternity وغیرہ۔ اسلئے سنسکرت میں ماتُرا (۱۱) لاطینی میں mater (۱۲) پُرانی سیکسن میں moder (۱۳) انگریزی میں mother (۱۴) فارسی میں مادر بنا۔ جس طرح اُمّ سے ماتا اور ماترا بنے بعینہٖ اسی طریق پر اب (باپ) سے سنسکرت پِتا[۱] اور لاطینی Allah[۲] اور پھر لاطینی pater[۳] - انگریزی father[۴]۔ فارسی پدر[۵] بنا۔ (۱۵) اُمّ کا میم مکرّر ہو کر انگریزی mama - فارسی مام بھی لفظ ہے۔ M حرفِ مکرّر ہے اور اسی اسلوب پر اَبّ کی بے کا تکرار ہو کر ہندی باپ اور بابو۔ فارسی باب۔ انگریزی papa - لاطینی pape بھی لفظ ہے۔ B بہ ابدال P حرفِ مکرّر ہے۔

یہاں سے ظاہر ہے کہ اُمّ اور اَبّ میں تبدیلی اور بیشی ایک سا ہی اسلوب پر ہوئی ہے۔ پس جب کوئی لفظ بدلتا یا بگڑتا ہے تو بے قاعدہ طریق پر نہیں بلکہ ایک مقررہ اسلوب پر یہ تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ لفظ اُمّ نے پندرہ چولے بدلے ہیں مگر میم ہر جگہ قائم اور مشترک رہا ہے۔ لفظ اَبّ نے دس رُوپ اختیار کئے مگر B یا P قائم رہی۔ پس بلوم فیلڈ (ص۱۳) کا یہ قول بجا ہے کہ:۔

"اس قسم کی مشابہت گو تاریخی امور ہیں لیکن ان کی اہمیت واضح ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی افعال بہ حیثیت عمومی بھی بے قاعدہ واقع نہیں ہوتے خواہ اُن کا تعلق ایک چھوٹی سی

رات یعنی ایک لفظ کے طرزِ ادا سے ہو" علاوہ ازیں علامہ جیفرسن کا یہ قول کہ "کسی چھوٹی سے چھوٹی زبان کو بھی حقیر اور دلچسپی سے خالی نہیں سمجھنا چاہیئے" اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ پنجابی زبان میں اَب کی بجائے "پیو" یا "پے" بمعنی باپ لفظ اَبّ سے اقرب ہے بہ نسبت دوسری زبانوں کے۔

(ج) جس طرح اُمّ سے ماتا بنا۔ اسی طرح لفظ عمّہ (پھوپھی) سے Amita (پھوپھی) بنا۔ جو بعد میں بالتسلیم Aunt ہو گیا۔ لیکن حیرت ہے کہ جیفرسن ایسا بے تعصب اور فراخدل محقق اسے ماتا بمعنی ماں پر مبنی قرار دیتا ہے انگریزی کتابت میں چونکہ الف اور عین کی تمیز نہیں اسلئے اُمّ اور عمّہ میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ اور یہ فاش غلطی جیفرسن ایسے فاضل سے سرزد ہو گئی۔

مندرجہ بالا قسم کی ہزاروں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ she کی سابقہ شکل HEO در اصل "ھِیَ" ہے۔ اور مندرجہ بالا ۱۵ شکلیں لفظ اُمّ کی ہیں۔ اور اسی طرح لفظ اَبّ نے دس شکلیں اختیار کی ہیں۔ AUNT یعنی AMITA در اصل عمّہ ہے نہ کہ اُمّ۔ لیکن تقلید اور نفسیاتی کیفیت ان علماء کو عربی کی طرف آنے ہی نہیں دیتی۔ اسلئے "داڑھی اوٹ پہاڑ" نظر نہیں آتا۔ گویا سنسکرت، لاطینی، یونانی۔ تین کھونٹ میں بھاگا جا سکتا ہے چوتھی کھونٹ یعنی عربی کی طرف بھاگنا منع ہے۔

رابعاً۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ عربی الفاظ مختلف زبانوں اور ملکوں میں جا کر بگڑے۔ تو یہ بگاڑ تین بڑے طریقوں پر ہوا۔ یعنی (۱) آب و ہوا کے اثر سے حروف کا ابدال ہوا (۲) گرامر کی تصریفات نے الفاظ کا حلیہ بگاڑا (۳) پھر مختلف قسم کے تصرفات بروئے کار آئے جن میں اشباع، امالہ، ترخیم، حذف کے علاوہ

PROSTHESIS۔ یعنی لفظ کے شروع میں کسی حرف کا اضافہ کرنا۔

RARAGOGE۔ یعنی لفظ کے آخر میں کسی لفظ کا اضافہ کرنا۔

EPITHESIS۔ یعنی لفظ کے وسط میں کسی لفظ کا اضافہ کرنا۔

ELISION۔ یعنی لفظ میں سے سہولتِ ادا کی خاطر کسی حرف کو گرا دینا۔

SYNCOPE۔ یعنی دو مفرد الفاظ کو مرکب بناتے ہوئے درمیان میں سے حروف کا گر جانا۔

METATHESIS یعنی مقلوبیت یا حروف کا آگے پیچھے ہو جانا۔

وغیرہ وغیرہ کئی قسم کی تبدیلیاں ہیں جنہوں نے عربی الفاظ کے چہرے کو مسخ کر دیا۔ ان تمام تبدیلیوں سے الفاظ کو پاک کرنا۔ یکجائی طور پر ان کو عمل میں لانا کوئی آسان کام نہیں۔ گو یہ علماءِ السنہ کے مسلمہ اصول ہیں لیکن ایک غلط نقطۂ خیال نے عربی پر ان اصول کو عائد کرنے کا موقع ہی

نہیں آنے دیا۔ ورنہ اگر ان مسلّمہ پیچیدگیوں کو نکال دیا جاتا تو عربی مآخذ کا برآمد ہونا چنداں دشوار نہ تھا۔ اِن امور سے غفلت اور سنسکرت کی طرف انتہائی توجّہ کا نتیجہ تھا کہ منزلِ مقصود گم ہوگئی ؎

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں گشت از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

بعض دفعہ ایک معمولی اور حقیر سی بات کی طرف متوجّہ ہونا عظیم الشان ایجادات کا موجب بن جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس ذرا سی چوک بعض دفعہ ناکامی کی وجہ ہو جاتی ہے۔

خامساً۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ توحید تمام حقانی علوم کا سرچشمہ ہے ؎

علم آں بود کہ نورِ فراست رفیقِ اوست

ایک موحّد کو یقین ہے کہ دُنیا کے تمام ادوار کا نقطۂ مرکزی توحید باری تعالےٰ ہے۔ اور زبانوں کا مسئلہ بھی اِس سے باہر نہیں جا سکتا۔ لیکن ایک مادہ پرست یا دہریہ یا تثلیث کے شیدائی یا آواگون کے قائل یا مشرک کی نظر اس طرف نہیں جا سکتی، کہ ایک زبان ابتدا میں خدا تعالیٰ نے انسان کو سکھائی اور پھر اس سے دُنیا کی باقی زبانیں نکلیں ؎

فکرِ ہرکس بقدرِ ہمّتِ اوست

اسلئے اُمّ الالسنہ کا مسئلہ ایک غیر موحّد کے بس کی بات نہیں۔ اور مقدر تھا کہ یہ مسئلہ آخری زمانے میں مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے سے ہی طے ہو۔

پس مندرجہ بالا پانچ وجوہات کی بناء پر ہو سکتا ہے کہ عربی زبان کا اُمّ الالسنہ ہونا مغربی محققین کی نظر سے پوشیدہ رہا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب ؎

اے بسا علمے کہ از بے اتفاقی ہائے خلق
در ضمیرِ معنی آگاہاں ہمے مستور ماند

اپنا نمبر ملاحظہ فرمائیں!

ذیل میں بقایادار اصحاب کے نمبر خریداری درج ہیں۔ آپ اپنا نمبر دیکھ کر اپنا بقایا ارسال فرمائیں ---------- (مینیجر)

۱	۷۵	۱۶۹	۲۲۹	۳۰۶	۳۴۵	۳۹۵
۴	۷۷	۱۷۳	۲۳۱	۳۱۱	۳۵۵	۴۰۴
۵	۷۸	۱۷۹	۲۳۲	۳۱۲	۳۵۸	۴۰۸
۲۴	۸۰	۱۸۰	۲۴۷	۳۱۷	۳۶۲	۴۱۰
۲[illegible]	۸۷	۲۰۶	۲۵۲	۳۱۹	۳۶۴	۴۱۱
۳۰	۹۵	۲۰۷	۲۵۳	۳۲۵	۳۶۷	۴۱۲
۳۱	۹۶	۲۰۸	۲۶۱	۳۲۶	۳۶۸	۴۱۵
۳۵	۱۵۳	۲۰۹	۲۹۲	۳۳۱	۳۶۹	۴۱۷
۴۱	۱۵۴	۲۱۰	۲۹۵	۳۳۵	۳۷۰	۴۱۸
۴۸	۱۵۶	۲۱۱	۲۹۷	۳۳۶	۳۷۵	۴۳۴
۵۱	۱۵۸	۲۱۲	۳۰۰	۳۳۷	۳۷۹	۴۳۹
۵۲	۱۵۹	۲۲۷	۳۰۴	۳۳۸	۳۸۳	۴۴۱
۶۸	۱۶۰	۲۲۸	۳۰۵	۳۴۰	۳۸۸	باقی پھر

تحقیقاتی کمیشن کے سات سوالوں کا جواب

ذیل میں ان سات سوالوں کا جواب درج کیا جاتا ہے جو حکومت پنجاب کے مقرر کردہ تحقیقاتی کمیشن نے گذشتہ فسادات کی تحقیق کے تعلق میں صدر انجمن احمدیہ ربوہ سے کئے تھے اور صدر انجمن احمدیہ نے ان سوالوں کا جواب تیار کرا کے اپنے وکیل کے ذریعہ عدالت میں داخل کیا۔ (ایڈیٹر)

سوال نمبر۱۔ جو مسلمان مرزا غلام احمد صاحب کو نبی بمعنی ملہم اور مامور من اللہ نہیں مانتے کیا وہ مومن اور مسلمان ہیں؟

جواب۔ "مسلم" اور "مومن" قرآن مجید کے محاورات کو دیکھتے ہوئے دو الگ الگ معنے رکھتے ہیں۔ مسلم نام اُمّتِ محمدیہ کے افراد کا ہے اور ایمان دراصل اس روحانی اور قلبی کیفیت کا نام ہے جس کو کوئی دوسرا جان نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ ہی اس سے واقف ہوتا ہے۔

جہاں تک لفظ "مسلم" کا تعلق ہے قرآن کریم کی آیت "ھو سمّٰکم المسلمین" (سورہ حج رکوع ۱۰) کے مطابق اُمّتِ محمدیہ کا ہر فرد مسلم کہلانے کا مستحق ہے۔ اس تعریف کی تاکید اس حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے کہ من صلّٰی صلٰوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذٰلک المسلم الّذی لہٗ ذمّة اللہ وذمّة رسولہ۔ (بخاری بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الایمان صفحہ ۱۲ مطبع اصح المطابع) یعنے جو شخص بھی ہمارے قبلہ (یعنی کعبہ) کی طرف مُنہ کرکے مسلمانوں کی سی نماز پڑھے اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھائے پس وہ مسلمان ہے جس کو خدا اور اس کے رسول کی حفاظت حاصل ہے۔

باقی رہا "مومن"۔ سو کسی کو مومن قرار دینا درحقیقت خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ عام اصطلاح میں "مسلم" اور "مومن" ایک معنوں میں استعمال ہوجاتے ہیں لیکن درحقیقت "مومن" خاص ہے اور "مسلم" عام۔ پس ہر مومن "مسلم" ضرور ہوگا لیکن ہر "مسلم" کا "مومن" ہونا ضروری نہیں۔

مندرجہ بالا تشریح کے مطابق جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے اور آپ کی "اُمّت" میں سے ہونیکا اقرار کرتا ہے وہ اپنے کسی عقیدہ یا عمل [illegible] انستہ یا نادانستہ غلطی کی وجہ سے اِس نام سے محروم نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ اِس تشریح کے مطابق اور قرآن کریم کی آیت "ھو سمّٰکم المسلمین" کے تحت کسی شخص کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو نہ ماننے کی وجہ سے غیر مسلم نہیں کہا جا سکتا۔

ممکن ہے ہماری بعض سابقہ تحریرات سے غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے متعلق ہم کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہماری ان بعض سابقہ تحریرات میں جو اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں وہ ہماری مخصوص

ہیں۔ عام محاورہ کو جو مسلمانوں میں رائج ہے استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ ہم نے اس مسئلہ پر کتابیں غیر احمدیوں کو مخاطب کر کے شائع نہیں کیں بلکہ ہماری یہ تحریرات جماعت کے ایک حصہ کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں۔ اسلئے ان تحریرات میں ان اصطلاحات کو مدنظر رکھنا ضروری نہیں تھا جو دوسرے مسلمانوں میں رائج ہیں۔

ہمارے اس عقیدہ کی تائید کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو نہ ماننے والا مسلمان "مسلمان" ہی کہلائے گا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے الہامات سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو آپ کا الہام

"مسلماں را مسلماں باز کردند"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

یعنی آپ کی بعثت کی غرض مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنانا ہے۔ ایک دوسرے الہام میں خدا تعالیٰ نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو یہ دعا سکھلائی ہے

"رَبِّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ"

(تحفہ بغداد صفحہ ۲۳ مطبوعہ ۱۳۱۱ھ)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی تمام کتابوں میں ان تمام مسلمانوں کو جو آپ کی جماعت میں داخل نہیں "مسلمان" کہہ کر ہی خطاب کیا ہے کیونکہ وہ اسلام کی عمومی تعریف کے مطابق کلمہ طیبہ پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں۵۔ اسی طرح موجودہ امام جماعت احمدیہ بھی ان کو مسلمان کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔ (مثلاً ملاحظہ ہو الفضل ۱۹ مئی ۱۹۳۶ء، الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۲۷ء وغیرہ)

ہاں آنحضرت صلعم نے بھی فرمایا ہے۔ یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ (مشکوٰۃ کتاب العلم) یعنے لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ یہ حدیث اسی زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ جماعت اسلامی کے امیر مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بھی موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو جو ان کی جماعت میں شامل نہیں ہیں صرف رسمی اور اسمی مسلمان قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"دنیا میں جو مسلمان پائے گئے ہیں یا آج پائے جاتے ہیں ان سب کو دو قسموں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم کے مسلمان وہ جو خدا اور رسول کا اقرار کر کے اسلام کو بحیثیت اپنے مذہب کے مان لیں۔ مگر اپنے اس مذہب کو اپنی کلی زندگی کا محض ایک جزو اور ایک شعبہ ہی بنا کر رکھیں۔ اس مخصوص جزو اور شعبے میں تو اسلام کے ساتھ عقیدت ہو ...... لیکن فی الواقعہ ان کو اسلام سے کوئی علاقہ نہ ہو۔ دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو اپنی پوری شخصیت کو اور اپنے سارے وجود کو اسلام کے اندر پوری طرح دیدیں۔ انکی ساری حیثیتیں ان کے مسلمان ہونے کی حیثیت میں گم ہو جائیں ...... یہ دو قسم کے مسلمان حقیقت میں بالکل ایک دوسرے سے

۵ ملاحظہ ہو رسالہ پیغام صلح مصنفہ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۷، ۱۸ مطبوعہ ستمبر ۱۹۳۶ء بار دوم

مختلف ہیں۔ چاہے قانونی حیثیت سے دونوں پر لفظ مسلمان کا اطلاق یکساں ہو۔"

(رسالہ موسومہ روداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص ۷۸ تا ۸۰)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:۔

"یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا یہ حال ہے کہ ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے۔" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم بار ششم ص ۱۰۵-۱۰۶)

اسی طرح موجودہ دور کے مسلمانوں کے متعلق اہل حدیث کا خیال بھی ملاحظہ فرمایا جاوے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالوی اپنی کتاب اقتراب الساعۃ کے صفحہ ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب اسلام کا صرف نام۔ قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے۔ مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن ہدایت سے بالکل ویران ہیں۔ علماء اس اُمت کے بدتر ان کے ہیں جو نیچے آسمان کے ہیں۔ انہی میں سے فتنے نکلتے ہیں انہی کے اندر پھر کر جاتے ہیں۔

(اقتراب الساعۃ ص ۱۲)

پھر جناب علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے موجودہ مسلمانوں کے متعلق اپنا خیال ان اشعار میں بیان فرمایا ہے کہ ؎

شور ہے ہو گئے دُنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

(بانگ درا ایڈیشن دوازدہم ص ۲۲۶ جواب شکوہ)

پھر صرف نام کے طور پر اسلام کے باقی رہنے کے متعلق مولانا حالی کا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمایا جاوے ؎

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اِک اسلام کا رہ گیا نام باقی

(مسدس حالی مطبوعہ تاج کمپنی ص ۲۶)

پھر سید عطاء اللہ صاحب بخاری کمیونزم اور اسلام کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے متعلق حسب ذیل بیان دیتے ہیں:۔

"مقابلہ تو تب ہو کہ اسلام کہیں موجود بھی ہو! ہمارا اسلام؟ ہم نے اسلام کے نام پر جو کچھ اختیار کر رکھا ہے وہ تو صریح کفر ہے۔ ہمارے دل دین کی محبت سے عاری۔ ہماری آنکھیں بصیرت سے ناآشنا اور کان سچی بات سننے سے گریزاں ؎

سبے دلی ہائے تماشہ کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دُنیا ہے نہ دیں!

ہمارا اسلام ؟ ؎

بُتوں سے تم کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

یہ اسلام جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے کیا یہی اسلام ہے جو نبی نے سکھایا تھا ؟ کیا ہماری رفتار، گفتار، کردار میں وہی دین ہے جو خدا نے نازل کیا ہے ؟ ...... یہ روزے، یہ نمازیں جو ہم میں سے بعض پڑھتے ہیں ان کے پڑھنے میں ہم کتنا وقت صرف کر رہے ہیں ؟ جو مصلّے پر کھڑا ہے وہ قرآن سنانا نہیں جانتا اور جو سُنتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ کیا سُن رہے ہیں اور باقی ۲۳ گھنٹے ہم کیا کرتے ہیں ؟ میں کہتا ہوں گورنری سے گداگری تک مجھے ایک بات ہی بتلاؤ جو کہ قرآن اور اسلام کے مطابق ہوتی ہے ؟ ہمارا تو سارا نظام کفر ہے۔ قرآن کے مقابلہ میں ہم نے ابلیس کے دامن میں پناہ لے رکھی ہے۔ قرآن صرف تعویذ کے لئے قسم کھانے کے لئے ہے۔" (تقریر سید عطاء اللہ شاہ بخاری آزاد ۹ دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۲)

مندرجہ بالا حوالجات سے کفر و اسلام کے مسئلہ کے متعلق جماعت احمدیہ کا مسلک اور اسکے مقابلہ پر موجودہ زمانے کے دوسرے مسلمان فرقوں کا طریق واضح اور عیاں ہے۔

سوال نمبر ۲۔ کیا ایسے شخص کافر ہیں؟

جواب۔ "کافر" کے معنے عربی زبان میں نہ ماننے والے کے ہیں۔ پس جو شخص کسی چیز کو نہیں مانتا اس کے لئے عربی زبان میں "کافر" کا لفظ ہی استعمال ہوگا۔ پس ایسے شخص کو جب تک وہ یہ کہتا ہے کہ میں فلاں چیز کو نہیں مانتا اس کو اس چیز کا کافر ہی سمجھا جائے گا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ائمہ اہل بیت کا انکار کرنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں :-

من عرفنا کان مؤمنا۔ من انکرنا کان کافراً۔ من لم یعرفنا ولم ینکرنا کان ضالاً۔ (الصافی شرح الاصول الکافی باب فرض الطاعۃ الائمہ کتاب الحجۃ جزو ۳ صہ ۶۱ مطبوعہ نول کشور)

یعنی جس نے ہم ائمہ اہل بیت کو شناخت کر لیا وہ مومن ہے اور جس نے ہمارا انکار کیا وہ کافر ہے۔ اور جو ہمیں نہ مانتا ہے اور نہ انکار کرتا ہے وہ ضال ہے۔

اس ارشاد سے حضرت امام صاحب کی یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ ایسا شخص اُمتِ محمدیہ سے خارج ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے اوپر تشریح کی ہے یہی مراد ہوسکتی ہے کہ وہ ائمہ اہل بیت کے درجہ کا منکر ہے۔ ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مامور من اللہ

کے انکار کے ہرگز یہ معنے نہیں ہوں گے کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر ہو کر اُمتِ محمدیہ سے خارج ہیں۔ یا یہ کہ وہ مسلمانوں کے معاشرہ سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں :۔

"اوّل :۔ ایک یہ کفر (ہے) کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوم :۔ دوسرے یہ کفر (ہے) کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمامِ حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارہ میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے۔ اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ اس قسم کے فتووں میں بھی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ یا آپ کی جماعت کی طرف سے ابتداء نہیں ہوئی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ غیر احمدی علماء نے اپنے فتووں میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو آپ کے ابتدائے دعویٰ (۹۱-۱۸۹۰ء) سے ہی نہ صرف "کافر" قرار دیا بلکہ "مرتد"۔ "زندیق"۔ "ملحد"۔ "ابلیس"۔ "دجال" "کذّاب" وغیرہ الفاظ بھی استعمال کئے۔ اور اس قسم کے اور بہت سے گندے ناموں سے آپ کو یاد کیا گیا۔ اس قسم کے فقرے لکھے گئے اور کتابیں چھاپی گئیں۔ اشتہارات اور پمفلٹوں کے ذریعہ سے ان فتووں کو لوگوں میں پھیلایا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی پر اس طرح پہلے حملہ کرتا ہے وہ پھر اس قسم کے جواب کا مستحق بھی ہو جاتا ہے۔ اور اس صورت میں اُسے اپنے آپ کو ملامت کرنی چاہیئے دوسرے کو الزام دینے کا اُسے کوئی حق نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی فرماتے ہیں :۔

(ا) ایما رجل قال لاخیہ "کافر" فقد باء احدھما۔ (ترمذی کتاب الایمان صفحہ ۱۰۱)

(ب) اذا اکفر احد کم اخاہ فقد باء بھا احدھما۔ (صحیح مسلم بحوالہ کنوز الدقائق للمناوی مطبوعہ مصر برحاشیہ جامع الصغیر جلد ۲ صفحہ ۱۶)

یعنی جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے تو اُن میں سے ایک ضرور کافر ہوگا۔ اگر وہ شخص جسے کافر کہا گیا ہے کافر نہیں تو کہنے والا کافر ہوگا۔

(ج) ما اکفر رجل رجلاً قط الا باء بھا احدھما (ابن حبان فی صحیحہ بحوالہ جامع الصغیر مصنفہ حضرت امام سیوطی مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۴۳)

یعنی دو (مسلمان) آدمیوں میں سے ایک آدمی اگر دوسرے کو کافر قرار دے تو لازمی ہے کہ ان میں سے ایک ضرور کافر ہو جائے گا۔

غرضیکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی طرف سے اس قسم کے فتووں میں کبھی ابتداء نہیں ہوئی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ :۔

"پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمانوں اور کلمہ گویوں کو کافر

ٹھہرایا۔ حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی۔ خود ہی ان کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور نادان لوگ ان فتووں سے ایسے ہم سے متنفر ہو گئے کہ ہم سے سیدھے مُنہ سے کوئی نرم بات کرنا بھی اُن کے نزدیک گناہ ہو گیا۔ کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا؟ اگر کوئی ایسا کاغذ یا کوئی اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتویٰ کفر سے پہلے شائع ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے تو وہ پیش کریں ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہرائیں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگائیں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔ اس قدر خیانت اور جھوٹ اور خلافِ واقعہ تہمت کس قدر دلآزار ہے؛ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ اور پھر جبکہ ہمیں اپنے فتووں کے ذریعہ سے کافر ٹھہرا چکے اور آپ ہی اس بات کے قائل بھی ہو گئے کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے تو کفر اُلٹ کر اُس پر پڑتا ہے تو اس صورت میں کیا ہمارا حق نہ تھا کہ بموجب اُنہی کے اقرار کے ہم ان کو کافر کہتے؟" (حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۲۰-۱۲۱)

پھر اس بات کے ثبوت میں کہ فتویٰ کفر کی ابتداء علماء کی طرف سے ہوئی نہ کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے ذیل کے چند فتوے بطور امثال درج ہیں:۔

(ا) مولوی عبدالحق صاحب غزنوی (جو مولانا داؤد غزنوی صاحب کے عم بزرگوار تھے) نے لکھا ہے کہ:۔

"اس میں شک نہیں کہ مرزا کادیانی کافر ہے، چھپا مرتد ہے، گمراہ ہے۔ گمراہ کنندہ، ملحد، دجال ہے۔ وسوسہ ڈالنے والا ہے وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والا۔" (فتویٰ علماء ہند و پنجاب اشاعۃ السنہ جلد ۳ عدد ۶ صفحہ ۱۰۴۔ مطبوعہ ۱۸۹۰ء)

اس قسم کا فتویٰ پنجاب و ہند کے قریباً دو صد مولویوں سے لیکر شائع کیا گیا۔

(ب) اس فتویٰ سے بھی کئی سال پہلے علماء نے لدھیانہ نے ۱۸۸۴ء میں تکفیر کا فتویٰ صادر کیا تھا جس کا ذکر قاضی فضل احمد صاحب کورٹ انسپکٹر لدھیانہ نے اپنی کتاب کلمہ فضل رحمانی (مطبوعہ دہلی پنج پریس لاہور ۱۳۱۴ھ صفحہ ۶) میں کیا ہے۔

باہمی تکفیر کے بارے میں علماء کے چند فتوے درج ذیل ہیں:۔

"من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فھو کافر وکذالک من انکر خلافة عمر رضی اللہ عنہ"
(فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ مطبع مجیدی کانپور)

یعنی جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت اور حضرت

عمرؓ کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

اسی طرح جماعت اسلامی کے امیر مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی نے بے علم و بے عمل مسلمان کو جس کا علم و عمل کافر جیسا ہو اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو کافر ہی قرار دیا ہے اور اس کا حشر بھی کافروں والا بتایا ہے یعنی اُس کو نجات سے محروم اور قابلِ مواخذہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

"ہر شخص جو مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا ہے۔ جس کا نام مسلمانوں کا سا ہے۔ جو مسلمانوں کے سے کپڑے پہنتا ہے اور جو اپنے آپکو مسلمان کہتا ہے حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہے بلکہ مسلمان درحقیقت وہ شخص ہے جو اسلام کو جانتا ہو اور پھر جان بوجھ کر اسکو مانتا ہو۔ ایک کافر اور ایک مسلمان میں اصل فرق نام کا نہیں کہ وہ رام پرشاد ہے اور یہ عبد اللہ ہے اسلئے وہ کافر ہے اور یہ مسلمان" (خطباتِ مودودی صفحہ ۷)

اسی طرح دوسرے مسلمان فرقوں کے علماء ایک دوسرے کو کافر اور جہنمی کہتے ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ کے متعلق علماء اہلسنت والجماعت اور علماء دیوبند متفقہ طور پر مندرجہ ذیل فتویٰ صادر کرتے ہیں:-

"شیعہ اثناء عشریہ قطعاً خارج از اسلام ہیں۔ شیعوں کے ساتھ مناکحت قطعاً ناجائز اور ان کا ذبیحہ حرام۔ ان کا چندہ مسجد میں لینا ناروا ہے۔ ان کا جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازوں میں شریک کرنا جائز نہیں" (فتویٰ شائع کردہ مولوی عبد الشکور صاحب مدیر النجم لکھنؤ)

نوٹ:- اس فتویٰ میں دیگر علماء کے علاوہ علماء دیوبند کی تصدیق بھی شامل ہے جن کی شہادت مولانا محمد شفیع صاحب سابق مفتی دیوبند سے لی جا سکتی ہے۔

مندرجہ بالا فتویٰ کی عبارت سے خالص مذہبی اختلافات ہی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ شیعہ فرقہ کے خلاف شدید غیظ و غضب کا اظہار پایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اہلسنت والجماعت کے مسلمہ گذشتہ بزرگان و اولیاء نے بھی حضرات شیعہ کے بارے میں فتویٰ کفر دیا ہے۔ ملاحظہ ہوں حوالجات ذیل:-

(ا) حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ کفر بر خلاف اصحاب شیعہ اثنا عشریہ۔ (مکتوبات امام ربانی جلد ا صفحہ ۱۷ مکتوب پنجاہ و چہارم)

(ب) حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ (غنیۃ الطالبین مع زبدۃ السالکین صفحہ ۱۵۶ و تحفہ دستگیر اردو ترجمہ غنیۃ الطالبین شائع کردہ ملک سراج دین اینڈ سنز لاہور طبع چہارم مطبوعہ پنجاب پریس صفحہ ۱۲۰-۱۲۱ باب بعنوان محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کی فضیلت اور بزرگی)

اسی طرح اہلسنّت والجماعت کے بریلوی فرقہ کے علماء مندرجہ ذیل فتویٰ علماء دیوبند کے خلاف صادر کر چکے ہیں:-

(ا) حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور علماء حرمین شریفین کے دستخطوں سے یہ فتویٰ شائع ہوا ہے:-

"وبالجملۃ ھؤلاء الطوائف کلھم کفار مرتدون خارجون عن الاسلام باجماع المسلمین" (حسام الحرمین صفحہ ۱۱۳ ... مع سلیس ترجمہ اردو مسمی بنام

تاریخ بین احکام و تصدیقات اعلام ۱۳۲۵ھ مطبع اہلسنت والجماعۃ بریلی ۱۳۲۶ھ بار اول صفحہ ۲ مصنفہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی) یعنی یہ سب گروہ (یعنی گنگوہیہ - تھانویہ - نانوتویہ دیوبندیہ وغیرہ) مسلمانوں کے اجماع کی رُو سے کفار مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

اور اس کتاب کے ٹائیٹل پیج پر لکھا ہے:۔

"جس (رسالہ ہذا) میں مسلمانوں کو آفتاب کی طرح روشن کر دکھایا کہ طائفہ قادیانیہ گنگوہیہ - تھانویہ و نانوتویہ و دیوبندیہ و امثالہم نے خدا اور رسول کی شان کو کیا کچھ گھٹایا علمائے حرمین شریفین نے باجماع ان سب کو زندیق و مرتد فرمایا ان کو مولوی درکنار مسلمان جاننے یا ان کے پاس بیٹھنے ان سے بات کرنے کو زہر و حرام و تباہ کن اسلام بتلایا۔"

(ب) پھر اسی کتاب میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند - مولوی اشرف علی صاحب تھانوی - مولوی محمود الحسن صاحب اور دیگر دیوبندی خیال کے علماء کی نسبت یہ فتویٰ درج ہے کہ:۔

"یہ قطعاً مرتد اور کافر ہیں اور ان کا ارتداد و کفر اشد درجہ تک پہنچ چکا ہے ایسا کہ جو ان مرتدوں اور کافروں کے ارتداد و کفر میں شک کرے وہ بھی انہی جیسا مرتد و کافر ہے ...... ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا تو ذکر ہی کیا اپنے پیچھے بھی انہیں نماز نہ پڑھنے دیں ...... جو ان کو کافر نہ کہے گا وہ خود کافر ہو جائیگا اور اسکی عورت اُسکے عقد سے باہر ہو جائیگی اور جو اولاد ہو گی حرامی ہو گی - از روئے شریعت ترکہ نہ پائیگی۔"

یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ فتویٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب آف بریلی کا شائع کردہ ہے جو فرقہ حنفیہ بریلویہ کے بانی اور مولانا ابو الحسنات صاحب صدر جمعیۃ العلمائے پاکستان و صدر مجلس عمل نیز ان کے والد مولوی دیدار علی صاحب کے پیر و مرشد تھے - اِس فتویٰ کے بارے میں مولانا ابو الحسنات صاحب سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ ان کے پیر و مرشد کے اس فتویٰ کے بعد کہ دیوبندی بالاجماع کافر ہیں انہیں کیا شبہ ہے؟ آیا یہ کہ ان کے پیر نے غلطی کی تھی یا یہ کہ اجماع کوئی دلیل نہیں ہوتا؟

(ج) "وہابیہ - دیوبندیہ اپنی عبارتوں میں تمام اولیاء، انبیاء حتیٰ کہ حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی اور خاص ذات باری تعالیٰ کی اہانت و ہتک کرنے کی وجہ سے قطعاً مرتد و کافر ہیں اور ان کا ارتداد و کفر سخت سخت اشد درجہ تک پہنچ چکا ہے ایسا کہ جو ان مرتدوں اور کافروں کے ارتداد و کفر میں شک کرے وہ بھی انہی جیسا مرتد و کافر ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان سے بالکل ہی محترز و مجتنب رہیں - ان کے پیچھے نماز

پڑھنے کا تو ذکر ہی کیا اپنے پیچھے بھی ان کو نماز نہ پڑھنے دیں اور نہ ہی اپنی مسجدوں میں گھسنے دیں۔ نہ ان کا ذبیحہ کھائیں اور نہ ہی انکی شادی و غمی میں شریک ہوں۔ نہ اپنے ہاں انکو آنے دیں۔ بیمار ہوں تو عیادت کو نہ جائیں۔ مریں تو گاڑنے توپنے میں شرکت نہ کریں۔ مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ نہ دیں۔" (ملاحظہ ہو تین سو علماء اہلسنت والجماعت کا متفقہ فتویٰ مطبوعہ حسن برقی پریس اشتیاق منزل ۱۲۲ ہیوٹ روڈ لکھنؤ)

اسی پریس میں نہیں کی بلکہ علماء کرام و مفتیان اہلسنت والجماعت نے اہلحدیث مسلمانوں کے متعلق بھی اس قسم کا فتویٰ دیا ہے کہ۔

"بدعت کفریہ والے شقی ان کے کفر پر آگاہی لازم ہے۔ اسلام کے نام کو پردہ بناتے ہیں۔ مرتد ہیں۔ باجماعِ امت اسلام سے خارج ہیں۔ جو ان کے اقوال کا معتقد ہوگا کافر و گمراہ ہوگا۔ کچھ شک نہیں کہ یہ خارجی ہیں اور ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں...... ان کے پیچھے نماز پڑھنا۔ انکے جنازہ کی نماز پڑھنا۔ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا اور تمام معاملات میں ان کا حکم بعینہ وہی ہے جو مرتد کا۔" (فتویٰ علماء کرام مشتہرہ در اشتہار شیخ محمد قادری باغ مولوی انوار لکھنؤ ۳ شوال ۱۳۵۳ھ جس پر ستر علماء کے دستخط ہیں جن میں مولوی سید احمد ناظم انجمن حزب الاحناف (برادر حقیقی مولوی ابوالحسنات صاحب) مولانا ابوالحسنات۔ سید محمد احمد خطیب مسجد وزیر خان مولوی عبدالقدیر بدایونی اور پیر جماعت علی شاہ صاحب مجددی محدث علی پوری بھی شامل ہیں)

سوال نمبر ۳۔ ایسے کافر ہونے کے دنیا اور آخرت میں کیا نتائج ہیں؟

جواب۔ اسلامی شریعت کی رو سے ایسے کافر کی کوئی دنیوی سزا مقرر نہیں۔ وہ اسلامی حکومت میں ویسے ہی حقوق رکھتا ہے جو ایک مسلمان کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح عام معاشرہ کے معاملہ میں بھی وہ وہی حقوق رکھتا ہے جو ایک مسلمان کے ہیں۔ یہاں خالص اسلامی حکومت میں حقوق کا جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ باقی رہے اخروی نتائج سو ان نتائج کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ کسی حکمت کی وجہ سے ایک مسلمان کہلانے والے انسان کو تو خدا تعالیٰ سزا دیدے اور کافر کہلانے والے انسان کو اللہ تعالیٰ بخش دے۔ اگر "کافر" کے لئے دائمی طور پر جہنمی ہونا لازمی ہے تو پھر کسی کو کافر قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

سوال نمبر ۴۔ کیا مرزا صاحب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اور اسی ذریعہ سے الہام ہوتا تھا؟

جواب۔ ہمارے نزدیک حضرت بانی سلسلہ احمدیہ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل وحی قرآن مجید ہے۔ قرآن کریم کی وحی کے متعلق ہمیں قرآن کریم سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حفاظت کے خاص سامان کئے جاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو

نبی گذرے ہیں ان کی وحی بھی اس رنگ کی نہیں ہوتی تھی۔ اور حضرت بانی جماعت احمدیہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے آپ کی وحی بھی قرآن کریم کے تابع تھی۔ بہرحال وہ ذرائع جو اللہ تعالیٰ نے اس وحی کے بھیجنے کے لئے استعمال کرتا تھا وہ ان ذرائع سے نیچے ہوں گے جو قرآن کریم کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ لیکن یہ محض ایک عقلی بات ہے واقعاتی بات نہیں جس کے متعلق ہم شہادت دے سکیں۔ بعض قرآنی آیات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ پر قیاس کر کے یہ جواب دے رہے ہیں حقیقت کو کسی اور طرح معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ البتہ ہم ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر وحی الٰہی ہوتی تھی اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ وحی الٰہی نہ صرف ماموروں بلکہ غیر ماموروں کو بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کیطرف وحی نازل ہونے کا ذکر آیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ قصص رکوع ۱ پارہ ۲۰)

اور حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ ان کے پاس خدا تعالیٰ کا کلام لیکر آئے۔ (سورۂ آل عمران و مریم ع ۲)

پس وحی اور فرشتوں کا اترنا مامور من اللہ کے علاوہ غیر ماموروں کے لئے بھی ثابت ہے۔ ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا گاڑنے والے اور اس کی بنیاد قائم کرنے والے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

دمبدم روح القدس اندر معینے می دمد
من نمے گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم
(دیوان حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ)

یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ مسلمانوں کی اصطلاح میں روح القدس حضرت جبرئیل کا نام ہے۔

(ملاحظہ ہو لغت کی مستند ترین کتاب مفردات القرآن مصنفہ امام راغب زیر لفظ روح صفحہ ۲۰۵ مطبوعہ مطبعہ میمنیہ مصر وتفسیر روح المعانی جلد اول صفحہ ۲۶۰، ۲۶۱ مطبوعہ مصر۔ اور تفسیر صافی جلد اول پارہ اول صفحہ ۴۳) (نیز تفسیر کبیر مصنفہ حضرت امام رازی جلد ۲ صفحہ ۴۳۵ و جلد ۳ صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ مصر و تفسیر مدارک التنزیل نسفی جلد ۱ صفحہ ۹۹ مطبوعہ مصر)

ان کے علاوہ اسلام میں سینکڑوں اولیاء اللہ مثلاً سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید احمد صاحب سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم علیٰ قدر مراتب ملہم من اللہ تھے۔

وحی تین طریقوں سے ہوتی ہے ان کا ذکر قرآن کریم کی آیت ما کان لبشر ان یکلمہ اللّٰہ الا وحیًا او من ورآء حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء۔ (سورۂ شوریٰ ع ۵ پارہ ۲۵) میں بیان ہوا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء و اولیاء پر انہی طریقوں سے وحی نازل ہوتی رہی ہے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی وحی میں ایک فرق تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی شریعت جدیدہ والی نازل ہوتی تھی اور

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی وحی غیر تشریعی اور ظلی ہے یعنی یہ نعمت آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آپ کے فیض سے ملی ہے۔ ماسوا اسکے ایک دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ قرآنی وحی کے ماننے کے لئے بانی سلسلہ احمدیہ کی تصدیق کی ضرورت نہیں بلکہ اگر قرآن مجید حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تصدیق نہ کرتا تو ہم ہرگز اُن پر ایمان نہ لاتے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں بلحاظ مرتبہ بھی فرق کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"سنو! خدا کی لعنت اُن پر جو دعویٰ کریں کہ وہ قرآن کی مثل لاسکتے ہیں قرآن کریم معجزہ ہے جس کی مثل کوئی اِنس و جنّ نہیں لاسکتا اور اسمیں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں جنہیں انسانی علم جمع نہیں کرسکتا۔ بلکہ وہ ایسی وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی نہیں۔ اگرچہ رحمان کی طرف سے اِس کے بعد کوئی اور وحی بھی ہو اسلئے کہ وحی الٰہی معانی میں خدا کی تجلیات ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلی جیسا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی ہے ایسی کسی پر نہ پہلے ہوئی اور نہ پیچھے ہوگی۔" (اردو ترجمہ از عربی عبارت الھدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ صفحہ ۳۲)

سوال نمبر ۵۔ (الف) کیا احمدیہ عقیدہ میں یہ شامل ہے کہ ایسے اشخاص کا جنازہ جو مرزا صاحب پر یقین نہیں رکھتے "Infructuous" ہے؟

(ب) کیا احمدیہ عقائد میں ایسی نماز جنازہ کے خلاف کوئی حکم موجود ہے؟

جواب۔ (الف) احمدیہ کریڈ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو شخص حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو نہیں مانتا اس کے حق میں نماز جنازہ Infructuous ہے۔

(ب) دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ گو اس وقت تک جماعتی فیصلہ یہی رہا ہے کہ غیر از جماعت لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے لیکن اب اِس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر اپنے قلم سے لکھی ہوئی ملی ہے جس کا حوالہ ایک مرتبہ سنہ ۱۹۱۵ء میں دیا گیا تھا اور حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس کے متعلق اُسی وقت اعلان فرمادیا تھا کہ اصل تحریر کے ملنے پر اس کے متعلق غور کیا جائے گا لیکن وہ اصل خط اُس وقت نہ مل سکا۔ اب ایک صاحب نے اطلاع دی ہے کہ اُن کے والد مرحوم کے کاغذات میں سے اصل خط مل گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا مکفر یا مکذب نہ ہو اُس کا جنازہ پڑھ لینے میں حرج نہیں کیونکہ جنازہ صرف دُعا ہے۔

لیکن باوجود جنازے کے بارے میں جماعت کے سابق طریقہ کے غیر احمدی مرحومین کے لئے دُعائیں کرنے میں جماعت نے کبھی اجتناب نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت امام جماعت احمدیہ اور اکابرین جماعت احمدیہ نے بعض غیر احمدی وفات یافتہ اصحاب کے لئے دُعا کی ہے چنانچہ جی معین الدین سیکرٹری حکومت پاکستان کے والد صاحب

(جو احمدی نہ تھے) کی وفات پر حضرت امام جماعت احمدیہ اُن کے گھر تعزیت کے لئے تشریف لے گئے اور اُن سے میاں معین الدین کے ماموں صاحب نے "فاتحہ" کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا فاتحہ میں تو دُعا مانگنے والا اپنے لئے دُعا کرتا ہے یہ موقعہ تو وفات یافتہ کیلئے دُعا کرنے کا ہوتا ہے۔ اس پر متوفی کے رشتہ داروں نے کہا کہ ہماری یہی غرض ہے فاتحہ کا لفظ رسماً بول دیا ہے تو آپ نے متوفی کے رشتہ داروں سے ملکر متوفی کے لئے دُعا فرمائی۔ اسی طرح سر عبد القادر مرحوم کی وفات پر جب حضرت امام جماعت احمدیہ تعزیت کے واسطے ان کی کوٹھی پر تشریف لے گئے تو اُن کے حق میں بھی دُعا فرمائی۔

اس جگہ یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ ممانعتِ جنازہ کے بارے میں بھی سبقت ہمارے مخالفین نے ہی کی۔ چنانچہ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کا فتویٰ ۱۸۹۰ء میں بایں الفاظ اشاعۃ السنۃ میں شائع ہو چکا ہے:۔

"اب مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے دجّال کذاب سے احتراز کریں اور نہ ان کے پیچھے اقتداء کریں اور نہ انکی نمازِ جنازہ پڑھیں۔" (رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۵ جلد نمبر ۱۳ مطبوعہ ۱۸۹۰ء)

اسی طرح ۱۹۰۱ء میں مولانا عبدالاحد صاحب خانپوری لکھتے ہیں:۔

"جب طائفہ مرزائیہ امرتسر میں بہت خوار و ذلیل ہوئے۔ جمعہ و جماعت سے نکالے گئے اور جس مسجد میں جمع ہو کر نمازیں پڑھتے تھے اُس میں سے بے عزتی کے ساتھ بدر کئے گئے اور جہاں قیصری باغ میں نماز جمعہ پڑھتے تھے وہاں سے حکماً روکے گئے تو نہایت تنگ ہو کر مرزا نے قادیان سے اجازت مانگی کہ مسجد نئی تیار کریں۔ تب مرزا نے اُن کو کہا۔ صبر کرو۔ میں لوگوں سے صلح کرتا ہوں اگر صلح ہو گئی تو مسجد بنانیکی حاجت نہیں۔ اور نیز اور بہت سی ذلتیں اُٹھائیں۔ معاملہ و برتاؤ مسلمانوں سے بند ہو گیا۔ عورتیں منکوحہ و مخطوبہ بوجہ مرزائیت کے چھن گئیں۔ مُردے انکے بے تجہیز و تکفین اور بے جنازہ گڑھوں میں دبائے گئے۔"

(اظہار مخادعہ مسیلمہ قادیانی بجواب اشتہار مصالحت پولس ثانی صفحہ ۲ مؤلفہ مولوی عبدالاحد خانپوری مطبوعہ مطبع چودھویں صدی راولپنڈی ۱۹۰۱ء)

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ احمدیوں نے مسجدیں نہیں چھوڑیں بلکہ ان کو مسجدوں سے نکالا گیا! احمدیوں نے نکاح سے نہیں روکا بلکہ ان کے نکاح توڑے گئے۔ احمدیوں نے جنازہ سے نہیں روکا بلکہ ان کو جنازہ سے باز رکھا گیا لیکن باوجود اس کے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے آخری کوشش بھی کی کہ باقی مسلمانوں سے صلح ہو جائے لیکن جب باوجود ان تمام کوششوں کے ناکام ہوئے تو جیسا کہ مولوی عبدالاحد صاحب کی مندرجہ عبارت میں اقرار کیا گیا ہے تب بامرِ مجبوری فتنے سے بچنے کے لئے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہو ایسی کارروائی کرنی پڑی۔

پھر اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ دیگر فرقوں نے بھی ایک دوسرے فرقہ والوں کے جنازہ کی حرمت و امتناع کے فتوے دیئے ہیں۔ چنانچہ علمائے اہلسنت والجماعت وعلمائے دیوبند نے شیعہ فرقہ والوں کے جنازہ کو نہ صرف حرام اور ناجائز قرار دیا ہے بلکہ ان کو اپنے جنازہ میں شریک ہونے کی بھی ممانعت کی ہے چنانچہ مولانا عبدالشکور صاحب مدیر "النجم" کا فتوے ملاحظہ ہو۔ آپ لکھتے ہیں :-

"ان کا جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا جائز نہیں ہے۔ اُن کی مذہبی تعلیم ان کی کتابوں میں یہ ہے کہ سُنّیوں کے جنازہ میں شریک ہو کر یہ دُعا کرنی چاہیئے کہ یا اللہ! اس کی قبر کو آگ سے بھر دے۔ اس پر عذاب نازل کر۔" (ملاحظہ ہو رسالہ موسومہ بہ علمائے کرام کا فتویٰ درباب ارتداد شیعہ اثنا عشریہ صلا)

(ب) نیز مولانا ریاض الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں :-

"شادی غمی جنازہ کی شرکت ہرگز نہ کی جائے ایسے عقیدہ کے شیعہ کافر ہی نہیں بلکہ اکفر ہیں۔"
(فتویٰ علمائے کرام صلا)

(ج) اسکے بالمقابل شیعہ صاحبان کے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے شیعہ صاحبان کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر کسی غیر شیعہ کی نماز جنازہ میں شامل ہونا پڑے تو متوفیٰ کے لئے مندرجہ ذیل دُعا کرے :-

"قال ان کان جاحداً للحق فقل اللّٰھمّ املاجوفه ناراً وقبره ناراً وسلّط علیه الحیات والعقارب وذٰلک قاله ابو جعفر علیه السلام لامرءة سوء من بنی اُمیّة صلّی علیها" (ملاحظہ ہو شیعہ حضرات کی مستند ترین کتاب فروع الکافی کتاب الجنائز جلد ۱ صفحہ ۱ باب الصلوٰۃ الناصب وجاحد للحق مصنفہ حضرت محمد یعقوب کلینی مطبوعہ نولکشور)

یعنی اے اللہ! اس کا پیٹ آگ سے بھر دے اور اس پر سانپ اور بچھو مسلط کر۔ یہی وہ دُعا ہے جو حضرت امام جعفر صادق نے بنو امیہ کی ایک غیر شیعہ عورت کے بارے میں کی تھی۔

سوال نمبر ۶۔ (الف) کیا احمدی اور غیر احمدی میں شادی جائز ہے؟

(ب) کیا احمدی عقیدہ میں ایسی شادی کے خلاف ممانعت کا کوئی حکم موجود ہے؟

جواب ۔ کسی احمدی مرد کی غیر احمدی لڑکی سے شادی کی کوئی ممانعت نہیں۔ البتہ احمدی لڑکی کے غیر احمدی مرد سے نکاح کو ضرور روکا جاتا ہے لیکن باوجود اسکے اگر کسی احمدی لڑکی اور غیر احمدی مرد کا نکاح ہو جائے تو اُسے کالعدم قرار نہیں دیا جاتا اور اولاد کو جائز سمجھا جاتا ہے۔

اس تعلق میں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ہماری طرف سے ممانعت کی ابتداء نہیں ہوئی بلکہ اس میں بھی غیر احمدی علماء نے ہی سبقت کی اور اس میں شدت اختیار کی۔

(۱) چنانچہ سب سے پہلے مولوی محمد عبداللہ صاحب اور مولوی عبدالعزیز صاحب مشہور مفتیانِ لدھیانہ نے یہ فتویٰ دیا :-

(الف) "خلاصہ مطلب ہماری تحریرات قدیمہ وجدیدہ کا یہی ہے کہ جو شخص (یعنی مرزا غلام احمد) مرتد ہے اور اہلِ اسلام کو ایسے شخص سے ارتباط رکھنا حرام ہے۔ ایسے ہی جو لوگ اس پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں اور اُن کے نکاح باقی نہیں رہے۔ جو چاہے اُن کی عورتوں سے نکاح کر لے۔" (ملاحظہ ہو رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ ص۵ مطبوعہ ۱۸۹۰ء)

(ب) "جب عقیدت فرقہ قادیانی بسبب کفر و الحاد و زندقہ و ارتداد ہوا تو بمجرد اس عقیدتمندی انکی بیویاں اُن کے نکاحوں سے باہر ہوگئیں۔ اور جب تک وہ توبہ نصوح نہ کریں تب تک انکی اولادیں سب حرامی ہوں گی۔" (مہر صداقت المعروف باحکام شریعت ص۱ مطبوعہ ۱۳۲۵ ہجری)

علاوہ ازیں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ در اصل غیر احمدیوں سے ممانعتِ نکاح کی بنا احمدیت سے بغض اور عداوت رکھنے والوں کے اثر سے لڑکیوں کو بچانا تھا کیونکہ تجربہ نے یہ بتایا ہی کہ وہ احمدی لڑکیاں جو غیر احمدیوں میں بیاہی جاتی ہیں انکو احمدیوں سے ملنے نہیں دیا جاتا۔ احمدی تحریکوں میں چندے دینے سے روکا جاتا ہے۔ اور بعض گھرانے تو اتنے جاہل ہوتے ہیں کہ لڑکی پر اس وجہ سے سختی کرتے ہیں کہ وہ نماز کیوں پڑھتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ اس طرح ہم پر جادو کرتی ہے۔

حقیقۃً نکاح کا مسئلہ ایک سوشل قسم کا مسئلہ ہے ایسے مسائل میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی کو کہاں آرام رہے گا اور کہاں ایسے مذہبی امور میں ضمیر کی آزادی حاصل ہوگی اور اس پر ناجائز دباؤ تو نہیں ڈالا جائے گا جس سے اسکے عقائدِ دینیہ خطرے میں پڑ جائیں لیکن باوجود مخالفت کے اگر کوئی احمدی اپنی لڑکی کا نکاح غیر احمدی مرد سے کر دے تو اسکے نکاح کو کالعدم قرار نہیں دیا جاتا۔

پھر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ رشتہ ناطہ کے مسئلہ میں بھی ہماری جماعت اپنے طرزِ عمل میں منفرد نہیں بلکہ مسلمانوں کے دوسرے فرقے اور جماعتیں بھی اس طرزِ عمل کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ بلکہ بعض تو آپس میں ایسی شدت اختیار کر چکے ہیں کہ وہ دوسرے فرقے کے آدمی سے ازدواجی تعلق کو "حرام" اور اولاد کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اہلسنت والجماعت نے شیعہ اثنا عشریہ سے مناکحت کو حرام قرار دیا ہے۔

(الف) علماء دیوبند اور علماء اہلحدیث کا فتویٰ ملاحظہ ہو:-

"سنی لڑکی شیعہ کے گھر پہنچتے ہی طرح طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنکر مجبور ہو جاتی ہے کہ شیعہ ہو جائے یہ خرابی علاوہ اس ارتکاب حرام کے ہے جو ناجائز نکاح کے سبب ہوتا ہے ..... لہذا شیعوں کیساتھ مناکحت قطعاً ناجائز۔ انکا ذبیحہ حرام۔ ان کا چندہ مسجد میں لینا نا روا ہے۔ انکا جنازہ پڑھنا یا انکو جنازہ میں شریک کرنا جائز نہیں۔" (ملاحظہ ہو علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ در باب ارتداد شیعہ اثنا عشریہ شائع کردہ مولانا محمد عبدالشکور صاحب مدیر "النجم" صفحہ ۳،۱)

(ب) نیز بریلوی فرقہ جس کے ساتھ مولانا ابوالحسنات صاحب صدر مجلس عمل کا تعلق ہے کے نزدیک بھی شیعہ سے مناکحت "زنا" سے مترادف ہے۔ چنانچہ "ردّ الرفضۃ" میں لکھا ہے:-

"بالجملہ ان رافضیوں تبرائیوں کے باب میں حکم یقینی قطعی اجماعی یہ ہے کہ وہ علی العموم کفار مرتدین ہیں۔ انکے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے۔ ان کے ساتھ مناکحت نہ صرف حرام بلکہ خالص زنا ہے۔ اگر مرد سنی اور عورت ان خبیثوں ہی کی ہو جب بھی ہرگز نکاح نہ ہوگا محض "زنا" ہوگا اور "ولد الزنا" ہوگی۔"

(ردّ الرفضۃ تصنیف حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی مطبوعہ ۱۳۲۰ھ صفحہ ۱۰)

ہم نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ ان فتووں میں جو حضرت احمد رضا خان صاحب نے فرقہ بریلویہ سے شیعہ حضرات کو مرتد کافر قرار دیا ہے بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی رو سے کتابیہ عورت کے ساتھ مسلم مرد کا نکاح جائز ہے لیکن حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے نزدیک شیعہ عورت کے ساتھ سنی مرد کا نکاح قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔

(ج) اسی طرح اہل شیعہ کے نزدیک اہلسنت والجماعت سے مناکحت ناجائز ہے۔ چنانچہ حضرات شیعہ کی حدیث کی نہایت مستند کتاب الفروع الکافی میں لکھا ہے:-

"عن الفضل بن یسار قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام ان لامرأتی اختاً عارفۃ علی رأینا ولیس علی رأینا بالبصرۃ الا قلیل أفأزوجها ممن لا یری رأینا قال لا۔" الفروع الکافی من جامع الکافی جلد ۲ کتاب النکاح صفحہ ۱۲۲ مطبوعہ نولکشور)

یعنی فضل بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کیا کہ میری اہلیہ کی ایک بہن ہے جو ہماری ہم خیال ہے لیکن بصرہ میں جہاں ہم رہتے ہیں شیعہ لوگ بہت تھوڑے ہیں کیا میں اس کا کسی غیر شیعہ سے بیاہ کر دوں؟ حضرت امام نے فرمایا۔ نہیں۔"

(د) اسی طرح "امیر جماعت اسلامی" کے نزدیک ایسے لوگوں کے لئے ان کی جماعت میں کوئی جگہ نہیں جو اپنی لڑکی یا لڑکے کی شادی کرتے وقت دین کا خیال نہ رکھیں۔

(روئیداد جماعت اسلامی حصہ سوم صفحہ ۱۰۳)

سوال نمبر ۷۔ احمدیہ فرقہ کے نزدیک امیر المومنین کا Significance کیا ہے؟

جواب۔ ہمارے امام کے عہدے کا اصل نام "امام جماعت احمدیہ" اور "خلیفۃ المسیح" ہے لیکن بعض لوگ انہیں "امیر المومنین" بھی لکھتے ہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی "امیر جماعت اسلامی" کہلاتے ہیں۔ یا سید عطاء اللہ شاہ بخاری "امیر شریعت" کہلاتے ہیں۔ غالباً مودودی صاحب اور ان کی جماعت نے یہ مراد نہیں لی ہوگی کہ باقی لوگ اسلامی جماعت سے باہر ہیں یا کافر ہیں۔ نہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ماننے والوں نے یہ مراد لی ہوگی کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری شریعت پر حاکم ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہی شریعت ہوتی ہے۔

جب کوئی احمدی حضرت امام جماعت احمدیہ کے لئے "امیر المومنین" کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کی مراد یہی ہوتی ہے کہ آپ ان لوگوں کے جو بانی سلسلہ احمدیہ کو

مانتے ہیں "امیر" ہیں۔ لوگ اپنی عقیدت میں اپنے لیڈروں کے کئی نام رکھ لیتے ہیں۔ بعض تو کلی طور پر غلط ہوتے ہیں، بعض جزوی طور پر صحیح ہوتے ہیں۔ بعض کلی طور پر صحیح ہوتے ہیں۔ اور کوئی معقول آدمی ان باتوں کے پیچھے نہیں پڑتا جب تک کہ ایسی بات کو ایمان کا جزو قرار دے کر اس کے لئے دلائل اور براہین نہ پیش کئے جائیں۔ سابق مسلمانوں نے بھی بعض ائمہ کو "امیر المومنین" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد ذکریا شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اپنی کتاب (موسوم بمقدمہ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک) کے صفحہ ۲۱ مطبوعہ مکتبہ یحیویہ سہارنپور ۱۳۴۸ھ میں امام قطان اور یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"مالک امیر المومنین فی الحدیث"

یعنی امام مالک فن حدیث میں "امیر المومنین" ہیں۔

اسی طرح حضرت سفیان ثوری کے متعلق حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی۔ امام شعبہ اور امام ابن عقبہ اور امام ابن معین اور بہت سے علماء کی سند پر اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:-

"سفیان امیر المومنین فی الحدیث"

یعنی حضرت سفیان ثوری فن حدیث میں "امیر المومنین" ہیں (تہذیب التہذیب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن جلد ۴ صفحہ ۱۱۳)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سابق امیر مولانا محمد علی صاحب مرحوم کو بھی انکے بعض اتباع "امیر المومنین" لکھتے ہیں۔ پروفیسر الیاس برنی صاحب نے اپنی کتاب "قادیانی مذہب" مطبوعہ اشرف پرنٹنگ پریس لاہور بار ششم صفحہ ۳ تمہید اول میں موجودہ نظام حیدرآباد دکن کو "امیر المومنین" لکھا ہے۔

مزید برآں بعض لوگ اس قسم کے نام رکھ لیتے ہیں۔ جیسے "ابوالاعلیٰ" حالانکہ "الاعلیٰ" اللہ تعالیٰ کا نام ہے+

رسالہ الفرقان پر مجلۃ البشریٰ (فلسطین) کا تبصرہ

جناب ایڈیٹر صاحب البشریٰ (فلسطین) تحریر فرماتے ہیں:-

"الفرقان الغراء

وهي مجلة اوردية شهرية أصدرت من قرية أحمد نگر (الواقعة في پنجاب الغربية بقرب ربوة) وقد عهد الإمام الهمام أيده الله إدارتها وتحريرها الى مبشرنا الكريم في هذه الديار سابقاً المولوي ابي العطاء الفاضل الجالندهري (عميد الجامعة المبشرين في هذه الايام)، وأشار عليه أن تبحث هذه المجلة فيما يتعلق بالفرقان الحميد فقط من الاعجاز والتفسير والاحكام والابحاث اللغوية الخ وترد على اعتراضات المستشرقين والقسيسين والمجوس على القرآن المجيد، وشبهات الملحدين. وقد اطلعنا على بعض اعدادها، فوجدناها حسب اسمها فرقاناً فنهنئ محررها والقائمين بادارتها على هذا التوفيق، ونرجو لها ازدهاراً وانتشاراً واسعاً وعمراً طويلاً+"

تبلیغ حق

(نتیجۂ فکر راجہ نذیر احمد صاحب ظفرؔ مولوی فاضل)

نہیں گھبراتے مومن امتحاں سے
اگرچہ جنگ ہو سارے جہاں سے

بڑا ہتھیار ہے اُن کا صداقت
انہیں مطلب نہیں تیغ و سناں سے

انہیں ایمان ہے اپنا پیارا
زر و دولت سے عزت اور جاں سے

لڑو گے کب تلک سوچو خدارا
سپاہِ مہدئ آخر زماں سے

نہیں جائز بشر کو جنگ کرنا
کبھی بھی خالقِ کون و مکاں سے

اگر تحقیقِ حق مطلوب ہوتی
تو بچتے تم ہر اک وہم و گماں سے

خدا کے واسطے اب تو اٹھا دو
حجاباتِ تعصّب درمیاں سے

پڑھو تم آیۂ وَالشَّمْس دل سے
یہ مانا گرچہ پڑھتے ہو زباں سے

قمر جس کا نکلنا تھا مقدّر
وہ نکلا قادیاں دارالاماں سے

اگر باور نہیں آتا تو پوچھو !
کسی شمس و قمر کے رازداں سے

ہماری دسترس سے تھے وہ بالا
نہیں اُترے تھے نیچے آسماں سے

وہ کیوں تاریک دونوں ہو گئے پھر
نہ پوچھا کیوں رئیسِ واعظاں سے

ہمارا فرض ہے، تبلیغ کرنا
غرض ہم کو نہیں کچھ این و آں سے

محمدؐ جب ہیں خاتم انبیاء کے
تو کیوں آوینگے عیسیٰؑ آسماں سے

اگر قطرہ بھی ہو جائے میسّر
کسی کو اُن کے بحرِ بیکراں سے

نہ بڑھ جائے وہ کیوں عیسیٰؑ سے یارو
ذرا ثریا ؤ تو اپنی زباں سے

بنی یعقوبؑ کے قصوں کو پڑھ کر
کرو حاصل سبق اُس داستاں سے

ترقی اور تنزل اُن کا دیکھو!
کہاں پر جا پڑے ہیں وہ کہاں سے

نہ ہوں مغضوب و ضالیں ہم کبھی بھی
بچا ہم کو خدایا اس خزاں سے

کچل کر رکھ دیا ہے یوں فلک نے
ہٹے جاتے ہیں گویا اس جہاں سے

تنزل کی کہانی اُف خدایا!
لرز جاتا ہے دل اِس داستاں سے

کرو اِس درد کا کوئی تو درماں
بھلا کیا فائدہ آہ و فغاں سے

تعجب ہے قریب المرگ ہوتے
یہ بیزاری مسیحائے زماں سے

ہلاکت میں لئے جاتی ہے تجھ کو
یہ سرتابی تری پیرِ مغاں سے

ٹھکانا اُن کا کوئی بھی نہیں ہے
جو ٹھکرائے گئے اس آستاں سے

کماں پیری کے جھکنے سے ہی پہلے
نکالو تیغِ ایماں کو میاں سے

نہیں لوٹے گا واپس پھر کبھی بھی
جو تیرِ عمر نکلا اس کماں سے

ذرا سوچو! ہے کتنی بے نصیبی
یہ محرومی بہارِ جاوداں سے

بہت سویا کئے ہو اب تو جاگو
لٹے جاتے ہو پیچھے کارواں سے

جگائے گا اُنہیں کیا صورِ محشر
نہیں جاگے جو آوازِ اذاں سے

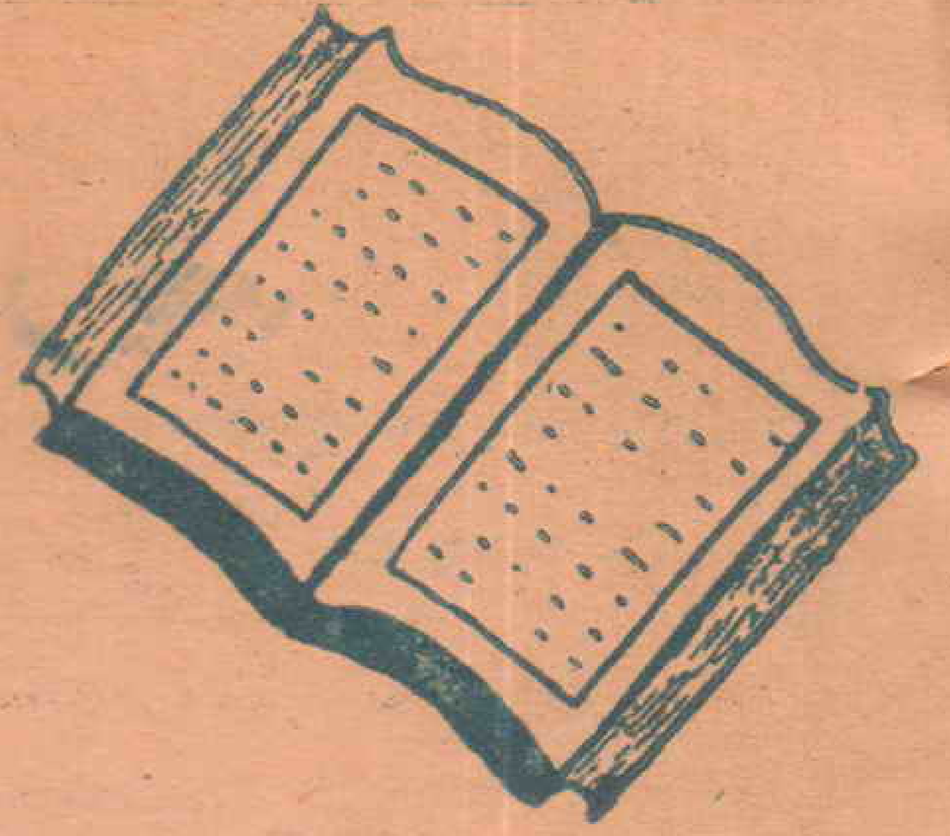
لگی ہے چوٹ دل پر کوئی کاری
ظفرؔ ظاہر ہے اندازِ بیاں سے

(طابع و ناشر ابوالعطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں طبع کرا کر دفتر الفرقان احمد نگر (ربوہ) سے شائع کیا)

اکتوبر ۱۹۵۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم





جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

الفرقان

(۱) فضائلِ قرآن مجید بیان کرنے والا (۲) غیر مسلموں یعنی آریوں، عیسائیوں اور بہائیوں کے قرآن مجید پر اعتراضات کا جواب دیکر انہیں دعوتِ اسلام دینے والا۔ (۳) باشندگانِ پاکستان کو عربی زبان سکھانے والا (۴) مستشرقین کے خیالات پر تحقیقی تبصرہ کرنے والا ماہنامہ!

ایڈیٹر
ابو العطاء الجالندھری
سابق ایڈیٹر رسالہ عربی "البشریٰ" فلسطین

احمد نگر۔ ربوہ۔ ضلع جھنگ
پاکستان

حقانی روحانیت حاصل کرنے کا ذریعہ صرف خدا کا کلام ہے!

کیا انسانی خیالات میں کوئی ایسی طاقت بھی موجود ہے۔ کہ جو خداتعالیٰ کے علم اور قوت سے برابر ہوسکے۔ کیا خدا کے پاک انوار جو روح پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ اور عمیق شکوک سے نجات بخشں سکتے ہیں یہ بات خدا کے غیر کو بھی حاصل ہے۔ ہر گز نہیں۔ بلکہ ایسے دھوکے ان لوگوں کو لگے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہماری حقیقی نجات کس درجہ عرفان پر موقوف ہے۔ اور طاقت الٰہی ہماری روح پر کہاں تک کام کر سکتی ہے۔ اور خدا کے بیغایت فضل سے کس درجہ قربت اور شناخت پر ہم پہنچ سکتے ہیں۔ اور وہ کس درجہ تک ہمارے آگے سے حجاب اٹھا سکتا ہے۔ انکی معرفت صرف ناکارہ وہموں تک ختم ہے۔ اور جو معرفت یقینی اور قطعی اور انسان کی نجات کیلئے از بس ضروری ہے۔ وہ انکی عقل عجیب کے نزدیک محال اور ممتنع ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ یہ انکی سخت غلطی ہے۔ کہ جو عقلی خیالات پر قناعت کر رہے ہیں۔ حقانی معرفت کی راہ میں بے شمار راز ہیں۔ جنکو انسان کی کمزور اور دود آمیز عقل دریافت نہیں کرسکتی۔ اور قیاسی طاقت بباعث اپنی نہایت ضعف کی الوہیت کے بلند اسرار تک ہرگز پہنچ نہیں سکتی۔ اور اس بلندی تک پہنچنے کے لئے بجز خدا کے عالی کلام کے اور کوئی زینہ نہیں۔ جو شخص دلی سچائی سے خدا کا طالب ہے۔ اسکو اسی زینے کی حاجت پڑتی ہے اور تا وقتیکہ وہ محکم اور بلند زینہ اپنی ترقیات کا ذریعہ نہ ٹھیرا یا جاوے تب تک انسان حقانی معرفت کے بلند مینار تک ہر گز پہنچ نہیں سکتا۔ بلکہ ایسے تاریک اور پر ظلمت خیالات میں گرفتار رہتا ہے کہ جو غیر تسلی بخش اور بعید از حقیقت ہیں اور بباعث فقدان اس حقانی معرفت کے اسکے سب معلومات بھی ناقص اور ادھورے رہتے ہیں۔ اور جیسی سوئی بغیر دھاگہ کے نکمی اور ناکارہ ہے اور کوئی کام سینے کا اس سے انجام پذیر نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح عقلی فلسفہ بغیر تائید خدا کی کلام کے نہایت متزلزل اور غیر مستحکم اور بے ثبات اور بے بنیاد ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود   پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

براہین احمدیہ حصہ چہارم ۵۶۰ — ۵۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفرقان

جلد ۳ ۔ نمبر ۹ | صفر المظفر ۱۳۷۲ سنہ ھ | ماہ اکتوبر ۱۹۵۳ سنہ ء

فہرست مضامین

الفرقان کا "قرآن نمبر"

رسالہ الفرقان کے قرآن نمبر کی ترتیب شروع ہے۔ یہ رسالہ ماہ دسمبر ۵۳ سنہ ء میں شائع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جامع مضامین پر مشتمل شمارہ ہوگا۔ احباب مطلع فرماویں کہ وہ اسکی کس قدر زائد کاپیاں خریدینگے۔ اس رسالہ کے پورے یکصد صفحات ہوں گے۔ فی کاپی ایک روپیہ قیمت ہوگی۔ پانچ کاپیوں کے لئے چار روپے کا منی آرڈر بھجوا دیں۔ زیادہ خریدنے والے اصحاب کو خاص رعایت ہوگی۔ غرض یہ ہے کہ قرآنی علوم کی اشاعت کثرت سے ہو۔ احباب سے تعاون کی درخواست ہے

مینجر الفرقان
ربوہ

"طلوع اسلام" کے اعتراضات کے جواب

(الفرقان کا ماہ نومبر کا شمارہ ملاحظہ فرمائیے)

منکرین حدیث کے رسالہ "طلوع اسلام" نے "نقد و نظر" کے زیر عنوان مکرم جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ایک پرانے مضمون "ایک عزیز کے نام خط" پر تبصرہ کیا ہے۔ یہ تبصرہ "طلوع اسلام" کے ماہ اکتوبر ۵۳ سنہ ء کے پرچہ میں شائع ہوا ہے۔ رسالہ الفرقان اپنی آئندہ اشاعت (ماہ نومبر ۵۳ سنہ ء) میں اس تبصرہ کا مفصل جواب شائع کرے گا۔ انشاء اللہ

جو لوگ "طلوع اسلام" کا مطالعہ کرتے ہیں امید ہے کہ وہ اسکے اعتراضات کے جوابات کو بھی پوری توجہ اور شوق سے مطالعہ کریں گے۔

(ایڈیٹر)

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ضلع جھنگ میں شائع کیا)

شذرات

قرآن مجید کے معانی کی وسعت اور ان کی صحت کا معیار

ابتداءِ آفرینش سے اسی زمین اور اسی آسمان سے انسان کی سب ضرورتیں پوری ہوتی رہی ہیں۔ سمندر کی موجوں کے تلاطم کی طرح انسانی آبادی میں تموج پیدا ہوتا رہا۔ نسلِ آدم اپنی فکری بلند پروازی میں دور تک وسعت اختیار کرتی رہی مگر ان تمام حالات میں انسان کی تمدنی اور معاشی مشکلات کا حل اسی خطۂ ارضی کے ذریعہ ہوتا رہا۔ قرآن مجید کا دعویٰ ہے، کہ انسانوں کی تمام روحانی اور دینی ضرورتوں کا حل میرے پاس موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس جامع اور بے مثل کتاب میں انسانوں کی تمام الجھنوں کا علاج اور ان کی تمام امراض کا مداوا رکھ دیا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے اعلان فرمایا ہے قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ کہ تمام چھوٹے اور بڑے مل کر بھی قرآنی تعلیمات ایسی تعلیم پیش نہیں کر سکتے۔

قرآن مجید کا یہ دعویٰ قریباً ڈیڑھ ہزار برس سے امتحان کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے اور آج تک کے دور میں تمام حقائق پسند انسان اقرار کرتے آئے ہیں، کہ دنیا کو ہر مشکل کے حل کے لئے آخر کار وہی طریق کار اختیار کرنا پڑا جو قرآن مجید نے بتایا تھا۔ لیکن کچھ لوگ آئندہ کے لئے اس بارے میں شک میں نظر آتے ہیں۔ اس شک کے ان کے نزدیک دو باعث ہیں۔ اوّل یہ کہ اب زمانہ جس سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے اور متمدن دنیا جس تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اور علوم کا انتشار جس وسعت کے ساتھ ہو رہا ہے ایسا پچھلے زمانوں میں نہ ہوتا تھا۔ دوم یہ کہ قرآنی حقائق کے بارے میں مسلمانوں میں اتنا جمود ہے اور وہ اس کے معنوں کے تعلق میں قدامت پسندی اور محدودیت پر اس قدر مصر نظر آتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ان کی علمی ترقی کی رفتار زمانہ کی رفتار سے ہمکنار ہو سکے۔

بلاشبہ ایک عام آدمی ان دو باتوں کی وجہ سے تذبذب میں پڑ جائے گا مگر غور و تدبر کرنے والے انسان کی نظر میں یہ امور اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈال سکتے کہ قرآن مجید ہی آخر تک انسان کی روحانی و دینی ضرورتوں کو پورا کرنے والا قانون ثابت ہوگا۔ کون جانتا تھا کہ انسانیت کے ابتدائی ادوار کے بعد انسان کی بڑھتی ہوئی ضرورتیں اسی زمین سے پوری ہوتی رہیں گی۔ مگر دیکھ لیجئے کہ جوں جوں انسان کی ضرورتوں میں اضافہ ہوتا گیا توں توں زمین کی قوتِ تخلیق بھی بڑھتی گئی اور یہ ثابت ہوتا گیا کہ معمولی بیل گاڑی کے دور سے لیکر آج کے تیز ترین ہوائی جہاز کے دور تک سب ضرورتیں اسی زمین سے پوری ہوتی رہی ہیں اور تمام انسانی ایجادات کیلئے مواد اسی جگہ سے میسر آتا رہا ہے۔ بیشک ایک سطحی نظر والے زمیندار کو زمین کی ان خاصیات کا اندازہ نہیں اور وہ انسانی فکر کے ارتقاء کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہے

اب کیا ہوگا؟ اب یہ ضرورتیں کس طرح پوری ہونگی مگر طبقات الارض کے عالم جانتے ہیں کہ قدرت نے اس مٹی میں کس قدر بے انت طاقتیں ودیعت کی ہیں۔ ان علماء میں سے جو کامل ماہر ہیں انکا تصور عام علماء سے بھی کہیں بلند ہوتا ہے وفوق کل ذی علم علیم۔

قرآن مجید نے چودہ سو برس بیشتر غیر متمدن صحرائے عرب میں یہ دعویٰ کیا تھا وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا۔ کہ تمام نسل انسانی دنیائے روحانیت میں دینیات کے بارہ میں کوئی ایسی تعلیم پیش نہیں کرسکتی جس سے بہتر، پائیدار اور قائم رہنے والی پُر حکمت تعلیم قرآن میں موجود نہ ہو۔ قرآن پاک کا یہ دعویٰ زمانہ کی موجوں کے سامنے ایک مضبوط چٹان ثابت ہوا ہے۔ آج بھی قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے۔ آج تمدن، علوم اور ارتقاء کے مدعی شش و پنج میں پڑ رہے ہیں۔ کمزور ایمان لوگ خیال کرتے ہیں کہ شائد موجودہ طوفان کے تھپیڑوں کے سامنے یہ چٹان قائم نہ رہ سکے مگر ماضی کی ناقابل تردید شہادت ان کے وہم کے ازالہ کیلئے کافی ہے۔ مزید برآں زمانہ حاضر میں خداوند تعالےٰ نے جو غیر معمولی حالات پیدا فرمائے ہیں اور قرآن مجید کی محکمیت اور افضلیت کیلئے اس نے اپنے وعدہ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ کے مطابق جس طرح ایک عظیم الشان فرستادہ کو مامور فرمایا ہے یہ سب کچھ دوربین آنکھ کیلئے قرآن مجید کی عظمت و سطوت کے ثابت کرنے کے لئے ایسے سامان ہیں جن کے سامنے زمانہ کی طاغوتی طاقتوں کو ایک دن سرنگوں ہونا پڑیگا۔

تحریک احمدیت اس نصب العین کو لیکر کھڑی ہوئی ہے کہ قرآن مجید جامع اور کامل کتاب ہے اسمیں کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ قرآنی تعلیمات رہتی دنیا تک اٹل حقائق ثابت ہونگی۔ مسلمان یا نامسلمان جو بھی قرآن مجید کے جزء یا کُل کے نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں غلطی پر ہیں۔ قرآن مجید وہ بحر بے پایاں ہے جس کے موتیوں کا احاطہ کوئی غوطہ زن نہیں کرسکتا۔ پس یہ کہنا بلا مبالغہ درست ہے کہ تحریک احمدیت اس زمانہ میں قرآنی عظمت و سطوت کے اعلان کیلئے روشن مینار ہے۔

جہانتک مسلمانوں کے جمود اور انکے "علماء" کی قرآن مجید سے دوری کا سوال ہے یہ درست ہے کہ اشاعت قرآن کے راستہ میں سب سے بڑی روک یہی لوگ ہیں مگر آپ دیکھینگے کہ گزشتہ پچاس برس میں قرآن مجید کیلئے کتنا راستہ صاف ہوگیا ہے اور کس طرح سے علماء کو طوعاً و کرہاً قرآن مجید کی طرف لوٹنا پڑا ہے۔ مسلمانوں میں اس عرصہ میں مختلف ہنگامی تحریکات نے بھی اس پہلو سے احمدیت کی مدد کی ہے اور اب مسلمان اس بات کے ماننے میں اصولی طور پر کوئی دقت محسوس نہیں کرتے کہ ہماری بلکہ ساری نسل انسانی کی تمام امراض کا علاج قرآن مجید میں ہے اور قرآن ہر قسم کے نسخ و ترمیم سے پاک ہے۔ اب ہر ملک اور ہر خطۂ زمین سے الرجوع الی القرآن کی صدا بلند ہو رہی ہے۔

ایسے موقع پر بعض خود غرض انسان قرآن مجید کے نام سے اپنے الحادی نظریات کی اشاعت کی بھی کوشش کر رہے ہیں اور دوسرے رنگ میں قرآنی حقائق کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔ ایسے ایسے معنے ایجاد کرتے ہیں جو قرآنی روح کے سراسر منافی ہیں۔ اسلئے یاد رکھنا چاہئیے کہ قرآنی معانی کی بے انتہا وسعت کے باوجود ان میں بے اصولا پن نہیں ہے۔ آیات قرآنیہ کے معانی کی صحت کیلئے ایک محک اور کسوٹی مقرر ہے اور وہ یہ ہے کہ اوّل قرآن مجید کی کسی آیت کے ایسے معنے اور ایسی تفسیر قابل قبول نہ ہوگی جو دوسری کسی آیت کے

بیان کے خلاف ہو۔ دوم ایسے کوئی معنے قبول نہ ہونگے جو عربی زبان اور اسکے قواعد کے خلاف ہوں۔ سوم ایسے کوئی معنے قبول نہ ہونگے جو انسانی عقل کے خلاف ہوں۔ یہ تین باتیں ملحوظ رہیں تو قرآن مجید کے الفاظ سے پیدا ہونیوالے ہر نئے معنے مقبول ہونگے اور ان کیلئے قرآن مجید میں وسعت موجود ہے۔ قرآن مجید بلا بحث کسی کی اجارہ داری نہیں مگر وہ خدائے قدوس کا پاکیزہ اور مخفی خزانہ ہے اور اس خزانہ تک رسائی کا راستہ مقرر ہے۔ احمدیت اسی نہج پر قرآنی معانی کی وسعت کی قائل اور داعی ہے اور احمدیت کے نزدیک قرآنِ پاک ایک زندہ اور کامل شریعت ہے اور اسی کی ترویج و اشاعت احمدیت کا منتہائے مقصود ہے۔

رسالہ "قادیانی مسئلہ" کے "دلائل"

مدیر صاحب رسالہ "طلوع اسلام" لکھتے ہیں:۔

"اِس سارے قصے میں سب سے زیادہ اہمیت مودودی صاحب کے رسالہ "قادیانی مسئلہ" کو دیجاتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس رسالہ کے دلائل اسقدر پوچ ہیں کہ اگر انکا تجزیہ کیا جائے تو وہ خود احمدیوں کے حق میں چلے جاتے ہیں۔" (اکتوبر ۵۳ء صفحہ ۴۲)

جناب مودودی صاحب کے رسالہ کے بارے میں یہ ایک معاند سلسلہ احمدیہ کی رائے ہے جس پر مزید کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

پاکستان کا عبوری آئین

اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان بہت جلد نئے عبوری آئین بننے والا ہے۔ فی الحال ان امور کو آئین کی شکل دیجائیگی جو تمام لوگوں کے نزدیک مسلّم ہیں اور انکے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مجلس دستور ساز یہ کام شروع کر رہی ہے اور اسلامی اصول کی روشنی میں جلد تر اس آئین کو مکمل کر رہی ہے۔ اس خبر سے ملک کے اُن عناصر کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی ہے جو اسلامی دستور کے نام سے عوام کو لڑا کر اقتدار کی باگ تھامنے کی تدبیریں کر رہے تھے وہ اب دوسرے چور دروازے سے گھسنے کی کوشش کریں گے۔

مجلس دستور ساز کے اراکین کو یہ بات کبھی نظر انداز نہ کرنی چاہیئے کہ اصول اور قوانین کے لئے مناسب ماحول کا تیار کرنا بھی لازمی ہے۔ بہترین بیج کے لئے بہترین زمین بھی ضروری ہے۔ قرآن مجید کا تدریجی نزول اسی حکمت کے ماتحت ہوا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ پاکستان میں علماء کو اسلامی قوانین کے لئے گزشتہ عرصہ میں جو زمین تیار کرنی چاہیئے تھی اور جس طرح اذہان کی استعدادوں کو اس کے لئے بیدار کرنا چاہیئے تھا وہ اس سے سراسر غافل رہے ہیں اور ابھی تک غافل ہیں۔ بلکہ وہ ایک رنگ میں ملکی خلفشار کا موجب ہو رہے ہیں۔ اِن حالات میں اسلامی آئین کا نفاذ بہت دقت طلب ہے۔ کیونکہ کوئی قانون عوام کے تعاون کے بغیر جاری نہیں کیا جا سکتا۔ اب یہ حکومت ہی کے ذمہ آپڑا ہے کہ وہ آئین بھی مرتب کرائے اور اس کے اجراء کے لئے مناسب ماحول بھی تیار کرے۔

پاکستان کے تمام ہی خواہ انسانوں کو اِس بارے میں اپنی حکومت کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے اور اِس آزاد سلطنت کے استحکام کے لئے ہمہ تن کوشش کرنی چاہیئے۔ جس کے لئے آئین کی تدوین اور اس کی ترویج بنیادی چیز ہے اور ظاہر ہے کہ عوام کے تعاون کے بغیر حکومت کا اس سے عہدہ برآ ہونا مشکل امر ہے +

تعلیم اللغۃ العربیۃ

عربی زبان کے متعلق آسان اسباق

(دسواں سبق)

اسم فاعل اور اسکے بنانے کا طریق

(ذخیرۂ الفاظ)

سَجَدَ	قَالَ	سَكَنَ	أَكَلَ
اس نے سجدہ کیا	اس نے کہا	اس نے رہائش اختیار کی	اس نے کھایا
هَبَطَ	تَابَ	تَبِعَ	كَفَرَ
وہ اُترا	وہ لوٹا۔ اس نے توبہ کی	اس نے پیروی کی	اُس نے کفر کیا
خَلَدَ	رَكَعَ		
وہ ہمیشہ رہا	اس نے رکوع کیا۔ وہ جھکا		

نوٹ:۔ یہ دس الفاظ ہیں جن میں سے ہر ایک فعل ماضی ہے اور تین حرف پر مشتمل ہے اسلئے اسے فعل ثلاثی کہا جاتا ہے۔

اسم فاعل (کرنے والا) فعل ثلاثی سے فَاعِلٌ کے وزن پر بنتا ہے مثلاً ذَهَبَ (وہ گیا) فعل ثلاثی سے اسم فاعل ذَاهِبٌ (جانے والا) بنے گا۔ اسی طرح مندرجہ بالا دس افعال میں سے ہر ایک کا اسم فاعل حسب ذیل ہوگا:۔

سَاجِدٌ	قَائِلٌ	سَاكِنٌ	آكِلٌ
سجدہ کرنیوالا	کہنے والا	رہنے والا	کھانے والا
هَابِطٌ	تَائِبٌ	تَابِعٌ	كَافِرٌ
اُترنے والا	توبہ کرنیوالا	پیروی کرنیوالا	انکار کرنیوالا
خَالِدٌ	رَاكِعٌ		
ہمیشہ رہنے والا	رکوع کرنیوالا		

مشق ۱

مندرجہ ذیل فقرات کا اُردو میں ترجمہ کریں:۔

(۱) سَجَدَ زَيْدٌ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

(۲) لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔

(۳) اُسْجُدُوْا لِآدَمَ۔

(۴) مَنْ يَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ؟

(۵) سَكَنْتُ فِيْ مِصْرَ أَرْبَعَةَ أَعْوَامٍ۔

(۶) اَلنَّاسُ يَأْكُلُوْنَ الْقَمْحَ۔

(۷) هَبَطَ بَكْرٌ هٰذَا الْبَلَدَ۔

(۸) تَابَ الْمُؤْمِنُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمْ۔

(۹) كَفَرَ أَبُوْ جَهْلٍ بِاللّٰهِ۔

(۱۰) إِرْكَعْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَ۔

مشق ۲

مندرجہ ذیل اُردو جملوں کا عربی میں ترجمہ کریں:۔

(۱) سہیل اپنے گھر لوٹ آیا (۲) اللہ کے غیر کو سجدہ مت کرو۔ (۳) تم نے مجھے کل کیا کہا تھا؟ (۴) وہ شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ (۵) میں نے کبھی فرشتوں کا انکار نہیں کیا (۶) تم اس دُنیا میں ہمیشہ نہ رہوگے (۷) وہ اس پتھر کے آگے جھک گیا (۸) میں اس درخت سے نہ کھاؤنگا (۹) میں اس پہاڑ کے پیچھے رہتا ہوں۔ (۱۰) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔

مشق ۳

مندرجہ ذیل افعال سے اسم فاعل بنائیں:۔

(۱) نَطَقَ (۲) سَكَتَ (۳) قَتَلَ (۴) دَخَلَ (۵) نَامَ (۶) قَامَ (۷) جَلَسَ (۸) فَرَغَ (۹) عَلِمَ (۱۰) كَتَمَ۔

گیارھواں سبق

جملہ اسمیہ اور اسکے اجزاء

نوٹ ۱ - اصولی طور پر آپ یہ سمجھ لیں کہ عربی زبان کے جس جملہ میں پہلے فعل اور پھر فاعل مذکور ہو وہ جملہ فعلیہ ہے اور جس جملہ میں پہلے اسم ہو (بعد ازاں دوسری جزء خواہ اسم ہو خواہ فعل ہو) وہ جملہ اسمیہ ہوگا۔

نوٹ ۲ - جملہ اسمیہ کی پہلی جزء مبتداء کہلاتی ہے اور دوسری جزء کو خبر کہتے ہیں مثلاً اردو کے فقرہ "زید جانے والا ہے" کا ترجمہ عربی زبان میں زَیْدٌ ذَاهِبٌ ہوگا۔ چونکہ پہلی جزء اسم ہے اسلئے یہ جملہ اسمیہ ہے۔ اس جملہ اسمیہ میں لفظ زَیْدٌ مبتداء ہے کیونکہ وہ پہلے آیا ہے۔ نیز اسکے متعلق خبر دی گئی ہے لفظ ذَاهِبٌ خبر ہے۔ اس میں زَیْدٌ (مبتداء) کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔

(ذخیرۂ الفاظ)

رَاجِعُوْنَ	فَارِقٌ -	وَاعِدٌ	
لوٹنے والے	جدا کرنیوالا۔ فرق کرنیوالا	وعدہ کرنیوالا	
ظَالِمُوْنَ	شَاكِرٌ	تَائِبُوْنَ	بَارِئٌ
ظلم کرنیوالے	شکر کرنیوالا	توبہ کرنیوالے	پیدا کرنیوالا
آخِذٌ	دَاخِلٌ	فَاسِقٌ	
پکڑنے والا	داخل ہونیوالا	بدعہدی کرنیوالا	

مشق ۱

مندرجہ ذیل اردو جملوں کا ترجمہ عربی زبان میں جملہ ہائے اسمیہ کی صورت میں کریں:-

(۱) وہ سب گھر لوٹنے والے ہیں۔

(۲) قرآن مجید حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔

(۳) اللہ سچا وعدہ کرنے والا ہے۔

(۴) کافر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

(۵) میں اللہ کا شکر گزار بندہ ہوں۔

(۶) وہ سب مرد توبہ کرنے والے ہیں۔

(۷) اللہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنیوالا ہے۔

(۸) یہ لڑکا کتاب پکڑنے والا ہے۔

(۹) تُو مدرسہ میں داخل ہونے والا ہے۔

(۱۰) یہ مرد بدعہدی کرنے والا ہے۔

مشق ۲

مندرجہ ذیل فقرات کا ترجمہ کریں:-

(۱) هٰذِهٖ بَقَرَةٌ فَارِضٌ۔

(۲) اِنَّ لَوْنَهَا فَاقِعٌ۔

(۳) اِنَّ الرَّجُلَ ذَابِحٌ بَقَرَتَهٗ۔

(۴) اَلتِّلْمِيْذُ خَارِجٌ مِنَ الْمَدْرَسَةِ۔

(۵) هُوَ ضَارِبٌ اَخَاهُ۔

(۶) هٰذَا حَجَرٌ هَابِطٌ۔

(۷) اَللّٰهُ لَيْسَ بِغَافِلٍ۔

(۸) لَا تَكُنْ طَامِعاً۔

(۹) هُوَ سَامِعٌ كَلَامِيْ۔

(۱۰) هُمْ رِجَالٌ عَاقِلُوْنَ۔

عالمی تقویم اور یوم امن!

(ترجمہ چوہدری فضل احمد صاحب نائب ناظر تعلیم و تربیت)

ذیل میں "پاکستان ٹائمز" لاہور مورخہ ۱۹؍جنوری ۵۳ء کے تحقیقی مضمون :-

"World Calendar and the Peace day"

کا ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ تقویم عالمی کا مسئلہ ایک علمی اور عملی مسئلہ ہے۔ قرآن مجید نے اس موضوع پر ایک علمی فیصلہ دے رکھا ہے۔ اس بارے میں شذرات کے زیر عنوان ہمارا نوٹ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ (ایڈیٹر)

عالمی تقویم کا اجراء ورلڈ کیلنڈر ایسوسی ایشن نیویارک امریکہ کا نصب العین ہے۔ اس کی شاخیں کئی ایک ممالک میں موجود ہیں۔ ایک لندن میں بھی ہے۔

مجوزہ تقویم کا نقطۂ مرکزی یہ ہے کہ اس کو ہمیشگی حاصل رہے۔ وہ ہر سال تبدیل نہ ہو۔

اب تک انسان نے قریباً ایک سو مختلف تقویمیں مختلف اوقات میں تجویز کی ہیں جن میں سے ایک درجن کے قریب تو ہندوستان میں ہی رائج ہیں۔ لیکن کوئی ایک بھی مندرجہ بالا مقصد کو پورا نہیں کرتی۔

کون نہیں جانتا کہ رائج الوقت تقویم کی رو سے کرسمس کبھی ہفتہ کے اخیر میں آتا ہے اور کبھی وسط میں۔ سوموار کو پیدا شدہ بچہ ایک سال تو اپنی سالگرہ جمعرات کو مناتا ہے مگر اگلے سال جمعہ کو۔ اسی طرح تعطیلات گرما کے بعد سکول کبھی کسی دن کھلتا ہے اور کبھی کسی دن۔ اور ایام تعلیم ہر سال مختلف تاریخوں سے شروع ہوتے ہیں اور کبھی یہ ایام تعلیم تھوڑے ہوتے ہیں اور کبھی زیادہ۔ امتحانات کی تاریخیں ہر سال یونیورسٹی کو بدلنی پڑتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔

مروجہ کیلنڈر (تقویم) جیولین کیلنڈر ہے۔ جو شمسی عیسوی تقویم ہے۔ یہ عمدہ اور صحیح کیلنڈر ہے اور متمدن دنیا کے اکثر حصہ میں جیولیس سیزر کے رائج کرنے کے وقت سے اب تک مقبول ہے۔ گریگورین کیلنڈر کوئی نیا کیلنڈر نہ تھا بلکہ یہ ایک نئی ترمیم تھی جو جیولیس سیزر نے ہی اپنے کیلنڈر کے لئے لازمی بنا رکھی تھی۔

ہماری زمین کو سورج کے گرد ایک چکر پورا کرنے میں ۳۶۵ دن پانچ گھنٹے اڑتالیس منٹ ساڑھے سینتالیس سیکنڈ لگتے ہیں۔ اس عرصہ کا نام ایک سال ہے۔ جیولیس سیزر سے پہلے سال ۳۶۵ دن کا شمار ہوتا تھا اس کمی کی وجہ سے اس کے زمانہ تک دو ماہ کا فرق پڑ گیا تھا۔ اس نے اس خامی کو دور کرنے کے لئے ۴۶ء عیسوی قبل مسیح میں دو ماہ بڑھا دیئے اور آئندہ کے لئے ہر چوتھے سال کو ۳۶۶ دن کا شمار کرنے کا قاعدہ مقرر کیا اور اس کا نام لیپ یا سال کبیسہ رکھا۔ اس حساب کے مطابق ایک سال ¼۳۶۵ دن یعنی بارہ منٹ زیادہ شمار ہوا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ۱۵۸۲ء تک دس دن کا فرق پڑ گیا۔

پوپ گرگری نے اُس سال پانچ اکتوبر کو پندرہ اکتوبر شمار کیا۔ یعنی دس دن حذف کر کے موجودہ تشکیل کی تکمیل کر دی۔ اب بھی سال میں تقریباً چھبیس سیکنڈ کا فرق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً ساڑھے تین ہزار سال بعد ایک دن کا فرق پڑے گا۔

اس تقویم میں دقت یہ ہے کہ سال کے ۳۶۵ دن ہیں یا بصورت لیپ یا سال کبیسہ ۳۶۶۔ ان اعداد میں سوائے اس کے کوئی خوبی نہیں کہ ان سے اس وقت کا اندازہ ہوتا ہے جو زمین سورج کے گرد چکر لگانے میں لیتی ہے۔ اس کو نہ تو چار برابر حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے تا چوتھائی سال حاصل ہو اور نہ نصف سال میں (سوائے لیپ کے سال کے) تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اور سات سات دنوں کے ہفتوں میں بھی تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ مہینے بھی غیر مساوی طول کے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ اگسٹس نے اس صورت حال کو اور بھی زیادہ خراب بنا دیا جبکہ اس نے اپنے مہینے (اگست) میں اکتیس دن رکھنے کے لئے فروری میں سے ایک دن کم کر دیا۔

ورلڈ کیلنڈر میں اس سارے جھمیلے کا ایک آسان علاج تجویز کیا گیا ہے اور اس کی تشکیل یوں کی گئی ہے۔ کہ سال کے تین صد چونسٹھ دن رکھے جائیں۔ اس سے ہر ایک سہ ماہی کے اکانوے دن ہوں گے۔ ہر سہ ماہی میں ایک مہینہ (جنوری، اپریل، جولائی، اکتوبر) اکتیس دن کا اور دو مہینے تیس تیس دن کے۔ اس سے ہر ماہ میں اتوار چھوڑ کر چھبیس دن یقینی بن جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سال کے ٹھیک باون ۵۲ ہفتے ہوں گے اور اس طرح تعطیلات اور ولادت کے ایام اور جلسے اور ہر قسم کے تہوار سب ہر سال اپنے اپنے مقررہ دن پر لائے جا سکتے ہیں۔ جس تقریب کے لئے مثلاً سوموار مقرر ہو وہ ہر آل سوموار کو ہی آئے گی۔ سال اتوار کو شروع ہو سکتا ہے۔ یہ عالمی کیلنڈر کا مختصر سا ڈھانچہ ہے۔

اس کے ساتھ عالمی یوم امن کی تجویز لازم و ملزوم کے طور پر وابستہ ہے۔ کیونکہ ہم زمین کو سورج کے گرد تین صد چونسٹھ دن میں ہی گھومنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ لازماً ایک دن بچ جائے گا۔ یہ دن دسمبر کے آخری دن اور جنوری کے پہلے دن کے درمیان رکھا جا سکتا ہے۔ جس کی نہ کوئی تاریخ ہو اور نہ اس کا ہفتے کے سات دنوں میں سے کوئی نام۔ بلکہ یہ ایک خاص دن ہو، ایک تعطیل کا دن جو نہ کسی قومی اور نہ کسی مذہبی یاد سے تعلق رکھتا ہو بلکہ ایک بین الاقوامی یوم امن کہلائے۔ اور لیپ کے سال میں ایک اور عالمگیر دن ہوگا وہ جون کے اخیر میں رکھا جا سکتا ہے۔

تین صد چونسٹھ دنوں کے سال کا خیال پہلے پہل ۱۸۳۴ء میں اٹلی کے ایبے ماسٹروفینی کو سوجھا۔ پھر کونٹے نے اس خیال کو ترقی دی اور تیرہ برابر برابر مہینوں کا ایک قمری سال تجویز کیا۔ ہمارے اس زمانہ تک ہر دو تجاویز یعنی ایک تو متفقہ بالا شمسی تقویم اور دوسری تیرہ ماہ کی قمری سال والی تجویز ایک دوسرے کے مقابلہ پر رہی ہیں لیکن اب عالمگیر تقویم کی تحریک زیادہ نمایاں ہے۔ کیونکہ تیرہ مہینے والے قمری سال پر بھی یہ اعتراض ہے کہ اس میں چوتھائیاں نہیں ہوں گی۔ مجوزہ عالمی تقویم کا اجراء ایسے سال میں نہایت آسان ہوگا کہ جس کا آغاز اتوار سے ہو۔ لہذا سنہ ۱۹۵۶ء میں اس تحریک کی کامیابی اغلب ہے خصوصاً جبکہ کئی اقوام اس کی حامی ہیں اور اق[illegible]

[illegible] (پاکستان ٹائمز ۱۹ جنوری ۱۹۵۳ء)

قرآنی حقائق و معارف کا خزانہ

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہٖ کے تازہ درس القرآن کے نوٹ!

(سلسلہ کے لئے الفرقان ماہ جولائی ۱۹۵۳ء ملاحظہ فرمائیں - (ایڈیٹر)

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا — یہ قول بھی حضرت مسیحؑ کی انسانیت پر دلیل ہے۔ اَلسَّلَامُ خدا کا نام ہے' اسی کی طرف سے حضرت مسیحؑ پر یہ سلامتی آئی ہے۔ جب بھی السلامُ علیہ کہیں گے تو اس سے مخلوق مراد ہوگی۔ خالق کے لئے السلام علیہ نہیں کہہ سکتے۔ یَوْمَ اَمُوْتُ کا لفظ صریح طور پر حضرت مسیحؑ کی الوہیت کی تردید ہے۔ اگر وہ خدا ہوتے تو اُن کے لئے موت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا سے آخرت کی بعثت بھی مراد لی جاتی ہے مگر دلیل کے لحاظ سے یہ محض ایمان سے تعلق رکھنے والی بات ہے۔ اس سے مسیحؑ کے لحاظ سے ان کا صلیبی موت سے بچایا جانا بھی مراد ہے اور یہ خدا کی طرف سے سلامتی کے لئے دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیحؑ کے ساتھ سلامتی کا وعدہ انجیل لوقا ۲/۱۴ کے فقرہ "زمین پر ان آدمیوں میں جن سے وہ راضی ہے صلح" سے بھی ثابت ہے۔ ایسا ہی یوحنا ۱۶/۳۲ میں ہے "تم سب پراگندہ ہو کر اپنے گھر کی راہ لوگے اور مجھے اکیلا چھوڑ دوگے تو بھی میں اکیلا نہیں ہوں' کیونکہ باپ میرے ساتھ ہے۔" اعمال کی کتاب میں ہے "خدا اس کے ساتھ تھا" (۱۰/۳۸) خدا کے ساتھ ہونے کے معنے سلامتی دینے کے ہیں۔

ان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ کی صلیبی موت کا عقیدہ درست نہیں۔ حضرت مسیحؑ کے لئے حقیقی موت پر سلامتی کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہر قسم کے روحانی نقص سے پاک رکھیگا۔ حضرت مسیحؑ کی طرف سے خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھنے کا اعلان اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے تھا۔ (لوقا ۲۲/۶۹)

قرآن مجید نے حضرت مسیحؑ کی طرف سے جن امور کو نقل فرمایا ہے ان سب کی تائید موجودہ اناجیل کے حوالہ جات سے بھی ہوتی ہے۔ یہ سب وعدے حضرت مسیحؑ کے انسان اور مخلوق ہونے پر دلیل ہیں۔

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ — یہ عیسیٰ بن مریم ہیں ہم نے اس بارے میں حق بات بیان کر دی ہے اور انہیں اس میں شک اور تردد ہے اور وہ باہم جھگڑ رہے ہیں۔ امتراء کے لفظی معنے شک کرنے کے ہیں۔ یہ اسکی تردید کرتا ہے اور وہ اس کی بات کو رد کرتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ تردد اس امر کی دلیل ہے کہ حق ان کے پاس نہیں ہے۔ اہل دنیا میں حضرت مسیحؑ کے بارے میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں اختلاف ہے اور پھر خود عیسائیوں کے مختلف گروہوں میں باہم اختلاف ہے۔

یہ اختلاف حضرت مسیح کی ولادت سے لیکر اُن کی وفات تک کے تمام مراحل کے بارے میں ہے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ پھر مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں حضرت مسیح کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام غیر احمدی حضرت مسیح کو آسمان پر زندہ بجسدہ العنصری مانتے ہیں اور جماعت احمدیہ انہیں وفات یافتہ مانتی ہے۔ احمدیوں کے دونوں فریقوں میں بھی حضرت مسیح کے بارے میں اختلاف ہے۔ غیر مبایعین حضرت مسیح کی پیدائش باپ کے ذریعہ سے مانتے ہیں اور ہماری جماعت کا اعتقاد ہے کہ حضرت مسیح اللہ تعالےٰ کی خاص قدرت سے بن باپ پیدا ہوئے تھے۔ غرض حضرت مسیح کی ساری زندگی بلکہ موت کے بارے میں بھی لوگوں میں تردد اور شک پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالےٰ کا فیصلہ ہی ہر قسم کے شک و تردد سے بالا ہے۔ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْہِ یَمْتَرُوْنَ ۝

ایک اعتراض کا جواب

قرآن مجید میں حضرت مسیح کو عیسیٰ بن مریم کہہ کر ذکر کیا گیا ہے۔ اس پر مسیحی مصنف ناراض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے حضرت مسیح کو ابن مریم کہہ کر ہمیں چڑایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے یہ طریق نصاریٰ کو چڑانے کے لئے نہیں بلکہ اظہار حقیقت کے لئے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے صحیح تعین کے لئے اختیار فرمایا ہے۔ انجیل سے ثابت ہے کہ لوگ حضرت مسیح کو ابن مریم کہا کرتے تھے۔ مرقس ۶/۳ میں لکھا ہے کہ:۔

"کیا یہ وہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ اور شمعون کا بھائی ہے؟"

بے شک اناجیل میں ذکر ہے کہ حضرت مسیح اپنے آپکو ابن آدم کہا کرتے تھے مگر اس لفظ سے شناخت نہیں ہو سکتی۔ تمام انسان ہی ابن آدم ہیں۔ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہہ رہے ہیں۔ مجاز کے لحاظ سے ابن اللہ کا لفظ بائیبل میں ایک عام محاورہ ہے اور بہت سے لوگوں کیلئے استعمال ہوا ہے اس سے بھی امتیاز ثابت نہیں ہو سکتا۔ حقیقی طور پر خدا کا بیٹا کہنا سراسر غلط اور بے ثبوت بات ہے اور وہ وجہ تعین نہیں پس درحقیقت ابن مریم نام سے بہتر مسیح کی شناخت کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے۔ یہ لفظ حضرت مسیح کو پورے طور پر شناخت کروا دیتا ہے اسی لئے قرآن مجید نے اسے اختیار فرمایا ہے۔ پس قابل اعتراض مسیحیوں اور انجیل کا قول ہے نہ کہ قرآن مجید کا قول۔

مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَہٗ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝

اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا قرار دے یا بیٹا بنائے۔ وہ اس سے پاک ہے۔ اسکی شان یہ ہے کہ جب کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو اسے ہونے کا حکم دیتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے۔

عربی زبان میں مَا کَانَ لَہٗ کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ یہ بات اس کی شان کے شایاں نہیں۔ یا اس میں یہ قابلیت نہیں ہے۔ فقرہ مَا کَانَ لَہٗ ان یقول کذا کے معنے ہوں گے کہ (۱) اس کی شان اتنی اعلیٰ ہے کہ وہ ایسا گندہ فقرہ نہیں کہہ سکتا (۲) یا یہ بات ایسی ارفع ہے کہ اس کی قسمت کہاں؟

پس آیت مَا کَانَ لِلّٰہِ کے معنے ہیں کہ خدا کی شان ایسی نہیں ہوسکتی کہ اسکی طرف بیٹا بنانے یا بیٹا قرار دینے کا نظریہ منسوب کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ فرمایا ہے محض یہ نہیں کہا کہ اس کا بیٹا ہونا اس کی شان کے خلاف ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اتخاذِ ولد ذاتِ باری کی شان کے منافی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں میں اختلاف ہے بعض حضرت مسیح کے خدا کا بیٹا ہونے کے قائل ہیں اور بعض کا نظریہ یہ ہے کہ خدا نے بیٹا بنایا ہے۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ تھیوریاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ کے الفاظ میں ابنیت کے عقیدہ کی تردید فرمائی جس سے دونوں نظریات کی تغلیط ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ خدا کا بیٹا ہو اور وہ اُسے بیٹا قرار دے یا باہر سے لاکر بیٹا قرار دیدے یہ دونوں باتیں اللہ کی شان کے خلاف ہیں۔

عقیدہ ابنیّت کی تردید اناجیل سے عیسائی لوگ حضرت مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ مثبت دعویٰ کی دلیل مدعی کے ذمہ ہوتی ہے، مدعی اثبات کا ہوتا ہے عیسائی کیا دلیل دے سکتے ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری انجیل میں مسیح کو ابن اللہ کہا گیا ہے مگر یہ دلیل نہیں ہے۔ مندرجہ ذیل حوالجات پر غور کیا جائے:۔

(۱) (نیک لوگ) قیامت کے فرزند ہو کر خدا کے فرزند ہوں گے۔" (لوقا ۲۰/۳۶)

(۲) "میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پلوٹھا ہے۔" (یرمیاہ ۳۱/۹)

(۳) "مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔" (متی ۵/۹)

(۴) "تمہارا باپ تمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے۔" (متی ۶/۸)

(۵) "اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے۔" (متی ۶/۹)

(۶) "تمہارا آسمانی باپ بھی تم کو معاف کریگا۔" (متی ۶/۱۴)

(۷) "تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے۔" (متی ۶/۱۸)

(۸) "ان (چڑیوں) میں سے ایک بھی تمہارے باپ کی مرضی بغیر زمین پر نہیں گر سکتی۔" (متی ۱۰/۲۹)

(۹) "جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحمدل ہو۔" (لوقا ۶/۳۶)

(۱۰) "تمہارے باپ کو پسند آیا کہ تمہیں بادشاہی دے۔" (لوقا ۱۲/۳۲)

(۱۱) "اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے۔" (خروج ۴/۲۲)

بائیبل میں ایسے بیسیوں حوالے موجود ہیں جن میں پیار اور محبت کے طور پر تمام بنی نوع انسان کو خدا کے بیٹے قرار دیا گیا ہے خصوصاً نیک لوگوں اور حواریوں کو خدا کے بیٹے کہا گیا ہے۔ پس حقیقی طور پر مسیح کے خدا کا بیٹا ہونے کا مسیحیوں کے پاس کوئی ثبوت نہیں لہذا اللہ تعالیٰ کا ارشاد مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ برحق ہے۔

بائیبل کی شہادت قرآن مجید کے بیان مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ کی شہادت خود بائیبل میں بھی موجود ہے۔ قرآن مجید نے خدا تعالیٰ کے لئے لفظ اللّٰہ کو اسم ذات قرار دیا ہے بائیبل میں یہوواہ کا لفظ آیا ہے۔ عبرانی زبان درحقیقت عربی زبان کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہوواہ اصل میں یَاھُوَ تھا، یہ بھی صفاتی نام ہے ذاتی نہیں ہے۔ تورات میں اللہ تعالیٰ کے لئے الوہیم کا لفظ آیا ہے جس کے معنے بڑا خدا، شاندار خدا کے ہوں گے۔ ادب کے لئے لفظ الوہیم جمع کر دیا ہے اور رعب ادب و عزت کے لئے زیادہ کر دی جاتی ہے۔ پس خداوند تعالیٰ کا ذاتی نام صرف اللہ ہی ہے اور وہ واحد لاشریک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ خود بائیبل سے بھی ثابت ہے مثلاً کتاب استثناء میں لکھا ہے "سُن لے اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے" (۶/۴) یسعیاہ میں آیا ہے "یہوواہ میں ہوں، یہ میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا" (۴۲/۸) یہ "شوکت نہ دینا" قرآن مجید کے الفاظ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ کی تفسیر ہیں۔

پھر اناجیل میں ہے کہ "یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے کہ اے اسرائیل سُن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے" (مرقس ۱۲/۲۹) "اسی واحد حکیم خدا کی یسوع مسیح کے وسیلے سے ابد تک تمجید ہوتی ہے۔ (رومیوں ۱۶/۲۷)

پس جب تورات اور انجیل ایک طرف خدا کو واحد قرار دیتی ہیں اس کے شریک کی نفی کرتی ہیں اور دوسری طرف بائیبل میں بیٹے کا لفظ پیارے کے معنوں میں بولا جاتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ خدا کے اتخاذِ ولد کا عیسائیوں کا عقیدہ سراسر غلط ہے۔ تورات و انجیل بھی قرآن مجید کے الفاظ مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ کی تائید کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سُبْحَانَہٗ کہہ کر عدم اتخاذِ ولد کی دلیل ذکر فرمائی ہے۔ بیٹا ہونے کا قانون ان چیزوں میں جاری ہے جو اپنے کام کے ختم کرنے سے پہلے پہلے ختم ہو جاتی ہیں۔ انسان، گائے، بیل، پہاڑ، سورج، چاند اور ستاروں پر غور کرلو ہر جگہ نظر آئے گا کہ توالد و تناسل فانی وجودوں میں ہوتا ہے اپنی ضرورت تک موجود رہنے والی چیزوں میں توالد و تناسل کا سلسلہ جاری نہیں ہے۔

دراصل بیٹے کی تین وجوہ ہوتی ہیں (۱) نفسانی شہوت، انسانی جسم میں زائد مادوں کا جمع ہو جانا (۲) ساتھی اور مونس کی ضرورت۔ تورات میں لکھا ہے کہ آدم افسردہ تھا خدا نے اس کی افسردگی دُور کرنے کے لئے اس کی بیوی پیدا کی (۳) مقررہ کام ختم ہونے سے پہلے فنا ہو جانا۔ بیٹے کی ضرورت ان تین امور کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ ان تمام سے پاک ہے یہ سب امور کسی نہ کسی پہلو سے نقص پر دلالت کرتے ہیں خدا تمام قسم کے نقائص سے پاک ہے۔ سُبحانہٗ۔ اسلئے خدا کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔

اِذَا قَضٰی اَمْرًا میں اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ بیٹے کی ضرورت بطور مددگار ہوتی ہے۔ فرمایا خدا تعالیٰ کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی امر کو کرنا چاہتا ہے تو کُنْ کہہ دیتا ہے اور اس کے اس حکم سے وہ چیز ہو جاتی ہے۔ پس اسے کسی مددگار کی بھی ضرورت نہیں۔

ایک اشکال کا حل بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ

کی طرف سے لفظ کُنْ کا مخاطب کون ہوتا ہے۔ آخر کوئی نہ کوئی چیز تو ہو گی جسے خطاب کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ لوگ مادہ کی ازلیت پر استدلال کرتے ہیں۔

مگر یہ سوال درحقیقت عربی زبان کے نہ جاننے اور قرآنی الفاظ پر غور نہ کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔ عربی زبان میں لفظ کُنْ بعض دفعہ اظہارِ خواہش کیلئے بھی آتا ہے ضروری نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی مخاطب بھی سامنے موجود ہو جو تبدیل ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ایک جگہ کُنْ اَبَا خیثمۃ کے الفاظ آتے ہیں۔ حضورؐ کی مراد یہ تھی کہ خدا کرے کہ وہ ابوخیثمہ ہو۔ یہاں پر کُنْ تبدیلی جنس کے لئے نہیں آیا بلکہ ایک خواہش کے اظہار کے لئے آیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ یوں ہو جائے اور ویسے ہی ہو جاتا ہے۔ اس سے مادہ کے ازلی ہونے پر استدلال کرنا سراسر باطل ہے۔

عربی زبان کی یہ خوبی ہے کہ اس کے الفاظ مقتضیٰ پر دلالت کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں شَيْءٌ کے ترجمہ میں چیز یا بات کہیں گے لیکن چیز یا بات کا لفظ حقیقت پر دلالت نہیں کرتا۔ شیئ کا لفظ عربی زبان میں ارادہ کی گئی چیز کو کہیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کے معنے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ جس بات کو کرنا چاہے اس پر اُسے قدرت حاصل ہے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا یَشَاءُ قَدِیْرٌ۔ زیر تفسیر آیت اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا کا عربی زبان کے لحاظ سے صحیح ترجمہ یہ ہو گا کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے جس کے ہونے کا اُس نے حکم دیا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں کسی قسم کا اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ کے معنے ہر بات پر نہیں بلکہ ہر ایسی بات پر جس کے کرنے کا وہ ارادہ کرے۔ اسی طرح اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا کا درست مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی بات کے کرنے کا فیصلہ کرے جو اس کے احکام میں شامل ہے اور جو اس کی شان کے مطابق ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید نے اس آیت میں مدلّل طور پر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہونے کی نفی فرمائی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○ یقیناً اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے تم اُسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی توحید کو ماننا اور اُسی کی عبادت کرنا صراطِ مستقیم ہے۔ پس آؤ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اُس کے غیر کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کی صفات کا موازنہ

اس سورۃ میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰؑ کیلئے بطور ارہاص تھے۔ دوسرے ان دونوں کی صفات میں تشابہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً (۱) حضرت عیسیٰ کا قول ہے اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ حضرت یحییٰ کے متعلق فرمایا اٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا (۲) حضرت مسیح کہتے ہیں وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا۔ حضرت یحییٰ کے متعلق فرمایا حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً (۳) حضرت مسیح کہتے ہیں۔ وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ۔ حضرت یحییٰ کے بارے میں فرمایا وَبَرًّا بِوَالِدَیْهِ (۴) حضرت مسیح نے کہا وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ

یَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۔ حضرت یحییٰؑ کے متعلق فرمایا وَسَلَامٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا۔ (۵) حضرت مسیحؑ نے کہا وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ۔ وصیت پختہ عہد کو کہتے ہیں۔ حضرت یحییٰؑ کو تاکیداً فرمایا۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ۔ غرض یہ تمام صفات حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ کامیابی اور انجام کے لحاظ سے حضرت یحییٰؑ کے لئے فرمایا وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق خبر دی وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۔ ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت یحییٰؑ کی ذاتی خوبی اور ذاتی کامیابی کا ذکر ہے لیکن مسیحؑ کے متعلق جو الفاظ ہیں وہ اُن کی قومی خوبی اور قومی کامیابی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس میں اشارہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کی قوم تو بحیثیت قوم باقی رہے گی لیکن حضرت یحییٰؑ کی قوم بحیثیت قوم باقی نہ رہیگی۔ حضرت یحییٰؑ درمیانی نبیوں میں سے تھے۔ حضرت مسیحؑ سلسلۂ موسویہ کی آخری کڑی تھے۔ سلسلہ کے پہلے اور آخری فرد کو خاص اہمیت ہوتی ہے۔

حضرت یحییٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ پر پیدائش کے وقت سلامتی کے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُن کی پیدائش لوگوں کی روحانی سلامتی کا موجب ہوگی۔ وہ گویا بنی نوع انسان کی سلامتی کا ذریعہ بنیں گے۔

موت واقع ہو جانے کے باوجود کسی انسان پر سلامتی کے ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کام کیلئے وہ شخص کھڑا ہوا تھا اور جو اس کا نصب العین تھا وہ اُس شخص کی موت کے ساتھ بند نہیں ہو گیا بلکہ اسکے مرنیکے باوجود اُسکا کام جاری ہے اور اسکی سچی تعلیم قائم ہے۔ جس شخص کا کام جاری ہو درحقیقت وہ شخص زندہ ہی ہوتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں ما مات من خلف مثلک۔ یہ بات بھی حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ میں مشترک ہے۔ ولادت کے وقت کی سلامتی اور موت کے وقت کی سلامتی اس بات پر دلیل ہے کہ بعثت کے وقت بھی انہیں ضرور سلامتی حاصل ہوگی۔ جب اُن کے مرنے کے بعد بھی ان کا ذکر خیر باقی ہے اور ان کا نام زندہ ہے تو یہ اس امر کی پختہ دلیل ہے کہ اُنہیں بعثت کے وقت بھی سلامتی حاصل رہے گی۔ دُنیا میں بھی ہر سچے نبی کی روحانی زندگی کو قائم رکھا جاتا ہے اور انبیاء کا ایک سلسلہ قائم ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ کی سچائی مشتبہ ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی سچائی کو قائم رکھنے کے لئے حضرت مسیحؑ کو مبعوث فرما دیا۔ حضرت مسیحؑ، حضرت یحییٰؑ اور دیگر انبیاء کی روحانی زندگی کی شہادت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو برپا فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکات کی زندگی اور اُن کے دوام کو ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وَیَتْلُوْہُ شَاہِدٌ مِّنْہُ (ہود) فرمایا ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِہِمْ۔	ان جماعتوں نے باہم اختلاف کیا۔

لفظ احزاب جمع ہے۔ اس کا مفرد حِزْبٌ آتا ہے۔ عربی زبان میں حِزْبٌ کا لفظ انسانوں کی ایسی جماعت کے لئے بولا جاتا ہے جن میں باہم اتحاد ہو۔ کل قوم تشاکلت اعمالھم وقلوبھم فھم حزبٌ۔

اگرچہ لفظ حِزْبٌ کے عام معنے مطلق طور پر انسانوں کی جماعت کے ہیں مگر استعمال کے لحاظ سے اس میں یہ خصوصیت پیدا ہو گئی ہے کہ ایک خیال اور ایک طریق کے لوگوں کی جماعت حزب کہلائے گی۔

اس آیت میں الاحزاب سے مراد وہ جماعتیں ہیں جنہیں حضرت مسیحؑ کے بارے میں دلچسپی تھی۔ ورنہ انہیں حضرت مسیحؑ کے تعلق میں اختلاف کرنے کی کیا وجہ اور کیا ضرورت تھی۔ یاد رہے کہ اختلاف ایک رنگ میں اتحاد کے بعد ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مسلمانوں میں قرآن مجید کے متعلق اختلاف ہو جائے تو یہ اہمیت والی اور قابلِ تعجب بات ہوگی۔ پس خود عیسائیوں کا حضرت مسیحؑ کے بارے میں اختلاف کرنا تعجب خیز بات ہے۔ آیت کے لفظ مِنْ بَيْنِهِمْ نے بھی یہی بتایا ہے کہ یہاں وہی احزاب مراد ہیں جو حضرت مسیحؑ کو ماننے والے تھے۔ ان کی کتاب ایک تھی، عقائد بھی ایک تھے۔ مگر کتنی بدقسمتی ہے کہ پھر وہ اختلاف کرنے لگ گئے۔ عقائد میں اختلاف کر لیا۔ اعمال میں مختلف ہو گئے۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ باہم اختلاف کرنے والے دو گروہوں میں سے ہر ایک حق پر نہیں ہو سکتا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ اس یوم عظیم کی رویت سے ان کافروں کے لئے عذاب عظیم ہوگا۔ لفظ وَيْلٌ کے معنے عذاب اور خدا سے دُوری کے ہیں۔ کافروں کے لئے اُس دن ہلاکت ہوگی۔

یوم عظیم سے مراد خدا کی ملاقات کا دن ہے مومن اُس دن کی تمنا کرتا ہے لیکن کافروں کے لئے وہ دن ہلاکت کا دن ہے۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا۔ یہ صیغہ تعجب ہے اس کے معنے ہیں کہ وہ لوگ اُس دن جب ہمارے پاس آئیں گے کیا ہی خوب سُنتے ہوں گے اور کیا ہی خوب دیکھتے ہوں گے۔ کیونکہ اُس دن کان حقیقت کو سُن رہے ہوں گے اور آنکھیں حقیقت کو دیکھ رہی ہوں گی۔ بعض نحویوں نے اسمع بهم و ابصر کو حقیقی امر کے معنوں میں لیا ہے مگر درست یہی ہے کہ یہ صیغہ تعجب ہے۔

لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ سوال ہوتا تھا کہ اس حقیقت کے انکشاف سے ظالموں کی کیا حالت ہوگی۔ فرمایا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ کہ ظالم کہیں گے کہ یہ کیا نکلا اور ہم نے کیا سمجھا تھا۔ ضَلٰل مبین سے مراد یہ ہے کہ جو ہم مانتے تھے وہ بالکل غلط تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ اُس دن گمراہ ہوں گے بلکہ یہ مراد ہے کہ اس وقت انہیں اپنی گمراہی کا علم ہو جائیگا۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ انہیں یوم الحسرۃ کے بارے میں انذار کر جبکہ حقیقت کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا یا فیصلے کا اعلان کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لاتے یا نہیں لائیں گے۔

بعض دفعہ انسان حقیقت کو دیکھ لیتا ہے مگر اُس کا دل یکدم تبدیل نہیں ہوتا۔ غفلت کا گند اُس کے دل پر جم جاتا ہے اور پُرانی عادت کی وجہ سے وہ اُسے چھوڑ نہیں سکتا اور اسے ایمان لانیکی توفیق نہیں ملتی۔ ایسے لوگ نشان پر نشان دیکھتے ہیں پھر بھی اعتراض ہی کرتے چلے جاتے ہیں، ان کے دلوں میں جذب پیدا نہیں ہوتا۔

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ٥	ہم زمین اور اس کی کائنات کے وارث ہونگے

اور تمام لوگ ہماری طرف رجوع کریں گے۔

یہ ایک زبردست پیشگوئی ہے۔ اس میں آخری زمانہ میں اسلام اور احمدیت کی ترقی کی طرف اشارہ ہے۔

ان آیات کا نزول اُس وقت ہوا جبکہ عیسائیوں کی معمولی حکومتیں تھیں۔ پہلے تو یہ خبر دی گئی ہے کہ عیسائی قوم ترقی کرے گی اور دُنیا بھر میں حکمران ہو جائے گی دوسرے یہ خبر دی گئی ہے کہ پھر ہم عیسائیوں سے حکومت چھین لیں گے اور اسلام کی حکومت آجائیگی۔ اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ کے معنے ہیں کہ وہ لوگ توحید کے قائل ہو جائیں گے۔ وَمَنْ عَلَيْهَا میں اشارہ ہے کہ عیسائیت زمین پر بلحاظ افراد پھیل جائے گی اور پھر ایک دن اُن کی حکومت اُن سے چھن جائے گی اور وہ سب خدا کی ماتحتی قبول کر لیں گے یعنی اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔

بے شک عیسائیت تو کسی نہ کسی رنگ میں قیامت تک باقی رہے گی لیکن حکومت اور افراد کی شان کے لحاظ سے اس کی عظمت جاتی رہے گی۔ اور اسلام کا غلبہ ہوگا اور خدا تعالیٰ کی حقیقی بادشاہت قائم ہو جائے گی +

قرآنی تعالیم اور اسکے تراجم کی اشاعت کی اہمیت

دمشق کے مشہور عالم محمد سعید الحمزاوی لکھتے ہیں :-

"والواقع ان ترجمة القرآن الكريم اثارت فى الفترة الاخيرة كثيراً من الجدل والنقاش فى اطراف العالم الاسلامى غير ان هذا الجدل تكشف عن حقيقة كبيرة آمن بها الجميع و هى ان الاسلام سيظل فى معزل عن التيارات الفكرية التى تأخذ العالم من اقطاره كلها ان هو لم يعرض عرضاً واضحاً وان هو لم تنشر منه آياته البينات وتعاليمه المحكمات"۔

ترجمہ :- یہ واقعہ ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کرنیکے بارے میں گزشتہ دنوں دنیائے اسلام میں بہت لے دے ہو چکی ہے۔ بہرحال اس سے یہ واضح حقیقت سب پر کھل چکی ہے اور سب کو اسے ماننا پڑا ہے کہ آج جو علمی نظریات اور فکری لہریں تمام دنیا پر حاوی ہو رہی ہیں یہ پورے طور پر غالب آجائینگی اگر انکے مقابلہ پر اسلام کو صحیح طور پر دنیا کے سامنے پیش نہ کیا گیا اور اسکے واضح دلائل اور محکم تعلیمات کی اشاعت نہ کی گئی"۔

(عربی رسالہ المواہب اجنٹائن (امریکہ) شوال ۱۳۷۲ھ صفحہ ۱۵)

اِس اقتباس سے ظاہر ہے کہ ممالکِ عربیہ میں بھی یہ احساس شدت سے پیدا ہو رہا ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت اشد ضروری ہے +

تحقیق اُمّ الالسنہ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونے کا قطعی ثبوت

(۱۱)

یورپ اور تحقیق السنہ

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ - لائل پور)

قدامت | تاریخی لحاظ سے زبانوں کا سُراغ تقریباً چار ہزار سال سے آگے نہیں چلتا۔ وجہ یہ ہے کہ فنِ تحریر انسان نے بہت بعد سیکھا ہے۔ زبانیں شروع میں بولی جاتی تھیں اور بہت عرصہ بعد ضبطِ تحریر میں آئیں۔ زبان کا قیام و بقا نطق و سماعت پر موقوف ہے نہ کہ قرطاس و قرأت پر۔ پس قدیم ترین کتبے کسی زبان کی قدامت کا معیار نہیں ہو سکتے۔

جو کتبے یا تحریریں ملتی ہیں اُن کی قدامت کا حال حسب ذیل ہے:-

۱	سمیری زبان کے کتبے	۴ ہزار سال قبل مسیح	میسوپوٹیمیا میں
۲-	Elimatic کتبے	۲ " " "	فارس میں
۳-	وید خصوصاً رگوید	۱۲۰۰ سے ۲ " " "	ہند میں
۴-	Cossaan کتبے	۱۶۰۰ "	میسوپوٹیمیا میں
۵-	Hittite زبان کے کتبے	۱۴۰۰ "	ایشیائے کوچک میں
۶-	قدیم عربی زبان کے کتبے	۸۰۰ سال قبل مسیح	
۷-	اوستا (زرتشتیوں کی کتاب)	۶۰۰ " "	
۸-	اشوک کے کتبے	۳۰۰ " "	

ظاہر ہے کہ کسی قوم یا زبان میں کتبوں یا تحریروں کا پایا جانا زیادہ سے زیادہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ وہ فنِ تحریر سے آشنا تھی اور اُسے کتبے قائم کرنے کا شوق تھا۔ لیکن زبان کی قدامت کا مسئلہ کتبوں کے ملنے یا نہ ملنے سے طے نہیں ہو سکتا اور لامحالہ ہمیں دیگر قرائن سے کام لینا پڑیگا۔ اور کسی زبان کا قدیم یا اُمّ الالسنہ ہونا زبانوں کے موادِ اور داخلی شہادت سے ہی ثابت ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ بعض زبانیں جو کسی زمانے میں بولی جاتی تھیں اب ناپید ہو چکی ہیں جیسا کہ بعض طیور و وحوش جو کسی زمانے میں سطحِ زمین پر آباد تھے اب نایاب ہیں۔

یورپ اور زبانوں کا موازنہ

جاننا چاہیئے کہ جہانتک دُنیا کی مختلف زبانوں کے موازنہ اور مطالعہ کا تعلق ہے یعنی فلالوجی یا علم الالسنہ یہ بہت پُرانی سائنس نہیں ہے۔ بلکہ اِس علم کا آغاز انیسویں صدی کے قریب قریب ہوا ہے۔ اور وہ بھی ایک حُسنِ اتفاق کی بنا پر۔

اہلِ یورپ ہندوستان کے متعلق بہت کم علم رکھتے تھے تاآنکہ انگریزوں اور فرانسیسوں کے درمیان ہندوستان کی دولت کے لئے رقابت شروع ہوئی اور اسکے نتیجے میں یہاں کے ادب و انشاء کو بھی دونو قوموں نے حاصل کرنا چاہا۔

۱۷۶۷ء کی بات ہے کہ فرانسیسی مشنری کورڈکس نامی نے ہندوستان سے ایک فرانسیسی ادارے کو ایک یادداشت بھیجی جس میں یہ توجہ دلانا مقصود تھا کہ سنسکرت اور لاطینی زبانوں کے بعض الفاظ ملتے جُلتے ہیں اور دونو زبانوں کی گرامر میں بھی کچھ مشابہت ہے۔

اس کے بعد بعض دیگر علماء نے بھی یہی نظریہ اختیار کر لیا۔ سر ولیم جونس یورپ میں پہلا سنسکرت دان شمار ہوتا ہے۔ ۱۷۹۶ء میں اُس کا ایک قول تاریخ زبان کے بارے میں مستند سمجھا گیا۔ وَھُوَ ھٰذَا :-

"قدامت کے ادّعا سے قطع نظر سنسکرت ایک حیرت انگیز زبان ہے۔ یہ یونانی زبان سے مکمل تر، لاطینی زبان سے وسیع تر اور اِن دونو زبانوں سے زیادہ لطیف اور خالص ہے لیکن مصادر، الفاظ کے رُوٹ اور وضع صرف و نحو کے لحاظ سے اِن زبانوں اور سنسکرت میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے اور جب کوئی ماہرِ لسانیات اِن تینوں زبانوں کا مطالعہ کرے گا تو اُسے ماننا پڑے گا کہ یہ تینوں زبانیں ایک ہی ماخذ سے نکلی ہیں اور وہ مشترک ماخذ شاید اب موجود نہیں رہا۔"

(علم اللسان مصنفہ جسفرسن ص۳۳)

سر ولیم کا یہ مقولہ تحقیقِ السنہ کے باب میں "کلّ جدید لذیذ" کا مصداق بن گیا۔ سر ولیم نے خود کوئی موازنہ زبانوں کا نہیں کیا۔ لیکن بعد میں آنے والے علماء نے مندرجہ صدر ارشاد کو مشعلِ راہ بنایا اور سنسکرت کو مدِّنظر رکھ کر زبانوں کا موازنہ شروع کیا اور متعدد تصانیف اِس بارے میں خصوصاً جرمن مستشرقین کے قلم سے شائع ہوئیں اور موازنہ السنہ کے پہلو بہ پہلو یہ سوال بھی اُٹھتا رہا کہ زبان کا آغاز کس طریق پر ہوا اور دُنیا کی مختلف زبانوں میں کیا ربط و تناسب ہے۔ غرضیکہ سر ولیم کا مندرجہ صدر قول تحقیق السنہ کی عمارت کیلئے خشتِ اول تھی جس پر مسٹر Bopp (۱۷۹۱ تا ۱۸۶۷) اور وھٹنی، گرم اور پاٹ وغیرہ دیگر علمائے السنہ نے مزید ردے رکھے اور رفتہ رفتہ یورپ میں یہ نظریہ مستحکم ہو گیا کہ دُنیا کی زبانیں تین بڑے خاندانوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔

۱- آرین یا انڈو یورپین یا انڈو جرمن خاندان۔ یہ تینوں اصطلاحیں در اصل ایک ہی نقطۂ خیال کو تین مختلف ناموں سے تعبیر کرتی ہیں۔ لفظ آرین میں اس بات پر زور دینا مقصود ہے کہ سنسکرت ماخذ

اس خاندان کا ہے۔ انڈو یورپین لفظ میں یہ جتانا مطلوب ہے کہ یورپ اور ہندوستان کی زبانیں ایک منبع سے نکلی ہیں۔ اور لفظ انڈو جرمن میں یہ تاکید ہے کہ جرمن زبان اور سنسکرت بڑی بہنیں ہیں۔ غرضیکہ آرین خاندان میں ہندوستان، ایران اور یورپ کی سب زبانیں شامل کی جاتی ہیں۔

۲۔ سامی خاندان (منسوب بہ سام بن نوحؑ) جس میں عبرانی، سُریانی، آرامی اور عربی وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ حامی خاندان (منسوب بہ حام بن نوحؑ) جسمیں قدیم مصری زبان اور شمالی افریقہ اور افریقہ کی دوسری زبانیں ہیں۔

نوٹ: چینی زبان کو بجائے خود علیحدہ زبان سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں الفاظ بالعموم ایک ہی سلیبل رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا تین بڑے خاندان زبانوں کے شمار کئے جاتے ہیں جن میں مشرق اور مغرب کی تقریباً سب زبانیں آجاتی ہیں۔ اس تثلیث کو توڑنا اور عربی زبان کو تمام زبانوں کی ماں ثابت کرنا یعنی توحید کی اشاعت کرنا جماعت احمدیہ کے لئے علمی رنگ میں بھی مقدر ہے۔

سرولیم کی رہنمائی کے علاوہ ایک اور بات بھی اہلِ یورپ کے لئے سنسکرت کے مطالعہ کا باعث ہوئی۔ پانِنی (Panini) سنسکرت کے صرف و نحو کا بہترین عالِم شمار ہوتا ہے۔ اس کا زمانہ ۳۵۰ تا ۲۵۰ قبل مسیح ہے۔ پانِنی کی تصنیف کردہ گرامر اور سنسکرت زبان کے اصول و قواعد کا انضباط ایک بہت بڑا علمی کارنامہ ہے اور مصنف کے علم و فضل، محنت اور جانسوزی کا آئینہ دار ہے۔ چونکہ یورپ میں علم اللسان ابھی ابتدائی حالت میں تھا اسلئے پانِنی کے علم و فضل نے اہلِ یورپ کو خاص طور پر متاثر کیا اور اُن سے خراجِ تحسین حاصل کیا اور اُن کے سمندِ تحقیق کے لئے یہ امر بھی ایک تازیانہ ثابت ہوا تھا کہ سنسکرت کا جاننا مستشرقین کے فضل و کمال کا معیار ٹھہر گیا اور اس طریق پر اُن کی تمام تر توجہ سنسکرت پر مرتکز ہو گئی۔ اور چونکہ طبائع پر یہ اثر تھا کہ آرین خاندان زبانوں کا سب سے پُرانا خاندان ہے جس میں سنسکرت، یونانی اور لاطینی شامل ہے اسلئے لُغت نویسوں نے اس کوشش میں غلو کیا کہ الفاظ کے رُوٹ کسی نہ کسی طرح ان تینوں زبانوں تک پہنچا دیئے جائیں تو غایتِ مقصود حاصل ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مندرجہ صدر تاثرات اور نفسیاتی کیفیت کے لحاظ سے عربی کی طرف توجہ منعطف نہیں ہو سکتی تھی یعنی الفاظ کے ماخذ دریافت کرنے کے لحاظ سے۔

آغازِ زبان کا مسئلہ

زبانوں کے موازنے کے پہلو بہ پہلو آغازِ زبان کا مسئلہ بھی اُٹھتا رہا۔ یعنی یہ سوال کہ ابتداء میں زبان خدا تعالیٰ نے انسان کو سکھائی یا خود انسان نے وضع کی۔ آیا پہلے ہی وہ گفتگو کرنے پر قادر تھا یا گونگا تھا؟ مختلف زبانیں دُنیا میں کس طرح پیدا ہوئیں، ان میں باہمی کیا رشتہ اور تعلق ہے؟ ان مسائل پر جو نظریے قائم ہوئے ان کی تردید و تکذیب ہوتی رہی ہے۔ اور اب تک اِس بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں ہو سکا کہ زبان کی بناء دُنیا میں کیونکر پڑی۔ میکس مُلر کا یہ نظریہ کہ زبان کی ابتداء جاندار یا بے جان چیزوں کی آوازوں کی نقالی سے ہوئی قطعاً غلط قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ خود میکس مُلر نے اِس

عقیدے سے رجوع کر لیا تھا (جسفرسن صفحہ ۴۱) ۔ اور بقول علامہ جسفرسن :- "جو نظریے آغازِ زبان کے بارہ میں میکس مُلر، وہٹنی وغیرہ علمائے السنہ نے قائم کئے تھے اور جس سر بفلک عمارت کو انہوں نے دائم قائم تصوّر کیا تھا وہ عمارت خاک کا ڈھیر ہو چکی ہے۔" (جسفرسن صفحہ ۳)

اور علامہ موصوف کے نزدیک یہ ناممکن ہے کہ انسان شروع میں بات کرنے پر قادر نہ ہو اور یہ کہ اُسکے قوائے نطق بعد کی پیداوار اور آورد ہوں۔ اُن کے نزدیک حق یہی ہے کہ مانا جائے کہ انسان کی خلقت میں قوتِ گویائی ودیعت تھی۔

جسفرسن کی جرح اس بارے میں بڑی لطیف اور معقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زبان کی ابتداء کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ اور یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جب سے انسان اس رُبعِ مسکون پر آباد ہے حیوانِ ناطق پایا جاتا ہے۔ پس اس کی قوتِ گویائی کی بناء پر ابتدائے زبان کے مسئلے کی تحقیق ہونی چاہیئے اور علم سے علم کی طرف رہنمائی ہونی چاہیئے نہ کہ لاعلمی سے علم کی طرف یعنی روشنی میں گم شدہ چیز کو تلاش کرنا چاہیئے نہ کہ اندھیرے میں۔ اور یہ امر کہ زبان کی ابتداء کیا تھی ہمارے لئے ایک اندھیرا اور لاعلمی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ ہے خلاصہ صاحب موصوف کے استدلال کا۔ مطلب یہ کہ عدمِ علم سے عدمِ شئے لازم نہیں آتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس دلیل کو نہایت واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ حضورؑ کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"اور تیرے دل میں یہ بات خلجان پیدا نہ کرے کہ انسان بولتا ہوا اور باتیں کرتا ہوا پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کمال کو بذریعہ تعلیم پاتا ہے جیسا کہ ہم یقینی طور پر مشاہدہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ اعتراض در اصل تیرے خلاف ہے نہ کہ تیرے حق میں۔ پس اپنے حال کو درست کر اور اپنے دل کو خوابیدہ لوگوں کی طرح غافل مت کر۔ کیونکہ جب تُو نے قبول کر لیا کہ بولنا صرف تعلیم کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے سو تجھے اس بات کا قبول کرنا بھی لازم آگیا کہ پہلا انسان بھی بجز سکھانے کے خود بخود نہیں سمجھ سکا۔ پس اس صورت میں تو تُو نے اس بات کا اقرار کر دیا جس کا تُو نے انکار کر دیا تھا۔ یہی درست ہے اگر تُو سوچے اور فکر کرے۔ اور یہ بات تحقیق شدہ ہے اور لوگ آزما چکے اور آزمائش اور قیاس نے بالاتفاق یہ گواہی دی کہ بچے جو پیدا ہوتے ہیں اگر وہ بے تعلیم چھوڑے جائیں اور کوئی سکھانے والا اُن کو زبان نہ سکھاوے پس وہ خود بخود بولنے پر قادر نہیں ہو سکتے اور نہ بُلانے والوں کو جواب دے سکتے ہیں۔ بلکہ گونگوں کی طرح چُپ رہتے ہیں۔ پس اس سے بڑھ کر اس شخص کیلئے کونسی واضح دلیل ہوگی جو طالب اور امین ہے۔ جو گمراہوں کی راہ پر نہیں چلتا۔"

"اور یہ بات اجلیٰ بدیہیات سے ہے کہ آدم خدا تعالےٰ کے ہاتھ سے پیدا کیا گیا اور

اُس وقت کوئی معلّم یا معلّمہ آدم کے ساتھ موجود نہ تھا۔ پس ثابت ہوا کہ آدم کا معلّم اور بولی سکھانے والا خدا تعالیٰ ہی تھا۔ کیا تُو قادر زبردست خدا کی قدرت پر ایمان نہیں لاتا؟"

(منن الرحمٰن صفحہ ۵)

"خدا تعالیٰ نے تمام جانداروں میں سے نُطق کو بشر کے ساتھ خاص کیا ہے۔ پس جیسا کہ انسان نے زندگی کو صرف خدا تعالیٰ سے پایا ہے اسی طرح اُس نے بولنے کو بھی صرف اُس محسنِ حقیقی سے پایا ہے۔ اور یہی سچی بات ہے کیا تُو اُن لوگوں میں سے ہے جو شک کرتے ہیں۔ اور اگر تجھے یہ گمان ہے کہ تیری ماں نے تجھے بولنا سکھایا۔ سو تیری پہلی ماں کو کس نے بولنا سکھایا تھا۔" (منن الرحمٰن صفحہ ۶۳)

نقّار خانے میں طوطی کی آواز

سنسکرت کے متعلق

یہ نظریہ کہ وہ آرین یا انڈو یورپین زبانوں کی ماں ہے گو شروع میں مقبول رہا لیکن بالآخر اس میں بھی علمائے یورپ کو ترمیم کرنی پڑی۔ اُوپر سر ولیم کا قول درج ہو چکا ہے کہ سنسکرت لاطینی اور یونانی زبانوں میں بہت کچھ مشارکت ہے لیکن ساتھ ہی صاحب موصوف کو اعتراف ہے کہ اِن تینوں زبانوں سے پہلے ایک اَور زبان تھی جو اِن تینوں کی ماں تھی۔

اِس ترمیم کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ جہاں تینوں زبانوں کے سرمایۂ الفاظ میں بہت سی مشارکت پائی جاتی ہے کثیر سرمایہ ایسا بھی ہے جو مشترک نہیں بلکہ مغائر ہے یعنی لاطینی اور یونانی کے کثیر الفاظ ایسے بھی ہیں جو سنسکرت میں نہیں ملتے۔ والعکس بالعکس۔ اسلئے لامحالہ عقل نے تقاضا کیا کہ سنسکرت کی بجائے قبل از سنسکرت ایک اَور زبان کے وجود کو تسلیم کیا جائے۔ جس میں اِن تینوں زبانوں کے الفاظ موجود ہوں۔ گویا اِس نقار خانے میں گاہ گاہ طوطی کی آواز بھی بلند ہوتی رہی ہے اور اقوالِ ذیل اسکے شاہد ہیں۔ (مصنفین کے نام سے اُن کی کتاب علم اللسان کے صفحات درج کئے گئے ہیں)

(ا) "زبانوں کے اشتراک کے بارے میں پُرانی پریشان خیالیاں کچھ عرصہ تک مقبول رہیں۔ اور یہ خیال کیا گیا کہ یورپ کی زبانیں سنسکرت سے نکلی ہیں لیکن جلد ہی اس رائے کو بدلنا پڑا اور ایک دوسرا اقرب بصواب نظریہ اختیار کرنا پڑا کہ زمانہ قبل از تاریخ میں ایک اَور زبان تھی جسے "زبان قبل از آرین" یا "قبل از انڈو یورپین زبان" کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں جس نے رفتہ رفتہ سنسکرت، لاطینی اور یونانی زبانوں کی مختلف شکلیں اختیار کر لیں۔"

(بلوم فیلڈ صفحہ ۱۲)

یہ نظریہ سر ولیم جونس نے ۱۷۸۶ء میں پیش کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا کہ شاید وہ قدیم تر زبان اب دُنیا میں باقی نہیں رہی۔ یہ "شاید" کا لفظ بہت قابلِ غور ہے۔ کیونکہ اِس انکار میں اقرار کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

(ب) بعض علماء نے عبرانی زبان کو تمام زبانوں کا منبع قرار

دیا۔ لیکن دوسرے علماء نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔

(بلوم فیلڈ ص۹)

(ج) جرمن ماہرِ لسانیات مسٹر Bopp جو سنسکرت کا بہت بڑا فاضل تھا کہتا ہے :۔

"میرا میلان طبع اِس طرف ہے۔ کہ خود سنسکرت، لاطینی اور یونانی زبانیں ایک قدیم تر زبان سے متفرع قرار دی جائیں۔ اور وہ قدیم تر زبان سنسکرت میں بہ نسبت دوسری زبانوں کے زیادہ محفوظ رہ گئی ہے۔"

(جسفرسن ص۲)

(د) "شاید ابتداء میں کُل تین یا چار زبانیں ہوں گی لیکن یہ بھی ممکن ہے (گو غیر اغلب ہے) کہ ایک اور صرف ایک ہی زبان ابتداء میں ہو۔ لیکن ہمارے پاس اِس بات کا بھی ثبوت نہیں۔ کہ ابتداء میں تین یا چار زبانیں تھیں۔ اور جب کسی قائل کو معلوم ہو کہ اس کی تردید کیلئے واقعاتی ثبوت موجود نہیں ہیں تو اس کے لئے کسی نظریہ کا قائم کر لینا اور نادر خیالات کا اظہار کر دینا بڑا سہل ہوتا ہے۔" (پارٹرج ص۴)

(ہ) "ہو سکتا ہے کہ سامی زبانیں (عبرانی، سُریانی، عربی وغیرہ) انڈو یورپین خاندان کے اندر ابتداء میں شامل ہوں لیکن یہ امر ابھی تک قطعی طور پر ثابت نہیں ہو سکا۔" (پارٹرج ص۸)

مندرجہ بالا حوالجات سے ظاہر ہے کہ علماء کو اِس بات پر ہرگز تسلّی نہیں کہ سنسکرت اُمّ الالسنہ ہے بلکہ رفتہ رفتہ وہ اِس طرف آتے گئے ہیں کہ کوئی اَور زبان سنسکرت کی ماں تھی۔ اور اس سے بھی آگے اُن کی نظر مجبوراً ہو گئی ہے کہ دُنیا کی کُل زبانوں کا ایک زبان سے ماخوذ و متفرع ہونا قرینِ قیاس ہے۔ ہاں ثبوت کی ضرورت ہے۔ اِس آخری نظریہ کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے نظریے دل کو سکینت و اطمینان نہیں دے سکتے اور کوئی نہ کوئی دغدغہ اور خرخشہ ضرور باقی رہتا ہے۔ حوالجات مذکور علماء کی اس نفسیاتی کیفیت کے غمّاز ہیں۔

علاوہ ازیں خود لفظ سنسکرت اِس بات کی تردید کرتا ہے کہ وہ اُمّ الالسنہ یا قدیم ترین زبان ہو۔ کیونکہ سنسکرت کے معنی ہیں "صاف یا آراستہ کی گئی"۔ اِس سے ظاہر ہے کہ کسی سابقہ زبان کو بخیالِ خود صیقل کر کے سنسکرت کی موجودہ شکل قائم کی گئی ہے اور پہلے اُس کی اور شکل تھی جس میں بزعم خود آراستگی بروئے کار لائی گئی۔ وہ آراستگی کیا تھی۔ یہ ہم آئندہ ایک قسط میں بیان کریں گے انشاء اللہ۔

خلاصۂ کلام۔ القصہ تاریخی کتبے کسی زبان کی قدامت کا ثبوت نہیں ہو سکتے۔ اور فلالوجی ابھی ایک نیا علم ہے سنسکرت کا مطالعہ یورپ والوں نے اپنی علم دوستی کی وجہ سے کیا۔ اور گو پہلے اُسے انڈو یورپین زبانوں کی ماں سمجھا گیا لیکن رفتہ رفتہ اِس نظریے کی تردید ہو گئی اور کسی اَور زبان کو آرین زبانوں کی ماں تصور کیا گیا۔ اور بعض کا میلانِ طبع یہ بھی ہے کہ دُنیا کی تمام زبانوں کا مخرج اور منبع ایک اور صرف ایک زبان کا ہونا بھی ممکن ہے بشرطیکہ ثبوت بہم پہنچایا جائے۔ اس رفتار سے ظاہر

ہے کہ ؎

آرہا ہے اِس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگاہ زندہ وار

قدم بہ قدم علماء اِس طرف آتے گئے ہیں کہ ابتداء میں ایک ہی زبان کا ہونا قرینِ قیاس اور عند العقل ممکن ہے مگر اس کا ثبوت درکار ہے اور بس۔ تحقیق و تدقیق کے بعد علمائے یورپ کا یہ وہ آخری حرف ہے جو ۱۸۹۵ء سے جماعتِ احمدیہ کا حرفِ اوّل ہے۔ جو بانی سلسلہ احمدیہ نے اعلام و الہامِ الٰہی کی روشنی میں اور نیز عقل و درایت کی رُو سے دُنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ یہ دونوں امور منن الرحمٰن میں درج ہیں اور حسب منطوق واختلاف السنتکم والوانکم انّ فی ذٰلک لاٰیٰت للعٰلمین قرآن شریف نے سب سے پہلے اشتراکِ السنہ کی طرف توجہ دلائی۔

اُوپر کے حوالوں سے ظاہر ہے کہ کسی زبان کے قدیم یا اُمّ الالسنہ ہونے کا سوال علمائے یورپ کے نزدیک ابھی تشنۂ تحقیق اور امرِ تنقیح طلب ہے نہ کہ نزاعِ فیصل شدہ۔

ایک سوال یہاں پر طبعاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ سنسکرت سے قبل ایک زبان کا وجود محققین کو تسلیم ہے۔ لیکن اس زبان کی دُنیا میں اب تک موجودگی کے بارہ میں انہیں شک ہے۔ ملاحظہ ہوں حوالجات مذکورہ۔ پس سوال یہ ہے کہ وہ قدیم تر زبان جس کے برگ و بار سنسکرت میں پیدا ہیں، جس کے ازہار و اثمار لاطینی میں ہویدا اور جس کے اظلال و آثار یونانی میں نمایاں ہیں، وہ اس قدر وسیع زبان جس کی رنگ و بُو مشرق و مغرب پر چھا گئی خود دُنیا سے کس طرح ناپید ہو گئی۔ وہ کوئی چھوٹی سی چیونٹی نہ تھی جو گم یا نظر سے اوجھل ہو گئی بلکہ وہ ایک ہاتھی معہ ہودہ تھی جو غائب اور بے سُراغ ہے۔ یہ ایک سوال ہے جو علماء نے ضمناً اُٹھایا ہے:۔

(الف) "یہ ایک تاریخی حادثہ ہے کہ ان زبانوں (سنسکرت، لاطینی، یونانی) کے متعلق ہمارے پاس کوئی تاریخی ریکارڈ موجود نہیں ہے کہ ابتدائی حالت میں یہ کس طرح بولی جاتی تھیں۔ پیشتر اسکے کہ ان میں تفرقہ واقع ہوا"

(بلوم فیلڈ صـ۱۳)

"اور نہیں معلوم کہ ابتداء میں الفاظ مفرد سے مرکّب کیونکر بنے" (بلوم فیلڈ صـ۱۷)

(ب) اسی خیال نے سر وکیم کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ "شاید" وہ زبان اب دُنیا میں موجود نہیں۔

(ج) اور اسی خیال نے مسٹر پارٹرج کو گدگدایا کہ ممکن ہے ابتداء میں سامی زبانیں اور انڈو یورپین زبانیں ایک ہی خاندان میں شامل ہوں۔

علماء کے اس تذبذب سے ظاہر ہے کہ صداقت پس پردہ جھانک رہی ہے اور جلوہ آرائی کی منتظر ہے اور یہی وہ فتح باب ہے جو انشاء اللہ جماعت احمدیہ کے ہاتھ سے عمل میں آئے گا اور عربی زبان کا اُمّ الالسنہ ہونا دُنیا پر ثابت ہو کر رہے گا۔ تا خدا تعالےٰ کی توحید و تفرید اور اسلام اور قرآن حکیم کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور احمدیت کی صداقت مہرِ نیمروز کی طرح روشن ہو۔

عربی کا اُمّ الالسنہ ہونا

جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا علماء کی تحقیق نے ہمارے راستہ کو بہت کچھ صاف اور ہموار کر دیا ہے اور ہمارے لئے اب یہ دکھانا باقی ہے کہ عربی سے سنسکرت، لاطینی اور یونانی کی مشارکت ثابت کر دیں۔ تا اِن سے پہلے جو زبان تھی اُس کا وجود متحقق ہو جائے خصوصاً وہ الفاظ جو اِن زبانوں میں مشترک نہیں اور ایک چوتھی زبان کو چاہتے ہیں اُن کا عربی سے ماخوذ ہونا ہم ثابت کر دیں تو بات ختم ہو جاتی ہے۔

یہ بھی ایک تصرفِ الٰہی معلوم ہوتا ہے کہ اِن علماء کی توجہ عربی کی طرف نہیں گئی کیونکہ منشاءِ الٰہی تھا کہ یہ امر آخری زمانہ میں مسیح موعودؑ اور اس کی جماعت کے ہاتھوں سے تکمیل پائے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے اِس علم کی بنیاد بہت پیشتر سے ڈالدی اور غیروں کے قلم سے ایسے نظریے تسلیم کرا دیئے جو تحقیق اُمّ الالسنہ کے بارے میں مفید ہوں۔ اور مخالف کو اُس کے مسلمات سے قائل کیا جا سکے۔

پس ہماری منزلِ مقصود بفضلِ ایزدی دُور نہیں رہی۔ اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ آرین زبانیں عربی سے نکلی ہیں تو عربی کا قدیم ترین اور کامل اور مکمل زبان ہونا خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکن ابھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آیا زبان انسان کو خدا تعالیٰ نے سکھائی یا اُس نے خود وضع کی۔ لیکن علمائے السنہ جو زبان کے الہاماً سکھائے جانے کے قائل نہیں تو اس کی وجہ وہ زبانوں کا نامکمل ہونا بیان کرتے ہیں ورنہ انہیں تسلیم ہے کہ اگر کوئی زبان مکمل ثابت ہو تو بالضرور وہ خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہوگی نہ کہ انسان کی۔ ملاحظہ ہوں حوالجات ذیل:۔

(ا) میکس مُلر کا قول ہے کہ:۔

"زبان کی غرض اظہارِ مدعا ہے۔ اسلئے الفاظ ایسے ہونے ضروری ہیں کہ اِس مدعا کو پُوری طرح ادا کر سکیں نہ کم نہ زیادہ۔ اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ زبان کسی علیم کُل اور قادرِ مطلق ہستی نے بنائی ہو لیکن چونکہ زبان نامکمل انسانوں کے ذریعہ سے ہی ترقی پذیر ہوئی ہے اسلئے ہر طرح ممکن ہے کہ ادائے مفہوم میں انسان ناکام رہے ہوں۔ اور اسے بلاکم و کاست ادا نہ کر سکے ہوں۔" (جسفرسن ص۳۱۶)

(ب) "آئندہ آنے والے علمائے السنہ کو چاہیئے کہ بمقابلہ حقیقت کے اپنی لاعلمی کا اعتراف کریں۔" (جسفرسن ص۳۱۸)

(ج) "کوئی زبان بھی مکمل نہیں ہے اسلئے مختلف زبانوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور چھوٹی سے چھوٹی زبان بھی دلچسپی سے خالی نہیں لاطینی اور یونانی کو سب زبانوں سے بہتر سمجھ لینا غلطی ہے۔" (جسفرسن ص۳۲۰)

احادیثِ نزولِ عیسیٰؑ کے راویوں کی تحقیق!

جناب قاضی محمد یوسف صاحب - پشاور

محترم تمنا صاحب کا ایک مضمون رسالہ طلوع اسلام کراچی ماہ اگست ۱۹۵۳ء میں میری نظر سے گذرا۔ تمنا صاحب صحیح بخاری کی احادیث نزولِ عیسیٰ کے راویوں کی تحقیقات میں نہایت سُوظنی میں مبتلا نظر آئے۔ انکی اصل غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ راوی حدیث کا تعین نہیں ہو سکتا لہذا امام بخاریؒ ہی نے محض سینہ زوری سے یہ بے سند احادیث اُمتِ محمدیہ کے گلے مڑھ دی ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں کوئی عیسیٰ آئے گا۔

محترم تمنا صاحب نے صاف اعلان فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ ناصریؑ از روئے قرآن کریم فوت ہو چکے ہیں اور دوبارہ کسی فوت شدہ انسان کے ظہور اور آمد کا انتظار خلاف سُنت اللہ و کلام اللہ ہے۔ ہمارا بھی اس اعلان پر صاد ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

لیکن تمنا صاحب سراپا تمنا ہیں کہ خدا کرے قرآن کریم میں کسی عیسیٰ کی آمد اور ظہور کا ذکر موجود نہ ہو اور احادیث صحیح بخاری کو خود وہ مشکوک کر دکھاویں گے اس طرح کسی عیسیٰ کا انتظار صرف وہم کا افتراء رہ جائے گا اور اُن کی جان حضرت احمد قادیانی کے مثیلِ عیسیٰ ہونے سے چھوٹ جائیگی۔ احادیث کو بے اعتبار ثابت کر کے محض ظن کہیں گے اور ظن کسی نبی کے دعویٰ کی بُنیاد کیونکر ہو سکتا ہے بس سارا قصہ ختم ہو جائے گا۔

مگر نہایت افسوس ہے کہ محترم تمنا صاحب کی تمنا پوری نہ ہوئی کیونکہ ان کی گاڑی غلط راستہ پر چل پڑی ہے اس واسطے منزلِ مقصود بھی غلط ثابت ہوئی۔

نہ تو حضرت احمدؑ کا دعویٰ ہے کہ میرے دعویٰ کی بُنیاد احادیث ہیں اور نہ کوئی احمدی ایسا یقین رکھتا ہے بلکہ ہر نبی اور رسول کا دعویٰ صرف کلام اللہ یا اپنی وحی پر ہوتا ہے اور حضرت احمدؑ کا دعویٰ بھی صرف اپنی وحی اور قرآن کریم پر مبنی ہے جو کلام اللہ ہیں اور کسی حدیث پر ان کے دعویٰ کی بنیاد نہیں۔ پس یہ کوشش بے سُود ثابت ہوئی۔

محترم تمنا صاحب نے ایک نوٹ حاشیہ میں لکھا ہے کہ آپنے کسی احمدی سے کسی وقت کوئی مباحثہ کیا جو آج تک طبع نہ ہو سکا نہ دُنیا اُن کے دعویٰ اور دلائل سے واقف ہوئی مگر اعلان فرمایا کہ احمدی کو شکست ہوئی اور دم مارنے کا موقع نہ ملا۔ لہذا ہم بھی داد فتح دیتے ہیں تاکہ تمنا صاحب کی تمنا بہت جلد پوری ہو اگرچہ فریقین کے دلائل سے دُنیا واقف نہ ہو۔

محترم تمنا صاحب کی دوسری تمنا یہ تھی کہ صحیح بخاری کی احادیث دربارہ نزولِ عیسیٰ کے راوی اگر مشکوک کر دیئے جاویں تو حضرت احمدؑ قادیانی کے دعویٰ مثیلِ عیسیٰ ہونے کی بنیاد گر کر دعویٰ کو باطل کر دیگی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ تمنا بھی پُوری نہ ہوئی۔

احادیث کی صحت کے بارے میں ان کی نظر مَن قال پر ہے یعنی راویانِ حدیث پر۔ اور احمدی کی نظر ما قال پر یعنی کیا وہ حدیث جو زیرِ بحث ہے کلام اللہ یعنی قرآن کریم کی توضیح و تشریح اور تفسیر کر رہی ہے یا اس کے خلاف قرآن کریم کی

ترمید کر رہی اور خلاف کہہ رہی ہے۔

اگر خود قرآن کریم ہی سلسلۂ مماثلت کا قائل ہو، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل حضرت موسیٰ کہتا ہو، خلفائے اُمتِ محمدیہ کو خلفاءِ اُمتِ موسویہ کا مثیل ٹھہراتا ہو اور آنیوالے مثیلِ عیسیٰ کو حضرت عیسیٰ کا مثیل کہتا ہو اور ان کے ظہور کو لازمی اور یقینی ٹھہرا کر سلسلۂ خلفاءِ محمدیہ کو سلسلۂ خلفاءِ موسویہ کی تکمیل قرار دیتا ہو، تو احادیث محض اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ آنے والا بوجہ غایت درجہ مشابہت کے عیسیٰ اور ابن مریم اور المسیح کہلایا جیسا کہ حضرت مریمؑ کو مریم بنت عمران اور اُختِ ہارون کا خطاب دیا گیا اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اہلِ عرب نے ابن ابی کبشہ ٹھہرایا۔ اور سخی کو حاتم اور بہادر کو رستم کہتے ہیں۔

ہم بطور مزید تشریح کسی قدر مختصر سا نقشہ قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں اور مفصل حضرت احمدؑ کی کتب میں موجود ہے۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت مثیلِ موسیٰ

(۱) خدا تعالیٰ کلام اللہ میں فرماتا ہے:۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (سورۃ مزمل آیت ۱۶)

اے مومنو! ہم نے تمہاری طرف ایک عظیم الشان رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھیجا ہے جو تمہارے اوپر شاھد یا گواہ ہے۔ یہ اُس عظیم الشان رسول (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے مانند یا اس کا مثل ہے جو ہم نے فرعونِ مصر کی طرف بھیجا تھا۔" اس آیت میں لفظ کَمَا۔ جو حرفِ تشبیہ ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰؑ کا مثیل اور مانند ثابت کرتا ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ سورۂ احقاف آیت ۱۱ میں شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فرما کر وضاحت کرتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عظیم الشان شاہد رسول (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے اپنے مثیل یا مثیل موسیٰ (حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کے ظہور کی خبر دی ہے جو توریت کتاب استثناء باب ۱۸-آیت ۱۵-۱۸ میں مذکور ہے:۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کریگا تم اس کی طرف کان دھریو۔" (آیت ۱۵)

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔" (آیت ۱۸)

توریت میں حضرت موسیٰؑ نے خدا کے علم سے خبر دی ہے، کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں بنی اسماعیل میں سے ایک عظیم الشان نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت موسیٰؑ کے مانند یا مثل ظاہر کرے گا۔ توریت میں "مانند" کے الفاظ ہیں اور قرآن کریم میں "کَمَا" اور "مثل" کے الفاظ ہیں جو تینوں ہم معنی ہیں۔ اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ثابت ہیں۔ توریت استثناء باب ۳۳۔ آیت ۱-۲ میں اس نبی مثیل موسیٰ کو وادی فاران سے جلوہ گر ہونے کی خبر دی ہے اور اس کو روشن شریعت کا شارع قرار دیا ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ توریت یا شریعت موسویہ کے شارع گذرے ہیں۔

سلسلۂ خلفاءِ موسویہ

(۱) خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے لَقَدْ اٰتَيْنَا

مُوسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ
وَاٰتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ (سورۃ البقرہ
آیت ۵۴) یعنی ہم نے حضرت موسیٰؑ کو الکتاب یا کتاب الشریعت
دی جس کو توریت یا صحفِ موسیٰ اور کتاب موسیٰ بھی کہا گیا ہے۔
پس سلسلۂ خلفاء موسویہ میں آغاز کے نبی اور شارع رسول حضرت
موسیٰؑ ہوئے ہیں۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۳ میں توریت کہا ہے،
سورۃ الاعلیٰ آیت ۲۰ میں صحفِ موسیٰ کہا ہے اور سورۃ احقاف
آیت ۱۱ میں کتاب موسیٰ کہا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت یوشعؑ نبی سے لیکر حضرت
یحییٰؑ نبی تک بارہ سو سال کا زمانہ ہوتا ہے اور اس زمانہ میں
بارہ نقیب مبعوث ہوئے جیسا کہ اسی آیت میں مذکور ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيلَ
وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا۔
(سورۃ المائدہ آیت ۱۳)

یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے توریت کی
شریعت کی پابندی کا میثاق لیا اور اس میثاق کی تعمیل کے
واسطے ان میں ہم نے بارہ نگران یا محافظ مبعوث کئے۔ ہر
محافظ قریباً سو سال بعد مبعوث ہوا۔

ان نقیبوں کو سورۃ البقرہ میں قَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ
بِالرُّسُلِ کہہ کر الرسل سے یاد کیا گیا ہے اور لفظ
قَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ میں ان رُسل کو حضرت موسیٰؑ کے بعد
اُن کا نائب، جانشین اور خلفاء ظاہر کیا گیا ہے جو حضرت
موسیٰؑ کے تابع اور توریت کی شریعت کے پیرو تھے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ج
يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ
هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا
مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ج (سورۃ المائدہ
آیت ۴۳) یعنی توریت (حضرت موسیٰؑ پر) نازل کی تھی اسمیں
ہدایت اور نور ہے۔ اس توریت پر انبیاء جو حضرت موسیٰؑ
اور توریت کے تابع تھے یہودیوں کے تنازعات کے فیصلے
کیا کرتے تھے۔ نیز ربانی لوگ (جو اُمتِ محمدیہ میں محدث اور
مجدد کہلاتے تھے) اور علماء صالحین بسبب اس کے کہ ان
لوگوں سے کتاب اللہ (توریت) کی حفاظت کا عہد لیا گیا
تھا اور وہ اس توریت پر گواہ تھے۔ اس آیت میں ان الرسل
کو النبیون کہا گیا ہے۔ گویا یہ تابع توریت نبی تھے۔

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۸۵ بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ
شارع رسول تھے صاحبِ شریعت تھے۔ آپؑ کی وفات کے
بعد آپؑ کے خلفاء بارہ سو سال تک بارہ نقیب ہوئے جو
تابع نبی اور رسول کہلاتے تھے۔ ان سب کے آخر میں خاتم الخلفاءؑ
موسویہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہوئے جو تیرھویں صدی کے
آخر اور چودھویں صدی کے سر پر مبعوث ہوئے۔ یہ بھی
قَفَّيْنَا کے ماتحت حضرت موسیٰؑ کے تابع نبی اور شریعتِ
توریت کے مطیع اور متبع رسول تھے۔ یہ سلسلۂ خلفاء موسویہ
ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔

سلسلۂ خلفاء محمدیہ

سورۃ مزمل کی آیت ۱۶۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ
رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى
فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل
حضرت موسیٰؑ ثابت کرتی ہے اور لفظ کَمَا اس کا ثبوت ہے

جس کا ترجمہ سورۂ احقاف کی آیت شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ میں مِثْلِهٖ کیا گیا ہے۔ اور توریت استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ میں لفظ "مانند" وارد ہے۔ آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (سورہ نور آیت ۵۵) یہ خبر دیتی ہے کہ خدا تعالےٰ نے اُمتِ محمدیہ کے مومنین سے جو اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو رُوئے زمین میں خلافتِ محمدیہ کا وارث بنائے گا اور یہ خلفاءِ محمدیہ ان خلفاءِ موسویہ کے مانند ہونگے یا اُن کے مثیل ہوں گے جو اُن سے پہلے ہو گذرے ہیں۔

استخلف الذین من قبلھم سے مراد وہی خلفاءِ موسویہ ہیں جن کا ذکر آیت قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ میں ہوا ہے۔ پس خلفاءِ اُمتِ محمدیہ ہر صدی کے سر پر (جیسا کہ حدیث ان اللّٰہ یبعث لھذہ الامّۃ علی راس کلّ مائۃ سنۃ من یجدّد لھا دینھا (ابوداؤد) میں مذکور ہے) مبعوث ہوں گے۔ اُمتِ محمدیہ کا خلیفۂ اوّل اُمّتِ موسویہ کے خلیفۂ اوّل کا مثیل ہے۔ خلیفہ دوم خلیفۂ دوم کا۔ خلیفہ سوم خلیفۂ سوم کا۔ خلیفہ چہارم خلیفہ چہارم کا۔ خلیفہ پنجم خلیفۂ پنجم کا۔ خلیفہ ششم خلیفۂ ششم کا۔ خلیفہ ہفتم خلیفۂ ہفتم کا۔ خلیفہ ہشتم خلیفۂ ہشتم کا۔ خلیفہ نہم خلیفۂ نہم کا۔ خلیفہ دہم خلیفۂ دہم کا۔ خلیفہ یازدہم خلیفۂ یازدہم کا۔ خلیفہ دوازدہم خلیفۂ دوازدہم کا۔ یہاں تک کہ اثنی عشر نقیباً کی مماثلت پُوری ہوگئی۔ اس کے بعد چودھویں صدی پر اُمّتِ موسویہ میں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ خلیفہ سیزدہم ہوئے ہیں۔ جو بقول علامہ تمنا فوت ہو چکے ہیں (دیکھو رسالہ طلوعِ اسلام ماہ اگست ۱۹۵۳ء صـــ) پس اُمّتِ محمدیہ کا خلیفۂ سیزدہم چودھویں صدی کے سر پر حضرت (احمدؑ) مثیلِ عیسیٰ ابن مریمؑ ہونا تھا اور ہونا چاہیئے کیونکہ یہ سلسلہ محمدیہ سلسلۂ موسویہ کا مثل واقع ہوا ہے یہاں کسی نبی کا اصل ہو کر آنا خلافِ آیاتِ قرآنیہ ہے۔ چونکہ آغاز سلسلۂ محمدیہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مثیلِ موسیٰؑ سے ہوا اور خلفاء محمدیہ خلفاء موسویہ کے مثیل ہونے تھے اور ہوئے تو اُمتِ محمدیہ کا آخری خلیفہ لازماً مثیلِ عیسیٰ ہونا تھا اور ہوا۔ اور اصل عیسیٰؑ جو فوت ہو چکا ہے اور جس کے ظہور کے منتظر ہمارے مخالف علماء خلافِ قرآن کریم بیٹھے ہوئے ہیں پس یہ نزول و ظہور حضرت مثیل عیسیٰؑ کا اُمتِ محمدیہ میں قرآن کریم سے ثابت ہے اور احادیث نے اس کی وضاحت کی اور جس طرح سورۂ نور کی آیتِ استخلاف میں ایک طرف كَمَا میں مماثلت کی خبر دی تو دوسری طرف لفظ مِنْكُمْ نے اُن کے مسلمان اور اُمتِ محمدیہ میں ہونے کی خبر دی اور حدیث بخاری کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم میں امامکم کو منکم سے واضح کر دیا کہ وہ اُمتِ محمدیہ کا ایک فرد ہے اور بنی اسرائیل کا عیسیٰ جو رسولاً الیٰ بنی اسرائیل تھا اُمتِ محمدیہ کا نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔

سورۂ احقاف کی آیت نے حضرت موسیٰ کو شَهِدَ شَاهِدٌ کہہ کر شاہد کا خطاب دیا اور سورۂ مزمل آیت ۷ میں حضرت مثیلِ موسیٰ کو شاهدٌ علیکم کہہ کر شاہد کا خطاب دیا۔ سورۂ ہُود آیت ۱۸ خبر دیتی ہے کہ افمن کان علیٰ بیّنۃٍ من ربّہ جس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یتلوہ شاھدٌ منہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک اور شاہد من اللہ کی خبر دی ہے جو ہمارے نزدیک

حضرت احمد قادیانیؑ ہے وہ بھی شاہد کا خطاب رکھتا ہے۔ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً میں حضرت موسیٰؑ کے شاہد ہونے کا ذکر آتا ہے۔

آیت یتلوہ شاھدٌ منہ میں لفظ یتلو اس شاہد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع، خلیفہ اور جانشین ثابت کرتا ہے اور منہ کا لفظ اس کو ایک طرف من اللہ ثابت کرتا ہے دوسری طرف اس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز اور روحانی فرزند بتاتا ہے۔ اور جس طرح چودھویں کا چاند اپنے سورج کا عکس ہے اسی طرح آنے والا شاہد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس اور بروز ہوگا۔ یہ تمام کیفیت امام راغب نے اپنی مفردات میں لفظ تلی، یتلو کے ماتحت بالتشریح بیان فرمائی ہے۔

مثیل ہونے کا ثبوت

بعض کافر مثیل امرأۃ نوح اور امرأۃ لوط ہیں۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ
وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا
صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰھُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْھُمَا مِنَ اللّٰہِ
شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ۝

(سورۃ التحریم آیت ۱۰)

یعنی کافروں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیبیوں کا مثیل قرار دیا ہے وہ دونوں ہمارے دو صالح بندوں کے ماتحت تھیں مگر وہ ان کی نافرمان ثابت ہوئیں۔ پس ان کو پاک شوہروں کی زوجیت نے کوئی فائدہ نہ دیا اور ان کو آگ میں داخل ہونے کا حکم مل گیا۔ یعنی بعض کفار نیکوں سے رشتہ رکھتے ہیں مگر جب تک ایمان اور اعمال درست نہ ہوں یہ رشتہ کوئی فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا۔

بعض مومن مثیل امرأۃ فرعون اور مثیل مریم ہیں۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ
فِرْعَوْنَ م اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا
فِی الْجَنَّۃِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ
مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ
الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا فَنَفَخْنَا فِیْہِ مِنْ رُّوْحِنَا
وَصَدَّقَتْ بِکَلِمٰتِ رَبِّھَا وَکُتُبِہٖ وَکَانَتْ
مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ۝ (سورۃ التحریم آیت ۱۱-۱۲)

یعنی بعض مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے مثیل زوجہ فرعون اور بعض کو مثیل مریم بنت عمران قرار دیا ہے۔ زوجہ فرعون نے فرعون کے ماتحت ہو کر کہا کہ اے میرے رب میرے واسطے اپنے پاس جنت میں مکان عطا کر اور مجھے فرعون اور اس کے اعمال بد سے نجات دے اور اس ظالم قوم سے دور رکھ۔ گویا کافر کے گھر میں مومنہ ہو کر قائم رہی۔ مریم دختر عمران وہ پاک عورت ہے جس نے اپنے تمام سوراخوں کی حفاظت کی۔ ہم نے اس مثیل مریم میں اپنی پاک روح داخل کی وہ اپنے رب کے کلام اور اس کی کتب کی تصدیق کرتی رہی اور وہ عاجزی کرنے والی تھی۔ گویا بعض حضرت مریمؑ کی طرح خود بھی پاک ہوتے ہیں۔ پاک لوگوں کے زیر سایہ پرورش پاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مثیل مریم میں اپنی روح داخل کرتا ہے اور وہ مثیل عیسیٰ بن مریمؑ ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت احمد قادیانی فرماتے ہیں کہ جب میں خدا کے

؎ الفرقان - فاضل مضمون نگار نے فیہ کی ضمیر کا مرجع لفظ مثلاً کو قرار دیکر یہ ترجمہ کیا ہے۔ عام ترجمہ میں مرجع لفظ فرج کو قرار دیا جاتا ہے۔

نزدیک مثیل مریم مومن ثابت ہؤا تو اُس نے اپنی رُوح میرے اندر پھونکی جس سے مَیں مثیل مریم سے مثیل ابن مریم ہوگیا۔ الفاظ نَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا میں چونکہ مثیل مریم مردِ مومن ہوتا ہے اس واسطے وہی مردِ مومن ترقی پاکر مثیل ابن مریم بن گیا۔

حدیث بخاری کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم میں یہی ابن مریم مراد ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ ناصریؑ۔ اور الفاظ امامکم منکم اس کی وضاحت کرتا ہے۔

محترم علامہ تمنّا صاحب غلط راستہ پر قدم زن ہو کر سچائی کی تلاش میں مصروف ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال۔ نفس حدیث کے مضمون پر غور کرو نہ یہ کہ من قال کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاؤ۔

علامہ تمنّا صاحب کو تو صرف یہ خوشی ہے کہ ایک احمدی کو شکست دی جائے نہ یہ کہ حق کیا ہے۔ محترم تمنّا صاحب نے تحریر فرمایا کہ ہمارے مُلک میں ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بذریعہ الہام اور وحی اس کو اطلاع دی ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی احادیث کے اندر موعود عیسیٰ تم ہو (مفہوم) اور جن احادیث کی بناء پر یہ دعویٰ کیا ہے ان احادیث کی حقیقت یہ ہے کہ وہ محض بے بنیاد ہیں۔ پس حضرت احمد قادیانیؑ کا دعویٰ بناء الباطل علی الباطل ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ علامہ تمنّا صاحب نے محض سُنی سُنائی باتوں پر اس قدر تکلیف فرمائی ورنہ اگر وہ حقیقتِ حال سے واقف ہوتے تو ہرگز اس قدر سر درد گوارہ نہ فرماتے۔ پس مَیں ان کے مزید علم کی غرض سے تحریر کرتا ہوں کہ سیدنا حضرت احمد علیہ السلام قادیانی جو اُن کے ہم وطن ہونے کے باعث ان کے نزدیک اِس قابل نہیں کہ خدا تعالیٰ اُن کو شرفِ پسندیدگی عطا کرے اور اُن سے ہم کلام ہو اور اُن کو اصلاحِ خلق اللہ کے واسطے مبعوث فرمائے۔ مگر خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم میں، عنایات میں آزاد اور خود مختار ہے اور لوگوں کے خود ساختہ قواعد و قوانین کا پابند نہیں۔ نہ کوئی قرآن کریم کا مومن یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَةٌ کہہ سکتا ہے خدا تعالیٰ اپنے انتخاب میں آزاد اور مختار ہے بَلْ یَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ اُس نے حضرت احمدؑ کو اپنی وحی اور الہام سے مبعوث فرمایا ہے اور ہر نبی اور رسول کے دعویٰ کی بنیاد اس کی وحی ہوتی ہے یعنی خدا کا کلام ہوتا ہے۔ پس حضرت احمدؑ فرماتے ہیں:۔

"مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے دعویٰ کی بنیاد اوّل قرآن کریم پر ہے اور پھر میری وحی پر۔ میرے دعویٰ کی بنیاد ہرگز حدیث پر نہیں۔۔۔۔ ہم احادیث کو صرف بطور تائید دعویٰ پیش کرتے ہیں۔" (اعجاز احمدی ص۳)

احادیث کا مرتبہ صرف ظن کا ہے خواہ وہ احادیث صحیح بخاری کی ہوں یا صحیح مسلم کی اور نبی کے دعویٰ کی بنیاد ظن نہیں بلکہ یقین ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئًا۔

حضرت احمد علیہ السلام نے اپنے دعویٰ کی تائید میں صرف کتاب اللہ قرآن کو پیش کیا ہے۔ (دیکھو ان کی کتاب شہادۃ القرآن علی نزول المسیح فی آخر الزمان)

سُنّت اللہ تبدیل نہیں ہوتی

قرآن کریم یعنی کلام اللہ میں سُنّت اللہ یہی مذکور ہے کہ اصلاح خلق اللہ ہمیشہ سے نبی اور رسول کرتے آئے ہیں۔ اور یہ سُنّت اللہ تا قیامت جاری اور ساری ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔

قرآن کریم میں ہرگز ہرگز ایک حرف تک مذکور نہیں کہ

(۱) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا تعالیٰ کی صفت تکلم باطل ہو گئی ہے۔ اور خدا تعالیٰ آئندہ کسی سے ہمکلام نہ ہوگا خواہ وہ اُمّتِ محمّدیہ کا ہی کوئی فرد ہو۔ بلکہ سلسلۂ کلام کو تا قیامت باقی فرمایا ہے مگر اس کے واسطے ایمان صحیح اور عمل صالح کی ضرورت ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ نے ہرگز ہرگز نہیں فرمایا کہ حضرت محمّدؐ خاتم النبیینؐ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہ ہوگا بلکہ ان کے ہونے کا سلسلہ بدستور رہے گا صرف آنے والے کے واسطے ایمان باللہ اور اطاعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرط ہے۔

بابِ نبوّت و وحی مفتوح ہے

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ اور رسولوں کی بعثت۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اور اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اور يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (سورہ اعراف) گواہ ہیں۔ یاد رہے کہ محترم تمنا صاحب بھی بنی آدم میں داخل ہیں۔

وحی و نبوّت کے واسطے اتباعِ محمد رسول اللہ شرط ہے

ہاں یہ نبی اور رسول اُمّتِ محمّدیہ میں خلفاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ...... الخ میں لفظ مِنْكُمْ پر غور کریں۔

صحیح بخاری کی حدیث کہ اُمّتِ موسویہ میں کلما ھلک نبیٌ خلفہ نبیٌ وسیکون بعدی خلفاء کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد اُمّتِ موسویہ کی اصلاح کے واسطے نبی کی وفات کے بعد نبی مبعوث ہوتا تھا جو مقامِ نبوت اتباعِ موسیٰؑ سے نہیں بلکہ براہِ راست حاصل کرتا تھا مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ نبی ہوں گے جو حضرت خاتم النبیین کی اطاعت اور اتباع سے اُمّتی ہو کر نبی اور رسول ہوں گے کوئی غیر مسلم نبی نہ ہو سکیگا۔

بابِ نبوّت کو مسدود کہنا خلافِ قرآن ہے

ہاں قرآن کریم نے بعض مخالفینِ حق کا عقیدہ یہ بتایا ہے کہ وہ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا اور لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا اور يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ کہکر حضرت یوسف اور حضرت موسیٰؑ پر انقطاعِ وحی اور نبوت کے قائل تھے۔ اور مسلمانوں کو ہوشیار کیا گیا کہ وہ کہیں یہ عقیدہ اختیار کر کے غلط راہ پر چل کر ....

.... ہر رسول کا جو حضرت مثیل موسیٰؑ کے بعد آئے منکر نہ بن جایا کریں۔ اور وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ میں نصیحت

موجود ہے۔

عالم اپنے خیال سے علم قرآن کا اظہار کرتا ہے

اگر قرآن کریم کے واسطے صرف علماء کا وجود کافی سمجھا جائے جیسا کہ مولوی عبد اللہ چکڑالوی، سید ابو الاعلیٰ مودودی اور مولوی پرویز صاحب ہیں تو حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے علماء اور فریسی کیوں انکار رسول پر قابلِ ملامت ہیں؟ کیوں ان کو مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الْحِمَارِ کہا گیا؟

خدا کے کلام کا صحیح علم خدا کے شاگردوں کو حاصل ہوتا ہے

قرآن کریم کا بادیک علم و عرفان خدا کے شاگرد کو حاصل ہوتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اور عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ خدا کی باتوں کو خدا کا نبی اور رسول سمجھنے کا زیادہ حقدار ہے۔

ہر مدّعیٔ نبوّت کو مفتری قرار دینا

آپ اپنے نفسانی جوش کے ماتحت خدا کے نبی اور رسول کو مفتری علی اللہ، مجنون اور مسحور کہہ کر حق بجانب نہیں ہو سکتے یہ صرف اپنے دل کا غبار نکالنا ہے۔ مجنون اور مسحور مدلل اور معقول کلام اور نکاتِ معرفت بیان نہیں کر سکتا اور نہ مفتری علی اللہ خدا پر تقوّل اور افترا کر کے سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ نبوت تیئیس ۲۳ سالہ زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ ورنہ آپ کوئی مفتری علی اللہ پیش کریں کہ اُس نے دعویٔ نبوت یا وحی کیا ہو اور وہ مسلسل مدعی رہا ہو اور تیئیس سال اس دعویٰ میں گذار کر کامیاب ہو کر مرا ہو۔ خدا تعالیٰ نے اس کو بوجہ افترا علی اللہ ہلاک نہ کر دیا ہو۔ یہ ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔

حضرت احمدؑ مفتری علی اللہ نہ تھے

حضرت احمد علیہ السلام زمانہ دعویٰ وحی و الہام سے جو چالیس سال کی عمر میں قریباً سنہ ۱۲۹۰ھ میں کیا اور سنہ ۱۳۲۶ھ تک ۳۶ سال زندہ رہ کر ایک کامیاب جماعت چھوڑ کر فوت ہوئے اور عربی زبان میں فصیح و بلیغ کتب تحریر کر کے وفات پائی اور کوئی عرب یا عجم اُن کے جواب پر قادر نہ ہو سکا۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ بہتوں نے لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ کہا مگر عملاً کر نہ سکے۔ یہ محض خدائی تصرف تھا۔

بعض مُلاؤں نے عربی کتب پر اسی طرح نکتہ چینی کی جس طرح پادریوں نے قرآن کریم پر کی ہے، دیکھو ینابیع القرآن گواہ ہے مگر کیا اس سے قرآن کریم کا مطالبہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ پورا ہو گیا؟ ہرگز نہیں۔

حضرت احمدؑ اپنے بعد ایک قابلِ رشک فعال جماعت چھوڑ گئے جو ہر سال لاکھوں روپے خدمت دین، اشاعتِ قرآن اور تبلیغِ اسلام کے واسطے خرچ کرتی ہے اور خوشی محسوس کرتی ہے۔ کیا ایسی جماعت کی کوئی نظیر مسلمانوں میں ہے؟

ضروری اعلان

نیوز پرنٹ کا کوٹہ ملنے کی وجہ سے آئندہ رسالہ کے صفحات کی تعداد اور حجم میں اضافہ ہو جائے گا — انشاء اللہ۔

(مینجر)

مكيدة فرعونية دبرها فاروق مصر في الخفاء

حقيقة فتوى المفتى المصرى ضد الوزير ظفرالله خان

ـ ألف الاستاذ احمد بهاءالدين المصرى كتاباً و سماه (فاروق ملكا) وقد ذكر فى الكتاب الاسباب والدواعى التى دعت الشعب المصرى الى عزل (الملك) فاروق و طرده خارج مصر و قال فى خاتمة البيان ما نصه :—

''و كانت آخر ماسيه مع دولة الباكستان و وزير خارجيتها ظفرالله خان ـ والسيد ظفرالله خان معروف بجرأته و صراحته، و قد كان ماراً بالقاهرة فى طريقه الى بلاده (تشرف) بمقابلة الملك وكان الرجل قد عاش فى الخارج زمنا طويلا، وقرأمن فضائح فاروق و مهازله ما يسئى اليه والى مصر والى بلاد الشرق كلها وقال الرجل لفاروق بلباقة مؤلمة: ان بلادالعالم الاسلامى محط أنظار العالم اجمع و ان اعداءها الكثيرين يتربصون بها و يحصون عليها الأخطاء و ان هذا الموقف يلزم رؤساء الدول الاسلاميه بأن يراعوا فى سلوكهم تقاليد الاسلام وأن يتمسكوا بقواعده وأن تكون حياتهم المستقيمة قدوة لشعوبهم ودعاية أمام العالم اجمع

وفهم فاروق المقصود فنهض واقفا.... وانتهى المقابله ... و كتم الملك السابق غيظه و نقمته على الوزير الصريح .... و بات يتربص به و يتربص معه الشيخ مخلوف مفتى الديار المصريه أو بالاحرى مفتى القصور الملكيه

و انتهز الشيخ مخلوف الفرصة، و أدلى بحديث عجب : قال فيه ان ظفرالله خان من طائفة القاديانية، وهى ملة كافرة و لم يقف عند ذلك حتى يبقى غرض الحديث مستورا بل استطرد يقول : ان على حكومة الباكستان و هى حكومة اسلامية أن تطرد من وزارة خارجيتها هذا الوزير الكافر!

و هكذا رد على قول ظفرالله خان انه لايجب أن يبقى على رأس دولة اسلاميه ملك فاسق !!

و ثارت الصحف فى مصر و الباكستان تحمل على المفتى المدفوع و أقسم الهلالى وكان رئيسا للوزارة ليعزلنه من منصبه جزاء رعونته و لكن الهلالى لم يلبث أن تبين الامر و عرف أن الملك لا يقبل أبدا أن تمس شعرة من رأس مخلوف. هذه الرأس التى تخرج له الفتاوى والتحليلات !!) صفحه ۴۲-۴۳

ملاحظة : ان الاستاد احمد بهاء الدين كاتب شهير من كتاب مصر و ان كتابه (فاروق ملكا) نشرته ادارة مجلة ''روزاليوسف'' الغراء التى تصدر فى القاهرة و طبع الكتاب فى أواخر سنة ۱۹۵۲

ترجمہ—''شاہ فاروق کی آخری برائی حکومت پاکستان اور پاکستان کے وزیر خارجہ ظفراللہ خان کے ساتھ تھی ـ واقعہ یوں ہوا کہ جناب چودھری ظفراللہ خان ایک دفعہ پاکستان واپس جاتے ہوئے قاہرہ سے گزرے ـ چودھری صاحب موصوف اپنی جرأت اور دلیری میں مشہور ہیں ـ قاہرہ میں انہیں شاہ فاروق سے ملنے کا اتفاق ہوا ـ چودھری صاحب نے بیرونی دنیا میں لمبا عرصہ گزارہ ہے ـ اور انہیں فاروق کی آن بد عنوانیوں اور فضولیات کے پڑھنے کا اکثر موقع ملا ہے جو خود شاہ فاروق،

ملک مصر، اور تمام مشرقی ممالک کے لئے بدنامی اور رسوائی کا موجب ھیں ۔ چنانچہ چودھری صاحب نے درد مندانہ سلیقہ کے ساتھ شاہ سے کہا کہ "ساری دنیا کی نظریں عالم اسلام پر ھیں ۔ اسلامی ملکوں کے بے شمار دشمن اُنکی تاک میں ھیں اُنکی لغزشوں کو دیکھنا چاھتے ھیں ۔ انحالات میں مسلم حکومتوں کے سربراھوں اور حکمرانوں کا اولین فرض ھے کہ اپنی زندگی میں اسلامی طریقوں کو اختیار کریں ۔ اور اُسکے قانون کی پابندی کریں ۔ تاکہ اُنکی اعلی اور عمدہ زندگی اُنکے اھل ملک کے لئے نمونہ ھو اور تمام دنیا کے سامنے اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ بنے" شاہ فاروق سمجھ گیا ۔ کہ چودھری صاحب کی کیا مراد ھے ۔ فوراً اُٹھ کھڑا ھوًا ۔ اور ملاقات ختم کردی ۔ فاروق نے وزیر خارجہ پاکستان کی اس جرأت پر اپنے غیظ و غضب کو چھپایا ۔ اور موقعہ کی تلاش میں رھا ۔ اور ساتھ ھی شیخ مخلوف موقعہ ڈھونڈتے رھے ۔ جو کہ مفتی الدیار المصریہ" کی بجائے صحیح طور پر شاھی محلات کے مفتی کہلانے کے مستحق تھے ۔

آخر شیخ مخلوف نے موقعہ پاکر اس سے فائدہ اُٹھایا اور ایک عجیب بیان شائع کردیا ۔ کہ ظفراللہ خان قادیانی ھے ۔ اور یہ لوگ کافر ھیں ۔ شیخ مذکور نے اسی پر بس نہ کی تاکہ اُسکے بیان کے مقصد پر کچھ تو پردہ پڑا رھتا ۔ بلکہ اسنے آگے چلکر یہ بھی کہ دیا کہ حکومت پاکستان چونکہ اسلامی حکومت ھے اسلئے اُسکا فرض ھے کہ اس کافر وزیر کو اپنی وزارت خارجہ سے نکال دے کیونکہ اسلامی سلطنت میں کافر وزیر کا باقی رھنا مناسب نہیں ۔ گویا اسطرح یہ کہکر شیخ مخلوف نے چودھری ظفراللہ خان کے اس قول کا جواب دیا کہ اسلامی سلطنت میں بدکار بادشاہ کی کوئی جگہ نہیں ۔

شیخ مخلوف (جنہیں آلہ کار بنایا گیا تھا) کے بیان پر مصر کے اور پاکستان کے اخبارات نے تردیدی حملے کئے اور اُسکی تغلیط کی ۔ ھلالی پاشانے جو ان دنوں مصر کے وزیر اعظم تھے قسم کھائی کہ شیخ مخلوف کی اس حماقت اور رعونت کی وجہ سے میں اُسے عہدہ افتاء سے معزول کردونگا لیکن انکو بہت جلد معلوم ھوگیا کہ سابق شاہ مصر فاروق تو شیخ مخلوف کے سر کا بال بیکا نہ ھونے دیگا ۔ کیونکہ یہی سر بادشاہ کے لئے حسب منشا فتوے اور جواز پیدا کرتا رھتا ھے ۔

(نوٹ) یہ اقتباس مصر کے مشہور مصنف احمد بہاءالدین کی کتاب (فاروق ملکا) سے لیا گیا ھے یہ کتاب مشہور رسالہ "روزالیوسف" القاھرہ کے مکتبہ نے اواخر ۱۹۵۲ میں شائع کی ھے ۔

سالانہ چندہ
پانچ روپے



قیمت فی پرچہ
آٹھ آنہ

طابع و ناشر ابوالعطاءؔ جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں طبع کراکر
دفتر الفرقان احمدنگر (ربوہ) سے شائع کیا